

سيرة النبي صلى الله عليه وسلم

تأليف: محمد باقر
مكتبة دار الفکر
طبعة ١٩٥٠

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَوْلَانِ

الزَّكِيَّةِ

الْأَعْوَى

الْحَمِيدِ

الْحَمِيدِ

الْمَلِكِ

الْقُدْرَةِ

السَّلَامِ

الْمُؤْمِنِ

الْمُهَيَّبِ

الْعَزِيزِ

الْبَرِّ

الْمُتَكَبِّرِ

الْمُنْفِرِ

الْبَارِئِ

الْمُضِيِّ

الْغَفَلِ

الْقَهْلِ

الْعَمَّابِ

الرَّزَاقِ

الْفَكْرِ

الْعَلِيمِ

الْقُضِّ

الْبَاطِئِ

الْقُضِّ

الرَّفْعِ

الْمُحَيِّئِ

الْحَكِيمِ

الْبَصِيرِ

السَّمِيعِ

الْمَلِكِ

الْعَالِمِ

الطَّيِّبِ

الْخَبِيرِ

الْعَلِيمِ

الْعَظِيمِ

الْغَفُورِ

الشَّكُورِ

الْعَلِيِّ

الْكَبِيرِ

الْحَفِيفِ

الْمُقْتَدِرِ

الْحَبِيبِ

الْجَلِيلِ

الْيَكْرَمِ

الْقَرِيبِ

الْمَجِيدِ

الْوَالِعِ

الْحَكِيمِ

الْوَرْدِ

الْمَجِيدِ

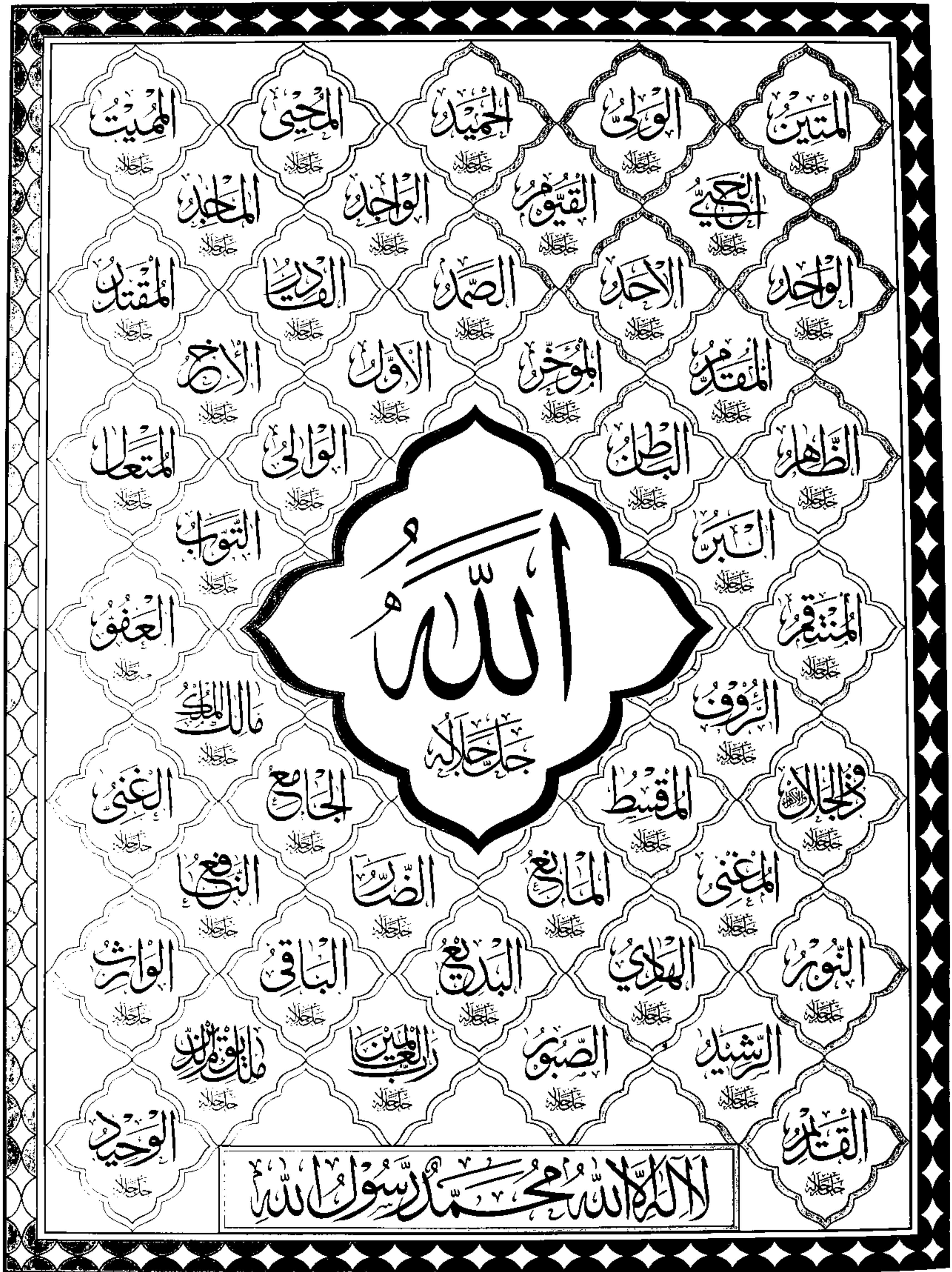
الْبَاقِ

الشَّهِيدِ

الْحَقِيقِ

الْوَكِيلِ

الْقَوِي



لا اله الا الله محمد رسول الله

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ و تفسیر کتاب کونانزل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید کاہل

۳۸۔ اردو بازار لاہور

ابن کثیر علیہ السلام کتاب تفسیر القرآن
اور منہ اپنے پر اس کتاب کو نازل کیا، جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تفسیر القرآن

صغیر

جلد سوم

المائدہ • الأنعام

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸

ناشر

فریدی ٹیکسٹائل، ۳۸- اردو بازار، لاہور - ۲

Copyright ©

All Rights reserved

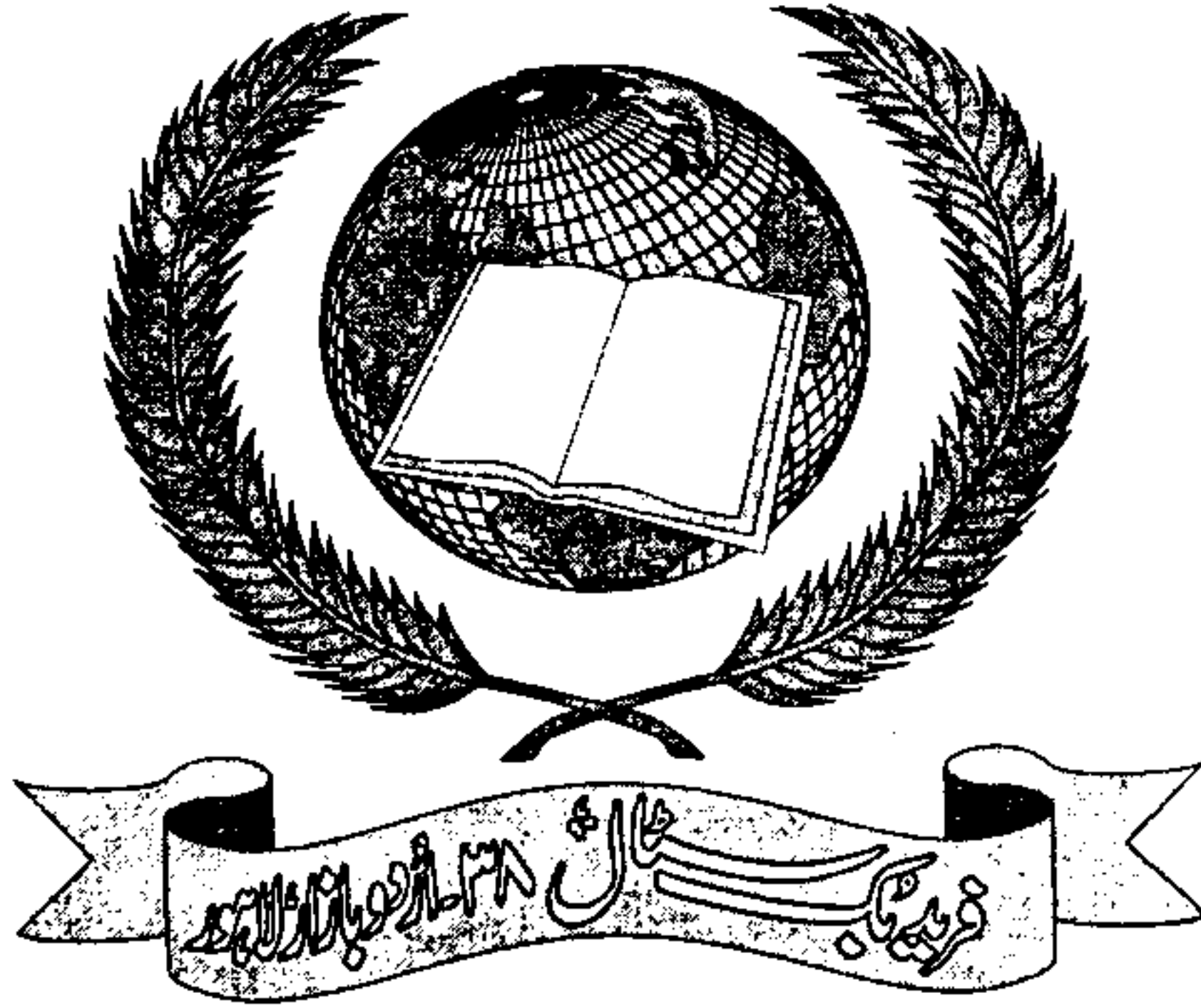
This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرا، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



ISBN 969-563-012-X



تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
مولانا قاری ظہور احمد فیضی
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : شوال 1420ھ / فروری 2000ء
الطبع الحادی عشر : ذوالحجہ 1434ھ / ستمبر 2013ء

Farid Book Stall

Phone No: 092-42-37312173-37123435

Fax No. 092-42-37224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۳۷۳۱۲۱۷۳۔۳۷۱۲۳۴۳۵

فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۳۷۲۲۴۸۹۹

ای۔میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۱	امر کا مقتضی وجوب ہونے پر دلائل	۱۷	۲۵	سورۃ المائدہ	۱
۴۲	ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق	۱۸	۲۷	نام	۲
۴۳	نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا	۱۹	۲۸	زمانہ نزول	۳
	نبی ﷺ کے افعال کے سنت مستحب اور	۲۰	۳۰	سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت	۴
۴۴	واجب ہونے کا ضابطہ		۳۰	سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ	۵
۴۶	کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟	۲۱		یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود	(۱-۲-۳)
۴۸	آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام	۲۲	۳۲		
	حرمت علیکم المیتۃ والدم و	۲۳	۳۳	عقود کا لغوی اور عرفی معنی	۶
۴۹	لحم الخنزیر (۳-۵-۷)		۳۳	عقود کا شرعی معنی	۷
۵۱	مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۲۴	۳۳	عقود کی اقسام	۸
۵۲	خون کے شرعی احکام	۲۵	۳۴	بہیمۃ الانعام کا معنی	۹
۵۲	خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان	۲۶	۳۵	جانوروں کے زبح کرنے پر اعتراض کا جواب	۱۰
	"ما اھل لغير اللہ بہ" کا معنی اور اس کے	۲۷	۳۶	شعار اللہ کا لغوی اور شرعی معنی	۱۱
۵۳	شرعی احکام		۳۶	حرمت والے بینوں، حدی اور قلائد کا بیان	۱۲
۵۴	المنخنقة کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۲۸	۳۷	آیت مذکورہ کا شان نزول	۱۳
۵۵	الم وقودۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۲۹		آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ	۱۴
۵۵	المرتدینۃ کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم	۳۰	۳۷	ہونے میں اختلاف	
۵۶	النطیحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۱	۳۸	صیغہ امر کے متعدد مواضع استعمال	۱۵
۵۶	جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو اس کا شرعی حکم	۳۲	۴۰	تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل	۱۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	۵۳	۵۶	"الاماذ کیتیم" کے مستثنیٰ منہ کا بیان	۳۳
۷۵	غلیل، کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم	۵۴	۵۷	نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۴
۷۷	بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق	۵۵	۵۷	ازلام کا معنی	۳۵
۷۹	بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل	۵۶	۵۹	نجومیوں، کمانوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت	۳۶
۸۰	بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل	۵۷	۵۹	کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت	۳۷
۸۰	بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر	۵۸	۶۰	استخارہ کرنے کا طریقہ	۳۸
۸۰	قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور	۵۹	۶۱	قرآن کی بناء پر مستقبل کے ظنی اور اک حاصل کرنے کا حکم	۳۹
۸۳	اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق	۶۰	۶۵	شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر	۴۰
۸۹	اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ	۶۱	۶۵	حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا	۴۱
۹۱	دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ	۶۲	۶۵	تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں	۴۲
۹۱	اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ	۶۳	۶۶	اسلام کا کامل دین ہونا اور ایمان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں	۴۳
۹۱	آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ	۶۴	۶۷	یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا	۴۴
۹۲	یا ایہا الذین امنوا اذ اقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا (۶)	۶۵	۶۷	یوم فاروق اعظم <small>رضی اللہ عنہ</small> پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ	۴۵
۹۳	آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت	۶۶	۷۱	عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا، مفتی نعیم ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت	۴۶
۹۳	آیت وضو کا شان نزول	۶۷	۷۲	عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا، مفتی نعیم ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت	۴۷
۹۳	آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان	۶۸	۷۳	زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول	۴۸
۹۵	شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث	۶۹	۷۳	شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام	۴۹
۹۶	وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۷۰	۷۳	شکار کی شرائط کا بیان	۵۰
۹۸				شکار کرنے والے جانوروں کا بیان	۵۱
				شکاری کتے کے معلّم (سدھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط	۵۲

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۷	حل لغات	۹۳	۹۹	ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز	۷۱
۱۲۷	بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان	۹۴	۱۰۰	وضو کے متفق علیہ فرائض	۷۲
	بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں	۹۵	۱۰۰	سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ	۷۳
۱۲۸	ہوگی، خواہ نیک عمل کیے ہوں		۱۰۲	پیروں کے دھونے پر دلائل	۷۴
۱۲۹	تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات	۹۶		پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات	۷۵
۱۳۱	استخراج مسائل	۹۷	۱۰۳	کے جوابات	
	یاہل الکتاب قد جاء کم	۹۸	۱۰۴	وضو کے مختلف فیہ فرائض	۷۶
۱۳۱	رسولنا یبین لکم (۱۷-۱۵۰)		۱۰۵	وضو کی سنتیں	۷۷
	رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق	۹۹	۱۰۸	وضو کے مستحبات	۷۸
۱۳۲	علماء کے نظریات		۱۰۹	وضو کے آداب	۷۹
۱۳۳	نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل	۱۰۰	۱۰۹	وضو توڑنے والے امور	۸۰
۱۳۷	نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر دلائل	۱۰۱	۱۱۳	تیمم کی شرط، طریقہ اور دیگر احکام	۸۱
۱۳۹	قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد	۱۰۲		واذ کروا نعمۃ اللہ علیکم و	۸۲
۱۴۰	حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد	۱۰۳	۱۱۴	میشاقہ (۱۱-۷)	
	وقالت الیہود والنصارى نحن	۱۰۴	۱۱۶	اللہ کی نعمت اور اس کے عہد و میثاق کا معنی	۸۳
۱۴۱	ابناء اللہ و احباءہ (۱۹-۱۸)		۱۱۷	صحیح اور ہی شہادت کی اہمیت	۸۴
	یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور	۱۰۵		ثاہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور	۸۵
۱۴۱	اس کے محبوب ہیں		۱۱۸	بحث و نظر	
۱۴۲	فترت کالغوی اور اصطلاحی معنی	۱۰۶	۱۱۹	شہادت کی تعریف	۸۶
۱۴۳	حضرت آدم سے لیکر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ	۱۰۷		ثاہل شخص کو روٹ دینے کا عدم جواز اور	۸۷
	واذ قال موسیٰ لقومہ یقوم اذ کروا	۱۰۸	۱۲۰	بحث و نظر	
۱۴۳	نعمۃ اللہ علیکم (۲۶-۲۰)		۱۲۲	طلب منصب کی تحقیق	۸۸
۱۴۵	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۰۹	۱۲۳	موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا	۸۹
۱۴۵	بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان	۱۱۰		امیدوار کے لیے شرائط الہیت نہ ہونے کے	۹۰
۱۴۶	بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان	۱۱۱	۱۲۳	غلط نتائج	
۱۴۶	بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا	۱۱۲		ولقد اخذ اللہ میثاق بنی	۹۱
۱۴۶	ارض مقدسہ کا مصداق	۱۱۳	۱۲۵	اسرائیل (۱۳-۱۲)	
۱۴۷	جبارین کا بیان	۱۱۴	۱۲۶	سابقہ آیات سے ارتباط	۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۵	فادھب انت وربك في بنو اسرائيل کے کفر اور فسق کی وجوہات	۱۳۸	۱۳۶	مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا	۱۲۳
۱۱۶	میدان تیر میں بنو اسرائیل کا بھٹکانا	۱۳۹	۱۳۷	مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا	۱۲۵
۱۱۷	حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا	۱۳۹	۱۳۸	مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا	۱۲۵
۱۱۸	نبی ﷺ کا سورج کو لوٹانا	۱۵۰	۱۳۹	حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۱۲۶
۱۱۹	حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق	۱۵۱	۱۴۰	حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب	۱۲۷
۱۲۰	واتل علیہم نبا بنی ادم بالحق (۳۱.....۴۷)	۱۵۲	۱۴۱	حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۱۲۸
۱۲۱	ربط آیات اور مناسبت	۱۵۳	۱۴۲	حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق	۱۲۹
۱۲۲	قائیل کے ہانبل کو قتل کرنے کی تفصیل	۱۵۳	۱۴۳	یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (۳۰.....۳۵)	۱۳۰
۱۲۳	ہانبل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے	۱۵۵	۱۴۴	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۳۱
۱۲۴	قائیل کے قتل کرنے کی کیفیت	۱۵۶	۱۴۵	وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب	۱۳۱
۱۲۵	ہرنیک اور بد کام کے ایجاد کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے	۱۵۶	۱۴۶	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواب	۱۳۱
۱۲۶	قائیل کا انجام	۱۵۷	۱۴۷	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث	۱۳۳
۱۲۷	من اجل ذلك کننا علی بنی اسرائیل (۳۲.....۳۴)	۱۵۸	۱۴۸	وسیلہ بہ معنی درجہ جنت	۱۳۳
۱۲۸	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۵۹	۱۴۹	دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق	۱۳۴
۱۲۹	ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہوگا؟	۱۶۰	۱۵۰	دعاء اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق	۱۳۵
۱۳۰	شان نزول	۱۶۱	۱۵۱	وسیلہ بہ معنی مرشد کامل	۱۳۶
۱۳۱	حرا بہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی	۱۶۲	۱۵۲	آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟	۱۳۶
۱۳۲	ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف	۱۶۲	۱۵۳	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۳۷
۱۳۳	ڈاکہ کا رکن	۱۶۲	۱۵۴	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۳۷
۱۳۴	ڈاکہ کی شرائط	۱۶۲	۱۵۵	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۳۷
۱۳۵	ڈاکہ کے جرم کی تفصیل	۱۶۳	۱۵۶	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۳۷

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۰۰	قصاص کے حکم کا شان نزول	۱۷۸	۱۸۰	سرقہ کا لغوی معنی	۱۵۴
	ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں	۱۷۹	۱۸۰	سرقہ کا اصطلاحی معنی	۱۵۵
۲۰۰	مذہب فقہاء		۱۸۰	شان نزول	۱۵۶
۲۰۱	تورات میں قرآن مجید کی صداقت	۱۸۰	۱۸۰	جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے	۱۵۷
۲۰۱	اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذہب اربعہ	۱۸۱	۱۸۱	چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت	۱۵۸
۲۰۲	بدلہ نہ لینے کی فضیلت	۱۸۲	۱۸۱	حجیت حدیث پر دلیل	۱۵۹
	وقفینا علی اثارہم بعیسی ابن	۱۸۳	۱۸۱	حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ	۱۶۰
۲۰۳	مریم (۵۰-۴۶)		۱۸۲	حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ	۱۶۱
۲۰۵	آیات سابقہ سے ارتباط	۱۸۳	۱۸۳	حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ	۱۶۲
۲۰۵	نزل قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ	۱۸۵		حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور	۱۶۳
۲۰۶	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا	۱۸۶	۱۸۳	ائمہ ثلاثہ کے جوابات	
۲۰۶	شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت	۱۸۷	۱۸۵	مذہب احناف کے ثبوت میں احادیث	۱۶۴
۲۰۷	شان نزول	۱۸۸	۱۸۶	کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے؟	۱۶۵
	یا ایہا الذین امنوا لاتخذوا	۱۸۹	۱۸۷	جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا	۱۶۶
۲۰۸	الیہود (۵۶-۵۱)		۱۸۷	یا ایہا الرسول لا یحزنک الذین	۱۶۷
۲۰۹	شان نزول	۱۹۰	۱۸۹	یسار عون فی الکفر (۴۳-۴۱)	
	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں	۱۹۱	۱۹۱	یہود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا	۱۶۸
۲۱۰	قرآن مجید کی آیات		۱۹۱	نبی ﷺ کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا	۱۶۹
	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث	۱۹۲	۱۹۲	یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا	۱۷۰
۲۱۰	اور آثار		۱۹۳	سحت کا معنی اور اس کا حکم	۱۷۱
	کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے	۱۹۳	۱۹۳	رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم	۱۷۲
۲۱۲	بہانوں کا بطلان			اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق	۱۷۳
۲۱۳	عمد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان	۱۹۴	۱۹۵	ائمہ اربعہ کا نظریہ	
۲۱۳	اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال	۱۹۵	۱۹۷	موجودہ تورات میں آیت رجم	۱۷۴
۲۱۵	حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل	۱۹۶		انا انزلنا التورۃ فیہا ہدی ونور	۱۷۵
۲۱۷	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے فضائل	۱۹۷	۱۹۷	(۴۴-۴۵)	
۲۱۹	حضرت ابو بکر کے فضائل میں موضوع احادیث	۱۹۸	۱۹۸	شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا	۱۷۶
۲۲۰	آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال	۱۹۹	۱۹۹	قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا	۱۷۷

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۴۱	گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی	۲۴۱	حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل	۲۰۰
۲۴۲	یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (۶۲-۶۷)	۲۴۲	علماء شیعہ کی دلیل کا جواب	۲۰۱
۲۴۳	ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟	۲۴۳	یا ایہا الذین امنوا لاتخذوا	۲۰۲
۲۴۴	تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث	۲۴۴	(۵۷-۶۱)	
۲۴۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب	۲۴۵	مناسبت اور شان نزول	۲۰۳
۲۴۶	آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟	۲۴۶	یسود و نصاریٰ اور بیت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح	۲۰۴
۲۴۷	نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں	۲۴۷	ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب	۲۰۵
۲۴۸	وہ علم جسکو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے	۲۴۸	مناسبت اور شان نزول	۲۰۶
۲۴۹	وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے	۲۴۹	ابتداء اذان کی کیفیت	۲۰۷
۲۵۰	وہ علم جس کا انشاء آپ پر واجب ہے	۲۵۰	کلمات اذان میں مذاہب ائمہ	۲۰۸
۲۵۱	شان نزول	۲۵۱	حضرت ابو محذورہ کی روایت کا محل	۲۰۹
۲۵۲	یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا	۲۵۲	کلمات اقامت میں مذاہب ائمہ	۲۱۰
۲۵۳	نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا	۲۵۳	اذان کا جواب	۲۱۱
۲۵۴	الصائبون کے رفیعی حالت میں ہونے کی توجیہ	۲۵۴	دعا بعد الاذان	۲۱۲
۲۵۵	کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟	۲۵۵	اذان کی فضیلت میں احادیث	۲۱۳
۲۵۶	فتنہ کے معنی	۲۵۶	مناسبت اور شان نزول	۲۱۴
۲۵۷	بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبار اندھا اور بہرا ہونا	۲۵۷	آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات	۲۱۵
۲۵۸	عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد	۲۵۸	وتری کثیرا منہم یسار عون فی الاثم (۶۱-۶۲)	۲۱۶
۲۵۹	لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة (۷۷-۷۸)	۲۵۹	نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت	۲۱۷
۲۶۰	ثالث ثلاثة (۷۷-۷۸)	۲۶۰	نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث	۲۱۸
			مناسبت اور شان نزول	۲۱۹
			ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی	۲۲۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۸۱	امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۵۸	۲۶۱	حقد میں اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد	۲۳۰
۲۸۱	امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۵۹	۲۶۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدانہ ہونے پر دلائل	۲۳۱
۲۸۱	امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۶۰	۲۶۳	حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل	۲۳۲
۲۸۱	امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۶۱	۲۶۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاروں سے ان کے خدانہ ہونے پر استدلال	۲۳۳
۲۸۲	یہودی سے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" اس میں مفتی بہ قول	۲۶۲	۲۶۵	غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں	۲۳۴
۲۸۲	افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے	۲۶۳	۲۶۶	لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل (۸۲-۸۸)	۲۳۵
۲۸۵	مناسبت اور شان نزول	۲۶۴	۲۶۷	تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان	۲۳۶
۲۸۶	یمین کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۶۵	۲۶۸	نجاشی کا اسلام لانا	۲۳۷
۲۸۷	قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت	۲۶۶	۲۶۹	مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا	۲۳۸
۲۸۸	جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز	۲۶۷	۲۷۰	حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا	۲۳۹
۲۸۹	فی نفسہ قسموں کی اقسام	۲۶۸	۲۷۱	کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا	۲۴۰
۲۹۰	اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات	۲۶۹	۲۷۲	واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم (۸۶-۸۳)	۲۴۱
۲۹۱	قسم کھانے کا طریقہ	۲۷۰	۲۷۳	شان نزول	۲۴۲
۲۹۱	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق	۲۷۱	۲۷۴	یا ایہا الذین امنوا لاتحرموا طیب ما احل اللہ لکم (۸۹-۸۷)	۲۴۳
۲۹۲	یمین لغوی تعریف	۲۷۲	۲۷۵	حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت	۲۴۴
۲۹۳	یمین منعقدہ کی تعریف	۲۷۳	۲۷۶	عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث	۲۴۵
۲۹۳	یمین غموس کی تعریف	۲۷۴	۲۷۷	اسلام معتدل، سہل اور دین فطرت ہے	۲۴۶
۲۹۳	کفارہ قسم کی مشروعیت	۲۷۵	۲۷۸	آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۷
۲۹۳	کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ	۲۷۶	۲۷۹		
۲۹۳	یا ایہا الذین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب (۹۳-۹۰)	۲۷۷	۲۸۰		
۲۹۵		۲۷۸	۲۸۰		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۱۵	شان نزول اور مناسبت	۳۰۱	۲۹۶	مشکل الفاظ کے معنی	۲۷۸
۳۱۵	"تا کہ اللہ یہ جان لے" کی توجیہات	۳۰۲	۲۹۷	شراب کی تحریم کے متعلق احادیث	۲۷۹
۳۱۶	حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا	۳۰۳	۲۹۸	خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء	۲۸۰
۳۱۶	خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء	۳۰۴	۲۹۹	خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا	۲۸۱
۳۱۷	کھیتوں کے کوئے کے علاوہ ہر کوئے کو قتل کرنے کا حکم	۳۰۵	۲۹۹	جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو، اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز	۲۸۲
۳۱۷	تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت	۳۰۶	۲۹۹	جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل	۲۸۳
۳۱۸	محرم عمد ا قتل کرے یا خطا ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب	۳۰۷	۳۰۰	انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم	۲۸۴
۳۱۸	شکار کی تعریف	۳۰۸	۳۰۰	شراب نوشی پر وعید کی احادیث	۲۸۵
۳۱۸	شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ	۳۰۹	۳۰۲	خمر کی حد کا بیان	۲۸۶
۳۲۰	شکار کی جزاء میں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟	۳۱۰	۳۰۲	بھنگ اور افیون کا شرعی حکم	۲۸۷
۳۲۱	جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟	۳۱۱	۳۰۵	سکون آور دواؤں کا شرعی حکم	۲۸۸
۳۲۲	طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے شہر میں بھی جائز ہے؟	۳۱۲	۳۰۵	تسبا کو نوشی کا شرعی حکم	۲۸۹
۳۲۲	دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟	۳۱۳	۳۰۵	جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان	۲۹۰
۳۲۲	اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے؟	۳۱۴	۳۰۶	معمر، لٹاری اور سٹ کا شرعی حکم	۲۹۱
۳۲۳	سندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ	۳۱۵	۳۰۶	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر	۲۹۲
۳۲۳	شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث	۳۱۶	۳۰۷	چوسرا اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء	۲۹۳
۳۲۳			۳۰۸	کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت	۲۹۴
			۳۰۹	شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں	۲۹۵
			۳۱۰	انصاب اور ازلام کی تفسیر	۲۹۶
			۳۱۲	شان نزول کا بیان	۲۹۷
			۳۱۲	تحریم خمر کی تاریخ	۲۹۸
			۳۱۳	اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات	۲۹۹
			۳۱۳	یا ایہا الذین امنوا الیبلونکم اللہ بششی (۹۶-۹۳)	۳۰۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۳۸	البحیرہ کا معنی	۳۳۳		محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق	۳۱۷
۳۳۸	السائبہ کا معنی	۳۳۵	۳۲۵	مذہب ائمہ	
۳۳۹	الومیدہ کا معنی	۳۳۶		محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں	۳۱۸
۳۳۹	الحامی کا معنی	۳۳۷	۳۲۵	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	
۳۳۹	بحیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث	۳۳۸		جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام	۳۱۹
	ایصال ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور	۳۳۹	۳۲۷	قیمم للناس (۱۰۰-۹۷)	
۳۴۰	طیب ہونا		۳۲۷	مشکل الفاظ کے معنی	۳۲۰
۳۴۱	بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا	۳۴۰	۳۲۸	مناسبت	۳۲۱
۳۴۱	تقلید مذموم اور تقلید محمود	۳۴۱		کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور	۳۲۲
	یا ایہا الذین امنوا علیکم	۳۴۲	۳۲۸	مقوم ہونا	
۳۴۲	انفسکم لا یضرکم (۱۰۸-۱۰۵)			کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض رسالت میں	۳۲۳
۳۴۳	مناسبت اور شان نزول	۳۴۳	۳۲۹	سے نہیں ہے	
	نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا	۳۴۴		اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بدکاروں کا برابر	۳۲۴
۳۴۴	ضروری ہونا		۳۲۹	نہ ہونا	
	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے	۳۴۵		یا ایہا الذین امنوا اتسلطوا عن	۳۲۵
۳۴۴	متعلق احادیث		۳۳۰	اشیاء ان تبدلکم (۱۰۳-۱۰۱)	
	سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے	۳۴۶		نبی ﷺ سے سوالات کرنے کی ممانعت کے	۳۲۶
۳۴۵	متعلق احادیث		۳۳۱	متعلق احادیث	
	سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ	۳۴۷	۳۳۲	آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات	۳۲۷
۳۴۶	بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل			آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت	۳۲۸
	سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے	۳۴۸	۳۳۳	کے محال	
۳۴۶	عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل			آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن	۳۲۹
	اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام	۳۴۹	۳۳۴	مجید کی آیات	
۳۴۷	ابو حنیفہ کے دلائل		۳۳۵	آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث	۳۳۰
	امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے	۳۵۰	۳۳۶	مشکل سوالات اور بھارت ڈالنے کی ممانعت	۳۳۱
۳۴۹	اعتراض کا جواب		۳۳۷	سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع	۳۳۲
	باگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے	۳۵۱		کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پھیلی	۳۳۳
۳۵۰	کا جواز		۳۳۷	امتوں کا ہلاک ہونا	

صفحہ	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	نمبر شمار
۳۶۶	نزل ماندہ کے فراموشی معجزہ کی توجیہات	۳۷۲	۳۵۲	شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا مسلم کو قید میں رکھنے کا جواز	۳۵۲
۳۶۷	عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر	۳۷۳	۳۵۰	بجروں کو قید میں رکھنے کا جواز	۳۵۳
۳۶۸	اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی	۳۷۴	۳۵۱	ماندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث	۳۵۴
۳۶۸	بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان	۳۷۵	۳۵۱	ماندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق	۳۵۵
۳۶۹	میلاد رسول ﷺ	۳۷۶	۳۵۲	مذہب ائمہ	۳۵۶
۳۶۹	محل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا	۳۷۷	۳۵۲	گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت	۳۵۷
۳۷۱	نزل ماندہ کی کیفیت کی تحقیق	۳۷۸	۳۵۳	قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت	۳۵۸
۳۷۲	دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم	۳۷۹	۳۵۳	مذہب	۳۵۹
۳۷۳	واذ قال اللہ یعیسیٰ ابن مریم	۳۸۰	۳۵۳	صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے	۳۶۰
۳۷۳	ء انت قلت (۱۲۰-۱۱۶)			مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ	۳۶۱
	اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے	۳۸۱	۳۵۵	یوم یجمع اللہ الرسل فیقول	۳۶۲
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی برأت کرنا	۳۸۲	۳۵۷	ماذا جنتم (۱۰۹-۱۱۱)	۳۶۳
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکال کا جواب	۳۸۳	۳۵۸	آیات سابقہ سے مناسبت	۳۶۴
	اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی	۳۸۴	۳۶۱	قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ "ہمیں کچھ علم نہیں"	۳۶۵
	العزیز الحکیم اور الغفور	۳۸۵	۳۶۱	اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ	۳۶۶
	الرحیم کافر	۳۸۶	۳۶۲	آیات سابقہ سے ارتباط	۳۶۷
	فساق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت	۳۸۷	۳۶۲	روح القدس کا معنی	۳۶۸
	بچ بولنے کا ماندہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟	۳۸۸	۳۶۳	حیات مسیح اور اگلے زمین پر نازل ہونے کی دلیل	۳۶۹
	اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام	۳۸۹	۳۶۳	کتاب حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی	۳۷۰
	شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ	۳۹۰	۳۶۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفاء دینا اور دیگر معجزات	۳۷۱
	تمام مضامین سورت کی دلیل	۳۹۱	۳۶۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں	۳۷۲
	اختتامی کلمات	۳۹۲	۳۶۵	اذ قال الحواریون یعیسیٰ ابن مریم هل یتطیع (۱۱۵-۱۱۳)	۳۷۳
			۳۶۶	مناسبت اور شان نزول	۳۷۴

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۰۰	کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت	۳۸۴	۳۸۳	سورۃ الانعام	
۳۰۱	نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا	۳۸۳	۳۸۶	سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث	۳۹۲
۳۰۲	قل سیروافی الارض ثم انظروا	۳۸۴	۳۸۶	سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث	۳۹۳
۳۰۳	کیف کان (۱۸-۱۱)	۳۸۵	۳۸۷	سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث	۳۹۴
۳۰۳	الوہیت رسالت اور قیامت پر دلیل	۳۸۵	۳۸۸	سورۃ الانعام کا موضوع	۳۹۵
۳۰۳	اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۳۸۶	۳۸۹	سورۃ الانعام کے مضامین	۳۹۶
۳۰۸	مغفرت، نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال	۳۸۷	۳۹۰	الحمد لله الذی خلق السموت والارض (۶-۱۰)	۳۹۷
۳۱۰	اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق حقیقی حاجت روا کار ساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے	۳۸۸	۳۹۲	حمد مدح اور شکر کا فرق	۳۹۸
۳۱۱	انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں	۳۸۹	۳۹۲	تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا	۳۹۹
۳۱۳	قل ای شیء اکر شہادۃ قل اللہ (۲۰-۱۹)	۳۸۹	۳۹۳	عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال	۴۰۰
۳۱۵	ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی	۳۹۰	۳۹۳	کفار کی احسان فراموشی	۴۰۱
۳۱۵	اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا	۳۹۱	۳۹۳	عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال	۴۰۲
۳۱۸	کفار کے اخروی نقصان کا معنی	۳۹۲	۳۹۵	دو اجلوں کی تفسیریں	۴۰۳
۳۱۹	ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا (۲۶-۲۱)	۳۹۳	۳۹۶	اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل	۴۰۴
۳۲۰	یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل	۳۹۴	۳۹۷	کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر یا رسول کی مذمت	۴۰۵
			۳۹۸	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۴۰۶
			۳۹۸	قرن کی تحقیق	۴۰۷
			۳۹۸	بعض سوالوں کے جوابات	۴۰۸
			۳۹۹	ولونزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوه (۱۰-۷)	۴۰۹
			۳۹۹	ربط آیات اور شان نزول	۴۱۰
			۴۰۰	کفار کے انکار کا حقیقی سبب	۴۱۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر بیڑھی	۴۴۹	۴۴۰	روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور نامرادی	۴۴۷
۴۴۶	لگانے کے معانی اور توجیہات		۴۴۲	شان نزول	۴۴۸
۴۴۷	معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟	۴۵۰		کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات	۴۴۹
۴۴۸	جبراً ہدایت نہ دینے کی حکمت	۴۵۱	۴۴۳	ایمان ابو طالب کی تحقیق	۴۳۰
۴۴۸	کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ	۴۵۲	۴۴۳	ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث	۴۳۱
۴۴۹	کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب	۴۵۳	۴۴۵	ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تفریحات	۴۳۲
	ومامن دابہ فی الارض ولا طییر	۴۵۴		ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مصنف کا نظریہ	۴۳۳
۴۵۰	یطیر (۳۱-۳۸)		۴۴۷	ولوتیری اذوقفوا علی النار فقالوا یلیتنا (۳۰-۳۷)	۴۳۴
۴۵۱	آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط	۴۵۵	۴۴۹	قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت	۴۳۵
	جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث	۴۵۶	۴۴۹	قد خسرا الذین کذبوا بقاء اللہ	۴۳۶
۴۵۱	کی وجوہ		۴۴۹	(۳۱-۳۷)	
۴۵۲	رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل	۴۵۸	۴۴۱	منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان	۴۳۷
۴۵۳	لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے	۴۵۹	۴۴۳	روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ	۴۳۸
۴۵۴	قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے	۴۶۰	۴۴۳	آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط	۴۳۹
۴۵۴	سنت کی حجیت پر دلائل	۴۶۱	۴۴۵	دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی وجوہات	۴۴۰
۴۵۶	آثار صحابہ کی حجیت پر دلائل	۴۶۲	۴۴۶	دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث	۴۴۱
۴۵۶	اجماع کی حجیت پر دلائل	۴۶۳		نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان	۴۴۲
۴۵۷	قیاس کی حجیت پر دلائل	۴۶۴	۴۴۸	دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے	۴۴۳
۴۵۸	قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل	۴۶۵	۴۴۰	لہو و لعب کے معنی کی تحقیق	۴۴۴
	قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل	۴۶۶	۴۴۱	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام	۴۴۵
۴۵۹	قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ	۴۶۷	۴۴۲	شان نزول اور مناسبت	۴۴۶
	اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ	۴۶۸	۴۴۳	نبی ﷺ کی تسلی کی آیات	۴۴۷
۴۶۳			۴۴۵	شان نزول	۴۴۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۶۹	مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے	۳۸۷	۳۶۵	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب	۳۷۸
۳۷۰	ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنہم (۴۲-۵۰)	۳۸۸	۳۶۶	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد کے جواز کے قائلین	۳۷۹
۳۷۱	مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں	۳۹۰	۳۶۸	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین	۳۷۹
۳۷۲	گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے	۳۹۱	۳۶۸	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء	۳۸۰
۳۷۳	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۳۹۲	۳۷۰	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث	۳۸۱
۳۷۴	کافروں کے عمومی عذاب میں آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟	۳۹۳	۳۷۰	وانذربہ الذین یخافون ان یحشروا الی ربہم (۵۱-۵۵)	۳۸۳
۳۷۵	انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام	۳۹۴	۳۷۱	کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محمل	۳۸۳
۳۷۶	نہی منکر علیہ السلام سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی	۳۹۵	۳۷۲	مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت	۳۸۵
۳۷۷	نہی منکر علیہ السلام سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل	۳۹۶	۳۷۳	صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت	۳۸۶
۳۷۸	علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل	۳۹۷	۳۷۴	مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت	۳۸۶
۳۷۹	نہی منکر علیہ السلام کے لیے علم غیب کا ثبوت	۳۹۸	۳۷۵	نہی منکر علیہ السلام کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے	۳۸۷
۳۸۰	نہی منکر علیہ السلام پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز	۴۰۰	۳۷۶	نہی منکر علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض کا جواب	۳۸۷
۳۸۱	نہی منکر علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک	۵۰۱	۳۷۶	بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا	۳۸۹
۳۸۲	کیا نبی منکر علیہ السلام کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟	۵۰۲	۳۷۷	شان نزول میں متعدد اقوال	۳۹۰
۳۸۳	نہی منکر علیہ السلام کے اجتہاد پر دلائل	۵۰۳	۳۷۷	اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید	۳۹۰
۳۸۴	صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل	۵۰۴	۳۷۸	جمالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت	۳۹۱
۳۸۵	آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے	۵۰۴	۳۷۸	مجرموں کے طریقے کو بیان کرنے کی حکمت	۳۹۲
۳۸۶	اجتہاد کی تعریف				

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۰۹	قبض روح کی نسبت کی وضاحت	۵۲۳	۴۹۲	قل انی نہیت ان اعد الذین تدعون من دون اللہ (۶۰-۵۶)	۵۰۵
۵۱۰	موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت	۵۲۵	۴۹۳	بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا	۵۰۶
۵۱۱	اللہ تعالیٰ کے موٹی اور حق ہونے کا معنی	۵۲۶	۴۹۳	غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق	۵۰۷
۵۱۲	روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل	۵۲۷	۴۹۵	کفار کے مطالبے کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ	۵۰۸
۵۱۲	امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر	۵۲۸	۴۹۵	زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب	۵۰۹
۵۱۲	جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر	۵۲۹	۴۹۶	مفاتیح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش	۵۱۰
۵۱۲	قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان	۵۳۰	۴۹۷	مفاتیح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار	۵۱۱
۵۱۲	حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۳۱	۴۹۸	مفاتیح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات	۵۱۲
۵۱۷	حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث	۵۳۲	۴۹۸	آیاتی ^{میں} کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟	۵۱۳
۵۲۰	حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہؓ تابعین اور علماء کے نظریات	۵۳۳	۴۹۹	اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ^ﷺ کے علم میں فرق	۵۱۴
۵۲۱	نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا؟	۵۳۴	۵۰۰	لوح محفوظ کا بیان	۵۱۵
۵۲۱	حساب کو آسان کرنے کا طریقہ	۵۳۵	۵۰۱	نیند کا وفات صغریٰ ہونا	۵۱۶
۵۲۲	مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت	۵۳۶	۵۰۲	وہو القاهر فوق عباده ویرسل علیکم حفظہ (۶۷-۶۱)	۵۱۷
۵۲۲	اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام	۵۳۷	۵۰۳	اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی	۵۱۸
۵۲۳	امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرماتا	۵۳۸	۵۰۴	کراما کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض	۵۱۹
۵۲۳	فقہ کالغوی معنی اور اصطلاحی معنی	۵۳۹	۵۰۵	کراما کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیت	۵۲۰
۵۲۶	واذ ارایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنہم	۵۴۰	۵۰۶	کراما کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث	۵۲۱
۵۲۷	(۷۸-۷۰)	۵۴۱	۵۰۷	آیاد کی باتوں کو کراما کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟	۵۲۲
۵۲۸	دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت	۵۴۱	۵۰۸	اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں	۵۲۳

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۵۳	آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال	۵۵۹	۵۲۲	شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں	۵۲۲
۵۵۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تاریخ تھا نہ کہ آزر!	۵۶۰	۵۲۳	قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان	۵۲۳
۵۵۳	آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہنے کی توجیہ	۵۶۱	۵۲۴	نبی ﷺ کے سوا اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف	۵۲۴
۵۵۵	ہونے کی دلیل	۵۶۲	۵۲۵	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن، سنت اور آثار سے تصریحات	۵۲۵
۵۵۷	قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ	۵۶۳	۵۲۶	اہل بدعت کے صدق	۵۲۶
۵۵۸	نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل	۵۶۴	۵۲۷	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات	۵۲۷
۵۵۸	موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی	۵۶۵	۵۲۸	احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل	۵۲۸
۵۵۹	رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا	۵۶۶	۵۲۹	بسل کا معنی	۵۲۹
۵۶۲	ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر	۵۶۷	۵۳۰	بت پرستی کا مہو و لعب ہونا	۵۳۰
۵۶۳	ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف	۵۶۸	۵۳۱	قل اندعو امن دون اللہ مالا	۵۳۱
۵۶۴	ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر	۵۶۹	۵۳۲	ینفعنا (۷۳-۷۴)	۵۳۲
۵۶۵	جوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا	۵۷۰	۵۳۳	گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثل	۵۳۳
۵۶۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا صدق	۵۷۱	۵۳۴	آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی	۵۳۴
۵۶۷	ستارے، چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا	۵۷۲	۵۳۵	قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان	۵۳۵
۵۶۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو "ہذا رسی" کہنا شک کی بناء پر نہیں تھا	۵۷۳	۵۳۶	واذ قال ابراہیم لابیہ اذ اتخذ اصناما للہ (۸۲-۸۳)	۵۳۶
۵۶۸	استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا	۵۷۴	۵۳۷	آیات سابقہ سے مناسبت	۵۳۷
۵۶۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ	۵۷۵	۵۳۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام، نسب اور تاریخ پیدائش	۵۳۸
۵۶۸		۵۷۶	۵۳۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات	۵۳۹

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب	۵۹۷	۵۶۹	اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	۵۷۶
۵۹۰	آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے	۵۹۸	۵۶۹	و تلک حجتنا اتینہا ابراہیم علی قومه (۹۰-۸۳)	۵۷۷
۵۹۰	تمام عبادات میں نماز کی اہمیت	۵۹۹	۵۷۱	مسلمانوں پر مصائب نازل ہونے کی وجوہات	۵۷۸
۵۹۱	تارک نماز کے متعلق مذاہب فقہاء	۶۰۰	۵۷۲	انبیاء علیہم السلام علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی	۵۷۹
۵۹۳	مناسبت اور شان نزول	۶۰۱		حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل	۵۸۰
۵۹۳	سیلمہ اور اسود الغنسی کے احوال	۶۰۲	۵۷۲	حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر نہ کرنے کی وجہ	۵۸۱
۵۹۵	معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال	۶۰۳	۵۷۳	نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا	۵۸۲
۵۹۶	حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال	۶۰۴	۵۷۴	نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۵۸۳
۵۹۷	کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت	۶۰۵		حضرت الیاس کا نسب اور ان کا مصداق	۵۸۴
	مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی	۶۰۶	۵۷۴	انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت	۵۸۵
۵۹۹	ان اللہ فالق الحب والنوی	۶۰۷	۵۷۷	انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا	۵۸۶
۵۹۹	یخرج الحی من المیت (۱۰۰-۹۸)		۵۷۸	اللہ تعالیٰ کی ہدایت	۵۸۷
	زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل	۶۰۸	۵۷۹	نبی ﷺ کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا	۵۸۸
۶۰۱	آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل	۶۰۹		وما قدر و اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ (۹۳-۹۱)	۵۸۹
۶۰۲	انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل	۶۱۰	۵۸۳	مناسبت اور شان نزول	۵۹۰
۶۰۳	تمام انسان نسلاً برابر ہیں	۶۱۱	۵۸۴	تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر	۵۹۱
۶۰۳	مستقر اور مستودع کا معنی	۶۱۲	۵۸۴	آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا	۵۹۲
۶۰۵	سابقہ آیات سے ارتباط	۶۱۳	۵۸۵	اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی	۵۹۳
	کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا	۶۱۴	۵۸۸	قرآن مجید کی خیر اور برکت	۵۹۴
۶۰۵	کھجور انگور زیتون اور انار کے خواص	۶۱۵	۵۸۹	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا صدق ہونا	۵۹۵
۶۰۷			۵۸۹	مکہ مکرمہ کا ام القرئی ہونا	۵۹۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۲۵	سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کرنے کی ممانعت	۶۳۳	۶۱۶	پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے	۶۱۶
۶۲۶	فرمانشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ	۶۳۴	۶۰۸	وجود باری پر استدلال	۶۱۷
۶۲۶	جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا تصور ہے؟	۶۳۵	۶۰۸	توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج کا عدم جواز	۶۱۸
۶۲۶	ولو اننا نزلنا اليهم الملائكة و	۶۳۶	۶۰۹	باغوں میں پھلوں کی مروجہ بیج کے جواز کی صورتیں	۶۱۹
۶۲۷	كلمتهم الموتى (۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹)	۶۳۷	۶۱۰	مشرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے	۶۲۰
۶۲۸	اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیار ایمان ہے	۶۳۸	۶۱۰	اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل	۶۲۱
۶۲۸	انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا	۶۳۹	۶۱۱	بدیع السموات والارض انسی	۶۲۲
۶۲۹	وحی زخرف القول اور غرور کے معنی	۶۴۰	۶۱۱	یکون له ولد (۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲)	۶۲۳
۶۲۹	شیطان کے دوسرے اندازی کی تحقیق	۶۴۱	۶۱۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رد	۶۲۴
۶۳۰	شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت	۶۴۲	۶۱۳	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل	۶۲۵
۶۳۱	لتصغلی کا معنی	۶۴۳	۶۱۶	رویت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۶۲۶
۶۳۲	نبوت کی دود لیلیں	۶۴۴	۶۱۶	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات	۶۲۷
۶۳۲	کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی	۶۴۵	۶۱۸	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۲۸
۶۳۳	اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے	۶۴۶	۶۱۸	آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث	۶۲۹
۶۳۳	عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل	۶۴۷	۶۱۹	شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات	۶۳۰
۶۳۵	اتباع ظن کی مذمت کی وضاحت	۶۴۸	۶۲۱	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات	۶۳۱
۶۳۵	فكلوا مما ذكرا اسم الله عليه ان	۶۴۹	۶۲۲	کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے؟	۶۳۲
۶۳۵	كنتم بايته مؤمنين (۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳)	۶۵۰	۶۲۲	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ	۶۳۳
۶۳۵	کئی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب	۶۵۱	۶۲۳	کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا	۶۳۴
۶۳۷	تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق	۶۵۲	۶۲۳	رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے	۶۳۵
۶۳۷	ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت	۶۵۳	۶۲۳		۶۳۶
۶۳۸	اثم کا معنی	۶۵۴	۶۲۳		۶۳۷
۶۳۸	اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث	۶۵۵	۶۲۳		۶۳۸
۶۳۸	دل کے افعال پر مواخذہ کے دلائل	۶۵۶	۶۲۳		۶۳۹

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۵۱	مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل	۶۷۶	۶۳۱	جس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذاہب فقہاء	۶۵۵
۶۵۷	اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کے معنی	۶۷۷	۶۳۱	امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل	۶۵۶
۶۵۸	استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا	۶۷۸	۶۵۷	حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم	۶۵۷
۶۵۹	وجعلوا للہ مما ذرامن الحرث و الانعام (۱۳۶-۱۳۰)	۶۷۹	۶۳۲	او من کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نوراً (۱۲۹-۱۲۲)	۶۵۸
۶۶۰	اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محال	۶۸۰	۶۳۲	کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں	۶۵۹
۶۶۱	اس تقسیم کی مذمت	۶۸۱	۶۳۳	علم اور جہل کے مراتب	۶۶۰
۶۶۱	آیات سابقہ سے ارتباط	۶۸۲	۶۳۵	کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت	۶۶۱
۶۶۲	خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم	۶۸۳	۶۳۶	حصول نبوت کا معیار	۶۶۲
۶۶۳	ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق	۶۸۴	۳۶۳	حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد	۶۶۳
۶۶۶	مشرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال	۶۸۵	۶۳۷	اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء	۶۶۴
۶۶۷	خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال	۶۸۶	۶۳۷	نبی کی صفات لازمہ	۶۶۵
۶۸۶	بیٹیوں کو قتل کرنے کی شقاوت	۶۸۷	۶۳۸	اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت	۶۶۶
۶۶۹	وہو الذی انشا جنت معروشت (۱۳۳-۱۳۱)	۶۸۸	۶۳۹	جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات	۶۶۷
۶۷۰	مشکل الفاظ کے معانی	۶۸۹	۶۵۰	جہنم کے خلود سے استثناء کی وجوہات	۶۶۸
۶۷۰	وجود باری اور توحید پر دلیل	۶۹۰	۶۵۱	ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے	۶۶۹
۶۷۱	فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟	۶۹۱	۶۵۲	یومئذ یقولون لا نعبد الا اللہ والانس الہ الا اللہ	۶۷۰
۶۷۱	عشر کے نصاب میں مذاہب فقہاء	۶۹۲	۶۵۳	رسول منکم (۱۳۵-۱۳۰)	۶۷۱
۶۷۲	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۶۹۳	۶۵۳	جنت کے لیے رسولوں کے ذکر کی وجوہات	۶۷۲
۶۷۲	نقلی صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟	۶۹۴	۶۵۵	جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا وہاں کے باشندوں کا حکم	۶۷۳
۶۷۳	مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۶۹۵	۶۵۵	آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟	۶۷۴
۶۷۵	مناظرہ اور قیاس کی اصل	۶۹۶	۶۵۶	جنت کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء	۶۷۵
			۶۵۶	مسلمان جنوں کے جنت میں نہ داخل ہونے کے دلائل	۶۷۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۹۷	فرقہ بندی کی مذمت	۷۲۰	۶۹۷	قل لا اجد فی ما ووحی الی محرما	۶۹۷
	من جاء بالحسنة فله عشر	۷۲۱	۶۹۵	(۱۳۵-۱۵۰)	
۶۹۸	امثالہا (۱۶۵-۱۶۰)			قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی	۶۹۸
	دس گنا اجر سات سو گنا اجر اور بے حساب اجر	۷۲۲	۶۷۷	تفصیل	
۶۹۹	کے محال		۶۷۹	بعض الفاظ کے معنی	۶۹۹
۷۰۱	نسک کا معنی	۷۲۳	۶۷۹	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل	۷۰۰
	نماز کا افتتاح انسی وجہت سے واجب ہے یا	۷۲۴	۶۸۰	مشرکین کے شبہات کا جواب	۷۰۱
۷۰۲	تکبیر سے		۶۸۱	جبریہ کار و اور ابطال	۷۰۲
۷۰۲	نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا	۷۲۵		قل تعالوا اتل ما حرم ربکم	۷۰۳
۷۰۳	فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا	۷۲۶	۶۸۱	علیکم (۱۵۱-۱۵۳)	
	فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں	۷۲۷	۶۸۳	اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل	۷۰۴
۷۰۳	مذہب فقہاء		۶۸۳	شرک کا حرام ہونا	۷۰۵
	برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا	۷۲۸	۶۸۴	والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا	۷۰۶
۷۰۴	میں سے حصہ ملے گا		۶۸۵	قتل اولاد کا حرام ہونا	۷۰۷
	کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے	۷۲۹	۶۸۶	بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا	۷۰۸
۷۰۵	گناہ کا قاعدہ کے بعض مستثنیات		۶۸۶	قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل یرحق کی اقسام	۷۰۹
۷۰۶	مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محال	۷۳۰	۶۸۸	قتل مومن پر وعید	۷۱۰
۷۰۶	مسلمانوں کی آزمائش	۷۳۱	۶۸۹	یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا	۷۱۱
	مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا	۷۳۲	۶۹۰	ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا	۷۱۲
۷۰۷	بیان		۶۹۰	ناحق بات کا حرام ہونا	۷۱۳
۷۰۸	حرف آخر	۷۳۳	۶۹۱	اللہ تعالیٰ سے بد عمدی کرنے کا حرام ہونا	۷۱۴
۷۰۹	ماخذ و مراجع	۷۳۴	۶۹۱	بدعات سے اجتناب کا حکم	۷۱۵
			۶۹۲	بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام	۷۱۶
				وہذا کتاب انزلنہ مبارک	۷۱۷
			۶۹۳	فاتبعوہ (۱۵۵-۱۵۹)	
				مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو	۷۱۸
			۶۹۵	نازل فرماتا	
			۶۹۶	قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور	۷۱۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شئ عند العارفين والصائين والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضائه رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا منازل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدي بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيب المغفرة له في كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا منزل له ومن يضلله فلا هادى له اللهم ارني الحق حقا وارزقنى اتباعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقنى اجتنابه اللهم اجعدنى في تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على نهج قويم واعصمى عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيع المعاندين في تقرير اللهم الق في قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا - اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضاً ومفيضاً ومرغوباً في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريئة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يا رب العالمين -

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا، ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں، اولین اور آخرین کے امام ہیں، تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں، یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے، اور ان کی پاکیزہ آل، ان کے کافل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اہمات المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں آسکتا، اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما، اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریریں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انور سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں، میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما، کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الْبَايِنَاتِ

(۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المائدة

سورة المائدة قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ قراء کوفین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں، ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں، ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیین کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور بصوریین کے نزدیک اس میں ایک سو تیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے، ورنہ سب کے نزدیک سورة المائدة کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔ البتہ! بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں، بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس آیتیں ہیں اور اس میں بالافتق سولہ رکوع ہیں۔

نام:

اس سورت کا نام المائدة ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدة (کھانے کا خوان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (المائدة: ١١٣)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان اتار سکتا ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا لِأَوْلَانَا وَأَخِيرَنَا وَأَيَّةً مِنْكَ (المائدة: ١١٣)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما، تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے۔

ڈاکٹر وجہ زحیلی نے لکھا ہے، اس سورت کا نام سورة العقود اور سورة المنقذہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورة المائدة اللہ کی ملکوت میں منقذہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے۔ (التفسیر المنیر، جز ٦، ص ٦٠) ہمیں اس روایت کا ماخذ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ المائدہ کو پڑھا، اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر تنفس یہودی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے۔ یہ موضوع ہے۔

(عناية القاضي، ج ۳، ص ۳۰۷، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۴۸۳ھ)

زمانہ نزول

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹنے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے، جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

- ۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- ۲- اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
- ۳- ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں ہو اور نیام بھی تھیلے میں ہو۔
- ۴- مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- ۵- کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶- قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، سبل الہدی والرشاد، ج ۵، ص ۵۱-۵۲)

سات ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور نو ہجری میں مسلمان فرضیت حج کے بعد پہلی بار حضرت ابو بکر کی قیادت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بست سے قبائل مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا، کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دینی تھی۔ سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عمد پورے کرو، تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا، لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی، اور نہ ان

جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا، تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۱-۲)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی، اس کی بعض آیات حجتہ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے، آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی ﷺ پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔

(صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم ج ۴، رقم الحدیث: ۳۰۱۷، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۱۱۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کو پڑھا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا "اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفاء کیا ہے، ورنہ امام اسحاق کی قبیلہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ ایہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید ہیں۔" (فتح الباری، ج ۱، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں "امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی، وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں، امام بغوی نے اپنی "معجم" میں، امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں ام عمرو بنت عبس سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں جارہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے ثقل سے آپ کی اونٹنی عشاء کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابو عبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی، اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اس کا شانہ ٹوٹ گیا، اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔
امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی، وہ المائدہ ہے اور اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام فریابی اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں، اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد، امام نسائی، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا، اے جبیر! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے، تم اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے، تم اس کو حرام سمجھو۔ (الدر المثور، ج ۲، ص ۲۵۲، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ، ایران)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ۷ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورۃ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں عقد نکاح، عقد امانت، عقد وصیت، عقد وکالت اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں تحریم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی تھی اور سورۃ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۃ النساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۃ المائدہ میں پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔

سورۃ المائدہ کھانے پینے، شکار، احرام، چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ قسم کے احکام میں منفرد ہے۔ جیسے سورۃ النساء خواتین کے حقوق، وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ

اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کا حکم، حرمت والے مہینوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم، حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت، جن چیزوں کا کھانا حرام ہے، ان کا بیان، شکاری جانوروں کی تربیت اور آداب کا ضابطہ۔ اہل کتاب کے کھانوں اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام۔ (المائدہ: ۱-۵)

وضو کی فرضیت کا بیان، حالت عذر میں تیمم کا حکم، مسلمانوں کو کفار کے شر اور فساد کے باوجود عدل و انصاف پر قائم رہنے کا

حکم بنو اسرائیل سے اتباع شریعت کے عہد و میثاق لینے کا بیان اور اس عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کا لعنتی ہونا۔

(المائدہ: ۱۳-۶)

نصاریٰ سے میثاق لینے کا ذکر اور میثاق پورا نہ کرنے پر ان کے عذاب کا بیان، اہل کتاب کو دعوت اسلام، یہود اور نصاریٰ کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بنو اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا بیان، فتح و نصرت کی بشارت کے ساتھ ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم اور ان کی نافرمانی اور بزدلی کی سزا میں ان کا چالیس سال تک صحرا میں بھٹکانا۔

(المائدہ: ۲۶-۱۳)

قاتل کا حائیل کو قتل کرنا، ایک انسان کا قاتل تمام انسانوں کا قاتل ہے، ڈاکوؤں کی حد، مسلمانوں کو اتباع شریعت کا حکم، چوری کی حد، نبی ﷺ کی عدالت سے گریز کرنے کے لیے یہود کی سازشوں کا بیان اور ان کا رد۔ (المائدہ: ۳۵-۳۷)

نصاریٰ کو ان کا عہد یاد دلانا، قرآن مجید کا قول فیصل ہونا، اہل کتاب اگر اپنی بدعات سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑنا، مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانے کا حکم، یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی بنا پر منافقوں کو زجر و توبیح، اللہ کو منافقوں کی کوئی پرواہ نہیں، خواہ وہ مرتد ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۶-۳۶)

یہود کو دوست بنانے پر منافقوں کو سرزنش، یہود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی بے تمیستی پر سرزنش، یہود کے اللہ پر طنز کا جواب، یہود کا جنگ کی آگ بھڑکاتے رہنے کا بیان، اہل کتاب کو دعوت اسلام، یہود کا اللہ سے عہد و میثاق کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور نبیوں کو قتل کرنا۔ (المائدہ: ۷۱-۵۷)

نصاریٰ کے عقیدہ حلول اور تثلیث کا کفر ہونا، حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا صحیح مرتبہ، بنو اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح کا لعنت کرنا، اسلام دشمنی میں یہود، مشرکین قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق، عیسائیوں میں سے حق پرستوں کی تحسین۔ (المائدہ: ۸۶-۷۲)

از خود کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت، عہد پورا کرنے کی تاکید، قسم کے کفارہ کا بیان، شراب، جوئے، بت اور فال نکلانے کے تیروں کے حرام ہونے کا بیان، حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت، بلا ضرورت سوال کرنے سے منع کرنا، بحیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حام وغیرہ کو کفار کے حرام کہنے کی مذمت کرنا اور کفار جو اپنے آباء کی اندھی تقلید کرتے تھے، اس کا رد کرنا۔

(المائدہ: ۱۰۸-۸۷)

سفر میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے کی ہدایت، گواہی کے آداب اور احکام، قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصاً اپنی امت کو تبلیغ کرنے کا بیان، حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حضرت عیسیٰ سے نزول مائدہ (کھانے کا خوان) کی درخواست کرنا اور ان کے لیے آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا۔ عیسائیوں کے انہیت مسیح کے عقیدے سے حضرت عیسیٰ کا بیزار ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گنہ گاروں کی شفاعت کرنا، اور اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان۔

(المائدہ: ۱۴۰-۱۰۹)

سورۃ المائدہ کا اجمالی خاکہ بیان کرنے کے بعد میں اللہ کی توفیق اور اعانت سے سورۃ المائدہ کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور خطاؤں اور لغزشوں سے بچانا۔ اس تفسیر کو اختتام تک پہنچانا، اسے اپنی اور اپنے رسول مکرم ﷺ کی بارگاہ میں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنانا اور اس کو قیامت تک فیض آفریں اور نفع آور رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور محض اپنے فضل سے مجھے بخش دینا۔ آمین یا رب

العلمين بجاه حبيبك سيدنا محمد قائد الانبياء والمرسلين خاتم النبيين شفيع
المذنبين رحمة للعلمين عليه وعلى اله واصحابه وازواجه افضل الصلوات واكمل
التحيات الي يوم الدين -

سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدِينِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَتِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ المائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمے والا بہت مہربان ہے ۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۗ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال

الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُجَلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حَرَامٌ

کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک

اللَّهُ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۰ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی

اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أُمِّينَ

نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گھروں میں (قربانی کی علامت کے پٹے

الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ ۖ وَرِضْوَانًا ۗ وَإِذَا

پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں، اور جب

حَلَلْتُمْ فَأَمْطَادُوا ۗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ

تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ عداوت نہیں اس پر نہ آکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۗ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُرِّ

میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے

التَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ مَنِ اتَّقَىٰ اللَّهُ

کی مدد کرو ، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ،

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ②

بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے عقود (عہدوں) کو پورا کرو

عقود کا لغوی اور عرفی معنی

عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا۔ عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا، یعنی اس لزوم کو ماننا اور عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے، یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے، یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے، یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو“ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے، ان سے باز رہیں۔ لہذا جو شخص ایمان لاتا ہے، اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالائے گا، تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کر لیا ہے، اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں، اس کی اطاعت کریں، جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے، ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے، ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلم نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا، عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ

مجاہد نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے۔ قنادہ نے کہا ”اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے تورات اور انجیل میں لیے تھے کہ وہ نبی ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے۔“

(جامع البیان، ج ۶، ص ۶۶-۶۳، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

(۲) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

(۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا، زبان حال سے یہ کہنا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وحدہ لا شریک ہے، اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں، بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کر لیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے، اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا۔ اگر وہ کسی عبادت کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ اونٹ کا گوشت یا شہد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عبادت کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے، اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے، جیسے عقد بیع، عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے، مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے، جیسے عام حالات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے، جیسے بیع شراہ۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے، جیسے نبیذ کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے، جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کرایہ) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں

بھیمة الانعام کا معنی

بھیمة اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور عرف میں یہ سمندر اور خشکی کے چارپاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام اونٹ، گائے اور بکریوں کو کہتے ہیں اور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں، جیسے بھینس، بھیر، اور ہرن وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے:

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا
مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (المؤمن: ۷۹)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے، تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے، بھیر سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ.....) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَشَاتٌ كُلُوا مِنْهَا
رَزَقَكُمُ اللَّهُ..... ۰ ثَمِينَةَ آزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ
الَّذِينَ وَمِنَ الْمَعْرِائِيِّنَ..... ۰ وَمِنَ الْإِبِلِ
الَّتِي وَمِنَ الْبَقَرِ الَّتِي..... ۰ (الانعام: ۱۳۳-۱۳۴)

ان آیتوں میں آٹھ چوپایوں، بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے، ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب

مجوسی اور ہندوؤں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر زبردستی ذبح کر دینا ظلم ہے اور کسی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھالیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مکابہ ہے اور بداہت کا انکار ہے۔ معتزلہ نے کہا، درد اور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے، انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے، تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا، اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے، اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، ظلم اس وقت ہوتا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا، اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے، تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما سوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔ (المائدہ: ۱)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ: ۳) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار، رگوں کا بہا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا، اور جس کو درندے نے کھالیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا۔ اب یہ فرمایا ہے کہ جو چوپائے شکار ہوں، وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں، اور جب احرام کھول دیا ہو، تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے، اور سمندری شکار کرنا جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرْمٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا (المائدہ: ۹۶)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں، تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو، تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے، اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی

تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں۔ (المائدہ: ۲)

شعارِ اللہ کا لغوی اور شرعی معنی

شعارِ شعیرہ کی جمع ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے، اس کو شعیرہ، شعار اور مشعرہ کہتے ہیں۔ جس حدی (قربانی کے جانور) کو مکہ بھیجا جاتا ہے، اس کے گلے میں ہار، جو تا، یا درخت کی چھال ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔ شعار کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

عطاء نے کہا کہ شعارِ اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے، اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعارِ اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں، اس کا امر، اس کی نہی، اس کے مقرر کیے ہوئے فرائض اور محرمات۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعارِ اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے، حدی بھیجتے تھے، مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! شعارِ اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: شعارِ اللہ سے مراد ہے صفا، مروہ، حدی اور دوسرے مشاعر۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۷۳-۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حرمت والے مہینوں، حدی اور قلائد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اور نہ حرمت والے مہینہ کی بے حرمتی کرو“ حرمت والے مہینوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

”حضرت ابو بکر بنی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آچکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال میں بارہ مہینہ ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مہینہ ہیں۔ تین مہینہ متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، رجب مضر کا مہینہ جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے، الحدیث۔“

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ حدی کی (بے حرمتی کرو)

حدی کا معنی ہے: وہ اونٹ، بکری، یا گائے جس کو بیت اللہ میں ہدیہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ قلائد کی (بے حرمتی کرو)

قلائد قلاذہ کی جمع ہے، حدی کے گلے میں قربان کیے جانے کی نشانی کے طور پر اون کاہار، یا جوتی یا درخت کی چھال ڈال دی جاتی ہے۔ اس کو قلاذہ کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں قلائد ڈالے جاتے ہیں۔ اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کے درخت کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لیتا تھا، وہ مامون قرار دیا جاتا، اور جہاں چاہتا چلا جاتا، اور قلائد کا یہی معنی ہے (جامع البیان، ج ۶، ص ۷۶) حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کا معنی ہے، ان مہینوں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی جائے، اور حدی کی بے حرمتی کا معنی ہے ان جانوروں کو ان کے مالکوں سے چھین لیا جائے یا ان کو کعبہ میں نہ پہنچنے دیا جائے، اور

قلائد کی بے حرمتی کا معنی یہ ہے کہ حدی کے گلے سے قلادہ اتار لیا جائے، یا اس کو نوچ، کھسوٹ کر خراب کر دیا جائے، یا جس شخص نے اپنے جسم پر حرم کے درخت کی چھال لپیٹ لی ہو، اس کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے

مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں (المائدہ: ۲)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا، اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم نبی ﷺ کے پاس آیا، تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے، اس نے آپ سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت پیش کروں گا۔ آپ بتلائیے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ حکم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا، اگر انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا، اور اگر انہوں نے اس سے پیٹھ پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ، جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چہرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوا نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی چراگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا، لیکن وہ نکل گیا اور یمامہ پہنچ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سامان تجارت لے کر آیا، صحابہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھین لیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۷۹، مطبوعہ دار الفکر، ۱۳۱۵ھ، بیروت)

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے، کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَمِيهِمْ هَذَا۔ (التوبہ: ۲۸)

مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد
کریں، در آنحالیکہ وہ اپنی جانوں کے کفر پر گواہ ہیں۔

(التوبہ: ۱۷)

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرمادیا۔

قادر نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے، زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور حدی کے گلے میں قلادہ ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا، ان دنوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتال نہ کریں، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ، ان کو قتل کر دو۔

(التوبہ: ۵)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے یہ کہا ہے: کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے، اور ان مہینوں میں قتال بھی کرتے تھے، اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کر دیا، سو اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے: کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتال کرنا جائز ہے، خواہ وہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گلے میں حرم کے تمام درختوں کی چھال بھی ڈال لے، تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے پناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے پناہ نہ حاصل کر لی ہو، یا کوئی معاہدہ نہ کر لیا ہو۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۸۳-۸۹، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی حدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ شعائر اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے، نہ کہ کفار کی قربانیوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں، اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، کفار کو شامل ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا: کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کر دیا گیا، تو اب وہ کافر اس آیت کے عام حکم میں داخل نہیں رہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو (المائدہ: ۳)

صیغہ امر کے مواضع استعمال

اس آیت میں ”فاصطادوا“ (شکار کرو) امر کا صیغہ ہے، امر کا صیغہ متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مشہور چھبیس معانی ہیں۔

۱۔ وجوب کے لیے جیسے ”واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ“ (البقرہ: ۴۳) ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو“

۲۔ استجاب کے لیے جیسے ”فکاتبوہم“ (النور: ۳۳) تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں

مکاتب کر دو۔

- ۳- ارشاد (دنياوی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنے) کے لیے مثلاً "واشهدوا اذا تبایعتم" (البقرہ: ۲۸۳) "اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بناؤ" استجاب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ استجاب میں اخروی ثواب مطلوب ہوتا ہے اور ارشاد میں دنیاوی فائدہ اور مصلحت۔
- ۴- اباحت کے لیے "فکلوا مما مسکن علیکم" (المائدہ: ۴) "سو اس (شکار) سے کھاؤ جسے وہ (شکاری جانور مار کر) تمہارے لیے روک رکھیں" اس کی دوسری مثال زیر بحث آیت ہے "واذا حللتہم فاصطادوا" (المائدہ: ۲) اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو"
- ۵- اکرام (عزت افزائی) کے لیے مثلاً "ادخلوها بسلام امنین" (الحج: ۴۶) "تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ"
- ۶- اتمان (احسان فرمانے) کے لیے مثلاً "کلوا مما رزقکم اللہ (الانعام: ۱۳۲) "اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ"
- ۷- اہانت (رسوا کرنے) کے لیے مثلاً "ذق انک انت العزیز الکریم" (الدخان: ۴۹) "لے چکھ عذاب کا مزہ بے شک تو ہی بڑا معزز مکرم ہے"
- ۸- تسویہ (دو چیزوں میں مساوات بیان کرنے کے لیے) مثلاً "اصلوها فاصبروا او لاتصبروا سواء علیکم" (النور: ۱۶) "اس آگ میں داخل ہو جاؤ پھر تم صبر کرو یا صبر نہ کرو تم پر برابر ہے"
- ۹- تعجب کے لیے مثلاً "اسمع بہم وابصر یوم یاتوننا" (مریم: ۳۸) "وہ کیسا سنتے ہوں گے اور کیسا دیکھتے ہوں گے جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے"
- ۱۰- تکوین (کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے) کے لیے مثلاً "کن فیکون" (البقرہ: ۱۱۷) "ہو سو وہ ہو جاتا ہے"
- ۱۱- امتقار کے لیے مثلاً "القواما انتم ملقون" (یونس: ۸۰) "ذالو جو تم ڈالنا چاہتے ہو"
- ۱۲- اخبار کے لیے مثلاً "فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً" (التوبہ: ۸۲) "سو انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنس اور روئیں زیادہ"
- ۱۳- تمہید (ڈرانے اور دھمکانے کے لیے) مثلاً "اعملوا ماشئتم" (حم السجدہ: ۴۰) "تم جو چاہو کیے جاؤ" اس کی ایک اور یہ مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: "واستفزز من استطعت منهم بصوتک" (ابن اسرائیل ۶۳) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز سے ڈگمگا سکتا ہے ڈگمگا دے"
- ۱۴- انذار (ڈرانے) کے لیے۔ یہ بھی قسم اول کے قریب ہے۔ مثلاً "قل تمتعوا" (ابراہیم: ۳۰) "آپ کہتے (چند روزہ) فائدہ اٹھاؤ"
- ۱۵- تعجیز (عاجز کرنے) کے لیے مثلاً "فاتوا بسورۃ من مثله" (البقرہ: ۲۳) "سو اس قرآن کی مثل کوئی سورت لے آؤ"
- ۱۶- تغیر کے لیے مثلاً "کونوا فردة حسنین" (البقرہ: ۶۵) "دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ"
- ۱۷- تمنی کے لیے مثلاً امر القیس کے شعر میں ہے "الا ایہا اللیل الطویل انحلی" "سن اے لمبی رات اتو ظاہر ہو جا"

- ۱۸- تادیب (ادب سکھانے) کے لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”کل مما یلیک“ (صحیح بخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۵۳۷۷) ”تم اپنے آگے سے کھاؤ“
- ۱۹- امثال (کسی کی اطاعت شعاری بیان کرنے کے لیے) کوئی شخص کسی سے کہے، مجھے پانی پلاؤ۔
- ۲۰- اجازت دینے کے لیے مثلاً کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹانے والے سے کہے، اندر آ جاؤ۔
- ۲۱- انعام کے لیے مثلاً ”کلوا من طیب ما رزقناکم“ (البقرہ: ۵۷) ”ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ“
- ۲۲- تکذیب کے لیے مثلاً ”قل فاتوا بالتوراة فاتلوها ان کنتم صدقین“ (آل عمران: ۹۳) ”آپ کہئے کہ تورات لے کر آؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو“
- ۲۳- مشورہ کے لیے، مثلاً حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے فرمایا: ”فانظر ماذا تری“ (الصفت: ۱۰۲) ”تو اب تم غور کرو، تمہاری کیا رائے ہے؟“
- ۲۴- اعتبار (تدبر) کرنے کے لیے مثلاً ”انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینبعہ“ (الانعام: ۹۹) ”دیکھو درخت کے پھل کی طرف، جب اس کو پھل لگے اور اس کے پکنے کی طرف“
- ۲۵- تفویض کے لیے، مثلاً ایمان لانے والے ساحروں نے فرعون سے کہا: ”فاقض ما انت قاض“ (طہ: ۷۲) ”تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے سو کر“
- ۲۶- دعا کے لیے مثلاً ”واعف عنا و اغفر لنا و ارحمنا“ (البقرہ: ۲۸۶) ”ہم کو معاف فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما“۔
- ۲۷- تغیر کے لیے مثلاً ”هذا عطاءنا فامنن او امسک بغیر حساب“ (ص: ۳۹) ”یہ ہماری عطا ہے، تو آپ (جس پر چاہیں) احسان کریں، اور جس سے چاہیں احسان روک رکھیں۔ آپ سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی۔“
- (کشف الاسرار، ج ۱، ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت، ۱۳۱۱ھ - توشیح و تلخیص، ج ۱، ص ۲۸۳، ۲۸۴)
- تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل
- ابن جریج نے کہا، امران مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے اس کا مقتضی توقف ہے۔ حتیٰ کہ کسی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر کون سا معنی مراد ہے؟ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر امر کا مقتضی توقف ہو تو پھر نبی کا مقتضی بھی توقف ہونا چاہیے، کیونکہ نبی کا استعمال بھی متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ کبھی نبی تحریم کے لیے ہوتی ہے مثلاً ”لا تاکلوا المریوا“ (آل عمران: ۱۳۰) ”سو نہ کھاؤ“ اور کبھی تزییم کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”ولا تمنن تستکثر“ (المدثر: ۶) ”اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے“ اور کبھی تحقیر کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجنا منهم“ (الحجر: ۸۸) ”آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے گروہوں کو کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں“ اور کبھی ارشاد کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم نسوکم“ (المائدہ: ۱۰۱) ”ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں“ اور کبھی شفقت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یمنش احدکم فی نعل واحد“ (ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۱) ”تم میں سے کوئی شخص ایک جوتی پہن کر نہ چلے“ اور اگر نبی کا مقتضی بھی توقف ہو تو پھر امر اور نبی میں کوئی فرق نہیں رہے گا، حالانکہ فعل کی طلب اور ترک فعل کی طلب میں فرق بداعت ثابت ہے۔

امر کا مقتضی وجوب ہونے پر دلائل

عام علماء اور فقہاء کے نزدیک امر کا مقتضی واحد ہے، کیونکہ امر کا ان معانی میں مشترک ہونا خلاف اصل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واحد مقتضی اباحت ہے، کیونکہ یہ امر کا ادنیٰ درجہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک امر کا مقتضی استحباب ہے، کیونکہ امر میں فعل کی جانب وجود کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک امر کا مقتضی وجوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
جو لوگ رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے۔ (النور: ۶۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا
اور نہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں، تو ان کے لیے اس حکم میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ بے شک کھلی گمراہی میں بہک گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے اور اس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ
(اللہ نے) فرمایا: تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا؟ (الاعراف: ۱۲) جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی اس لیے مذمت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کا امر کیا تھا اور یہ مذمت اسی وقت ہوگی جب امر وجوب کے لیے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا "افعصیت امری" (طہ: ۹۳) "کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا (الكهف: ۶۹) میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں امر کی خلاف ورزی اسی وقت لائق مواخذہ ہوگی جب امر کا مقتضی وجوب ہو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم: ۶) (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

حکم پر عمل نہ کرنا معصیت اسی وقت ہوگا جب حکم پر عمل کرنا واجب ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے 'نماز پڑھو' تو وہ نماز نہیں

(المرسلات: ۴۸) پڑھتے۔

ان کی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی اور یہ مذمت اسی وقت درست ہوگی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم وجوب کے لیے ہو۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ امر کا مقتضی واحد ہے اور وہ مقتضی وجوب ہے۔ اسی طرح لوگوں کا عرف ہے کہ جب وہ کسی فعل کو جزا اور حتماً طلب کرتے ہیں تو امر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق

جب پہلے کسی فعل سے منع کیا جائے اور پھر بعد میں امر کے صیغہ سے اس فعل کو طلب کیا جائے تب بھی امر کا مقتضی وجوب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: ممانعت کے بعد اس فعل کا امر استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ میں فرمایا: "جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو بیع (کاروبار) کو چھوڑ دو اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ" اور:

وَابْتَغُوا مِنِّي فَضْلَ اللَّهِ (الجمعة: ۱۰)

اللہ کے فضل کو تلاش کرو (یعنی بیع کاروبار کرو)

اس آیت میں ممانعت کے بعد رزق طلب کرنے اور کاروبار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ممانعت کے بعد امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا اس کے بعد فرمایا:

إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدة: ۴)

جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں استحباب اور اباحت قرینہ سے ثابت ہے کیونکہ رزق طلب کرنے اور شکار کرنے کا حکم بندوں کو ان کی منفعت حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہے اگر اس حکم کو واجب قرار دے دیا جائے تو یہ نفع ضرر سے منقلب ہو جائے گا کیونکہ پھر جو بیع نہیں کرے گا یا شکار نہیں کرے گا وہ گنہ گار ہو گا اور جو معنی کسی قرینہ کی بناء پر کیا جائے وہ مجاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کے بعد بھی امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

ممانعت کے بعد امر کے وجوب کے لیے ہونے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں مشرکین کے خلاف قتال سے منع فرمایا اور ان مہینوں کے بعد ان سے قتال کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحَرَامُ فَاقْتُلُوا

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: ۵)

کرد جہاں انہیں پاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کے گھر میں بلا اذن داخل ہونے سے منع فرمایا پھر فرمایا: جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو اور ممانعت کے بعد یہ داخل ہونے کا حکم بھی وجوب کے لیے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ

اے ایمان والو! جب تک تمہیں کھانے کے لیے بلایا نہ

إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَيَّ طَعَلِمَ غَيْرَ نَظِيرِينَ إِنَّهُ

جائے نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو پہلے سے آکر کھانا پکنے کا

وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَأَدُّوا (الاحزاب: ٥٣) انتظار نہ کرو، ہاں جب بلایا جائے تو آ جاؤ۔

اسی طرح حیض اور نفاس میں مبتلا عورتوں کو نماز اور روزے سے منع کیا گیا اور حیض اور نفاس منقطع ہونے کے بعد نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا، اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور اس عارض کے زوال کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان شخص کو حالت اسلام میں اور کافر کو عمدہ کی وجہ سے قتل کرنے سے منع کیا گیا، لیکن اس کے مرتد ہونے یا ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، یا شادی شدہ کے زنا کی وجہ سے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا، اور یہ حکم بھی وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ہاتھ اور پیر کاٹنا ممنوع ہیں، لیکن چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنا واجب ہیں۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی کام سے منع کرنے کے بعد جب اس کام کا امر کیا جائے تو سابقہ ممانعت اس امر کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور اس امر کے اباحت یا استحباب کے لیے ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض حنابلہ کے نزدیک ممانعت کے بعد امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور شوافع میں سے محققین، مثلاً امام رازی اور قاضی بیضاوی اور جمہور اصولیین کے نزدیک ممانعت کے بعد بھی امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور فقہاء احناف میں سے کمال الدین ابن الہمام کے نزدیک ممانعت سے پہلے امر کا جو مقتضی ہو ممانعت کے بعد بھی وہی مقتضی ہوتا ہے۔ اگر وجوب ہو تو وجوب اور استحباب ہو تو استحباب۔

(توضیح و تلویح، ج ١، ص ٢٨٨، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، وکشف الاسرار، ج ١، ص ٢٨٢-٢٨٩، ملخصاً)

نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا

صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعود لکھتے ہیں:

امر کا اطلاق جمہور کے نزدیک قول پر حقیقتاً ہے اور فعل پر امر کا اطلاق مجازاً ہے۔ اس میں بھی اتفاق ہے اور بعض کے نزدیک نبی ﷺ کے فعل پر بھی امر کا اطلاق حقیقتاً ہے۔ کیونکہ آپ کا فعل حقیقتاً امر ہے اور ہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور فعل پر امر کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وما امر فرعون برشید“ (ہود: ٩٤) ”اور فرعون کا فعل درست نہ تھا“ اور نبی ﷺ نے فرمایا ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ (صحیح البخاری، ج ١، رقم الحدیث: ٦٣١) ”اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو“

ہم کہتے ہیں کہ امر کا اطلاق فعل پر حقیقتاً نہیں ہے، اور مشترک ہونا خلاف اصل ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کوئی کام کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ کام کرو تو اس کے اس فعل سے امر کی نفی کرنا صحیح ہے، اور سورہ ہود کی آیت میں جو فعل کو امر فرمایا ہے، وہ مجاز ہے اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ فعل پر امر کا اطلاق حقیقتاً ہے، تب بھی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امر قولی وجوب کے لیے ہوتا ہے نہ کہ فعلی، کیونکہ جو دلائل اس پر پیش کیے گئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، وہ سب امر قولی سے متعلق ہیں۔ مثلاً یہ آیت:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ

وہ لوگ ڈریں جو رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے

(النور: ٦٣) ہیں۔

اس آیت میں امر سے مراد امر قولی ہے اور اس کو امر فعلی پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور امر قولی مقصود (ایجاب) کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور ترادف خلاف اصل ہے، اور نبی ﷺ نے جو فرمایا:

”صلوا کما راہتمونی اصلی“ اس حدیث میں ایجاب آپ کے قول صلوا سے مستفاد ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے وصال کے روزے رکھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے وصال کے روزے رکھ لیے اور جب آپ نے نماز میں نعلین اتاریں اور آپ کو دیکھ کر آپ کے اصحاب نے بھی اپنی نعلین اتاریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا، حالانکہ دونوں صورتوں میں آپ کے اصحاب نے آپ کے فعل کی اتباع کی تھی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ فعل وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

(توضیح مع تنقیح، ج ۱، ص ۲۸۱-۲۸۸، مختصراً، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے کوئی فعل منقول ہو، پس اگر وہ فعل سو ہو یا طبعی ہو یا آپ کا خاصہ ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل قرآن مجید کی کسی مجمل آیت کا بیان ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت ہوتا ہے اور اگر وہ فعل ان کے ماسوا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ نبی ﷺ نے حقیقتاً ہم کو اس فعل کا امر فرمایا ہے اور ہم پر اس فعل کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ سو بعض نے کہا ہاں اور اکثر نے کہا نہیں اور یہی مختار ہے۔

(تکوین مع توضیح، ج ۱، ص ۲۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ عبد العزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے اپنی نعلین اتاریں اور ان کو اپنی بائیں جانب رکھ دیا، جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کے جوتیاں اتارنے کا کیا سبب تھا؟ صحابہ نے کہا ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو ہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ان جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر اس کی جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہو تو اس کو کھرچ کر صاف کر لے، پھر ان جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم وصال کے روزے نہ رکھو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ یا فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۱)

ان حدیثوں میں اس پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا فعل کسی چیز کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ اگر آپ کا فعل آپ کے امر کی طرح موجب ہوتا تو پھر آپ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی، جیسے اگر آپ کسی چیز کا امر فرمائیں اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

(کشف الاسرار، ج ۱، ص ۲۵۰-۲۴۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

نبی ﷺ کے افعال کے سنت، مستحب اور واجب ہونے کا ضابطہ

جس فعل کو آپ نے احیاناً (کبھی کبھی) کیا ہو اور غالب اوقات میں ترک کیا ہو، وہ سنت غیر مؤکدہ یا سنت مستحبہ ہے اور جس کو آپ نے غالب اوقات میں کیا ہو اور احیاناً ترک کیا ہو، وہ سنت مؤکدہ ہے اور جس پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو، اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ فعل واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: ”صحیح یہ ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی

ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اس پر مواظبت (دوام) فرمائی ہے اور مواظبت سنت کی دلیل ہے۔

(حدایہ اولین، ص ۲۲۹، مطبوعہ شرکت ملیہ، ملتان)

علامہ محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں ”ایک قول یہ ہے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور یہ وجوب کی قوت میں ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ نے اعتکاف ترک کرنے والے پر انکار نہیں فرمایا، اگر اعتکاف واجب ہوتا تو آپ اس کے ترک پر انکار فرماتے۔“

(البنایہ، ج ۳، ص ۷۴۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس فعل کے تارک پر انکار نہ فرمائیں تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر آپ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس کے تارک پر انکار فرمائیں تو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن المہمام حنفی متونی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں ”نبی ﷺ نے اعتکاف پر بلا ترک مواظبت فرمائی ہے، لیکن جن صحابہ نے اعتکاف نہیں کیا، آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ اعتکاف کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ ترک کرنے والوں پر انکار فرماتے تو یہ وجوب کی دلیل ہوتا۔“

(فتح القدر، ج ۲، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدی چلبی متونی ۹۳۵ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو، حالانکہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ نے کسی فعل پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے اس کے ترک پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ احياناً ترک کرنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ آپ کا احياناً ترک کرنا جواز ترک کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے اور آپ کا تارک پر انکار نہ فرمانا بھی تعلیم جواز کے لیے تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو احياناً ترک کرنا ملحوظ ہے، وہ اس سے عام ہے کہ احياناً ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً، اور اب سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہوگی کہ جس فعل پر نبی ﷺ مواظبت فرمائیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی فرمادیں، خواہ ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً، اور جس فعل پر نبی ﷺ بلا ترک مواظبت فرمائیں اور تارک پر انکار فرمائیں، وہ فعل واجب ہوگا۔ (حاشیہ سعدی چلبی مع فتح القدر، ج ۲، ص ۲۹۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متونی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

”سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ مواظبت ہو اور اس کے ساتھ ترک بھی ہو، خواہ حکماً ہو، لیکن تعریف میں عموماً شروط کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۱، ص ۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مصری متونی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ کیا ہو، وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی اس فعل کو ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (البحر الرائق، ج ۱، ص ۱۷، مطبوعہ مکتبہ ماجدہ، کوسٹہ)

علامہ سید احمد لطاوی متونی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

”البحر الرائق“ میں سنت مؤکدہ کی دو تعریفوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ:

الطريقة المسلوكة في الدين من غير
وه طريقہ جس پر دین میں بغیر لزوم کے ہمیشہ عمل کیا گیا ہو۔

لزوم علی سبیل المواظبة۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ فرمایا ہو اور اگر آپ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔

(حاشیہ المطاوی علی الدر المختار، ج ١، ص ٦٦، مطبوعہ بیروت ١٣٩٥ھ)

نیز علامہ مطاوی لکھتے ہیں:

سنت اس طریقہ مسلوکہ فی الدین کو کہتے ہیں جو کسی قول یا فعل سے متعلق ہو۔ وہ قول یا فعل لازم نہ ہو اور نہ اس کے تارک پر انکار ہو اور نہ وہ خصوصیت ہو۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ لازم نہ ہو اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا اس کے تارک پر انکار نہ ہو اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ خصوصیت نہ ہو اس قید سے صوم وصال خارج ہو گئے۔ پھر اگر نبی ﷺ نے غالب اوقات میں اس فعل پر مواظبت نہ کی ہو تو وہ سنت مستحبہ ہے۔ اس کو سنت زائدہ، مستحب، مندوب اور ادب وغیرہ بھی کہتے ہیں اور اگر آپ نے اس فعل کے تارک پر وعید فرمائی ہو تو پھر یہ واجب ہے۔ (ایضاً، مراقی الفلاح) سنت مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں۔ اذان، اقامت، جماعت، پانچ نمازوں کی سنتیں، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اس سنت کو سنت الہدی بھی کہتے ہیں، یعنی اس سنت پر عمل کرنا ہدایت اور دین کی تکمیل کے لیے ہے اور اس کو ترک کرنا کراہت اور اساءت ہے۔

علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ دنیا میں مطالبہ عمل کے لحاظ سے سنت مؤکدہ واجب کی مثل ہے، مگر واجب کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا اور سنت مؤکدہ کے ترک پر آخرت میں عتاب کا مستحق ہو گا اور سنت غیر مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں: تنہا شخص کا اذان دینا، وضو میں گردن پر مسح کرنا اور دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور نقلی نماز، نقلی روزہ اور نقلی صدقہ۔

(حاشیہ مراقی الفلاح، ص ٣٩-٣٨، مطبوعہ مصر ١٣٥٦ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

”البحر الرائق“ میں مذکور ہے، سنت وہ فعل ہے جس پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو، پھر اگر یہ مواظبت بغیر ترک کے ہے تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل کو کبھی کبھی ترک کیا ہو تو وہ اس فعل کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا، تو یہ اس فعل کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور النہر الفائق کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ یہاں پر یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہے اس کا وجوب آپ کے ساتھ مختص نہ ہو۔ مثلاً صلوٰۃ النضحی (چاشت کی نماز) اس میں آپ کا دوسروں کے ترک پر انکار نہ فرمانا، آپ کے حق میں اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز ترک میں یہ قید بھی لگانی چاہیے کہ وہ ترک بلا عذر ہو، کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض کا ترک بھی جائز ہے۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے، لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (رد المحتار، ج ١، ص ١١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ١٣٠٧ھ)

کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ وجوب صرف نبی ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے، آپ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں جس فعل پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، تو یہ بھی اس فعل کے واجب ہونے

کی دلیل ہے۔ ڈاڑھی رکھنے کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے، اس لیے نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ڈاڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور حرام ظنی ہے۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبید اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا، در آنحا یکہ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۷۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۶ھ)

چونکہ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے، اس لیے ڈاڑھی منڈانا حرام (ظنی) ہو اور ڈاڑھی رکھنا واجب ہو۔ رہا اس کی مقدار کا معاملہ تو نبی ﷺ نے اس کی تحدید نہیں فرمائی۔ البتہ! آپ کی ڈاڑھی مبارک بہت دراز اور گھنی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔ (الشفاء، ج ۱، ص ۳۸، مطبوعہ ملتان) اور اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی رکھنا جو سینہ کو یا کم از کم سینہ کے بالائی حصہ کو بھرے، سنت کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی ہی رکھنی چاہیے۔ بالعموم فقہاء کرام نے قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے اور بعض فقہاء (مثلاً ملا علی قاری اور علامہ زبیدی) نے قبضہ کو مستحب لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک بہر حال قبضہ سے زائد تھی، کیونکہ آپ کو تاہ گردن نہیں تھے۔ آپ کی گردن لمبی تھی اور یہی حسن کا تقاضا ہے۔ پھر سینہ مبارک کے بالائی حصہ کو بھرنے کے لیے بھی دو ڈھائی مشت ڈاڑھی ہونی چاہیے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت قبضہ بھر ڈاڑھی نہیں، بلکہ قبضہ سے زائد مقدار رکھنا ہے۔ اور فقہاء نے جو قبضہ کو سنت لکھا ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سنت سے مراد لغوی معنی ہے، یعنی وہ طریقہ جو ان کے دور کے مسلمانوں میں مروج تھا۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کو سنت غیر موکدہ لکھا ہے، یہ بھی لغوی معنی میں ہے، کیونکہ کسی حدیث میں آپ نے قبضہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد میں قبضہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ سے قبضہ کے بعد ڈاڑھی کا ثابث ہے، لیکن صحابی کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے، یا رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر وعید فرمائی ہو، تو یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن قبضہ کے متعلق ان میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔

ہر چند کہ قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے، لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق کیا جاتا ہو اور عرفی مقدار بھی دلیل شرعی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مقدار کے متعلق دلیل شرعی نہ پائی جائے، اس کی مقدار کو اس میں مبتلا شخص کے ظن غالب کی طرف مفوض کر دینا چاہیے۔ (رد المحتار، ج ۱، ص ۱۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

سو اگر کوئی شخص خشنی ڈاڑھی یا فرنج کٹ ڈاڑھی رکھتا ہے یا ایک یا دو انگل ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی نہیں کہتے۔ بلکہ فرنج کٹ ڈاڑھی یا خشنی ڈاڑھی کہتے ہیں۔ لہذا ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی کہا جائے۔ خواہ وہ قبضہ سے ایک آدھ انگل کم ہو یا زائد ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب نہیں فرمایا اور آپ نے اس کی تحدید نہیں کی، اس لیے ہم اس کی حد قبضہ مقرر کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں، اس بناء پر ہمیں کافی مطعون بھی کیا گیا ہے اور

ہمارے خلاف کتابیں بھی لکھی گئیں۔ بہر حال اہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور انسانوں کی بتائی ہوئی شریعت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو پیش کیا ہے اور حق گو لوگ ہر دور میں شخصیت پرستوں اور غالی اور جلد لوگوں کے لعن طعن کا شکار ہوتے رہے ہیں، ہم ان کے سب و شتم پر صبر کرتے ہیں اور اللہ ہی سے جزاء کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس کے ساتھ اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا، تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو (المائدہ: ۲۰)

شنان کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے، یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عمرہ کے لیے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا، اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنا۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود مشرکوں کو مسجد حرام میں جانے سے منع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَمَلِهِمْ هَذَا
اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔ (توبہ: ۳۷)

اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (المائدہ: ۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر (نیکی) اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جس کو کرنے سے شریعت نے روکا ہے اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہے اور ظلم کا معنی ہے دو سروں کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اٹم اور عدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے، ان کو کرو اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے، ان سے باز رہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی کریں، تو بے شک اللہ ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔

یہ آیت جو امع الکلم میں سے ہے اور یہ ہر خیر اور شر اور ہر معروف اور منکر کے حکم کو شامل ہے۔ آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں بہت سے فقہی احکام کو شامل ہیں۔

۱۔ اپنے عہد پورے کرو، یعنی اللہ تعالیٰ سے جن احکام شرعیہ کو بجالانے کا عہد کیا ہے، ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد کیے ہیں، ان کو پورا کرو۔ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنا، بیویوں کا مہر ادا کرنا، ان کا خرچ اٹھانا، امانت، عاریت اور رہن رکھی ہوئی چیز کو حفاظت کے ساتھ ادا کرنا اور ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا، ان عقود میں شامل ہے۔ اسی طرح

عبادات مقصودہ مثلاً نماز، روزہ، حج، اعتکاف اور صدقات کی نذر پوری کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کسی غیر مقصودہ عبادت مثلاً وضو، یا کسی مباح کام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ عوام میں جو پیروں، فقیروں کی نذر مشہور ہے، یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

۲۔ شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حلال جانوروں کا کھانا، کچیلوں سے پھاڑنے والے درندوں اور پالتو گدھے کو اور بچوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو نبی ﷺ نے حرام کر دیا ہے اور (المائدہ: ۳) میں بھی ان جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جن کو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو، ان کے علاوہ خنزیر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے۔

۳۔ حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے، اسی طرح حرمین میں شکار کرنا بھی منع ہے۔

۴۔ جو شخص محرم نہ ہو، اس کے لیے حرمین کے علاوہ دوسری جگہوں پر شکار کا حلال ہونا۔

۵۔ محرم کے لیے صرف خشکی کا شکار ممنوع ہے۔ سمندری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

۶۔ قربانی کے لیے بھیجے ہوئے جانوروں کو ضرر پہنچانے کی حرمت، جو اونٹ قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جاتا ہے، اس کے

گلے میں قلاوہ ڈال دیتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حدی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کوہان پر معمولی سا شگاف ڈالتے ہیں

جس سے اس کے کوہان پر خون بہ جاتا ہے، اور یہ بھی اس کے حدی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو اشعار کہتے ہیں، یہ سنت ہے۔

امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ! عجمی لوگ جو اشعار کرنا نہیں جانتے، ان کے حق میں یہ سنت نہیں ہے، کیونکہ وہ زیادہ

شگاف ڈال دیتے ہیں جس سے بزاز خم پڑ جاتا ہے، ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہ اشعار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۷۔ شعائر اللہ میں حدی اور قلاوہ کے علاوہ حرمت والے مینے بھی داخل ہیں، تحقیق یہ ہے کہ اب ہر مینہ میں جہاد کرنا جائز

ہے۔

۸۔ کسی کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی نہ کرے۔

۹۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، اس میں ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا

اور سماجی خدمت اور سوشل ورک داخل ہیں۔

۱۰۔ جرم اور گناہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ بینک اور بیمہ کمپنی، جوئے خانہ اور کسی بھی بدی کے اڈے میں ملازمت کرنا، خواہ وہ

ملازمت کلر کی کی ہو یا چوکیداری کی، وہ بہر حال اس برائی کے ساتھ ایک نوع کا تعاون ہے اور ناجائز ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ

نم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ

اللَّهِ بِهِ وَالْمَنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا

کا نام پکارا گیا ہو اور گل گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس

أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا

کو درنمے نے کھایا ہو ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا، اور جو بتوں کے تقریبے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور

بِالْآزْمِ ذَلِكُمْ فَسُقِ الْيَوْمَ يَسِّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ

فال کے تیزوں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے،

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام

غَيْرَ مَتَجَانِفٍ لِئَلَّا يَكُونَ اللَّهُ عَفْوَراً حَيْثُ ۝٣ يَسْأَلُونَكَ

چیز کھالے) درال حالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے، (اے رسول مكرم!) آپ

مَا ذَا أَجَلَ لَهُمْ قُلْ أَجَلٌ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ

پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا

سداہا لیے ہیں درال حالیکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

سوا اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں (اور شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ

سَرِيعِ الْحِسَابِ ۝٥ الْيَوْمَ أَجَلٌ لَّكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ

پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے، آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ

أَوْ تَوَا الْكِتَابِ جِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ جِلٌّ لَّهُمْ نَوَّالْمُحْصَنَاتُ

تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أَوْ تَوَا الْكِتَابِ مِنَ

مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی) تمہارے لیے حلال

قَبْلَكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

ہیں، جب تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو، دران حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ

وَلَا مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

علانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے، اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بیشک اس کا عمل

عَمَلُهُ زَوْهَوْنِي الْأَخْرَجَ مِنَ الْخَيْرِيْنَ ۝۴

ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ۰

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مر جائے، نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو، اس کو میت (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مر جائے، اس کو میت کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے، کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں، جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کر لیا جائے تو اس کے جسم سے سارا خون بہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ زہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طبائع سلیمہ مردار جانور کا گوشت کھانے سے متنفر ہوتی ہیں، سو مردار جانور صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہے اور دین کے اعتبار سے بھی، کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نکلی۔ لہذا مردار جانور کو کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ! فقہاء احناف کے نزدیک اس کے بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۶۳، مطبوعہ کراچی) علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مردار کی ہڈی نجس ہے۔ (المغنی، ج ۱، ص ۵۶) اور امام شافعی کے نزدیک مردار کے پر اور بال بھی نجس ہیں، کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ بڑھتے ہیں، اور باقی اعضاء کی طرح اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مردار کے پر اور بال پاک ہیں۔ کیونکہ امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مردار کی مشک میں کوئی حرج نہیں ہے، جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے اون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے، جب انہیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی، اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے، جیسے انڈا نجس نہیں ہوتا۔ (المغنی، ج ۱، ص ۶۰، مختصراً مطبوعہ بیروت)

مردار جانور حرام ہے، لیکن اس کے عموم سے بالاتفاق مچھلی اور بڈی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور بڈی۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو پانی سے رہ جائیں گے، تو کیا ہم سمندر کے پانی

سے وضو کر لیا کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مراہو جانور حلال ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ٦٩، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٨٣، سنن نسائی، رقم الحدیث: ٥٠، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٣٨٦، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ٣٣، مسند احمد، ج ٣، ٤٣٣، المستدرک، ج ١، ص ١٣٠)

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بننے والا خون ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بننے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

قُلْ لَّا آحِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَيَّ طَائِعِيمٍ يَتَّعَمَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا-الايه (الانعام: ١٣٥)

آپ کہنے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھاتا ہو، صرف مردار، بننے والے خون اور خنزیر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں، کیونکہ وہ نجس ہے، یا نافرمانی کی وجہ سے جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون عادتاً باقی رہ جاتا ہے، وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جلد ہو جیسے کلبھی اور تلی، وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ پہلے مردے تو وہ مچھلی اور مڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلبھی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ج ٣، رقم الحدیث: ٣٣١٣، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

بننے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم اور زہریلے اجزاء ہوتے ہیں، اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے، تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مادی طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے سخت مضر ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔ اسی طرح (الانعام: ١٣٥) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر (شراب) مردار، خنزیر اور بتوں کی بیچ کو حرام فرمادیا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ٣، رقم الحدیث: ٢٢٣٦، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بریدہ اپنے والد بنی بنی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص زرد شیر کے ساتھ کھلے، اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔

(صحیح مسلم، ج ٣، رقم الحدیث: ٢٢٦٠، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون، گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے، کیونکہ کسی جانور کا اہم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت گندہ اور نجس جانور ہے اور یہ بالعموم گندگی میں رہتا ہے۔ اس کے جسم اور بالوں میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے اور اس میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خون میں کلسترول کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ جانوروں میں خنزیر نہایت بے غیرت جانور ہے۔ اس کی مادہ سے ایک خنزیر جفتی کرتا ہے اور باقی کئی خنزیر اس کے قریب کھڑے اپنی باری کے منتظر رہتے ہیں جبکہ دوسرے جانور اپنی مادہ کے قریب دوسرے زکو آنے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اقوام خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی بے غیرت ہوتی ہیں ان میں بہت زیادہ فحاشی اور بد چلنی ہوتی ہے۔ بہر حال! مسلمان کے لیے صرف یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمادیا خواہ حرمت کی یہ وجوہ ہوں یا نہ ہوں۔ ہم نے یہ وجوہ صرف اس لیے بیان کی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے جن تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے اس کی وجوہ نہایت معقول ہیں۔

”ما اهل لغير الله به“ کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں و ما اهل لغير الله به کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ اہلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا پھر ہر بلند آواز کو اہلال کہا گیا۔ نوزائیدہ بچے کے رونے کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

(المفردات، ص ٥٣٣، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ، ایران، ١٣٦٢ھ)

ملا احمد جون پوری متوفی ١١٣٠ھ لکھتے ہیں: ”و ما اهل لغير الله به“ کا معنی ہے جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، مثلاً عزرائی اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر۔ (تفسیرات احمدیہ، ص ٣٣، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور اہلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے، مثلاً عزرائی اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا (روح المعانی، ج ٦، ص ٥٤، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ١١٤٦ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”و آنچه نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود۔“ عام ازیں کہ ذبح کے وقت صرف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً مسیح کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یا اللہ کے ساتھ بطریق عطف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ اور مسیح کے نام سے ذبح کرتا ہوں، تو یہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر وقت ذبح میں غیر اللہ کے ساتھ وہ جانور نامزد ہو، مثلاً قربانی کے جانوروں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ محمود کا بکرا ہے، یہ اسلم کا بکرا ہے، یہ فہیم کی گائے ہے، یا کسی نے اپنے والد عبد الرحیم کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے کوئی بکرا موسوم کیا ہو، اور کسی نے حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے بکرا نامزد کیا ہو، یا کسی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ ثواب کرنے کے لیے کوئی بکرا نامزد کیا ہو، پھر ان جانوروں کو اپنے وقت میں صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو یہ ذبح جائز ہے اور ان کا گوشت حلال ہے اور ان کا ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، صرف اس کا خون بہانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ ”ما اهل لغير الله“ ہے۔ خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرت خلیل

علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تکریم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا اور منفعت مہمان کے لیے، یا دعوت کے لیے، یا نفع کے لیے ہوگی اور اگر اس نے کھانے کے لیے نہیں ذبح کیا بلکہ اس لیے کہ کسی غیر کے آنے پر محض اس کو ذبح کرے (یعنی صرف خون بہائے) تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوگی، سو یہ حرام ہوگا۔ کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ (بزازیہ و شرح وہبانیہ) میں کہتا ہوں کہ منیہ کی کتاب الصید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے، اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب (بہ طور عبادت کیونکہ یہی مکفر ہے۔ شامی) حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شرح الوہبانیہ میں ذخیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، ج ٥، ص ١٩٤-١٩٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٣٠٠ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی متوفی ١٣٥٢ھ اس کی شرح میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”ما اھل بہ لغیر اللہ“ میں تعظیم اور غیر تعظیم کے لیے ذبح کا فرق یہ ہے کہ اگر دیوار چنتے وقت یا کسی مرض سے شفاء کے حصول کے وقت جانور ذبح کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس ذبح کا مقصد صدقہ کرنا ہے (حموی) اسی طرح کسی نے سفر سے سلامتی کے ساتھ آنے پر قربانی کی نذر مانی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (البحر الرائق) اب اس پر لازم ہے کہ اس گوشت کو فقط فقراء پر صدقہ کرے۔ (فتاویٰ الشلبی) اور جو شخص کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرے اور پھر اس کو یونہی چھوڑ دے، یا اس میں سے کل یا بعض لے لے اور فرق کا مدار ابتداء ذبح کے وقت ہے۔ اگر اس نے مہمان کے اکرام اور اس کو گوشت کھلانے کے سبب سے جانور کو ذبح کیا ہے، تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر اس نے کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے محض خون بہانے کے قصد سے جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ حرام ہے، اور یہ فرق اس طرح مزید ظاہر ہوگا کہ اگر اس نے حاکم کی ضیافت کی اور اس کے آنے پر جانور کو ذبح کیا۔ اگر اس ذبح سے اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے، اور اگر اس ذبح سے اس کی مہمانی اور اس کے اکرام کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ یہ ذبیحہ مہمان کے علاوہ کسی اور کو کھلا دے۔ جو شخص کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کرتا ہے تو یہ ذبیحہ حرام ہے، لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرے گا اور تکفیر کا اسی پر مدار ہے، اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ فعل دنیا داری کے لیے ہے، یا اس کے سامنے اظہار محبت کر کے اس کا مقبول بنا چاہتا ہے، لیکن جبکہ اس حاکم کی تعظیم کی وجہ سے ذبح کرنا تھا تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا حکماً خالص اللہ کے لیے نہ تھا، اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے، اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے، اس لیے یہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے۔

(رد المحتار، ج ٥، ص ١٩٤-١٩٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٣٠٠ھ)

المنخنقة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

منخنقة اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹنے سے مرجائے، عام ازیں کہ کسی نے قصد اس کا گلا گھونٹ دیا یا کسی حادثہ سے اچانک اس کا گلا گھٹ گیا ہو، یہ مردار ہے اور شرعاً مذبوہ نہیں ہے۔ اس کو مردار میں شامل نہیں کیا، بلکہ الگ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مردار وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت سے مرجائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرتا ہے، لیکن یہ مذبوہ نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے جس سے اس کی

چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہ جائے۔

الموقوذة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے، خواہ دور سے پتھر مارا جائے، یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے۔ اس چوٹ کے نتیجے میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرعاً مذبح نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے، اور زمانہ جاہلیت میں اس کو کھایا جاتا تھا۔

اسلام میں ثقیل شے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے، اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو زخم کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا ”منخنقه“ وہ ہے جس کا گلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ ”موقوذة“ وہ ہے جس کو لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے۔ ”متردیه“ وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور ”نطحه“ وہ ہے جس کو دوسری بکری نے سینگھ مارا ہو، اگر اس کی دم یا آنکھ مل رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ (صحیح البخاری، ج ۶، کتاب العید والذبايح، ۷۲، باب ۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ ﷺ سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو، اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے، تاکہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ (صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۵۵)

جب چھری تیز ہوگی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر ذبح تک نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں روح ہو، اس کو (مشق کے لیے) نشانہ نہ بناؤ۔ (صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۵۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض (بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھالو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تیر لگے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھاؤ، کیونکہ وہ وقیمذ (چوٹ سے مراد ہوا) ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۷۶)

موقوذة کی بحث میں بندوق سے کیے ہوئے شکار کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم جلد سادس میں لکھ دی ہے اور (المائدہ: ۴) میں بھی انشاء اللہ اس پر گفتگو کریں گے۔

المتردیه کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے مثلاً چھت سے گر جائے، یا کنوئیں میں گرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے، اس کو متردیه کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس میں کچھ رقیق حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

النطيحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے سینگھ مارا ہو اور وہ اس کے سینگھ مارنے سے مرگیا، خواہ اس کے سینگھ مارنے سے وہ زخمی ہو، اور اس کا خون بھی بہا ہو، اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے اور اس کا کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو، اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلاً شیر، چیتے یا بھیڑیے نے کسی حلال جانور کو چیر پھاڑ کر زخمی کر دیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو، تو اس کا کھانا بلاجماع جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے زخ کی جگہ سے خون بہ رہا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے، لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

”الاماذ کیتم“ کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار، خون، خنزیر اور ”ما اهل لغير الله به“ کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا۔ اس مستثنیٰ منہ میں المنخنقه، الموقوذه، المترديه، النطيحة اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو، داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے ”ما اهل لغير الله به“ کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے، بایں طور کہ اس کی دم ہل رہی ہو، یا وہ آنکھ سے دیکھ رہا ہو، اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کر دو، وہ حلال ہے۔

قائد نے بیان کیا کہ لحم الخنزیر کے سوا باقی تمام کو ”الاماذ کیتم“ کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ جانور پلک جھپکا رہا ہے، دم ہلا رہا ہے، یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے، تو تم اس کو ذبح کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جب تم موقوذه، مترديه اور نطيحة کو ہاتھ پیر ہلاتے دیکھو تو اس کو (ذبح کر کے) کھاؤ۔

ان اقوال کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ موقوذه، مترديه، نطيحة اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو، وہ تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں، لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں، تم ان کو ذبح کر کے کھاؤ۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان محرمات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے، یعنی مردار، خون، خنزیر، ”وما اهل لغير الله به“ اور باقی مذکورہ جانور تم پر حرام کر دیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کر لو، وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے، امام مالک نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ، جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر اس کے ہاتھ پیر توڑے ہیں، تو پھر اس کو ذبح کر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے پوچھا گیا، اگر وہ اس پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالک نے کہا: اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا بہتر نہیں ہے، ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑیا بکری کا پیٹ پھاڑ دے، لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں، امام مالک نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ میری رائے میں ”وما اهل لغير الله به“ سے لے کر آخر آیت تک یہ استثناء لاحق ہے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں، اس لیے وہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مر جاتا ہے، وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو، اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے، یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو، اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہو گا۔ لہذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، وہ حلال ہو گا۔ (جامع البیان، جز ۶، ص ۹۹-۹۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا۔

نُصَبَ كَامَعْنٰی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے، یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا، وہ بھی حرام ہے۔ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کیے گئے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پتھروں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا، اس کو ان پتھروں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عبادت قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے، اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب، نصب کی جمع ہے۔ نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کسی شے پر نصب کیا جاتا ہے۔ (المفردات، ص ۴۹۴) نصب بتوں کو نہیں کہتے، نصب غیر منقوش پتھر ہوتے ہیں اور بت منقوش پتھر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرمادیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، تاکہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔ (المائدہ: ۲)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے، زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے، جن میں سے کسی پر لکھا ہوا تھا، مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوا تھا، مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سادہ ہوا تھا۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا، یا شادی کا ارادہ کرتا، یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فال نکالتا۔ اگر اس کا تقاضا ہوتا کہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا، اور اگر اس کا تقاضا ہوتا کہ وہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فال نکالتے۔ (جامع البیان، جز ۶، ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

نجومیوں، کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

جس طرح فال کے تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا، یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ دار ہیں، ان سے مستقبل کا حال معلوم کرنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کالم چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور انکل بچو سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں، نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا، اپنی چونچ سے لفافہ نکالتا

ہے، بعض صوفی بامصافقہ کے لوگ قرآن سے فال نکالتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل، ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا، یا جن امور پر وحی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا، اولیاء اللہ کو جو الہام ہوتا ہے وہ ایک ظنی امر ہے، قطعی چیز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کافر اور مشرک کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور انہیں مستقبل میں جس کام کے متعلق تردد ہوتا، وہ ان سے معلوم کرتے اور وہ فال کے تیروں سے فال نکال کر انکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کر دی، اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ داروں، نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، طوائف (رنڈی) کے معاوضہ اور کاہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔
(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۳۷، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۶۷، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۷۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۵۹، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۰۶۹، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۶۸، شرح السنن، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۰، المعجم الکبیر، ج ۱۷، رقم الحدیث: ۷۲۶، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۳۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶، ص ۲۳۳، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ۶، ص ۶)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی، یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا، تو وہ اس (دین) سے بری ہو گیا، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ (سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۰۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا، یا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا، اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۳۰۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا: اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اثرم کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم منکر الحدیث ہے۔ (الکبیر، ج ۱، ص ۱۸) امام ابن عدی نے اس کو ضعفاء میں بیان کیا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء، ج ۲، ص ۶۳) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے، وہ کافر ہو گیا اور اگر وہ ناجائز اور گناہ سمجھ کر یہ کام کرے، تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

عرب میں کاہن تھے اور وہ متعدد امور کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے، ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن آکران کو خبریں دیتے ہیں، اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مستقبل کے امور کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں، اور بعض عراف کہلاتے تھے جو قرآن اور اسباب سے مختلف چیزوں کا پتا چلا لیتے تھے۔ مثلاً بتاتے فلاں شخص نے چوری کی ہے اور فلاں شخص نے فلاں عورت

سے بدکاری کی ہے، اور بعض نجومی اور ستارہ شناس کو کاہن کہتے تھے۔ حدیث میں ان تمام لوگوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے، اور ان کے اقوال اور ان کی خبروں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(معالم السنن، ج ۵، ص ۳۷۱-۳۷۰، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت

بہر حال! جو شخص بھی غیب کی خبروں کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔ خواہ وہ کاہن ہو، نجومی ہو، یا دست شناس ہو، اور جو شخص اس کی خبر کی تصدیق کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اور جن لوگوں کو مستقبل میں کسی کام کے متعلق تردد ہو، مثلاً کسی جگہ رشتہ کرنا ہے، کسی شخص کے ساتھ شراکت میں کوئی کاروبار کرنا ہے، کسی جگہ سفر پر جانا ہے اور اب وہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں بہتر ہیں یا نہیں، تو اس کے لیے کسی نجومی وغیرہ کے پاس نہ جائے، بلکہ شریعت نے اس کے لیے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے، سو وہ اس کے لیے استخارہ کرے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یہ دعا کرے، اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں، میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے، اور میرے لیے آسان کر دے، پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو، تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے، اور مجھے اس کام سے دور کر دے، اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے، جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعا میں اپنے اس کام کا نام بھی لے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۶۲، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۳، مسند احمد، ج ۵،

رقم الحدیث: ۱۳۷۱۳)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

اگر ایک بار دعاء استخارہ کرنے کے بعد آدمی کا دل کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف نہ جھکے تو آیا دوبارہ یہ عمل کرنا مشروع ہے یا نہیں، حتیٰ کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق شرح صدر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ صلاۃ استخارہ اور دعا کو بار بار کرنا مستحب ہے۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس جانب مائل ہوتا ہے، بس خیر اسی میں ہے۔ امام عقیلی اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ساقط ہے، اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ صلاۃ استخارہ کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ”قل یا ایہا

الکافرون“ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ”قل هو اللہ احد“ پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اسی طرح لکھا ہے اور ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے، صلاۃ استخارہ میں کسی سورت کی قرأت کرنا معین نہیں ہے اور کسی حدیث میں اس تعین کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۲۲۳، مطبوعہ ادارۃ الباعثہ النیریہ، مصر، ۱۳۳۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأت کے بعد یہ زیادہ پڑھے (اور بکثرت یخلق ما یشاء و یختار) اور اس کو یعلنون تک پڑھے اور دوسری رکعت میں (او ما کان المؤمن ولا مؤمنۃ الا یہ) پوری آیت پڑھے اور استخارہ کا عمل سات مرتبہ کرے، جیسا کہ امام ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ میں) روایت کیا ہے اور شرح الشرع میں مذکور ہے کہ مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ نماز استخارہ پڑھ کر اور دعاء مذکور کرنے کے بعد با وضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے، اگر اسے خواب میں کوئی سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے شر ہے اور اس کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

قرائن کی بناء پر مستقبل کے ظنی اور اک حاصل کرنے کا حکم

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں جب تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا فسق ہے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ نبی ﷺ فال (نیک شگون) کو پسند کرتے تھے اور تیروں سے اپنے سفرا مستقبل کے کسی کام کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی ایک قسم کی فال ہے تو پھر تیروں کے ذریعہ فال نکالنے کو کیوں فسق فرمایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ واحدی نے کہا ہے کہ تیروں سے فال نکالنا یا قسمت کا حال معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَاتُكَ كَسِبَتْ غَدًا

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

(لقمان: ۳۳)

آپ کہئے کہ اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

ہے وہ (بذاتہ) غیب کو نہیں جانتا۔

الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ (النمل: ۶۵)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا یا جس شخص نے تیروں کے ذریعہ قسمت کو معلوم کیا یا کسی چیز سے جو فال نکال کر سفر سے واپس ہوا، وہ قیامت کے دن جنت کے بلند درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۵۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اور کوئی معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر علامات متعارفہ کے ذریعہ ظنی علم حاصل کرنا (مثلاً موسمی علامات کے ذریعہ درجہ حرارت یا بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا علم حاصل کرنا) یا جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سورج اور چاند کے گمن لگنے کا علم حاصل کرنا) معرفت غیب کی طلب ہو، تو پھر خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا علم بھی کفر ہونا چاہیے، کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے اور کسی چیز سے نیک فال نکالنا بھی کفر ہونا چاہیے، کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے اور جو اصحاب کرامات اور اولیاء اللہ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ بھی کافر ہونے چاہئیں اور یہ بدعت معلوم ہے کہ ان امور کا کفر ہونا باطل ہے، کیونکہ یہ تمام امور شریعت

تبیان القرآن

جلد سوم

سے ثابت ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز میں بد شگونئی نہیں ہے، اور سب سے عمدہ چیز فال ہے۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ (صحیح البخاری، ۵۷۵۵، صحیح مسلم، ۲۲۲۳) کسی ناپسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بد شگونئی ہے۔ عرب جب کہیں جانا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھگاتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا، تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر پر نہ جاتے، یا جو کام کرنا ہوتا، نہ کرتے، اور فال کا معنی نیک اور اچھی بات ہے جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے جاتے، تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے یا راشد (اے ہدایت یافتہ) یا نحبیح (اے کامیاب)۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی چیز سے بد شگونئی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے، جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے، اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا، تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی، اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا، تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا، تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۲۰، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، طبع قدیم) سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں غیب کے جس علم کی طلب سے منع فرمایا ہے، اس سے مراد غیب کا یقینی اور قطعی علم ہے اور علامات، آلات اور علم تعبیر اور فال سے جو غیب کا ادراک حاصل ہوتا ہے، وہ محض ظن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ ظن قوی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ ظن ضعیف ہوتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ جو ان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ بتوں کے تصرف سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کا یہ عقیدہ فسق تھا، اس لیے فرمایا کہ یہ فسق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے

ڈرو۔“ (المائدہ: ۲)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند محرمات کے کھانے سے منع فرمایا، جن کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے اور تیروں سے قسمت کا حال دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ اور آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں احکام شرعیہ کے عمل پر برانگیختہ فرمایا، اور ان کو غلبہ کی بشارت دی، تاکہ شریعت پر عمل کرنے کا عزم اور قوی ہو اور ان کی شجاعت اور زیادہ ہو۔ یہ آیت دس ہجری حجتہ الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوئی، وہ دن جمعہ کا تھا، اور اس میں فرمایا کفار تمہارے دین کو باطل کرنے اور تم پر غلبہ پانے سے اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف تمہارے لوٹ جانے سے مایوس ہو چکے ہیں، اور شیطان بھی مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہ یوم عرفہ تھا اور اس دن جمعہ تھا جب نبی

ﷺ نے میدان عرفات پر نظر ڈالی تو آپ کو موحدین کے سوا کوئی نظر نہیں آیا اور آپ نے کسی مشرک کو نہیں دیکھا تب آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گیا ہے، لیکن وہ ان (مسلمانوں) کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۱۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۳-۳۵۴، ج ۴، ص ۱۲۶)

اس آیت اور ان احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزیرہ عرب اور خصوصاً حرمین طہیین میں شیطان کی عبادت نہیں ہو سکتی نہ بت پرستی ہوگی اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ترکوں کے دور میں حرمین شریفین میں جو اہل سنت کے معمولات تھے۔ مسلمان روضہ انور کی جالیوں کو چومتے تھے اور نبی ﷺ سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے، اسی طرح افاضل صحابہ اور اہل بیت کرام کی قبور سے استمداد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں تھی، اور نہ شیطان کی عبادت تھی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا ظہور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے اور اس کو قتل کرنا مباح ہے۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ نے لکھا ہے:

تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوتے، اور فرشتوں اور نبیوں کی شفاعت کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا مباح ہو گیا ہے۔ (کشف الشبہات، ص ۹، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ)

شیخ مذکور کے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب نے شیخ مذکور کے رد میں مسطور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس قدر چاہا، اپنے غیب سے مطلع فرمایا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کی خبر دے دی، اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جزیرہ عرب میں شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے، اور شہاد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ جزیرہ عرب میں بت پرستی نہیں ہوگی اور تمہارا مذہب ان حدیثوں کے برعکس ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں، اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے، اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں۔ حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برأت کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے، اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے۔ سو یہ تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ نیز امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان ہمیشہ کے لیے اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ البتہ تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کبھی خلاف واقع خبر نہیں دیتے اور جن چیزوں (توسل اور طلب شفاعت) کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو، ان کے مرتکبین کو بت پرست کہتے ہو، ان

تمام امور پر تمام اہل مکہ، ان کے عوام، امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے عمل پیرا ہیں، اور تمہارا گمان ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہ احادیث تمہارے زعم فاسد کا رد کرتی ہیں۔ (الصواعق الالہیہ، ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ مکتبہ الشیخ، استنبول)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں ہمارے زمانہ میں محمد بن عبد الوہاب کے متبعین نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ یہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہوں وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے اہل سنت کے قتل اور ان کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔

(رد المحتار، ج ۳، ص ۳۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

شیخ محمد انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں رہا محمد بن عبد الوہاب نجدی تو وہ پلید شخص تھا، کم علم تھا، اور وہ بہت جلد کفر کا حکم لگاتا تھا۔ حالانکہ تکفیر اس شخص کو کرنی چاہیے جس کا علم بہت بختہ ہو، اور وہ حاضر دماغ ہو، اور کفر کی وجہ اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔ (فیض الباری، ج ۱، ص ۱۷۱، مطبوعہ مطبعہ الحجازی، القاہرہ، ۱۳۵۷ھ)

سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں اور شیخ نجدی بہ صراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے، اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے۔ خواہ وہ انتہائی پرہیزگار شخص ہی کیوں نہ ہو، وہ ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کر دیتا، اور ان کے مال و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا، اس کو مومن قرار دیتا۔ خواہ وہ شخص بدترین فاسق ہو۔ (خلاصۃ الکلام فی امر البلد الحرام، ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتبہ الشیخ، استنبول)

سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ (یہ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں مر گیا۔ سعیدی غفرلہ) اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لیے اس نے اہل سنت و الجماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکالیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا، اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل اوہ ایک ظالم و باغی و خونخوار شخص تھا۔ (شہاب ثاقب، ص ۴۲، مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ضلع سہارن پور)

نیز حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

۱- محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں، اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔

۲- نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۴۳)

۳- زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام وغیرہ لکھتا ہے، اس طرف اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔ بعض ان میں کے سفر زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں، اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے، اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۴۵)

۴- شان نبوت و حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوت قلبی و ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات ہے اور اسی وجہ سے توسل و دعائیں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے: نقل کفر، کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور ذات فخر عالم ﷺ تو یہ بھی نہیں کر سکتے (شہاب ثاقب، ص ۴۷)

۵- وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فتاویٰ بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۵۹)

۶- وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہو گئے چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ ضعیلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل در آمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۳-۶۴)

۷- مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواء ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ مسئلہ نداء رسول ﷺ میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ (الی قولہ) چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بار بار ناگیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور لن کا استہزاء اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بیخند نداء و خطاب کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الی قولہ) وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے اور یہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کی ہے حالانکہ یہ اکابر مقدسان دین متین اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت ہو۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۵-۶۶، ملحوظاً)

۸- وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ و سلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و درود بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً

یا اشرف الخلق ما لی من الود بہ
سواک عند حلول الحوادث العمم

”اے افضل مخلوقات! میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت نزول حوادث“۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۶)

۹- وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کو پہنچا دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۷)

۱۰- وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی

جانتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۷)

۱۱۔ وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں، اور علیٰ حد القیاس ازکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۷)

وہابیہ نے علماء حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے جبکہ وہ غلبہ کر کے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے، ہزاروں کو تیغ کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذا میں پہنچائیں، بار بار ان سے مباحثے ہوئے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف ہیں۔ (شہاب ثاقب، ص ۶۸-۶۷، مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور)

شیخ ظلیل انبیٹھوی نے ایک کتاب لکھی ہے "التصدیقات لدفع التلبیسات" اس میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک محمد بن عبد الوہاب کا وہی حکم ہے جو صاحب الدر المختار نے خوارج کا لکھا ہے۔ اور جو علامہ شامی نے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق لکھا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی، شیخ شبیر احمد عثمانی، شیخ حبیب الرحمن اور دیگر اکابر دیوبند نے اس کی تصدیق کی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں، کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے، وہ اپنے دل میں محمد بن عبد الوہاب کے خلاف سخت غم و غصہ لے کر آتا ہے۔ (موائد العوائد من عیون الاخبار والفوائد، ص ۳۸)

حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آج تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے۔ پھر اس کو موکد فرمایا، تم ان سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص اور واجب الاطاعت نہیں تھی، ورنہ جو شخص اس نص کو چھپانے کا ارادہ کرتا یا اس میں تغیر اور تحریف کا ارادہ کرتا، وہ اس دین کی ناکامی سے مایوس ہو جاتا، جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور صحابہ میں سے کوئی شخص بھی اس نص کو چھپانے پر قادر نہ ہوتا۔ اور جب اس نص کا کہیں کوئی ذکر نہیں آیا، کسی حدیث اور کسی اثر میں اس کا بیان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ اور رافضیوں کا یہ پروپیگنڈا باطل ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص صریح تھی، اور صحابہ نے اس کو چھپا لیا۔ کیونکہ اگر اس نص کا تعلق دین کی کامیابی اور اس کے غلبہ سے ہوتا، جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے، تو پھر اس کے چھپانے سے دین کے مخالف مایوس ہو چکے تھے اور شیعہ صحابہ کو دین کا مخالف اور کافر ہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا، اور تمہارے

لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا (المائدہ: ۳)

تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں

یہ آیت حجتہ الوداع کے سال دس ہجری کو عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے، اور اس دن دین کامل ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے دس سال تک دین ناقص رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں فرائض اور واجبات اور محرمات اور مکروہات پر مشتمل احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا نزول بھی تدریجاً ہوا ہے اور اس آیت میں دین کے کامل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصول اور فروع، عقائد اور احکام شرعیہ کے متعلق جتنی آیات نازل ہوئی تھیں، وہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کر دی ہیں۔ عقائد کے باب میں تمام آیات نازل کر دی گئیں۔ اسی طرح قیامت تک پیش آنے والے مسائل اور

حوادث کے متعلق تمام احکام کے متعلق آیات نازل کر دی گئیں اور ان کی تشریح زبان رسالت سے کر دی گئی ہے۔ دین اسلام تو ہمیشہ سے کامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آسانی کے لیے اس کا بیان تدریجاً فرمایا، کیونکہ جو لوگ کفر اور برائی میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے، اگر ان کو یک لخت ان تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی طبیعت پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی سمولت کی خاطر اس کا بیان رفتہ رفتہ اور تدریجاً فرمایا اور آج یہ بیان اپنے تمام و کمال کو پہنچ گیا۔

اسلام کا کامل دین ہونا ادیان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کو کامل دین فرمایا ہے، تو کیا حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء سابقین کا دین کامل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ادیان سابقہ اپنے اپنے زمانوں کے لحاظ سے کامل تھے۔ ان کے زمانوں میں تہذیب و تمدن کے جو تقاضے تھے اور ان کی رعایت سے جس طرح کے شرعی احکام ہونے چاہئیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی احکام نازل فرمائے، پھر حالات کے بدلنے اور تہذیب و ثقافت کی ترقی سے تقاضے بدلنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بعد کی شریعت میں پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے اور نسخ احکام کا یہ سلسلہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک جاری رہا، بلکہ آپ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کیے گئے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہو گا اور اب جس قدر احکام ہیں، وہ سب محکم ہیں اور ناقابل تنسیخ ہیں، اور قیامت تک یہ تمام احکام مانذ العزل رہیں گے، الایہ کہ جس حکم کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادی ہے۔ مثلاً جزیہ کی مدت نزول عیسیٰ علیہ السلام تک ہے، اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس وقت سب مسلمان ہو جائیں گے۔ لہذا کسی سے جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں سے ہر دین کامل تھا، لیکن اس کا کمال اضافی تھا، وہ دین جس زمانہ اور جس قوم اور جس علاقہ کے لیے تھا، اس کے لحاظ سے وہ دین کامل تھا اور اسلام بھی دین کامل ہے اور اس کا کمال حقیقی ہے، یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے کامل ہے، تمام لوگوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے اب یہی دین ہے اور یہی کمال حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸)

اور ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے
رسول بنا یا در آنحالیکہ آپ خوشخبری دینے والے ہیں اور
ڈرانے والے ہیں۔

تَبَرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱)

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ
(آل عمران: ۸۵)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر کتاب
فیصل نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔
جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا، تو وہ
اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے
جوامع العلم (ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غنمتمیں میرے
لئے حلال کر دی گئیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (آلہ تمیم) اور مسجد بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف
رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا اور حضرت جابر کی روایت میں ہے ہر نبی کو بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث

کیا جاتا تھا اور مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۳-۵۲۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۵۹)

قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو قیامت تک تمام لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ سو واضح ہو گیا کہ باقی ادیان اپنے اپنے زمانوں کے اعتبار سے کالے تھے اور اسلام قیامت تک کیلئے کالے دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے متعلق فرمایا: کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کالے کر دیا۔

یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ بیان کرتے ہیں: یہ آیت حجتہ الوداع کے سال یوم عرفہ کو بروز جمعہ نازل ہوئی اس کے بعد فرائض سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی نہ طہال اور حرام سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صاف ایکس روز زندہ رہے۔ ابن جریج سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

(جامع البیان، جز ۶، ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی "الیوم اکملت لکم دینکم" الایہ تو اس یہودی نے کہا اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے، یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کو۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں، انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا۔ البتہ! یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشہور عیدیں صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں جن کے مخصوص احکام شرعیہ ہیں۔ عید الفطر میں صبح افطار کیا جاتا ہے، اس کے بعد دو رکعت نماز عید گاہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں پہلے نماز اور خطبہ ہے اور اس کے بعد صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور اس میں ظہر کے بدلہ میں نماز اور خطبہ فرض کیا گیا ہے اور عرفہ کے دن غیر حجاج کے لیے روزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس سے دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر (قربانی کا دن) کے ساتھ مخصوص ہے اور جبکہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خوشی حاصل ہو اور اس پر قرآن مجید کی اس آیت میں دلیل ہے:

قَالَ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ (المائدہ: ۱۱۳)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا، اے اللہ! ہمارے رب! آسمان سے ہم پر کھانے کا خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی۔

(المفردات، ص ۳۵۲، مطبوعہ المکتبۃ الرقنویہ، ایران، ۱۳۶۲ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفا عید ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو وہ بھی عرفا عید کا دن ہے اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی، وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفا عید ہے، شرعا عید نہیں ہے، اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بارہ ربیع الاول نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے اور بعض اقوال کے مطابق آپ کا یوم وفات بھی یہی ہے۔ تم اس دن نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی مناتے ہو۔ اس دن آپ کی وفات پر سوگ کیوں نہیں مناتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں نعمت پر خوشی منانے، اس کا اظہار اور بیان کرنے کا تو حکم دیا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے پر سوگ منانے سے منع کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم غم اور سوگ کیوں کریں؟ نبی ﷺ جس طرح پہلے زندہ تھے، اب بھی زندہ ہیں۔ پہلے دار التکلیف میں زندہ تھے، اب دار الجزاء اور جنت میں زندہ ہیں، آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیک اعمال پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال پر آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ آپ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، طالبین شفاعت کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور آپ کے مراتب اور درجات میں ہر آن اور ہر لحظہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس میں غم کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جبکہ آپ نے خود یہ فرمایا ہے میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ، ص ۸۱۰)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی، ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بتادی، اس روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہ و تابعین اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۵، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۶ھ نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں۔ اس تہوار کو، جس کو ہادی اسلام ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی تہوار ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا، حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس! اس تہوار کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔

(ہفت روزہ قدیل، لاہور، ۳ جولائی ۱۹۶۶ء)

عام طور پر شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین اور علماء دیوبند یہ تاثر دیتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے اہل اسلام ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں، اور ان ایام کو عید مناتے رہے ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ہمیشہ سے اہل اسلام رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں اور دعوتیں کرتے رہے ہیں، اور اس مہینہ کی راتوں میں مختلف قسم کے صدقات کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور نیک اعمال زیادہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی برکت سے ان پر فضل عام ظاہر ہوتا ہے۔ میلاد شریف منعقد کرنے سے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنا نیک مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس

نے مولود مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنا دیا۔ (المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۷۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)
 علامہ قسطلانی نے علامہ محمد بن محمد ابن الجزری متوفی ۸۳۳ھ کی اس عبارت کو ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد بن عبد الباقی زر قانی مالکی متوفی ۱۱۶۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس محفل کے انعقاد کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس عمل میں بعض دنیا دار لوگوں نے جو منکرات شامل کر لیے ہیں، علامہ ابن الحاج مالکی نے مدخل میں ان کا رد کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس مہینہ میں نیکی کے کام زیادہ کرنے چاہئیں اور صدقات، خیرات اور دیگر عبادات کو بہ کثرت کرنا چاہیے، اور یہی مولود منانے کا مستحسن عمل ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابو سعید متوفی ۶۳۰ھ نے سب سے پہلے میلاد النبی کی محفل منعقد کی۔ یہ بہت بہادر عالم، عاقل، نیک اور صالح بادشاہ تھا، یہ تین سو دینار خرچ کر کے بہت عظیم دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ (شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۳ھ)

شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے بہت تفصیل سے میلاد النبی منانے پر بحث کی ہے اور علامہ سیوطی، ملا علی قاری اور دیگر علماء نے کتاب و سنت سے جو میلاد النبی کی اصل نکالی ہے اور معترضین کے جوابات دیئے ہیں اور اس پر دلائل فراہم کیے ہیں، ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بعض شہروں میں میلاد النبی کے جلوس میں بعض لوگ باجے گاجے اور غیر شرعی کام کرتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیشہ اس سے منع کرتے ہیں۔ تاہم اکثر شہروں میں بالکل پاکیزگی کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے۔ میں دو مرتبہ برطانیہ گیا اور میں نے وہاں اس مہینہ میں متعدد جلوسوں میں شرکت کی۔ ان جلوسوں میں نعت خوانی اور ذکر اذکار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوتا اور تمام شرکاء جلوس باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور بعد ازاں جلسہ ہوتا ہے، جس میں نبی ﷺ کے فضائل اور محامد بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلے دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء عید میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے پر انکار کرتے تھے، لیکن اب تقریباً پندرہ بیس سال کے عرصہ سے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مقتدر علماء میلاد النبی ﷺ کا جلوس نکالنے اور اس میں شرکت کرنے لگے ہیں اور سپاہ صحابہ کے اکابر علماء حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ایام بھی منانے لگے ہیں۔ ان دنوں میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے ان ایام میں سرکاری تعطیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ عید میلاد النبی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے، اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے، اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳۹۷ھ)

لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ صرف ایام صحابہ منائے جاتے ہیں، بلکہ وہ اپنے اکابرین مثلاً شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کے ایام بھی مناتے ہیں اور دیوبند کا صد سالہ جشن بھی منایا گیا۔ ہم پہلے میلاد النبی کے جلسوں اور جلوسوں میں مقتدر علماء دیوبند کی شرکت کو باحوالہ بیان کریں گے۔ پھر ایام صحابہ اور ایام اکابرین دیوبند کو ان حضرات کا منانا بیان کریں گے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے:

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد

حاصل کر لیا ہے جس کے لیے اس نے ان تھک اور مسلسل تحریک چلائی تھی۔ وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں، امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل، وفاقی وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ ق کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔ تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی، جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پہنچ کر ختم ہوا، جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ (روزنامہ جسارت، ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا، تقریبات کا آغاز ۲۱ توپوں کی سلامی سے ہوگا، گورنر کی صدارت میں جلسہ ہوگا، شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے، نشتر پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ، کراچی، ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ حریت کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہوگا۔ مفتی محمود نے کہا، معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا، عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت، ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

لاہور، ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت کریں گے، یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہوگا۔

(روزنامہ مشرق، کراچی، ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء)

جمیعت علماء اسلام کے مولانا محمد اجمل خاں نے مطالبہ کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے سربراہ ضیاء الرحمن فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ یکم محرم کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت منایا جائے گا، اور جلوس بھی نکالے جائیں گے۔ (نوائے وقت لاہور، ۲۲ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی نے یکم محرم الحرام کو یوم فاروق اعظم کی سرکاری تعطیل پر کہا ہے کہ آج کا دن عید کا دن ہے۔ (نوائے وقت، ۱۷ جون ۱۹۹۳ء)

سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام گزشتہ روز ۲۲ فروری کو پورے ملک میں مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا یوم شہادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ سپاہ صحابہ جھنگ کے زیر اہتمام احرار پارک محلہ حق نواز شہید میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق ایم۔ این۔ اے نے کہا کہ ۲۲ فروری کی نسبت سے حضرت جھنگوی شہید کی شہادت کا دن ہے۔ اور ۲۱ رمضان المبارک کی نسبت کی وجہ سے یہی دن حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت لاہور، ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

مرتبہ شہداء کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت لاہور، ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

سپاہ صحابہ کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی کی دوسری برسی کے موقع پر ۲۲ فروری کو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مولانا جھنگوی کی یاد میں سپاہ صحابہ جلسے، سیمینار اور دیگر تقریبات منعقد کرے گی۔ سپاہ صحابہ کے تمام مراکز و دفاتر میں ایصالِ ثواب کے لیے صبح نوبت قرآن خوانی ہوگی۔ مرکزی تقریب جھنگ میں مولانا جھنگوی کی مسجد میں قرآن خوانی سے شروع ہوگی اور بعد میں عظیم الشان جلسہ ہوگا جس میں قائدین خطاب کریں گے۔ (نوائے وقت لاہور، ۲۱ فروری ۱۹۹۲ء)

یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ

خلفائے راشدین کے یوم سرکاری سطح پر نہ منانا ناقابل فہم ہے، محمد احمد مدنی کا مظاہرین سے خطاب۔

کراچی (پ ر) سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام یوم شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما عقیدت و احترام سے منایا گیا، اس سلسلے میں جامعہ صدیق اکبر ناگن چورنگی میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈویژنل رہنما علامہ محمد اویس نے حضرت عمر فاروق کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں یوم شہادت حضرت عمر فاروق پر عام تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کے تحت احتجاجی مظاہرہ کیا گیا، مظاہرین پلے کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے، جن پر یوم خلفائے راشدین کو سرکاری سطح پر منانے، اس روز عام تعطیل کرنے، اصحاب رسول ﷺ کے خلاف لٹریچر کی ضبطی اور ایسے رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی پر مشتمل مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا محمد احمد مدنی نے کہا کہ ملک میں ملکی اور علاقائی سطح کے رہنماؤں کے یوم منائے جاتے ہیں، لیکن اسلامی ملک میں خلفائے راشدین کے یوم پر تعطیل نہ کرنا ناقابل فہم ہے۔ اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مولانا علی شیر حیدری، مولانا اعظم طارق، حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ، مولانا غفور ندیم اور دیگر کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ دریں اثناء سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری حافظ سفیان عباسی، شفیق الرحمن، ابوعمار جی، اے قادری اور ایم۔ اے کشمیری نے مظاہرہ میں شرکت پر طلبہ کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۰ مئی ۱۹۹۷ء)

عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا، مفتی نعیم

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے کہا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تعلیمی، تصنیفی اور اصلاحی خدمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، جسے کوئی بھی عاشق رسول اور محب پاکستانی فراموش نہیں کر سکتا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا بزرگوں کے ساتھ لگاؤ اور تعلق اظہر من الشمس ہے۔ اجلاس میں سنی مجلس عمل پاکستان کے زیر اہتمام عشرہ حکیم الامت منانے کا اعلان کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم نے کہا کہ کراچی کے تمام اضلاع میں مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ، کراچی، ۳۰ جون ۱۹۹۷ء)

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے جامع مسجد صدیق اور نگی ٹاؤن میں عشرہ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب کسی پر بلا تحقیق بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جھوٹ، فریب اور غیبت سے پرہیز کیا جائے۔ اجتماع سے مولانا غلام رسول، مولانا انصر محمود اور مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔ (روزنامہ جنگ، کراچی، ۳ جولائی ۱۹۹۷ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھالے) در آنحالیکہ وہ اس کی

طرف مائل ہونے والا نہ ہو، تو بے شک اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے (المائدہ: ۳)

ضرورت کی بنا پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا مسلمانوں پر عام حالات میں حرام کر دیا ہے، اس سے ضرورت کے احوال مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بھوک کی شدت سے کسی شخص کی جان نکل رہی ہو اور اس کے پاس کوئی حلال چیز کھانے کے لیے نہ ہو تو وہ رفق حیات برقرار رکھنے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے اس حرام چیز کھانے کا شوق اور میلان نہ ہو اور وہ بےعاشا اس کی طرف راغب نہ ہو اور جس چیز کو کسی ضرورت کی بناء پر لیا جائے اس کو بہ قدر ضرورت لیا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اتنی مقدار میں حرام چیز کھائی جائے جتنی مقدار میں کھانے سے اس کی جان بچ جائے اور لذت اندوزی کے لیے اس حد سے تجاوز نہ کرے، ان چیزوں کا کھانا ہر چند کہ بندوں پر حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم و کریم ہے اور وہ ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار کھانے کو معاف کر دے گا۔ اسی اصول پر ہمارے فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام دوا کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان معالج یہ بتائے کہ اس کے علم اور اس کی دسترس میں اس کے سوا اور کوئی حلال چیز ذریعہ علاج نہیں ہے۔ لہذا جان بچانے کے لیے کسی انسان کو خون دیا جاسکتا ہے اور جن دواؤں میں الکحل ہوتی ہے ان کو بھی علاج کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ قلیل الکحل حرام اور نجس نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ نمکیات سے مخلوط ہو۔ اس کی مکمل اور باحوالہ بحث (البقرہ، ۱۷۳) میں گزر چکی ہے اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بھی ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرّم!) آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہتے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں، در آنحالیکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ سو اس (شکار) سے کھاؤ، جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لئے روک رکھیں اور شکار چھوڑتے وقت، اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (المائدہ، ۱۰)۔

زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول معظّم! آپ سے آپ کے اصحاب یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے کھانے کے لیے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے کہ جن جانوروں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، ان کو ذبح کرنے کے بعد تم کھا سکتے ہو اور تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے جن جانوروں کو زخمی کر کے شکار کر لیا ہے، ان کو بھی تم کھا سکتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے تمہارے لیے طیبات کو حلال کر دیا ہے، طیبات کا معنی ہے وہ چیزیں جن سے طبائع سلیمہ گھن نہ کھاتی ہوں اور متنفر اور متوحش نہ ہوں۔ یہ بلخی کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ طیبات وہ چیزیں ہیں جن کی تحریم میں نص وارد نہ ہو، نہ ان کی حرمت پر اجماع ہو اور نہ قیاس سے ان کی حرمت ثابت ہو۔ پہلے قول کی بناء پر اس سے مراد لذیذ اشیاء ہیں اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حلال اشیاء ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حلال اور لذیذ چیزیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، انہوں نے کہا، لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے ہر کتے کو قتل

کردوں اسو میں نے کتوں کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک عورت کے پاس پہنچا جس کے پاس کتابھونک رہا تھا، میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے اس کو بھی قتل کر دیا، پھر مسلمانوں نے آکر آپ سے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی کوئی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی، آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں، در آنحالیکہ تم انہیں شکار کے طریقہ سکھانے والے ہو۔ الایہ۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، سنن کبریٰ للصحیحی، ج ۹، ص ۲۳۵، المستدرک، ج ۲، ص ۳۱۱)
شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام
علامہ نووی شافعی متونی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

شکار کرنا مباح ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کتاب، سنت اور اجماع سے اس پر بکثرت دلائل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص کسب معاش کے لیے شکار کرے، یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے، یا شکار یا اس کی قیمت سے نفع حاصل کرنے کے لیے شکار کرے تو ان تمام صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے۔ البتہ جو شخص بطور لہو و لعب کے شکار کھیلے، لیکن اس کا قصد اس شکار کو ذبح کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو، اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور لیث اور ابن عبدالحکم نے اس کو جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کی نیت کے بغیر شکار کھیلے تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے، اور ایک جاندار کو بے مقصد ضائع کرنا ہے۔

(شرح مسلم، ج ۲، ص ۱۳۵، مطبوعہ کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متونی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ نخعی نے شکار کے حکم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) زندگی برقرار رکھنے کے لیے، یعنی کھانے پینے کے لیے شکار کرنا مباح ہے (۲) اہل و عیال کی تنگی کے وقت یا سوال سے بچنے کے لیے شکار کرنا مستحب ہے (۳) اپنے آپ کو بھوک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے شکار کرنا واجب ہے (۴) لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے، جبکہ شکار کے بعد جانور کو ذبح کر کے کھالیا جائے۔ (۵) ذبح کرنے اور کھانے کی نیت کے بغیر شکار کرنا حرام ہے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں، بلا ضرورت محض لہو و لعب کے لیے شکار کرنے میں بہت مفساد ہیں۔ اس میں گھوڑے کو کتے کے پیچھے بھاگا کر تھکانا ہے اور اگر باز سے شکار کیا جائے تو نظر کو اس کے پیچھے لگا کر تھکانا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کو کسی کھائی یا کنوئیں میں گرا دے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۵، ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شکار کی شرائط کا بیان

شمس الائمہ علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

- ۱۔ جس جانور کے ساتھ شکار کھیلایا جائے، وہ سدھایا ہوا ہو۔
- ۲۔ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے وہ زخمی کرنے والا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”و ما علمتم من الجوارح مکلبن تعلمونہن مما علمکم اللہ“ اور جن شکاری جانوروں (زخمی کرنے والے) کو تم نے سدھالیا ہے، جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق تم شکار کی تعلیم دیتے ہو، جوارح (زخمی کرنے والے) کے متعلق دو قول

ہیں۔ (۱) وہ جانور اپنے دانتوں اور پنجوں سے حقیقتاً زخم ڈالے (۲) وہ شکار کو پکڑ کر لانے والے جانور ہوں، کیونکہ جرح کا معنی کسب بھی ہے۔

۳۔ شکاری جانور کو بھیجا جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجا اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی تو اس کو کھالو اور اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا شریک ہو گیا تو پھر اس (شکار) کو مت کھاؤ اور جب دو کتوں میں سے ایک کتا بھیجا ہوا نہ ہو تو کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے کو بھیجنا شرط ہے۔ نیز زکاۃ حلت کا سبب اس وقت ہوتی ہے جب اس کا حصول کسی آدمی سے ہو اور اس لیے شکار کے آلہ کو آدمی کا قائم مقام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کا فعل داخل ہو اور یہ صرف شکاری جانور کو بھیجنے سے ہو سکتا ہے، اور کتے کے لیے سدھائے ہونے کی شرط بھی اس میں بھیجنے کے تحقق کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴۔ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو بھیجے۔

۵۔ اس کے بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو۔

۶۔ جس جانور کا شکار کیا جائے، وہ فی نفسہ طلال ہو۔

شکار کرنے والے جانوروں کا بیان

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

سدھائے ہوئے کتے، چیتے، تمام زخمی کرنے والے اور سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام سدھائے ہوئے اور پھاڑنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے شکار کرنا جائز ہے۔ اور سدھائے ہوئے جانور کے سوا کسی اور جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”و ما علمتم من الحواش مکلبن“ ”تم نے جو (شکار کا) کسب معاش کرنے والے جانور سدھائے ہیں، در آنحالیکہ وہ شکار پر مسلط ہونے والے ہیں“ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام شکار کرنے والے جانوروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ہر چند کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں کلب کا ذکر ہے۔ لیکن لغت کے اعتبار سے ہر درندے پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے، حتیٰ کہ شیر پر بھی کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ان جانوروں سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور دوسروں کے لیے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمت کی وجہ سے اور ریچھ اپنی خاست کی وجہ سے۔ بعض علماء نے چیل کا بھی اس کی خاست کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ خنزیر بھی ان جانوروں سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے، اس لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر ان شکاری جانوروں کو تعلیم دینا اور سدھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح (و ما علمتم) میں تعلیم کی شرط کا ذکر ہے اور حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں بھی تعلیم کی شرط کا ذکر ہے۔ اور جانور کو چھوڑنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہی تعلیم کا معیار ہے کہ جب جانور کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو پکڑ کر رکھے۔

(حدایہ اخیرین، ص ۵۰۲، مطبوعہ شرکت ملیہ، ملتان)

شکاری کتے کے معلّم (سدھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط

شمس الائمہ سرخسی نے کلب معلّم (سدھائے ہوئے کتے) کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ اپنے مالک کے پیچھے حملہ کرنے کے لیے نہ دوڑے۔

تبیان القرآن

۲۔ مارے نہ سکھائے بلکہ شکاری دوسرے کتے کو شکار کھانے پر مارے، تاکہ اس سے وہ کتا سیکھ لے کہ شکار کو نہیں کھانا

چاہیے۔

جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابو بکر حصاص الحنفی متوفی ۷۰ ۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) امام مالک اور حسن بن صالح نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمان (شکار یا ذبیحہ پر) بسم اللہ ترک کر دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا، تو پھر اس کو کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ کو کھایا جائے گا۔ امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب، ابن شہاب اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو نسیاناً ترک کر دیا جائے، اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا مسلمان کے دل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جس طرح مشرک کا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا سود مند نہیں ہے، اسی طرح مسلمان کا بھولے سے نام نہ لینا مضر نہیں ہے۔ ابن میرین نے کہا اگر مسلمان نسیاناً بھی بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا ایسے ذبیحہ کو نہ کھانا مستحب ہے۔

علامہ ابو بکر حصاص حنفی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (انعام: ۱۲۱-۶)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس کو مت کھاؤ، بلاشبہ اس کو کھانا گناہ ہے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس (شکار یا ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ اللہ کا نام عداً ترک کیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہے کہ یہاں نسیان مراد نہیں ہے۔ البتہ! اس شخص کا قول اس آیت کے خلاف ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر عداً بسم اللہ کو ترک کر دیا گیا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور اس شخص کا یہ قول بکثرت آثار اور احادیث کے بھی خلاف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں مشرکین کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا، جس جانور کو تمہارے رب نے قتل کیا اور وہ مر گیا تو تم اس کو نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم نے قتل کیا، یعنی ذبح کیا اس کو تم کھا لیتے ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ، حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی مردار پر، اور جب اس آیت میں مردار اور مشرکین کا ذبیحہ مراد ہے تو اس میں مسلمانوں کا ذبیحہ داخل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب کسی آیت کا مورد نزول خاص ہو اور اس کے الفاظ عام ہوں، تو پھر خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا، بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے اور خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہے، اور اگر یہاں مشرکین کے ذبحے مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتا، اور صرف بسم اللہ کے ترک کرنے پر اقتصار نہ فرماتا، اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اگر اپنے ذبیحوں پر بسم اللہ پڑھ بھی لیں، تب بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مشرکین کے ذبحے مراد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ مشرکوں کا ذبیحہ کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ

بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں مشرکوں کے ذبیحوں کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ ہے ”وما ذبح علی النصب“ اور جس جانور کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکوں کا ذبیحہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وان الشیاطین لیوحون الی اولیائہم لیجادلوکم (الانعام: ۱۲۱) بلاشبہ شیطان تم سے جھگڑا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو کھا لو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولاتا کلو مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“ (الانعام: ۱۲۱) ”جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ“ اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ بتایا ہے کہ مشرکوں کا جھگڑا بسم اللہ کے ترک کرنے میں تھا اور یہ آیت بسم اللہ کو واجب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکوں کے ذبیحوں کے متعلق نازل ہوئی ہے نہ کہ مردار کے بارے میں۔ نیز بسم اللہ کو عمد اترک کرنے سے ذبیحہ یا شکار کے حرام ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ فرمادیتے ہیں کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور تم نے جو شکاری جانور سدھالیے ہیں در آنحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، سو وہ (شکاری جانور) جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ اور (شکار پر چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ
الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ
تَعْلِمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا
أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ
(المائدہ: ۴)

اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا امر کیا گیا ہے اور امر واجب کے لیے آتا ہے اور یہ بدایت معلوم ہے کہ کھانا کھانے والے پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کی تائید حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اپنا سدھالیا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لو تو اس کو کھالیا کرو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کا کھانا ممنوع ہو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور اس آیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بسم اللہ کو ترک کرنا ممنوع ہو اور اس ممانعت کی یہ تاکید آیت کے اس جزو سے ہوتی ہے و انہ لفسق جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا گناہ ہے یا بسم اللہ کو ترک کرنا گناہ ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بسم اللہ کو عمد اترک کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ بھول کر کوئی کام کرنا یا نہ کرنا گناہ نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ادیساتی لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں..... اور وہ نئے نئے کفر سے نکلتے ہیں۔ ہم کو پتا نہیں کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ، اگر بسم اللہ کو پڑھنا ذبح کی شرط نہ ہوتا تو آپ یہ فرماتے کہ اگر انہوں نے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو پھر کیا ہوا، لیکن آپ نے فرمایا تم اس کو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے افعال کو جواز اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل کے مسلمانوں کے امور اور افعال کو فساد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہ مراد ہو کہ بسم اللہ کو نہ پڑھنا گناہ ہے تو جو شخص ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھے وہ گنہگار ہوگا

حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت میں مشرکین کے ذبحے یا مردار مراد ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ اجماع تسلیم نہیں ہے اور جو شخص ذبیحہ پر عہد بسم اللہ کو ترک کرے گا وہ بہر حال گناہ گار ہوگا۔

باقی رہا یہ کہ جو مسلمان بھول کر بسم اللہ ترک کر دے، اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور اس کو گناہ فرمایا ہے۔ اور یہ گناہ اسی وقت ہوتا جب وہ عہد اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت اور استطاعت میں نہیں ہے کہ وہ بھول کر بھی کوئی غلط کام نہ کرے اور انسان اپنی قدرت کے مطابق ہی مکلف ہوتا ہے۔ اور امام اوزاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا، نسیان اور جبر سے درگزر فرمایا ہے اور جب وہ نسیان کی حالت میں بسم اللہ پڑھنے کا مکلف نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔ حالت نسیان میں بسم اللہ ترک کرنے کو حالت نسیان میں شرائط نماز (مثلاً تکبیر اور وضو وغیرہ) ترک کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب انسان کو یاد آ جائے کہ اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے تو اس پر اس کا تدارک فرض ہے۔ بایں طور کہ وہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے اور جب اس نے بھول کر بسم اللہ پڑھے بغیر جانور کو ذبح کر دیا تو اب اس کا تدارک نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کا ذبیحہ درست قرار پائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھولے سے روزہ میں کچھ کھا یا پی لیا تو اس کا روزہ صحیح اور برقرار رہے گا۔ کیونکہ وہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنے قصد اور ارادے سے روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کرے اور حالت نسیان میں بھی کھانے پینے سے اجتناب کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے، اسی طرح حالت نسیان میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے۔

(احکام القرآن، ج ۳، ص ۸-۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

غلیل، کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم

جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے، ان تمام آلات کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر گیا یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہو گیا اور اگر جانور اس آلہ سے کٹ کر یا چھد کر مرا، اس کے زخم آیا اور خون بہا تو پھر وہ جانور حلال ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا آلہ پھینکنا جس سے جانور کا جسم کٹے اور خون بے، ذکاۃ اضطراری ہے۔ اختیاری ذکاۃ یہ ہے کہ جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے گلے پر اس طرح چھری پھیریں کہ اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جب جانور دور بیٹھا ہو یا بھاگ رہا ہو یا اڑ رہا ہو اور اس کو پکڑ کر معروف طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیرا کوئی اور آلہ جارح پھینک دیا جائے جس سے زخمی ہو کر وہ جانور مر جائے تو وہ حلال ہو گا اور یہ ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور اگر اس جانور پر لاشی، پتھریا کسی اور وزنی چیز کی ضرب لگائی جائے جس سے وہ دب کر مر جائے یا اس کے گلے میں کوئی پھندا ڈالا جائے جس سے وہ گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر یہ جانور حرام ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَ
الْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ
السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: ۳)

تم پر یہ حرام کیے گئے ہیں۔ مردار، خون، خنزیر کا
گوشت، جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جس کا گلا گھونٹا گیا ہو،
جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہو، اوپر سے گرا ہو، سینگ مارا
ہوا ہو اور جس کو درندہ نے کھایا ہو، البتہ ان میں سے جس کو
تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا وہ حلال ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ موقوذة (جو کسی چیز کی ضرب سے دب کر اور چوٹ کھا کر مرا ہو) اور منخنقہ

(جو گلا گھٹ کر مرا ہو) حرام ہے، اس لیے اگر کسی ایسے آلہ سے شکار کیا جائے جس سے دب کر جانور مر جائے یا گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر وہ جانور حرام ہوگا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۱۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موقوذة وہ جانور جو بغیر ذکاۃ کے لاٹھی یا پتھر مارنے سے مر جائے۔ قوادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح جانور کو مار کر کھا لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جب تم ”معارض“ کو پھینکو اور وہ جانور کے آر پار ہو جائے تو اس کو کھا لو اور اگر جانور اس کے عرض سے مرے تو پھر اس کو مت کھاؤ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ وقیذہ (موقوذة) ہے۔ علامہ ابو عمرو نے کہا کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ بندقہ (یعنی مٹی کی خشک کی ہوئی گولی جس کو غلیل یا کمان سے پھینکا جاتا ہے) (عمدة القاری ج ۲۱ ص ۹۶، رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۷، تفسیر النار ج ۶ ص ۱۳۸، نیل الاوطار ج ۱۰ ص ۸۴) سے شکار کیا ہوا آیا حلال ہے یا نہیں؟

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

”جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اس کو بھی فقہاء نے موقوذة میں داخل کیا ہے اور اس دلیل میں علامہ جصاص کی یہ عبارت نقل کی ہے المقتولة بالبندقۃ تلک الموقوذة“ امام اعظم، امام شافعی، امام مالک وغیرہ سب اسی پر متفق ہیں (معارف القرآن ج ۳ ص ۲۹) عربی میں بندوقہ کا معنی ہے مٹی کی خشک کی ہوئی گولی۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ بیان کیا ہے اور بندوق کی گولی کو عربی میں بندوقۃ الرصاص کہتے ہیں۔ نیز بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، امام شافعی ۲۰۴ھ، علامہ جصاص ۳۷۰ھ اور علامہ قرطبی ۶۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ سو یہ ائمہ اور علماء بندوق کی گولی کے شکار کے متعلق کیسے رائے دے سکتے ہیں جو ان کے بہت بعد کی ایجاد ہے۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بندقہ کا معنی بندوق کی گولی کرنے میں بہت سخت مغالطہ کھایا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم (ج ۲ ص ۹۵۵) میں بھی انہوں نے یہی مغالطہ کھایا ہے۔ ۱۲ منہ

اور آج کل کی متعارف بندوق کی گولی جو سیسہ کی ہوتی ہے اور اس میں بارود بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو عربی میں بندوقۃ الرصاص کہتے ہیں۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ) پتھر اور معراض سے جس جانور کو مار دیا جائے آیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ موقوذة ہے، اگر یہ مر گیا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ثوری کا یہی نظریہ ہے۔ فقہاء شام اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ معراض سے مارا ہوا جانور حلال ہے۔ خواہ وہ جانور کے آر پار گزرے یا نہیں۔ حضرت ابوالدرداء، حضرت فضالہ بن عبید اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، لیکن اس مسئلہ میں قول فیصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ اگر جانور معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ، کیونکہ وہ وقیذہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۴۸)

علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

”جس جانور کو معراض کے عرض سے مارا گیا ہو، اس کو کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر معراض نے اس جانور کو زخمی کر دیا تو پھر اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جانور معراض کی دھار سے مرا اس کو کھا لو اور جو جانور معراض کے عرض سے مرا اس کو مت کھاؤ۔ نیز شکار کے حلال ہونے کے لیے اس کا زخمی ہونا ضروری ہے، تاکہ اس میں ذکاۃ کا معنی متحقق ہو سکے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ المرغینانی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق شکار میں

زخم کرنا ضروری ہے، تاکہ ذکاۃ اضطراری متحقق ہو اور ذکاۃ اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ شکاری کے آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے شکار کے بدن کے کسی حصہ میں بھی زخم آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وما علمتم من الجوارح“ اور تم نے زخمی کرنے والے شکاری جانور سدھائے ہیں۔ اس آیت میں شکار کو زخمی کرنے کی شرط کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جوارح جرح سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ”زخمی کرنے والے“ (ہدایہ اخیرین، ص ۵۰۳) اور جو جانور غلیل یا کمان کی گولی سے مرا ہو اس کو بھی کھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ گولی شکار کے جسم کو کوٹی ہے اور توڑتی ہے اور اس کو زخمی نہیں کرتی۔ سو یہ معراض کی طرح ہے جو شکار کے آر پار نہ ہو۔ اسی طرح اگر پتھر سے شکار کو مار ڈالا تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر پتھر بھاری اور دھار والا ہو تو اس سے مرنے والے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ جانور کو زخمی کر دے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ جانور اس پتھر کے ثقل کی وجہ سے مرا ہو، اور اگر وہ پتھر خفیف ہو اور اس میں دھار ہو اور جانور زخمی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب یہ متعین ہو گیا کہ جانور کی موت زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور اگر پتھر خفیف ہو اور وہ اس کو تیر کی طرح لبا کرے اور اس میں دھار ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے، کیونکہ اس پتھر سے جانور زخمی ہو کر مرے گا۔ اگر شکاری نے دھار والی سنگ مرمر کو پھینکا اور اس نے جانور کو کانا نہیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اب جانور اس کے کوٹنے سے مرا ہے۔ اسی طرح اگر اس پتھر کے پھینکنے سے اس کا سر الگ ہو گیا یا اس کی گردن کی رگیں الگ ہو گئیں، تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کی دھار سے رگیں کٹتی ہیں، اسی طرح پتھر کے ثقل سے بھی رگیں کٹ جاتی ہیں۔ اس لیے اب شک واقع ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رگوں کے کٹنے سے پہلے وہ جانور مر گیا ہو، اور اگر جانور کو لاکھی یا لکڑی سے مار ڈالا تو وہ حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ لاکھی یا لکڑی کے ثقل سے مرا ہے۔ ہاں اگر اس لکڑی یا لاکھی کی دھار ہو اور اس سے جانور کٹ جائے تو اب اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ لاکھی تلوار اور نیزے کے حکم میں ہے اور ان تمام مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو جائے کہ شکار کی موت زخم کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حلال ہے اور جب یہ یقین ہو کہ موت ثقل کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حرام ہے اور جب یہ شک ہو اور یہ پتانہ چلے کہ موت زخم سے ہوئی ہے یا ثقل سے تو پھر شکار کا حرام ہونا احتیاطاً ہے۔

(ہدایہ اخیرین، ص ۵۱۳-۵۱۱، مطبوعہ شرکت ملیہ، ملتان)

بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے دنیا بارودی بندوق سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے دستی بندوق کا استعمال یورپ میں ۱۳۶۵ء میں شروع ہوا تھا، اور مسلمان ممالک میں اس کی ابتداء سلطان قاتیبانی کے عہد میں ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء میں ہوئی۔ (اردو، دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۳، ص ۸۸، مطبوعہ لاہور)

بہر حال اسی صدی تک بندوق کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارہویں صدی سے پہلے علماء نے بندوق سے کیے ہوئے شکار کے حکم پر بحث نہیں کی۔ بارہویں صدی میں علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی اور یہ بحث ہنوز جاری ہے۔ بعض علماء بندوق سے کیے ہوئے شکار کو اس بناء پر ناجائز کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار ٹوٹتا ہے، کھتا نہیں اور جانور اس کے ثقل سے مرتا ہے۔ اس لیے یہ موقوفہ ہے اور حرام ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار زخمی ہوتا ہے، اس کا خون بہتا ہے اور بعض اوقات گولی شکار کے آر پار ہو جاتی ہے اور ذکاۃ اضطراری کا مدار زخم لگنے اور خون بننے پر ہے اور وہ بندوق کے شکار سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے بندوق سے کیا ہوا شکار جائز ہے۔ ہم پہلے ماہمین کے دلائل پیش کریں گے۔ اس کے بعد مجوزین کے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اپنی رائے کا

ذکر کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی پریشر سے نکلنے کی بنا پر جلاتی ہے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی اس بنا پر بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں بندوق کا شکار مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آلہ جارحہ نہیں، بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ

سے توڑا کرتا ہے۔ (بہار شریعت، ج ۱، ص ۲۳، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں بندوق کا شکار اگر زخم کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ کھانا اس کا حلال نہیں

ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ۲، ص ۹۵۵، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل

علامہ ابو البرکات احمد بن درددیر مالکی لکھتے ہیں:

بندوق کی گولی سے کیے ہوئے شکار کو کھایا جائے گا، کیونکہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ بعض فضلاء نے اس پر

فتویٰ دیا ہے اور بعض نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ (شرح الصغیر علی اقرب المسائل، مطبوعہ دار المعارف، مصر، ۱۹۴۷ھ)

علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے شکار کے متعلق متقدمین کی تصانیف میں کوئی تصریح نہیں ہے، کیونکہ بارودی بندوق کی

ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے غلیل کی (مٹی کی خشک) گولی

پر قیاس کر کے اس کو ناجائز کہا ہے اور بعض علماء نے جائز کہا۔ چنانچہ ابو عبد اللہ القروی، ابن غازی اور سید عبدالرحمن فاسی نے اس

کو جائز کہا ہے، کیونکہ بندوق کے ذریعے خون بہایا جاتا ہے اور بہت سرعت کے ساتھ شکار کا کام تمام کر دیا جاتا ہے، جس کے سبب

سے ذکاۃ مشروع کیا گیا ہے۔ (حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، مطبوعہ مصر)

بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء احناف کے قواعد کی روشنی میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ بندوق سے مارا ہوا شکار

حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید نے شکار کی حلت کا مدار شکار کو زخمی کرنا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ (المائدہ: ۴)

اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور شکاری جانور کا کیا ہوا شکار اسی وقت حلال

ہوتا ہے جب وہ شکار کو زخمی کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے لیے شکار کو کھانے کا حکم دیا ہے اور جب مشتق پر حکم

لگایا جائے تو مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے، اس لیے شکار کے حلال ہونے کی علت اس کو زخمی کرنا ہے اور

بندوق کی گولی یا اس کے چھروں سے بھی چونکہ شکار زخمی ہوتا ہے، اس لیے آیت کی تصریح کے مطابق بندوق سے مارا ہوا شکار

حلال ہے اور یہ موقوف نہیں ہے، کیونکہ موقوف وہ ہوتا ہے جو چوٹ سے مرے، اس کو زخم آئے اور نہ اس سے خون نکلے۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ امام مسلم، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا رميت بالمعراض فحزق فكله واذا
اصابه بعرضه فلا تاكله
جب تم شکار پر معراض پھینکو اور معراض شکار میں نفوذ کر جائے، تو اس کو کھاؤ اور اگر شکار معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ٢، ص ١٣٥، مطبوعہ کراچی، ١٣٤٥ھ)

اور بندوق کی گولی اور چھرے بھی شکار میں نفوذ کرتے ہیں اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ فحزق ("ر" کے ساتھ) ہے تو اس کا معنی ہے جانور میں سوراخ کرنا۔

(فتح الباری، ج ٩، ص ٦٠٠، طبع لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "ز" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نفوذ کرنا اور بندوق کی گولی شکار میں نفوذ کرتی ہے اور اگر یہ لفظ (ر) کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے سوراخ کرنا اور پھاڑنا اور بندوق کی گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اور اس میں سوراخ کر دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق ہر تقدیر پر بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جس آلہ سے بھی جانور کا خون بہہ جائے، وہ جائز ہے اور ذبیحہ اور شکار حلال ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جلدی کرنا۔ یا فرمایا اس کو جلدی زنج کرنا (تا کہ وہ طبعی موت نہ مر جائے) جس چیز کا خون بہایا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھاؤ، مگر دانت اور ہڈی نہ ہوں۔ دانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن جھشیوں کی چھری ہے۔ (اس غزوہ میں) ہم کو مال غنیمت میں بکریاں اور اونٹ ملے۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا، ایک شخص نے اس کو تیر مارا سو (اللہ نے) اس اونٹ کو روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں میں سے بعض اونٹ وحشی جانوروں کی طرح ہیں، جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو اسی طرح کیا کرو۔

(صحیح بخاری، ج ٢، ص ٨٢٨، مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانت اور ناخن کے سوا جو چیز بھی خون بہادے، اس (کے مارے ہوئے) کو کھاؤ۔ (صحیح بخاری، ج ٢، ص ٨٢٨، مطبوعہ کراچی)

بندوق کی گولی ناخن اور ہڈی نہیں ہے اور جانور کا خون بہا دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ بندوق سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ہے: جب جانور "معراض" کی دھار سے مرے تو اس کو کھاؤ، اور جب وہ معراض کے عرض سے مرے تو وہ وقیذ ہے، اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ٢، ص ١٣٥، مطبوعہ کراچی)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی اور چھروں میں چونکہ دھار نہیں ہوتی، اس لیے بندوق سے مارا ہوا جانور وقیذ ہے

اور حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوزہ کی یہ تفسیر نقل کی ہے موقوزہ وہ جانور ہے جس کو لکڑیوں کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۳، مطبوعہ کراچی) اور جو جانور معراض کے عرض سے مارا جائے وہ وقید ہے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کیونکہ اس صورت میں وہ معراض بھاری لکڑی، پتھر اور بھاری چیز کے حکم میں ہے۔

(فتح الباری، ج ۹، ص ۶۰۰، مطبوعہ لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ موقوزہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھاری اور وزنی چیز کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے اور بندوق کی گولی یا چھرے بھاری اور وزنی نہیں ہوتے، اس لیے ان سے مارا ہوا جانور موقوزہ نہیں۔ بندوق کی گولی نوکدار ہوتی ہے، اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ بندوق کے چھروں میں نوک نہیں ہوتی لیکن چونکہ وہ گوشت کو پھاڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں، اس لیے وہ دھار والی چیز کے حکم میں ہیں۔ اس لیے بندوق کی گولی یا چھروں سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال کہتے ہیں۔ جبکہ غلیل کی گولی سے جانور کے زخم آتا ہے نہ خون بہتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کے وقید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کی حرمت متفق علیہ نہیں ہے تو بندوق کی گولی یا چھروں سے مارے ہوئے شکار کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امام عبدالرزاق بن ہمام متونی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن مسیب کہتے ہیں کہ جس وحشی جانور کو تم نے پتھر، غلیل کی گولی یا پتھر سے مارا، اس کو کھا لو۔

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے کہا، جب تم پتھر یا غلیل کی گولی مارو اور بسم اللہ پڑھ لو تو پتھر کھا لو۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے غلیل کے ساتھ ایک پرندہ یا شکار مارا، پھر میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے مجھے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معراض کے شکار کے متعلق یہ کہا:

جب معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم نے ایسا تیر مارا جس میں لوہا یا

دھار) نہیں تھا اور شکار گر گیا تو اس کو کھا لو۔ (مصنف عبدالرزاق، ج ۳، ص ۷۷، ۷۸، مطبوعہ بیروت)

ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی اور بغیر لوہے کے تیر سے مارے ہوئے شکار کو حلال اور جائز کہتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی اور بغیر دھار کے تیر سے مارے ہوئے شکار کی حرمت بھی قطعی، یقینی اور اتفاقی نہیں ہے۔ اور بندوق کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی اگرچہ بعض متاخرین فقہاء نے موقوزہ قرار دے کر حرام کہا ہے، لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں حلال اور طیب ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے بندوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم واضح کرنے کے بعد اب ہم فقہاء احناف کے اصول اور قواعد کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۲۸۳ھ لکھتے ہیں:

ذکاة (ذبح) کا معنی ہے فاسد اور نجس خون کو بہانا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ قدرت اور اختیار کے وقت حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا اور جب گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو جانور کے جسم کے کسی حصہ پر بھی زخم ڈال دینا ذبح اضطراری ہے، کیونکہ انسان اپنی قدرت کے اعتبار سے مکلف ہوتا ہے۔ سو جس صورت میں وہ حیوان کے گلے پر چھری پھیر سکتا ہو، تو اس کے گلے پر چھری پھیرے بغیر ذکاة حاصل نہیں ہوگی اور جہاں اس پر قدرت نہ ہو وہاں جانور کے جسم میں کہیں پر بھی زخم ڈالنا اس ذکاة کے قائم مقام ہے۔ (المبسوط، ج ۱۱، ص ۲۱، مطبوعہ بیروت)

لاٹھی اور پتھر سے مارے ہوئے شکار کو اسی لیے ناجائز کہا گیا ہے کہ عادتاً لاٹھی اور پتھر سے اس وقت مارا جاتا ہے جب جانور قریب ہو۔ اور جب جانور قریب ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہاں ذبح اختیاری ہے، اضطراری نہیں ہے اور جب جانور دور ہو اور اس کو پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا قدرت میں نہ ہو مثلاً کسی درخت پر بیٹھا ہو یا اڑ رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اور بندوق سے فائر کر کے ان جانوروں کو شکار کر لیا جائے اور گولی یا چھرے لگنے سے وہ جانور زخمی ہو جائیں اور ان کے جسم سے خون بہہ جائے تو ان کا زخمی ہونا اور خون بہنا ذکاة اضطراری ہے۔ اور فقہاء کے اس بیان کردہ قاعدہ کے مطابق حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

نیز علامہ سرخسی حنفی متوفی ۷۸۳ھ لکھتے ہیں:

ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب معراض شکار کو پھاڑ دے تو کھالو اور جب نہ پھاڑے تو نہ کھاؤ۔ معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پیکان نہ ہو الا یہ کہ اس کا سردھار والا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر پتھر کا تیر ہے۔ بسا اوقات تیر عرض کی جانب سے لگتا ہے اور شکار کو پھاڑتا نہیں، تو ڈرتا ہے۔ اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: کہ اگر شکار تیر کی دھار سے مرے اور زخمی ہو تو کھالو اور اگر تیر کے عرض سے مرے تو مت کھاؤ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حلت کا مدار نجس خون کے بہنے پر ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب معراض شکار کو پھاڑ دے اور اگر شکار کو پھاڑے بغیر تو ڈرے تو خون نہ بنے گا۔ (مثلاً اس ضرب سے ہڈی یا ٹانگ ٹوٹ جائے) اور یہ حکم موقوفہ ہے اور یہ نص قطعی سے حرام ہے۔ (المبسوط، ج ۱۱، ص ۲۲۲، مطبوعہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ وہ جانور ہے جو کسی بھاری اور وزنی چیز سے ٹوٹ جائے (یعنی اس کی ہڈی ٹوٹ جائے) اس کے جسم میں زخم آئے اور نہ خون بنے اور اگر کوئی آلہ جانور کے جسم کو پھاڑ دے اور اس کا خون بہائے تو یہ حلال ہے اور بندوق سے مارا ہوا شکار ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں زخم آئے نہ خون بنے۔ اس لیے وہ موقوفہ نہیں ہے، بلکہ بندوق کی گولی اس کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گولی آر پار ہو جاتی ہے، اس کے جسم میں زخم آتا ہے اور خون بہتا ہے۔ (یاد رہے کہ ذکوة اضطراری میں پورے جسم سے خون بہنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتے کے مارے ہوئے شکار کے جسم میں بسا اوقات سارا خون نہیں بہتا) اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار حلال اور طیب ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

الحمد للہ علی احسانہ! قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ اس زمانہ میں بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارا ہوا شکار موقوفہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علماء نے نیک نیتی سے یہ فتویٰ دیا ہے، لیکن یہ علماء اس مسئلہ میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں نہیں گئے، اور ان کو اس مسئلہ میں اجتہادی خطا لاحق ہوئی۔ آج کل بندوق سے شکار عام ہو گیا ہے اور بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں، اور اگر گولی یا چھرہ لگنے سے جانور مرجائے تو اس کو اسی فتویٰ کی بناء پر مردار اور حرام قرار دیا جاتا

ہے۔ جبکہ قرآن مجید احادیث اور فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق یہ حلال اور طیب ہے اور اجتہادی مسائل میں میرا ذہن یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لیے آسان اور سہل احکام بیان کیے جائیں اور قرآن مجید احادیث اور فقہاء اسلام کے اصول اور قواعد سے امت مسلمہ کے لیے زیادہ سے زیادہ سیر اور آسانی کو حاصل کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے آسانی کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو۔ شرح صحیح مسلم میں میرا یہی اسلوب رہا ہے کہ اجتہادی مسائل میں قرآن سنت اور فقہاء اسلام کے قواعد میں مسلمانوں کے عمل کے لیے مجھے جہاں بھی کوئی سیر اور آسانی کی دلیل اور سبیل ملی، میں نے اسی کو اختیار کر لیا اور امت کی دشواری اور عسری راہ کو ترک کر دیا اور میں نے جب بھی کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے قلم اٹھایا تو قرآن مجید سنت اور فقہاء اسلام کی تصریحات کو مقدم رکھا ہے اور مشکل پسند اور فقہاء عسری کے اقوال کو ترک کر دیا۔

بہر حال! میں نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی نیک نیتی اور لئیت سے لکھا ہے۔ اگر یہ حق اور صواب ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میرے مطالعہ کا نقص اور میری فہم کی کمی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد سید المرسلین خاتم النبیین و علی الہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ واولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں) جب تم ان کے مہران کو ادا کر دو، در آنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو، نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے کے بعد) کفر کیا، تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ۵)

جن جانوروں کو قرآن اور حدیث میں حرام کیا گیا ہے، ہم ان کا یہاں تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جانور حلال ہیں۔

قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمایا ہے اور چونکہ بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا اس سے اشارہ معلوم ہوا کہ بندر بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ
الْقِرْدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (المائدہ: ۶)

ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جو درندے کچلیوں (نوک دار دانتوں) سے پھاڑ کر کھاتے ہیں، جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ اور جو پرندے اپنے ناخنوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں، جیسے باز اور شکرہ وغیرہ، یہ سب حرام ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں (سے شکار کرنے) والے پرندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۳، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۳۰، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۸۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۰۳، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۳۳۷، موطا امام مالک، ۱۰۷۵، سنن کبریٰ للسیبکی، ج ۹، ص ۳۱۵، مصنف

عبدالرزاق، ۸۷۰۳، المعجم الکبیر، ج ۲۲، رقم الحدیث: ۵۲۶-۵۲۹، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۷۵۰، شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۱۳۱، ص ۳۵۸، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۳۱۶ھ)

بھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگلی جانور مراد ہیں، لہذا اس حدیث سے ہاتھی، لومڑی اور بچو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچلیاں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے، جس میں کتامنہ ڈال دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا لعاب نجس ہے۔ اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہو اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتامنہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۲، صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۹۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۱، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۱، سنن کبریٰ للسیہتی، ج ۱، ص ۲۳۰، قدیم، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۱۳۳)

احمد محمد شاکر نے لکھا ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔ مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ، ۱۳۱۶ھ)

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی بیج کو حرام فرمایا ہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ کتا حلال نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۳۷، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۶۸، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۲۸، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۳۶، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱۵۹)

نیز امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتے کی قیمت، کاہن کی شیرینی اور فاحشہ کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۰۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۳)

رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے، کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی، اگر کتے کو کھانا حلال ہوتا تو مطلقاً کتے کو رکھنے کی اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کر دو، اور جن لوگوں نے کھیت، شکار اور مویشیوں کے بغیر کتا رکھا، ان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

(سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۲۹۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۲-۱۳۹۱، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۷۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۳۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰۵، موطا امام مالک، ۱۸۰۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۷۹، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہوتا تو فرشتے

اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ نے کہا، آج صبح سے میں آپ کو بہت مغموم دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا، وہ نہیں آئے۔ یہ خدا انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی یہی کیفیت رہی، پھر رسول اللہ ﷺ کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو ہمارے پردے کے پیچھے تھا، آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو اس کو نکال دیا گیا، پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا جہاں کتا تھا، جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا، تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا، ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حتیٰ کہ چھوٹے باغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۰۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۱۵۷، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۸۱۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۱۹۷، سنن کبریٰ للسیحی، ج ۷، ص ۲۷۰، قدیم)

عبارت النص کے ساتھ آپ نے کتا کھانے کو حرام نہیں فرمایا، لیکن ان احادیث سے دلالت النص کے ساتھ کتا کھانے کی حرمت ثابت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتا کھانے کی حرمت حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کی ہے۔ نبی ﷺ نے پالتو گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے کو اور پالتو گدھوں کے کھانے کو حرام فرمادیا، (یہ حدیث حضرت جابر اور حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے) (صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۲۱۶، صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۰۸، سنن دارقطنی، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۷۲۳، سنن کبریٰ للسیحی، الجدیدہ، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۹۹۹۵)

نبی ﷺ نے چوہے، بچھو، چیل، کوے اور باؤلے کتے کے متعلق فرمایا: ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں، جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چوہا، بچھو، چیل، کو اور باؤلا کتا۔ (بعض روایات میں بچھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے) (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۱۳، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۹۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۴۸، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۸۳۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۷۱۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کو ا کون شخص کھائے گا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو فاسق فرمایا

تبیان القرآن

جلد سوم

ہے۔ بہ خدا وہ پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۳۸)
نبی ﷺ نے چھپکلی کو بھی فاسق فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھپکلی کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکلی کو فویسق فرمایا۔ ام شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔
(صحیح البخاری ج ۴، رقم الحدیث: ۳۳۰۶، ۳۳۰۷، صحیح مسلم ج ۴، رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
ابوالاحوص جشمی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعود خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر رہا تھا، حضرت ابن مسعود نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لاشی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی سانپ کو قتل کیا، اس نے گویا اس مشرک کو قتل کیا، جس کا خون مباح تھا۔ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد بشرح احمد شاکر ج ۴، رقم الحدیث: ۳۹۹۵، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۶ھ)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوہا، سانپ، چھپکلی اور بچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کر کے باقی حشرات الارض کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵۷)
اور طہیبت سلیمہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

ہم نے نبی ﷺ سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور بچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے حکم میں ہیں، جن کو عرب خبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بلا اضطراب نہیں کھاتے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۴، ص ۳۱۱، الجدیدہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۶ھ)

نیز نبی ﷺ نے گوہ کو حرام فرمایا ہے اور گوہ حشرات الارض میں سے ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بھستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن شبل بنی اشعث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۶ھ)

بجو، کچھو اور بھڑ بھی حشرات الارض میں سے ہیں، اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعی بجو اور گوہ کو حلال کہتے ہیں، نبی ﷺ نے خچر کو حرام فرمایا ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید بنی اشعث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں، خچروں اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے

سے منع فرمایا ہے اور حیوة نے یہ اضافہ کیا ہر کچلیوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ٢، رقم الحدیث: ٣٤٩٠، مطبوعہ بیروت)

نبی ﷺ نے لومڑی، بھیڑیے اور بچو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔
امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٤٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں، آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لومڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی، وہ بھیڑیے کو کھائے گا؟

(سنن ابن ماجہ، ج ٢، رقم الحدیث: ٣٣-٣٥، سنن ترمذی، ج ٣، رقم الحدیث: ١٤٩٩، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ١٣، رقم الحدیث: ١٩٩٣١)

مختصر الجدیدہ

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٤٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچو کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بچو کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟ (سنن ترمذی، ج ٣، رقم الحدیث: ١٤٩٩، سنن ابن ماجہ، ج ٢، رقم الحدیث: ٣٢٣)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم پر بعض محدثین نے جرح کی ہے، لیکن کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا بھی اس کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کچلیوں اور ناخنوں سے پھاڑنے، چیرنے والے درندے اور پرندے، نچر اور پالتو گدھے، کتا اور خنزیر، سانپ، بچھو، بچو گوہ اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک تمام مردار سمندری جانور حلال ہیں، خواہ طبعاً مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمد کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں، وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کچھوا اور جن سمندری جانوروں میں بننے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بننے والا خون ہو، ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلنَّاسِ (المائدة: ٩٦)

تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد مچھلی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٤٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے، اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (فقہاء احناف اس مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں)

(سنن ترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۶۹، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن نسائی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۰، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶، الموطاء، رقم الحدیث: ۳۳، مسند احمد 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۷۲۳۷، المستدرک 'ج' ۱، ص ۱۳۰) فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قرینہ یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں، یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵۷) اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کاپانی ہٹ جائے، اس کو کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر اوپر آجائے، سو تم اس کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۲۳۷)

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیم الطائفی ہے، اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کو دیگر متعدد اسانید کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ 'ج' ۱۳، ص ۱۶۱-۱۵۹، الجدیدہ) علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

خشکی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے، ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ۳) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ، پھل اور میوہ جات وغیرہ مراد نہیں ہیں، کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں۔ اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عنقریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبائح ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، جن کے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزْرُ بْنُ النَّوْ وَ قَالَتِ
التَّصْرِي الْمَسِيحُ ابْنُ النَّو (التوبه: ۳۰) مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ابن شہاب سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا، ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا، کیونکہ وہ دین میں
اہل کتاب ہیں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: ”وہ حلال نہیں ہے۔“

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھاؤ، کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا
نصرانیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۳۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، سعید بن المسیب، شعبی اور ابن شہاب وغیرہ نصاریٰ بنو تغلب کے
ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۳۶، مطبوعہ بیروت)

ابن زید سے سوال کیا گیا کہ عیسائیوں نے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو گر جا کے لیے ذبح کیا۔ آیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟
انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کے طعام کو حلال کیا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۳۰، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ زہلی نے کہا ہے کہ جو شخص آسمانی دین کا معتقد ہو اور اس کے پاس کتاب ہو، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
صحائف یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زبور ہو، وہ اہل کتاب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستثنیٰ میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی
کے موافق شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا
ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا
ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں
سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے، خواہ وہ تین
میں کے تیسرے کا قول کریں یا نہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقاً
اجازت دی ہے۔ علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہی دلیل کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب پر مشرکین کا
اطلاق نہیں کیا جاتا، اور مشرک اس کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی بی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔

(رد المحتار، ج ۲، ص ۲۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے، نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے ذبح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے، تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے،
اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور اس سے ارادہ مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ
صراحتاً کہے اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے، تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ

جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ (عنایہ) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد صکنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو، مجوسی ہو، مرتد ہو، جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی، مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہو گا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔

(در مختار مع رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۹، مطبوعہ بیروت، ۱۳۰۷ھ)

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے، اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے حلت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے، کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طعام کا حلال ہونا کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۱۳۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں، یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتے، انبیاء علیہم السلام، آسمانی کتابیں، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا، جزا، سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی حلت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مردار جانور، جس کا گلا گھونٹا گیا ہو، جس کو درندے نے پھاڑا ہو، جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور خنزیر حرام ہیں اور موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو، ان کی چربی اور کام میں لاؤ، پر اسے تم کسی حال میں نہ کھانا۔

(پرانا عمد نامہ، احبار، باب: ۷، آیت ۲۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پر وہ جگالی نہیں کرتا، وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے، تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (پرانا عمد نامہ، احبار، باب: ۱۱، آیت ۹-۷، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے، ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(نیا عمد نامہ، رسولوں کے اعمال، باب: ۲۱، آیت ۲۵، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ

اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو، فرشتوں کو،

آسمانی کتابوں کو، انبیاء علیہم السلام کو، مرنے کے بعد اٹھنے کو، جزا و سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے، اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے، بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے، تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا O تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے O تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو، چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو، خواہ اور کہیں، بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے O تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔ وہ تیری چچی ہے O تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے، سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی بھانج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا، کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے O تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا، کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے O اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے نپاک ہے، اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا O

(پرانا عمد نامہ، احبار، باب: ۱۸، آیت ۱۹-۷، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حربی ہوں، حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مہر ادا کر دو، مہر کا ذکر اس لیے کیا ہے، تاکہ اس کا وجوب اور موکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے، کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولیٰ اور راجح ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے در آنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو، نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا، تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ، نہ ظاہر بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانیہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شرعیہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا، اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے یہی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ارتداد سے تمام اعمال ضائع ہو

جاتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى

دھو لو، اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرو، اور اگر تم بیمار ہو

أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ

یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ

پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

پر اس پاک مٹی سے مسح کرو، اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن

وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرے تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

شکر ادا کرو ۰

آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت

انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازدواج۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام ہیں اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کون سی عورتیں اس کے لیے حلال ہیں اور کون سی عورتیں حرام ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض ہیں اور ان عبادت میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور

طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے تو طہارت تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں وضو، غسل اور تیمم کا بیان فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال (مال حرام) سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اصح الاسانید ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۷۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۷۲، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۰۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۱۹۱)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا، اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۳۵۹۷، مطبوعہ القاہرہ)

آیت وضو کا شان نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مقام بیداء میں میرا ہار گر گیا، اس وقت ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے اونٹنی کو بٹھایا اور اونٹنی سے اتر گئے، آپ نے میری گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابو بکر آئے اور انہوں نے زور سے مجھے گھونے مارے اور کہا تم نے تمام لوگوں کو ہار کی وجہ سے ٹھہرا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑنے سے مجھے موت کی طرح لگ رہا تھا، حالانکہ حضرت ابو بکر نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی تھی، پھر نبی ﷺ بیدار ہوئے، اس وقت صبح ہو چکی تھی، پانی کو تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ“ (المائدہ: ۶) حضرت اسید بن حفیر نے کہا اے آل ابو بکر اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے تمہارا وجود ان کے لیے محض برکت ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۰۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں وضو اور تیمم دونوں کا ذکر ہے۔ تیمم کا ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے اور اس آیت میں بھی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی تھی یا سورۃ المائدہ کی زیر تفسیر آیت۔ محققین کے نزدیک ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری کی اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حدیث ۳۳۴ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی اور اس آیت کی تعین نہیں کی اور مذکور الصدر روایت میں تصریح کر دی کہ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۳۳۲، مطبوعہ لاہور، عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ مصر)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر غزوہ موہبہ سے

میں ہوا تھا جو بنو مصلح بن خزاعہ کے خلاف تھا یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔

(الاستاذ کار، ج ۳، ص ۱۳۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان

اس جگہ ایک بحث یہ ہے کہ آیت وضو تو پانچ یا چھ ہجری میں نازل ہوئی اور نماز ابتداء وحی کے ساتھ مکہ میں فرض ہو گئی تھی تو ابتداء میں نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی یا بلا وضو؟

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے: ”پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی“ اس سے مراد وہ آیت وضو ہے جو سورۃ المائدہ میں ہے۔ یا وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے۔ ان دو آیتوں کے سوا اور کسی آیت میں تیمم کا ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ غسل جنابت وضو سے پہلے فرض نہیں ہوا تھا۔ پس جس طرح مصتفین سیرت کے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ نبی ﷺ پر مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور غسل جنابت بھی مکہ میں فرض ہوا ہے اور یہ کہ آپ نے مکہ میں کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور آپ اسی طرح وضو کرتے تھے جس طرح مدینہ میں آپ نے وضو کیا یا جس طرح اب ہم وضو کرتے ہیں اور یہ وہ امر ہے کہ اس سے کوئی عالم بھی ناواقف نہیں ہے اور سوائے ہٹ دھرم کے اس کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ (الاستاذ کار، ج ۳، ص ۱۵۵، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سفاقی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرنا ان پر لازم تھا اور تیمم کی آیت سورۃ المائدہ میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور اس سے پہلے کوئی نماز بغیر وضو کے مشروع نہیں تھی۔ اس لیے جب تیمم کی آیت نازل ہوئی تو وضو کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ تیمم کا حکم وضو کے حکم کی فرع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس آیت کا وہ حصہ نازل ہوا جس میں وضو کا ذکر ہے اور پھر اس آیت کا دوسرا حصہ نازل ہوا جس میں تیمم کا ذکر ہے۔ پھر یہ آیت پوری ہو گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے مشروع ہوا نہ کہ قرآن سے پھر بعد میں ان دونوں کا حکم اکٹھے نازل ہوا اور حضرت عائشہ نے اس کو تیمم سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس موقع پر یہی مقصود تھا (علامہ یعنی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ امام حمیدی کی اس روایت پر مطلع ہو جاتے جس میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے: پھر یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الى الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم وایدیکم۔ الا یہ (المائدہ: ۶) تو ان تاویلات میں نہ پڑتے۔ (عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ ادارہ البیضاء، المنیر، مصر ۱۳۲۸ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے ثابت تھا اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حکنی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

آیت وضو اجتماع مدنی ہے اور تمام اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہو گئے تھے اور نبی ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی، بلکہ ہم سے پہلی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور اصول فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کے کوئی قصہ بیان کریں اور اس کا نسخ ظاہر نہ ہو، تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اور اس آیت کے نزول کا یہ فائدہ ہے کہ جو حکم پہلے ثابت ہو چکا تھا اس کو مقرر اور ثابت کیا جائے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۱، ص ۶۲-۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا یا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوا یا اور دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا اس کے لیے دگنا اجر ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوا یا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۰، المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۳۶۷۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۸۰)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے صرف تین (ظاہری اور صوری) جھوٹ بولے، جب انہیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا انسی سقیم میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا "فعلہ کبیر ہم هذا ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے" اور انہوں نے (حضرت) سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے، حضرت ابراہیم ایک بستی میں گئے جس میں ایک جابر بادشاہ تھا، اس کو بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں، اس بادشاہ نے ان کے پاس اپنا ہر کارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا اس کو بھیج دو۔ آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میری بات کو جھٹلانا نہیں، میں نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ تم میری بہن ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف اٹھا۔ حضرت سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی اے اللہ! بے شک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔ حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے مار دیا۔ پھر اس کو زمین نے چھوڑ دیا، وہ پھر حضرت سارہ کی طرف بڑھا، حضرت سارہ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں، اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے، سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ پس اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی، اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی، پھر حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا، پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس بادشاہ نے کہا، تم نے میرے پاس کس جنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو واپس کر دو اور اس عورت کو ہاجرہ دے دو، وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے کہا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے مکر کو باطل کر دیا اور خدمت کے لیے ایک باندی دے دی۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۴۰۳-۴۰۴، طبع قدیم، بیروت، احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم،

سنن ابوداؤد سنن ترمذی اور مسند ابو یعلیٰ میں بھی یہ حدیث اختصار سے مروی ہے۔ مسند احمد تحقیق احمد شاکر ج ۹، رقم الحدیث: ۹۲۱۳، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۱۶ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ حضرت سارہ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جرتج کہا جاتا تھا، وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس کی ماں نے آکر اس کو بلایا، وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا، اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا، جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جرتج اپنے گرجا میں عبادت کرتا تھا، ایک عورت نے کہا، میں جرتج کو فتنہ میں ڈالوں گی، اس عورت نے اس کو گناہ کی دعوت دی، جرتج نے انکار کیا۔ اس نے ایک چرواہے سے اپنی خواہش پوری کر لی، اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، اس نے لوگوں سے کہا، یہ جرتج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انہوں نے اس کا گر جاتوڑ دیا اور اس کو گر جاسے نکال دیا اور اس کو برا کہا، جرتج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس نوزائیدہ بچہ سے کہا، اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا، چرواہا۔ لوگوں نے کہا، ہم تمہارا گر جاسونے کا بنادیں، اس نے کہا، نہیں صرف مٹی کا ہی بنا دو۔

(صحیح بخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ جرتج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام عبد المالک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا، مجھے بعض اہل علم نے یہ حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض ہوئی تو آپ کے پاس جبرائیل آئے وہ اس وقت مکہ کی بلند وادی پر تھے۔ انہوں نے وادی پر اپنی ایڑی ماری تو اس سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی ﷺ ان کو دیکھتے رہے، کہ وہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں؟ پھر نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور نبی ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام لوٹ گئے اور نبی ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس آئے، پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو کر کے دکھایا کہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں، جس طرح آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھایا تھا، پھر حضرت خدیجہ نے وضو کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل نے نماز پڑھائی تھی۔ (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف، ج ۱، ص ۱۶۳-۱۶۲، مطبوعہ ملتان)

علامہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ نے اس حدیث کی سند کو مقطوع لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسی حدیث احکام شرعیہ کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن ان کے استاذ قاضی ابوبکر محمد بن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ہر چند کہ اس کو اہل صحیح نے روایت نہیں کیا، لیکن انہوں نے اس حدیث کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ اور علماء اس حدیث سے تغافل کرتے تھے، جس کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۲۸-۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تاہم علامہ عبدالرحمن بن عبداللہ سہلی متوفی ٥٨١ھ نے اپنے استاذ حافظ ابن العربی کی سند سے روایت کیا ہے۔
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت
جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا اس
حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا اور اس کی تلاوت مدینہ میں ہوئی۔

(الروض الانف، ج ١، ص ١٦٣-١٦٢، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، ملتان)

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن
غرمحجل (جس کا منہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا اس کا سبب وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص
اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعضاء وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر) اپنی سفیدی کو زیادہ کر لے۔

(صحیح بخاری، ج ١، رقم الحدیث: ١٣٦، صحیح مسلم، ج ١، رقم الحدیث: ٢٣٦، سنن ابوداؤد، ج ١، رقم الحدیث: ٣٢٣، سنن نسائی، ج ١، رقم
الحدیث: ١٥٠، سنن ابن ماجہ، ج ١، رقم الحدیث: ٢٨٣)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ٢٤٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب
چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا اور جب
وہ ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے
صاف ہو جاتا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ١، رقم الحدیث: ٢، صحیح مسلم، ج ١، رقم الحدیث: ٢٣٣، الموطا، رقم الحدیث: ٣٣، سنن دارمی، ج ١، رقم الحدیث: ١٨٣،
مسند احمد، ج ٣، رقم الحدیث: ٨٠٢٦، سنن کبریٰ للسیحفی، ج ١، ص ٨١، صحیح ابن خزیمہ، ج ١، رقم الحدیث: ٣)

امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٤٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر
کے مسجد میں جائے اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کے لیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا
ایک گناہ مٹا دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ١، رقم الحدیث: ٢٨١، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٤٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا پھر کہا:
”اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اللهم اجعلنی
من التوابین واجعلنی من المتطہرین“ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ
جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

(سنن ترمذی، ج ١، رقم الحدیث: ٥٥، صحیح مسلم، ج ١، رقم الحدیث: ٢٣٣، سنن ابوداؤد، ج ١، رقم الحدیث: ١٦٩، سنن ابن ماجہ، ج ١، رقم

الحدیث: ۴۷۰، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: (۱۷۳۶)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں سلمان کے ساتھ تھا، انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (المصنف، ج ۱، ص ۸-۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

سالم بن عبد اللہ بن عمر کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ لوگوں کو حساب کے لیے جمع کیا گیا، پھر انبیاء علیہم السلام کو بلایا گیا۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی اور اس نے دیکھا کہ ہر نبی کے ساتھ دو نور ہیں جو ان کے درمیان چل رہے ہیں، اور ان کی امت میں سے جو ان کے متبعین تھے، ان کے لیے ایک نور تھا، حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ کو بلایا گیا۔ آپ کے سر کے بالوں اور آپ کے پورے چہرے پر نور تھا، جو ہر دیکھنے والے کو نظر آ رہا تھا، اور آپ کی امت میں سے آپ کے متبعین کے لیے دو نور تھے، جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نور تھے۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ خواب نہیں تھا، انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اور تم کو اس کا علم کس طرح ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر کعب نے اسے اللہ کی قسم دے کر کہا، کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا تھا؟ اس نے کہا ہاں! میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ کعب نے کہا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! یا کہا، اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا، یہ سیدنا احمد ﷺ اور آپ کی امت کی صفت ہے، اور اللہ کی کتاب تورات میں انبیاء کی صفت ہے جس طرح میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں نے تمہید (ج ۲، ص ۲۵۹) میں بیان کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں اور یہ چیز میرے نزدیک کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (الاستذکار، ج ۲، ص ۱۸۰، مطبوعہ موست الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے، اور جب کوئی شخص با وضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ! ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا، ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا، جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۱، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸)

سوید بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہباء پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوا یا تو صرف ستولائے گئے، ہم نے ان کو کھلایا اور پیا، پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے اٹھے، آپ نے کلی کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۵)

غزوہ خیبر، غزوہ فتح مکہ سے پہلے سات ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر نے کہا، آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا: میں نے عہد کیا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۷۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، جس سال فتح مکہ ہوا، آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمر نے کہا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں نے عہد کیا ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس سے پہلے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۲۱۵) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متفق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بال جہاں سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نیچے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو، اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھنی داڑھی ہو، وہ صرف بالوں میں خلال کرے، داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے، انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے، مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا مسح کی اتنی مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آسکے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد اور دی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا ان سے زائد پر مسح کیا جائے، یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ ”وامسحوا برءوسکم“ میں باکا معنی تبعیض ہے، اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پیشانی پر یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: المسلسل ۲۷۴، رقم الحدیث: الكتاب ۸۲-۸۱) اور ابو معقل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۳، سنن کبریٰ، لمصحفی، ج ۱، ص ۶۱) البتہ! امام شافعی کے

تبیان القرآن

جلد سوم

نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔

(الحادی الکبیر، ج ۱، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام شافعی کی اس دلیل پر دو وجہ سے نقض ہے۔ ایک تو یہ کہ باء کا متفق علیہ معنی الصاق ہے۔ تبعیض نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہوتا، تو نبی ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی تو صرف تین بالوں پر مسح کرتے یا پھر اس مقدار کا صراحتاً بیان فرماتے۔

امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔ چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بال ہیں، سو جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ پر مسح کرے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالک نے جواب دیا، اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ جائز ہوگا؟ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن العربی نے امام مالک کے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، ۱۱۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۴، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۸-۳۹، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۵۹، کتاب المعروف، ج ۱، ص ۲۱۲)

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں، پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے، پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۲۳-۱۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۵۹)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمد کے تین قول ہیں۔ (۱) پورے سر کا مسح فرض ہے (۲) پیشانی کے برابر یعنی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے (۳) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔

(المنہج، ج ۱، ص ۸۷-۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

پورے سر کا مسح کرنے یا اکثر حصہ کا مسح کرنے کا قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر پیشانی کی مقدار کے برابر بھی مسح کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض مشائخ احناف کے نزدیک تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

پیشانی کی مقدار چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے، پھر پیشاب کیا اور پیشانی کی مقدار (پر) مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا، اور قرآن مجید میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے، جو تین بالوں کی مقدار کا قول کرتے ہیں اور امام مالک پر بھی حجت ہے جو پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنے کو فرض کہا ہے، کیونکہ مسح کرنے کا آلہ ہاتھ ہے اور اس کی اکثر مقدار تین انگلیاں ہیں۔

(ہدایہ اولین، ص ۱۷۱، مطبوعہ شرکت ملیہ، ملتان)

سر پر مسح کرنا فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار فرض ظنی ہے، فرض قطعی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرض ظنی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کر سکتا ہے، اسی طرح ربو الفضل کی حرمت بھی ظنی ہے اور اس کی حرمت کی علت میں بھی مجتہدین کا اختلاف ہے۔

پیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید، احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے، ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے وارجلکم اور لام پر نصب ہے اور اس کا عطف ”وجوہکم وایدیکم“ پر ہے، یعنی اپنے چہروں، ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قرائت ہے اور قراء میں سے ابن عامر، نافع اور کسائی کی یہی قرائت ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (الحاوی الکبیر، ج ۱، ص ۴۹) اور اس قرائت کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آگے، در آنحالیکہ ہم نے عصر کی نماز میں دیر کر دی تھی، سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے، تو آپ نے باؤاز بلند دویا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو، ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۵-۱۶۳ صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲-۲۳۱-۲۳۰، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۷، سنن نسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۰) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا، آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قرائتیں ہیں۔ نصب کی قرائت (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرائت (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف بڑوسکم پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے، اور اس پر جوار کی وجہ سے بڑے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْيَوْمِ

بے شک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا

(ہود: ۲۶) ہوں۔

اس آیت میں الیوم عذاب کی صفت ہے، اس اعتبار سے اس پر نصب (زیر) ہونی چاہیے تھی، لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے، اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوسکم اور ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی، لیکن اس کے جوار میں بڑوسکم چونکہ مجرور ہے، اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف بڑوسکم پر ہے، اور اس سے پہلے و امسحوا مقدر ہے، لیکن و امسحوا بڑوسکم میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور و امسحوا ارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی دھونا۔ اہل عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ

اے ایمان والو! نشتے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ،

سُكَّارٍ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا

حتیٰ کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت

عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا (نساء: ۴۳)

میں مسجد کے قریب جاؤ، حتیٰ کہ تم غسل کر لو، الا یہ کہ تم نے

(مسجد میں صرف) راستہ عبور کرنا ہو۔

اس آیت میں ولا جنبا کا عطف لا تقربوا الصلوة پر ہے اور اس سے پہلے بھی لا تقربوا الصلوة مقدر ہے، لیکن معطوف علیہ میں الصلوة کا معنی حقیقی مراد ہے یعنی نماز، اور معطوف میں الصلوة کا معنی مجاز مراد ہے، یعنی مسجد اور محل صلوة۔ اسی طرح آیت وضو میں و امسحوا بڑوسکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور و امسحوا ارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور ارجلکم دو متواتر قرائتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید کی قرائت میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ارجلکم کی قرائت اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلکم کی قرائت اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں، تو پیروں پر مسح کر لو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھو لو۔ اس طرح ان دونوں قرائتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کر دیا جاتا ہے ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ ہاتھ اور پیر ہیں تو ان کو دھویا جائے اور جس عضو پر مسح کا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے اسی طرح غسل کی فرع ہے اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھویا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱) نیز تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں ہے اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نیت طہارت کی شرط ہے۔

(معنی ابن قدامہ، ج ۱، ص ۷۸، الحاوی الکبیر، ج ۱، ص ۱۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع، شراء، نکاح، طلاق، رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہالیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہوگا اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضوء، غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۷، علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے) پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے اور اس حدیث میں وضو کی نفی کمال پر محمول ہے جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عمد بسم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہوگا اور

اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ (المغنی، ج ۱، ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئے، پھر ہاتھ، پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متونی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”فاغسلوا وجوهکم وایدیکم“ (الایہ) اور ”قا“

تعقیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔ (الحاوی الکبیر، ج ۱، ص ۱۶۸)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے، کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔ (سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ۱، ص ۸۷) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۹) امام بیہقی نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۸۷) نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے نہریا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بالاتفاق اس کا وضو ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے، یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرے عضو کو دھونا بشرطیکہ اس کو یاد رہے۔ علامہ احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متونی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے، بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالک کا استدلال اس آیت میں لفظ ”قا“ سے ہے۔ کیونکہ ”قا“ ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے (بداية المجتهد، ج ۱، ص ۱۲) اور جمہور کا استدلال لفظ ”واؤ“ سے ہے، کیونکہ ”واؤ“ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان ”واؤ“ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے، امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا، آپ نے استنجاء کیا اور جو ناگوار چیز لگی تھی، اس کو صاف کیا، پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا، یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے موخر کر دیا، اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھولینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھولے، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۶۲، صحیح مسلم ۲۷۸، سنن ابوداؤد ۱۰۳، سنن ترمذی ۲۳، سنن ابن ماجہ ۳۹۳، سنن دارقطنی ۱۳۷، مسند احمد ج ۲، ص ۵۰۷-۵۱۰، ۳۵۵، ۲۸۳، ۲۶۵، طبع قدیم)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ امام ابوداؤد بختانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا وضو نہ ہو، اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے، اس کا وضو نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۲۰، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جب تم وضو کرو تو، کہو بسم اللہ والحمد للہ، پھر تمہارے کرنا کاتبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ۱۹۶) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن محمد مفرد ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۱۸۱) امام ابن عدی نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں (کتاب الضعفاء، ج ۱، ص ۲۶۰) حافظ الحیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۲۰)

سواک کرنی چاہیے، لکڑی کی معروف سواک نہ ہو تو انگلی سے یا برش سے دانت صاف کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات کو اٹھتے تو سواک کرتے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۶، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۶۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت سواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸۸۷، مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۷، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۶۸۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳۱، طبع قدیم)

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت سواک کا حکم دینے کا ذکر ہے، امام بخاری نے تطبیقاً روایت کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر وضو کے وقت سواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، باب السواک الرطب واليابس للعائم، سنن کبریٰ، للیصق، ج ۱، ص ۳۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۶۰-۵۷۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہمیں سواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں سواک ہیں جن کو تم دانتوں پر پھیرتے ہو، بغیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۳۱، مطبوعہ نثر السنہ، ملتان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔

(علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۶۲۱۸، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۷۱، رقم ۱۳۷، حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو، اس کو نبی ﷺ اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔

(مسند ابو۔ علی ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۳۸، مطبوعہ دارالمامون، بیروت، مسند البزاد، ج ۱، ص ۲۳۳، رقم ۵۰۱، سنن کبریٰ ج ۱، ص ۳۸)

کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور انہیں نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھایا۔ انہوں نے اس برتن سے پانی انڈیل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھویا، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصہ سے اگلے حصہ تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۱۸-۱۱۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۸-۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۵، سنن داری، رقم الحدیث: ۶۹۸)

کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کیا، کانوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کانوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کانوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۰، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۰۱)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی میں خلال کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۱، المستدرک، ج ۱، ص ۱۵۰-۱۴۹)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی

انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۷)

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا، پھر اپنے دونوں پیروں کو تین تین بار دھویا، پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی، یا کمی کی، اس نے ہر اکام کیا اور ظلم کیا۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۳۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے ناکافی جان کر زیادتی کی، اس نے ظلم کیا۔ ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی، اس نے ظلم کیا، ورنہ ایک یا دو بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔

وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا، علامہ ابوالحسن احمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الَّذِينَ (البینہ: ۵)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں
در آنحالیکہ وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے
والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے منبر پر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے، ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو، جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو، جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۳۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۷۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۲۷، مسند احمد، رقم الحدیث: ج ۱، ص ۲۵-۳۳، طبع قدیم)

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضاء کو دھونے کا حکم ہے، یہ بھی مستحب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا مذکور ہونا ہے، اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے، اور علامہ المرغینانی کے نزدیک سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا، حتیٰ کہ جوتی پینے میں، کنگھی کرنے میں، وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۶۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۱۳۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۶۰۸)

تبیان القرآن

جلد سوم

سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۵۸۲۱، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۳ھ
وضو کے آداب

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سکندری حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: وضو کے حسب ذیل آداب ہیں:

(۱) اسراف کو ترک کرنا (۲) بہت کم پانی لینے کو ترک کرنا (۳) اس کپڑے سے اعضا وضو کو نہ پونچھنا جن سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو (۴) لوگوں سے باتیں نہ کرنا (۵) بلا ضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا۔ وبری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو وضو کراتے تھے۔ (۶) وضو کے لیے خود پانی لانا (۷) استنجا کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو۔ (۸) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا (۹) ہر عضو دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا (۱۰) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا (۱۱) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا (۱۲) چہرے پر پانی سے چھپکے نہ مارنا۔ (۱۳) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے (۱۴) اطمینان سے وضو کرنا (۱۵) مل کر دھونا، خصوصاً سردیوں میں (۱۶) چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا، تاکہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضا سفید ہوں (۱۷) وضو کے بعد یہ پڑھنا سبحانک اللہم اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ اللہم اجعلنی من التوابین (الخ) (۱۸) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی پینا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر (اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب" (الحج: ۳۲) "اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے" علامہ شامی نے لکھا ہے یہ مستحب نہیں، مباح ہے۔ افضل ان پانیوں کو بیٹھ کر پینا ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ سعیدی، غفرلہ) (۱۹) وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھنا (۲۰) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے بچانا (۲۱) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ (۲۲) وضو کے پانی میں نہ تھوکنا (۲۳) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا (۲۴) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔

(فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

وضو توڑنے والے امور

سبیلین یعنی اگلے مخرج اور پچھلے مخرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول اور براز اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں وضو ٹوٹنے کے اسباب میں بیان فرمایا ہے:

أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ (المائدہ: ۶) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے۔

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کر قے آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں! نہیں! یہ صرف رگ (سے خون نکلتا ہے، رحم سے نہیں نکلتا) ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھو لو اور نماز پڑھو۔ پھر ہر نماز کے لیے ایک بار وضو کر لو، حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۲۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۹۸-۲۹۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۶۲۳، الموطاء، رقم الحدیث: ۱۳۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۶۷۹، طبع دار الفکر، ۱۳۱۳ھ ج ۶، ص ۲۶۳-۲۰۲-۲۲، طبع قدیم)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جہاں بھی یہ علت پائی جائیگی، وضو ٹوٹ جائیگا۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر بننے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا تمیم داری سے سماع نہیں ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد ضعیف ہیں۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ہے، سوا اسکے کہ بننے والا خون نکلے۔ (سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۷۲-۵۷۳)

امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو بھی ضعیف کہا ہے، لیکن تعدد اسانید سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ لائق استدلال ہوتی ہے۔ ابن جریج اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے منہ بھر کرے کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی، وہ واپس لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ۱۲۲۱، سنن کبریٰ، للسیحی، ج ۱، ص ۱۵۳، کامل ابن عدی، ج ۱، ص ۲۹۳)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱) نیز امام دار قطنی نے اس حدیث کو ابن جریج کے والد سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۶۳) دو سندوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۶-۵۶۵) نیز اور کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۷۰، ۵۶۹، ۵۶۸)

ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں، لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور لائق استدلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قے کرنے سے اور غیر مخزجین سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (الکافی الکبیر، ج ۱، ص ۲۲۳)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو صرف پاد نکلنے سے یا ہوا خارج ہونے سے لازم آتا ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۵۱۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۳۲۳، دار الفکر، سنن کبریٰ، للسیحی، ج ۱، ص ۱۱۷)

اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ بول و براز نکلنے سے نیند سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے اس حدیث میں غیر مخزجین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہو تا رہتا تھا، اس لیے انہوں نے کہا جب تک آواز نہ نکلے، یا بدبو نہ آئے، وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوة ذات الرقاع میں گئے، ایک شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا، اس مشرک نے قسم کھائی میں اس وقت تک ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک کہ اصحاب محمد (ﷺ) میں سے کسی کا خون نہ بہا دوں۔ وہ نبی ﷺ کا پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں گھائی کے منہ پر کھڑے رہنا، جب وہ دونوں گھائی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اس مشرک نے اس انصاری کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے، اس نے اپنا تیر نکال کر کمان میں رکھا اور لگاتار تین تیر مارے۔ وہ انصاری، اسی طرح نماز میں رکوع اور سجد کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مہاجر بیدار ہو گیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ چوکنے ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا، جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا: میں قرآن مجید کی جس سورت کو پڑھ رہا تھا میں نے اس کو منقطع کرنا پسند نہیں کیا۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۹۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳۳-۳۳۳، طبع قدیم، سنن کبریٰ للصحیحی، ج ۱، ص ۱۳۰، صحیح ابن خزیمہ، رقم

الحدیث: ۳۶، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۸۵۸، المستدرک، ج ۱، ص ۱۵۶)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوتا ہے جب نبی ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جاتا اور آپ اس نماز کو دہرانے کا حکم نہ دیتے۔ ثانیاً: حافظ منذری نے لکھا ہے کہ جب کہ تیر لگ کر بننے والا خون اس انصاری کے بدن، اس کی کھال اور اس کے کپڑوں پر بھی یقیناً لگا ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی خواہ خون تھوڑا ہی ہو، اور اگر یہ کہا جائے کہ خون کی دھار اس طرح ہی تھی کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر خون نہیں لگا تو یہ بہت تعجب خیز بات اور بہت بعید احتمال ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد، ج ۱، ص ۱۲۳)

علامہ ماوردی شافعی نے بعض آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔

اگر کسی شخص کو لیٹے ہوئے نیند آجائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگائے ہوئے نیند آجائے کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے، تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سجدہ میں سوئے ہوئے تھے، حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ تو سو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے، جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جب انسان لیٹ جاتا ہے تو اس کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۰۲، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۲۱، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۵۶، طبع قدیم)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سوتے تھے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے مل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا، میں نے دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ آپ نے

فرمایا نہیں، جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۰، کمال ابن عدی، ج ۲، ص ۵۵)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ققمہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکھ سرین کی رسی ہے جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے سو جو شخص سو جائے وہ وضو کرے۔

(سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۵۸۷، المعجم الکبیر، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۸۷۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۹۷-۹۶، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۲، سنن داری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۷۷، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۱۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۰۳، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۳۷، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۴۹، الجامع الکبیر، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۳۵۶۳)

اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ضعیف راوی ہے اور بقیہ بن الولید مدلس ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ الحیثمی اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور حسنہ کی موید ہے۔

نماز میں ققمہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلی، لیکن حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس پر حدیث کو مقدم رکھتے ہیں۔ ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام علی بن عمردار قطنی متوفی ۵۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

لیح بن اسامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک نابینا شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، ہم اس سے ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پورا وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور نماز کو شروع سے دہرانے کا حکم دیا۔

(سنن دارقطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹۱)

اس حدیث کی سند میں حسن بن دینار متروک ہے۔ (میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۲۳۳)

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زیر تفسیر آیت میں "اولمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا" (المائدہ: ۶) وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، یعنی یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تمم کرو۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے، یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے، صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں لمس، مس کے الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۶۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سو رہی تھی اور میرے دونوں پیر آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے، میں اپنے پیر کھینچ لیتی، جب

آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پیر پھیلا دیتی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔
 (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث المسلسل، ۵۱۲، رقم الحدیث الکتاب ۲۷۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۷۱۲، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۶۷، الموطا، رقم الحدیث: ۲۵۸، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۵۵، ۲۲۵، ۱۳۸، ۵۵، ۳۳، طبع قدیم)
 اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عورت کے بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو ہاتھ لگاتے اور نماز میں بدستور مشغول رہتے۔

امام ابو عبد الرحمن بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی کسی زوجہ کو بوسہ دیتے، پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے حسن حدیث ہے۔ اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے)
 (سنن نسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۵۰۲، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۵۸۲۳، مطبوعہ دار الفکر)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مس ذکر (شرم گاہ کو چھونا) سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں (المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۱۱۶) امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
 طلح بن علی اپنے والد بنی شیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”وہ تمہارے جسم کا ایک عضو ہی تو ہے۔“
 (سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۸۳، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۶۳۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۱۶۵، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۴۲۶)
 اس حدیث کی سند قوی ہے۔ امام شافعی کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

بسرہ بنت صفوان بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے ذکر (شرم گاہ) کو چھوا، وہ وضو کے بغیر نماز نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۸۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۷۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے)
 امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اس کے خلاف بکثرت آثار روایت کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا کان کو چھوؤں۔
 حضرت علی بنی شیبہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔
 حضرت عمار بن یاسر نے فرمایا یہ میری یا تمہاری ناک کی طرح عضو ہے اور تمہارے چھونے کے لیے اور اعضا بھی ہیں۔
 حضرت حذیفہ نے فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔

(شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۳۷، مطبوعہ مجتہدائی، پاکستان)

اس مسئلہ میں دونوں جانب احادیث اور آثار ہیں اور قیاس صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

کیونکہ اولاً تو یہ دیگر اعضاء کی طرح ایک عضو ہے جس طرح دیگر اعضاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ ثانیاً: اس لیے کہ خون، پیپ اور بول، براز کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی نفس ظاہر ہے اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

تمیم کی شرط، طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۵۹ھ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے یا وہ شخص شہر سے باہر ہو اور شہر اس سے ایک میل (انگریزی ڈیڑھ میل) یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”فلم تجدوا ماء فتیمموا صعبا طیباً“ (المائدہ: ۶) پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس سال تک پانی نہ ملے، سو جب اس کو پانی مل جائے تو وہ اس سے اپنی کھال تر کرے، یعنی وضو کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۳۲، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۲۱، سنن دارقطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۱۱، سند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۱۶۲۳، المستدرک، ج ۱، ص ۱۷۷، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۰-۲۱۲)

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شہر میں جانے سے ضرر ہوگا، اعتبار مسافت کا ہے، تنگی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ تقصیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا، تو وہ تیمم کرے۔ اگر جنبی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مر جائے گا یا بیمار ہو جائے گا، تو وہ تیمم کرے، خواہ وہ شہر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردی کی رات میں جنبی ہو گئے۔ انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً (النساء: ۲۹) تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے، پھر انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا، تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب: ۷)

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں پر ملے، ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے، تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی، ریت، پتھر، چونا اور ہر تیل (ایک قسم کی زرد اور زہریلی دھات) وغیرہ سے۔ تیمم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے، جس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ تیمم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے، اگر نماز جنازہ یا عید کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شہر میں بلا عذر بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

(ہدایہ اولین، ص ۵۶-۴۹، مطبوعہ شرکت ملیہ، ملتان)

تیمم سے متعلق دیگر مباحث ہم نے (النساء: ۴۳) میں بیان کر دیئے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ

اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، اور اس عہد و پیمانہ کو جو اس نے پختل کے ساتھ

بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَتَقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ

تم سے کیا ہے، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں

بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

کو جاننے والا ہے ⑤ اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم

بِاللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ

رہنے والے ہو جاؤ دریاں حایکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت

أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ط

نہیں بے انصافی پر نہ اچھا ہے، تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑥ وَعَدَا اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے ⑥ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ⑨ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ⑩ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخی ہیں ⑩ اے ایمان والو:

آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ اٰن يٰسُطُوٓا لِيَكُم

تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ط وَعَلَىٰ اللَّهِ

ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان والوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ⑪

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

(المائدہ: ۷)

اللہ کی نعمت اور اس کے عہد و میثاق کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام سن کر قبول کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے اور جس کام سے منع کریں گے اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ عہد کیا، سو اے مسلمانو! تم اپنے اس عہد کو پورا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔

تم اس عہد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، ایسا نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو اور دل میں اس کے خلاف ہو، اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس عہد کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی معین نعمت کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جس نعمت کا ذکر فرمایا ہے، اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں، ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ اس نے حیات عطا فرمائی، صحت دی، عقل اور ہدایت دی۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بہت اچھائیاں عطا فرمائیں، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کریں، اس کا شکر بجالائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور یاد کرنا بھولنے کی فرع ہے، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تک و دو میں لگا رہتا ہے، اور جب کوئی نعمت چلی جاتی ہے، تو پھر اس نعمت کو یاد کرتا ہے، حالانکہ اسے چاہیے کہ وہ نعمت کی حالت میں اپنے منعم کو یاد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف متنبہ کرنے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و میثاق ہے۔ اس میثاق کی ایک تفسیر وہ ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے وقت آپ کی اطاعت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لیا کہ وہ تورات پر ایمان لائیں اور تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارت ہے، تو انہوں نے تورات کے ضمن میں آپ کی نبوت پر ایمان لانے کا بھی اقرار کیا تھا، سو اس سے یہ میثاق مراد ہے، اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا تو ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا، اور چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور شریعت پر جو عقلی دلائل اور شرعی براہین قائم کی ہیں، عہد اور میثاق سے وہ دلائل اور براہین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ، در آنحالیکہ تم

انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ (المائدہ: ۸)

صحیح اور سچی شہادت کی اہمیت

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے متصل ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اس آیت میں دو حکم ہیں (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی رد و بدل نہ کرو، صرف انصاف کی رو سے شہادت دو، خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر عام ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے، بائیں طور کہ تم حد سے تجاوز کرو، بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو، خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ، خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو، اور مخلوق میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل اور انصاف کرو، اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو، اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کو کفار پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پائیں، قتل کر دیں اور میدان جنگ میں آنے والے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو پھر اور ظلم اور زیادتی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم یہ ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے، ان کے بچوں کو قتل کیا جائے، بڑوں کا مثلہ کیا جائے، اور ان سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا: تم عدل کرتے رہو، وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا، اور جو شخص عدل کرتا ہے، وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے، وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے (المائدہ: ۸)

یعنی اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے، سو اگر تم نے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی یا کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی اور بے انصافی کی، تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ پھر صحیح اور سچی گواہی پر اجر و ثواب کی بشارت دی اور جھوٹی گواہی پر عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدہ: ۹) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ لوگ دوزخی ہیں۔

(المائدہ: ۱۰)

نا اہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں، یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

(معارف القرآن، ج ۲، ص ۷۱-۷۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بنا پر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دوسرا گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

أَنْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِينَ
اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو بے شک اس پر اللہ کی لعنت
(النور: ۷)

اور جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ
اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ جھوٹ
(البقرہ: ۱۰) بولتے تھے۔

اگر کوئی ممتحن کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بنا پر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے، کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ اور اس کا شرعی معنی ہے حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنا اور اس کو جو رکھتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا ظلم ہے اور حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔

(کتاب التعریفات، ص ۶۲، مطبوعہ ایران، النہایہ، ج ۳، ص ۶۱، المفردات، ص ۳۱۶-۳۱۵)

اور ظلم بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے:

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّٰلِمِينَ (ہود: ۱۸)
سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس لیے کسی ڈاکٹر کا صحت مند کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دینا یا کسی افسر کا انٹری کو ڈرائیونگ لائسنس دینا یا کسی ٹیکسی ڈرائیور کے غلط میٹر کی صحیح میٹر کا سند دینا یا رشوت لے کر کسی غیر ملکی کو قومی شناختی کارڈ بنا دینا یا کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی جعلی سند جاری کر دینا اور اس نوع کی تمام جھوٹی اور جعلی دستاویزات، جھوٹ اور ظلم پر مبنی ہیں، اور گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹی شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے، خصوصاً ممتحن کے نمبر لگانے کا معاملہ کسی طور پر شہادت نہیں ہے۔ اس کے لگائے ہوئے نمبر شہادت

تبیان القرآن

جلد سوم

نہیں، بلکہ ایک قسم کا فیصلہ ہیں، اگر وہ غلط نمبر لگائے گا تو یہ اس کی عدالت کے خلاف ہو گا اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَنْ لَا تَعْدِلُوْا
اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرتے رہو، وہ خوفِ ضم کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چیک کر کے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو افسر گاڑی کی فٹ نیس کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے، یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے، یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیفکیٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں، شہادت نہیں۔ پس شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسے میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقع تحریر کریں گے، تو عدل کے خلاف ہو گا، اور ظلم اور جھوٹ ہو گا، اور یہ کام موجب لعنت ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں، لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

شہادت کی تعریف

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں قاضی کے سامنے ایک شخص کے دوسرے شخص پر حق کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینا (مثلاً کہے میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں آدمی کافلاں شخص پر فلاں حق ہے) شریعت میں شہادت ہے۔ (کتاب التعریفات، ص ۵۷، مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم علم اور یقین کے قائم مقام ہے، اس میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو قسم کے قائم مقام ہے، اس میں مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ زید چلنے والا ہے۔ (المفردات، ص ۲۶۸)

علامہ محمد بن محمود بابر ترقی حنفی متوفی ۸۶۶ھ لکھتے ہیں:

جب گواہ مسموعات کی جنس سے کوئی بات سنے مثلاً بیع، اقرار یا حاکم کے حکم کو سنے، یا مبصرات میں سے کسی چیز کو دیکھے مثلاً کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھے، یا کسی کو غصب کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں گواہی دیتا ہوں فلاں شخص نے بیع کی، یا حاکم نے فیصلہ کیا خواہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

(عنا یہ مع فتح القدر، ج ۷، ص ۳۵۷، طبع بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے لکھا ہے کہ شہادت میں لفظ شہادت (مثلاً میں شہادت دیتا ہوں) کہنا ضروری ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ساتھ شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اور تم میں سے دو نیک شخص شہادت دیں۔

وَ اَشْهِدُوْا ذَوٰی عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲)

جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو شاہد (گواہ) بنا لو۔

وَ اَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ۲۸۲)

اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہد طلب کرو۔

وَ اسْتَشْهِدُوْا شٰہِدَیْنِ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

(البقرہ: ۲۸۲)

اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔

وَ اَقِیْمُوا الشَّہَادَةَ لِلّٰہِ (الطلاق: ۲)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے شہادت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کی مثل ہو تو شہادت دو، ورنہ چھوڑ دو۔

(المستدرک، ج ۲، ص ۱۹۸، سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۱۵۶)

ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی سنی ہوئی بات یا کسی وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جو کسی مریض کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہے، یا امتحان کسی پرچہ پر نمبر لگاتا ہے، اس میں کسی واقعہ یا حادثہ کی خبر نہیں دی جاتی، بلکہ اپنی طرف سے ایک رائے دی جاتی ہے یا ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لیے ان امور کو شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ! اگر بدعتی کی وجہ سے صحیح رائے نہ لکھی جائے یا صحیح حکم نہ لگایا جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے اور ظلم ہے، اور اگر اس نے دانستہ اپنی فی الواقعہ رائے کے خلاف لکھا تو یہ جھوٹ ہے اور بہر حال گناہ کبیرہ ہے۔

نا اہل شخص کو ووٹ دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر مفتی محمد شفیع دیوبندی متون ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کا ذمہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی سچی اور صحیح ثابت ہو سکے، مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے، کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے، کبھی ناپائیدار دوستوں اور ذلیل وعدوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تو اور، لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے، کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے، ارشاد:

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔
یعنی جو شخص اچھی اور سچی سفارش کرے گا، تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے، یعنی کسی نا اہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرتا ہے، اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنی کارکردگی کے پنج سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا، ان سب کا وبال ووٹ دینے

والے کو بھی پہنچے گا۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کیلئے وکیل بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخص حق کے متعلق ہوتی اور اسکا نفع نقصان صرف اسکی ذات کو پہنچتا تو اسکا یہ خود ذمہ دار ہوتا، مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لیے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شہادت، دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے، وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، اور دیانت دار ہے یا نہیں، محض غفلت و بے پرواہی سے بلا وجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی)

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نا اہل ہو، اس کو ووٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ووٹ کسی کے حق میں شہادت ہے، یا وکالت ہے، یا شفاعت ہے، اس کا شہادت نہ ہونا تو ہماری پہلی تقریر سے واضح ہو گیا۔ شہادت میں کسی دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے واقعہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے، اور ووٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے، اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کر دے، جبکہ ووٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے ووٹ ڈالے گئے ہیں، اگر اس کے ووٹ اپنے مقابل سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس طرح ووٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ (حدایہ اخیرین، ص ۱۹۹) اور ووٹر کسی امیدوار کو ووٹ ڈالنے کے بعد اپنے ووٹ کو کینسل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دباؤ کی وجہ سے کسی نا اہل شخص کو ووٹ ڈال رہا ہے، تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نا اہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نا اہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات مکمل کر کے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب کسی نا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۱۳، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۸۷، الجامع الکبیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۹۵)

جو کسی ایسے شخص کو قومی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے، جو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بد چلن اور بد کردار ہونا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نا اہل شخص کو منتخب کر رہا ہے اور نا اہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے مترادف ہے۔ نیز اس سلسلہ میں مزید احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا، حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرماں بردار بندہ تھا، تو بتانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک، ج ۳، ص ۹۳-۹۲، مطبوعہ دار الباز، مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنز العمال، ج ۶، ص ۷۹، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رونا اور جب نا اہل والی ہو تو پھر دین پر رونا۔ (علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۷۶، امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک، ج ۳، ص ۵۱۵، نیز امام طبرانی، متوفی ۳۲۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۶، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۹۹)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص پیسوں کے لالچ، برادری کے تعلق یا کسی بااثر آدمی کے دباؤ کی وجہ سے نا اہل کو ووٹ ڈالتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل شخص کو ووٹ ڈالنا، ظلم ہے، کیونکہ ظلم کا معنی ہی یہ ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے، اور ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بد کردار اور فاسق و فاجر یا بد مذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا، تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے، یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶ء کی وفاقی کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خواہ قاتل ہو، اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے ایسے بے دین لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا، یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی، وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر متدین اور غیر صالح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے، وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نا اہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے، ظلم ہے، اور خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے، حالانکہ اسلام میں از خود عمدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک

فخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے، ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنا دیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا: آپ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس کو جو اس کی حرص کرے گا۔ (صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا، قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ - (یوسف: ۵۵) میرے سپرد کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں، وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے، اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں، جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا، جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ تصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو، اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو، اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے، مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے، تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنوینسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھیلا کر جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے، اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بنا پر کھڑا ہوا ہے، بڑا ہی باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا، اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیراعظم، صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ

اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربر آوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت چیف ایگیشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ ناقابل اطلاق اور ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبیر کی حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت، انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے، اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے، اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (المائدہ: ۱۱)

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے حسب ذیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک دیت کے معاملہ میں گئے (دو عامری مسلمانوں کو عمرو بن امیہ نضیری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یہودیوں سے ان کی دیت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے) آپ نے ان یہودیوں سے فرمایا: اس دیت (کی وصول یابی میں) میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم! اب آپ کو ہم سے کام درپیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھے، ہم آپ کو کچھ کھلاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو جُسی بن اخطب نے کی تھی، وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں، اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو پتھروں سے مار کر قتل کر دو، پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہو گا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے، تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچالیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا..... (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۹۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے سایوں میں لیٹ گئے، نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے، ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی، در آنحالیکہ وہ آپ کے

پہلو میں بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ قادی نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض دشمن آپ کی غفلت میں آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس اعرابی کو بھیجا تھا۔

(جامع البیان، ج ٦، ص ٣٠١-٣٠٠، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٢٩١٣-٢٩١٠، مسند احمد، ج ٥، رقم الحدیث: ١٢٣٣١)

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی ﷺ اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی ﷺ سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور بیشک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ نگران

اثنى عشر نقيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمْ

مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم

الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْ

رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کے ساتھ مدد کی

وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا لَّا كِفْرَانَ عَنَّكُمْ سِيَّئَاتِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا،

وَلَا دُخْلِكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ

اور میں تم کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں سو تم میں سے جس

بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقُضْتُمْ

نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ بیشک سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا ○ تو ان کے عہد توڑنے

مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا، وہ (اللہ کے) کلام کو اس کے

عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

نقابات سے بدل دیتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا اور آپ ان کی خیانت

عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ

پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے ، آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر کیجیے ،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱۳ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

نصاری ہیں تو اس کے برے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کاموں

اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾

کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے بے شک بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ مردار مقرر کیے۔
(المائدہ: ۱۲)

سابقہ آیات سے ارتباط

یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجہوں سے مرتبط ہے:

۱- اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمانہ کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ۹) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا، لیکن انہوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا، تو اے مسلمانو! تم اس برائی میں یہودی کی مثل نہ ہو جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب، اس کی لعنت کا مصداق بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکینی ڈال دی جائے۔

۲- اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ۱۱) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے متعلق ہے، جب انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے بعض اصحاب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انہوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی، بلکہ انہوں نے خود اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

۳- اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی

یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔

حل لغات

دیوار یا لکڑی میں سوراخ کو نقب کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں جو سرنگ بنائی جائے، اس کو منقبت کہتے ہیں، کسی نیک انسان کے افعال کو بھی منقبت کہتے ہیں، کیونکہ جس طرح لکڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے، اسی طرح نیک آدمی کے افعال بھی دوسرے لوگوں میں تاثیر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تفتیش کرتا ہے، اور ان میں موثر ہوتا ہے، اس کو نقیب کہتے ہیں۔ اس کی جمع نقباء ہے۔ اس آیت میں فرمایا: ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ نقباء مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ (المفردات، ص ۵۰۳، مطبوعہ ایران)

اس آیت میں فرمایا ہے ”و عزرتموہم“ تم نے رسولوں کی تعزیر کی۔ تعزیر کا معنی ہے تعظیم کے ساتھ مدد کرنا، تعزیر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں، اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے، کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو، جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے، تعزیر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تادیب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کا معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔

(المفردات، ص ۳۳۳، مطبوعہ ایران)

قایت کا معنی ہے سخت جلد جو کسی قسم کی خیر کو قبول نہ کرے، تحریف کا معنی ہے کسی شے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔

بنو اسرائیل کی عمد شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو منتخب کر کے جبارہ کی سرزمین شام میں بھیجیں، تاکہ وہ اس قوم کے احوال کی تفتیش کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سرزمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی، اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ نقیبوں کو بھیجا، یہ بارہ نقیب جبارہ کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے، ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام عاج تھا۔ (عوج بن عنق) وہ اس قدر لمبا اور جسیم تھا کہ اس نے ان بارہ نقیبوں کو پکڑ کر اپنے نیفہ میں اڑس لیا، اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا، وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا: دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے نیفہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں تلے روند کر پیس ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا: نہیں، بلکہ ان کو چھوڑ دو، تاکہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا: اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اس پر عمد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عمد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے، اور باقی دس نے اس عمد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے عاج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جبارہ کی قوت اور طاقت کا علم ہوا، تو انہوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَالِ إِنَّا نُهَيَّا
 قَاعِدُونَ۔ (المائدة: ۲۴) یہاں بیٹھنے والے ہیں۔
 آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں، سو وہ جنگ کریں، ہم

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۰۶-۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ، الوسيط، ج ۲، ص ۱۶۶، طبع بیروت)
 امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبا برہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر
 آئے تھے، اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں، لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی، اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی
 عبادت نہ کریں اور مقاتل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔

(زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا
 کی، اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کی ساتھ مدد کی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے
 تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا۔ الایہ۔ (المائدہ: ۱۲)

بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی، خواہ نیک عمل کیے ہوں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”میں تمہارے ساتھ ہوں“ اس کا معنی ہے میں علم اور قدرت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ یہ بارہ نقیبوں سے خطاب ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کے ہر فرد سے خطاب ہو، یعنی میں تمہارا کلام سن رہا
 ہوں اور تمہارے افعال دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں تم کو اس کی جزا دینے پر قادر ہوں اور اگر تم اس عہد
 کو پورا نہیں کرو گے تو اس کی سزا دینے پر قادر ہوں۔ پھر جزا کا ذکر فرمایا، میں تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا اور تم کو جنتوں
 میں داخل کروں گا، پھر سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر
 دیا۔

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو پہلے ذکر کیا اور رسولوں پر ایمان لانے کو بعد میں ذکر کیا، جبکہ یہ ظاہر
 رسولوں پر ایمان لانے کا پہلے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بعد میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اس کا اقرار
 کرتے تھے کہ نجات کے لیے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس کے باوجود وہ بعض رسولوں کے انکار پر اصرار کرتے
 تھے۔ اس لیے ان سے فرمایا: کہ تم میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، ورنہ اس کے بغیر محض نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے
 تمہاری نجات نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کو اچھا قرض دینے کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ زکوٰۃ سے مراد صدقات واجبہ ہیں اور اللہ کو اچھا قرض
 دینے سے مراد نفل صدقات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت
 کر دیا۔ (المائدہ: ۱۲)

اس آیت میں یہود کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے، ان کے عہد توڑنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بعض نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کو قتل کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ تورات میں مذکور نبی ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے۔
اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ دوسری یہ کہ ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ نیز فرمایا: ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں (المائدہ: ۱۳)
تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے تورات میں جو تحریف کی ہے، اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

۱- یہود تورات کی آیتوں میں رد و بدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ
ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (البقرہ: ۷۹)
ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جو اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں، پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲- تحریف کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ تورات کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تاویل کرتے تھے۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو، اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸۳)

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ تورات کی جن آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی صفات ہیں، وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۱۲، مطبوعہ بیروت)

ڈاکٹر وجہ زحیلی لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کا انہوں نے حکم دیا تھا، اس کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بائبل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بائبل نے ان کے ہیکل کو جلادیا، تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سورتیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، جن میں حضرت موسیٰ کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوگا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ گزر جانے کے بعد، بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو عذرا کاہن نے لکھا تھا، جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔

(التفسیر المنیر، ج ۶، ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۱ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ تورات اور انجیل کلیتہً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ تورات اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد لکھی گئی ہوں، لیکن ان میں بہر حال اصل تورات اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بنائی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور

ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتاب فرمایا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکال کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں اور اصل آیات کی باطل تاویلات بھی کی گئی ہیں اور جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب منشاء تغیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے بھلا دیا۔

(المائدہ: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اس عہد کو انہوں نے پورا نہیں کیا۔ اس کے بعد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب آپ عمروں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۱۳، مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے 'ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔ اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ نبی ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی ﷺ کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلا وطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ

ہے:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
تو تم مشرکین کو قتل کرو انہیں جہاں پاؤ۔

(التوبہ: ۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا۔ (الایہ) (المائدہ: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور

آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے، لیکن انہوں نے بھی یہودی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا اور وہ قیامت تک اسی مخالفت میں برقرار رہیں گے۔ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کے کاموں کی خبر دے گا جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر افتراء باندھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا اور اس کا شریک بنایا اور آخرت میں ان کو ان کے اس شرک کی سزا دے گا۔

استخراج مسائل

۱۔ یہود نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا لعنت ہے۔

۲۔ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔

۳۔ بارہ نقیبوں کو جبارہ کے احوال کی تفتیش کے لیے شام بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے علاقہ میں جاسوس بھیجنا جائز ہے۔

۴۔ اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور نفلی صدقات دینا گناہوں کی مغفرت اور دخول جنت کا سبب ہے۔

۵۔ یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا

اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے،

كُنْتُمْ تَخْفَوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ

جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک آگیا تمہارے

مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهٖ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ

پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب ہے ۰ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں

رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

يُأَذِّنُهَا وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ

لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ۰ بیشک ان لوگوں نے کفر کیا

قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ

جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے ، آپ کہیے کہ اگر اللہ مسیح ابن

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

مریم ، اس کی ماں اور تمام رٹے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو

أُمَّةٍ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے ؛ اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور

وَمَا يَنْبَغِيهَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ط وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں

بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے (المائدہ: ۱۵)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر

نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ

ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی امی ہیں انہوں نے کسی درس میں تعلیم

حاصل نہیں کی اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔

یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا اس کی پاداش میں ان کو

بند بنا دیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے اور سیدنا محمد ﷺ نے ان امور کو بیان فرمادیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے

تھے ان کو نبی ﷺ نے نہیں بیان فرمایا کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ: ۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب بہین سے مراد

قرآن مجید ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب بہین آگئی۔ نور سے مراد سیدنا

محمد ﷺ ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرمادیتے تھے جن

کو یہودی چھپاتے تھے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرمادیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ کی

توحید، حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا

جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)
علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت، یعنی اسلام۔ قواد نے کہا اس سے نبی ﷺ مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے، جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الویض، ج ۲، ص ۱۶۹-۱۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)
حسب ذیل تفاسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قواد نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی ﷺ ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۷۸، مطبوعہ بیروت، فتح القدر، ج ۲، ص ۲۳، الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۶۸، نظم الدرر، ج ۶، ص ۶۳)

زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۱۶)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں اور قرآن اور نور وہ ہے جس سے اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھیں اس کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ قرآن کو نور فرمایا ہے، کیونکہ وہ دلوں میں نور کی طرح واقع ہوتا ہے، کیونکہ جب قرآن دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سمرقندی، ج ۱، ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۳ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱- نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۲- نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۳- نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت، حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیروں کو دور کرتا ہے، اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا اعجاز واضح ہو اور ایک

قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر معشری سے استفادہ ہے، کشاف، ج ۱، ص ۶۱۷)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے

طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے۔ دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی ﷺ کو نور فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے معجزات

کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (اور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے)

(عنایت القاضی، ج ۳، ص ۲۲۶، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قنادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مختار ہے۔ ابو علی جبائی (معزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہو گا کہ عطف تغائر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تغائر کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا تغائر کافی ہے۔ معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور مطعوف میں اس کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغائر کو تغائر بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی ﷺ ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا تغائر کافی ہو گا اور نبی ﷺ پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی، جز ۶، ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا، کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تغائر کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں، کیونکہ انوار میں آپ کا کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین ہیں، کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام، احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (شرح الشفاء، علی حاشیہ نسیم الریاض، ج ۱، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا، کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(خزانة العرفان، ص ۱۷۶، مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ، کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ! اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر، علامہ سمرقندی حنفی، قاضی بیضاوی شافعی، علامہ احمد خفاجی حنفی، ملا علی قاری حنفی، اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد القاسی المالکی الشیخ ابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبد الرحمن الصقلی رحمہ اللہ نے کتاب الدلالات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے، پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد ﷺ کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا، پھر سیدنا محمد ﷺ کے نور سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔ (یہاں علامہ صقلی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں، قیہ خطیب ابو الربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا،

تبیان القرآن

جلد سوم

تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے، اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا، حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ ﷺ کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے، وہ خاتم الانبیاء ہیں، اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا، تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔ حضرت آدم نے کہا میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور حضرت آدم کی پشت میں چمکتا تھا، اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور ﷺ کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الحاج اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا: چل لکھ! اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں، پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا، حتیٰ کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور سورج، چاند اور آنکھوں کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں:

اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ان پر مطلع ہونا چاہے، وہ ابوالبیح کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کہا: اے وہ! جو معنی میرے باپ ہیں اور صورت میرے بیٹے ہیں، اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (المدخل، ج ۲، ص ۳۳-۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متونی ۸۱۲ھ لکھتے ہیں:

حکماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اللہ نے سب

سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے افاضہ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا نور ہے۔

(شرح مواقف، ج ۷، ص ۲۵۳، مطبوعہ ایران، ۱۳۲۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: لکھ تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔ حسن، عطاء اور مجاہد کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(عمدة القاری، ج ۱۵، ص ۱۰۹، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں اسی وجہ سے حضور ﷺ کا نور اول المخلوقات ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ (روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ملکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ ﷺ کی روح پر نازل کیا جاتا ہے، کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیہ کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض لیتے ہیں۔

(روح المعانی، ج ۱۹، ص ۱۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی، پھر عرش کو پیدا کیا، پھر پانی کو، پھر ہوا کو، پھر دوات، قلم اور لوح کو پیدا کیا، پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، اس سے مراد اولیت اضافیہ ہے۔ (حدیث المہدی، ص ۵۶، مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا، بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو

پیدا کیا ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے، کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۱۶۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر ولا کل

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں، جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ! ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ انسان اور بشر ہیں، لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور ہر نبی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۶۳) ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں، ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے، تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں، ورنہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں، کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں!

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے۔

(التوبہ: ۱۲۸)

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيٰ إِلَيْهِمْ (الانبیاء: ۷) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ (الانعام: ۹) اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو ہم اسے مرد ہی کی صورت میں بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ

(اب) کر رہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ بشر، انسان اور مرد ہیں لیکن آپ افضل البشر، انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں، اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے، تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے، لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیارات کے وقت ہمارے ساتھ منکر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی، فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے وہ

کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ بہر حال مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند اور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں، کیونکہ دنیا میں ہر جگہ ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ! معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور حسی سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔
امام ابو بکر احمر بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمال کو بیان کرتا، اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔
(دلائل النبوة، ج ۱، ص ۳۰۰، مطبوعہ بیروت، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۷، مطبوعہ لائل پور)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شامل محمدیہ، رقم الحدیث: ۱۵، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۲۱۸۱، المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷، دلائل النبوة للبیہقی، ج ۱، ص ۲۱۵، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۷۹، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا، نہ بہادر، نہ روشن چہرے والا۔ (سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، حجة اللہ علی العالمین، ص ۶۸۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا۔ میں کبھی آپ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(شامل محمدیہ، رقم الحدیث: ۱۰، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۲، المستدرک، ج ۴، ص ۱۸۶، حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا: میرے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو تم طلوع ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۰، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۹۶، حافظ المیشی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۸۰)

نبی ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کی حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں سے نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خمیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے، لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ، ص ۹۹-۱۰۰، مطبوعہ مدینہ، بلیٹنگ کمپنی، کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: قل سبحان ربی هل کنت الالبشرا رسولا (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے آپ کے نور ہدایت ہونے کی تصریح کی ہے۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا، کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں، کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو حظ وافر ملا ہے۔ جو آپ کو اپنی مثل بشرکتے ہیں، وہ بد عقیدگی کا شکار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے، سودا کل شرعیہ کی روشنی میں اس قول کا مختار ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے، جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں، اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱۶)

قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے پر چلاتا ہے جن کا مقصد محض دین کی پیروی کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین پر عمل کرنا ہو اور جو بغیر غور و فکر کے صرف اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہوں، وہ اللہ کی رضا کے طالب نہیں ہیں۔

اللہ عز و جل کی رضا کا معنی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ کی رضا کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو قبول کر لے اور اس کی مدح و ثناء فرمائے۔ بعض علماء نے کہا اللہ جس کے ایمان کو قبول کرے اور اس کے باطن کو پاکیزہ کرے، وہ اس سے راضی ہے اور بعض نے کہا اللہ جس پر ناراض نہ ہو، وہ اس سے راضی ہے۔

سلامتی کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں اور جن پر چلنے کی بندوں کو دعوت دی ہے اور جن راستوں کی اس کے رسولوں نے پیروی کی ہے اور اس کا مصداق دین اسلام ہے۔ اللہ اسلام کے سوا اور کسی طریقہ کو قبول نہیں کرے گا۔ نہ یہودیت کو نہ عیسائیت کو اور نہ مجوسیت کو۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ سلامتی کے راستوں سے

مراد سلامتی کے رستوں کا گھر ہے اور وہ جنت ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہو گا کہ اللہ اس کتاب کے ذریعہ جنت کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لاتا ہے۔ کفر کے اندھیرے اس لیے فرمایا کہ جس طرح انسان اندھیرے میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے، اسی طرح کافر بھی اپنے کفر میں حیران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، وہ اپنے اذن سے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی توفیق سے انہیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پھر فرمایا: انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد دین حق ہے، کیونکہ دین حق واحد راستہ ہے اور اس کی تمام جہات متفق ہیں۔ اس کے برخلاف دین باطل میں متعدد جہات ہوتی ہیں اور اس کے راستہ میں کجی ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے، اس کو قرآن مجید اخروی عذاب سے سلامتی اور نجات کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مومنوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لاتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ آپ کہتے کہ اگر اللہ، مسیح ابن مریم، اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ (المائدہ: ۱۷)

حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ چھپی ہوئی انجیل کے ٹائٹل پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس! یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم فاسد کا رد کیا اور فرمایا: اے نبی! آپ ان عیسائیوں سے یہ کہتے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلہ کو رد کر سکتا ہے، نہ اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد فرمایا:

اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا، اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۱۷)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ حقیقت میں وہ ہے جو مالک علی الاطلاق ہو اور اس کا تصرف آسمانوں اور زمینوں میں نافذ ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو انسان، جن، فرشتے اور جس قدر بھی مخلوقات ہیں، ان سب پر اسکی سلطنت اور حکومت ہو اور اللہ ہی اپنی حکمت اور ارادہ سے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش کیلئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ظاہری سبب بنایا، لیکن اس نے چاہا تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو عورت کے

تبیان القرآن

جلد سوم

بغیر حضرت حوا کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو مرد کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ

پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا بلکہ تم ان میں سے بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ جس کو

لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ

چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ۱۸ اے اہل کتاب!

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُولِ أَنْ

بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو انتظاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکاماً شرعیہ) بیان

تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ

کہتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، پس بیشک تمہارے پاس

وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آپکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہئے: پھر تمہارے

گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ (المائدہ: ۱۸)

یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء

بحری بن عمرو اور شام بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی

طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا اے محمد آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور

اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ

تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اے جھوٹو! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی

شخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ جتنے دن انہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی اتنے دن ان کو عذاب ہو گا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۲۵-۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گمان کیا ہے اس طرح نہیں ہے، بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو، اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا، جو انقطاعِ رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخدا! تم کو یقیناً معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وہب بن یسوز اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۱۹، الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۳۹)

فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب فترت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا، جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پہلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فترت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو نبیوں کے درمیان اس زمانہ کو فترت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا، اس لیے یہ زمانہ فترت تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فترت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں، تمام انبیاءِ علانی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۴۲۲، صحیح مسلم، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۳۶۵، طبع بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں، ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا۔ نیز حضرت سماک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان کا بیٹا نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبا۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے، لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک، ج ۲، ص ۶۰۰-۵۹۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدر) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ سورہ یسین میں جب تین رسولوں کا ذکر ہے جن کو ہستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے اور جر جیس اور خالد بن سنان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس روایت کے مقابلہ میں بلا تردد ضعیف ہے، یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(فتح الباری، ج ۶، ص ۲۸۹، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے، جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان رسل اور انبیاء ہیں اور حواریین بھی نبی تھے جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۸، ص ۱۱۶، مطبوعہ بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

قداہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ بنی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: بیس صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں! اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۴ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر، ج ۶، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۱ھ)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ رَادُّكُمْ رَادُّكُمْ وَإِنَّمَا اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور یاد کیجیے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو

إِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنَاكُمْ مَلُوكًا وَآتَيْنَاكُمْ مَالًا يُوْت

جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۰﴾ يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

کسی کو نہیں دیا تھا ۰ اے میری قوم اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ

الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا

جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ۰ ورنہ تم نقصان پانے

خَسِرِينَ ﴿۲۱﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا

ولے ہو جاؤ گے ۰ انھوں نے کہا اے موسیٰ اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جموں والے لوگ ہیں، اور ہم اس زمین

لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور

دٰخِلُونَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنَّ اللَّهَ

اس میں داخل ہوں گے ۰ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ

تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بیشک تم ہی غالب رہو گے

وَعَلَىٰ اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ

اور اللہ ہی پر توکل کرو ۰ اگر تم مومن ہو ۰ انھوں نے کہا اے موسیٰ!

إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرِثِكَ

بیشک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب جائیں

فَقَاتِلْ إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا

اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بیشک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے ۰ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بیشک میں صرف اپنے آپ کا

نَفْسِي وَآخِي فَا فَرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۵﴾

اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے ۰

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي

(اللہ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکتے

الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

پھریں گے، سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے، اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ: ۲۰)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیات سے مناسبت اس طرح ہے کہ اس سے پہلے (المائدہ: ۱۲ میں) فرمایا تھا اور بے شک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے۔ اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں جو یہود کے عناد پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔ ان آیتوں سے نبی ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر یہود عناد کے سبب آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ عناد تو ان کی سرشت ہے، یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر چکے ہیں۔ بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں، وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی، ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا، جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو غیب کی خبریں دیتے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ غیب کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے، جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا۔

علامہ محمود آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میقات کے لیے چنا تھا، ابن السائب اور مقال نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ ماوردی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تحقق وقوع کے لیے ان کی بعثت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بنایا، اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا موخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے

گئے، جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ (روح المعانی، ج ۶، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)
بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنا دیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا، جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے مملوک اور غلام تھے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل، اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا، وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے، تو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کیا ہم فقراء اور مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبد اللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں! پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا: تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من و سلوئی نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چٹھے پھوٹ پڑے اور ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)
بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔ ان کو جو کچھ دیا، اس سے مراد من و سلوئی، پتھر سے پانی نکالنا اور بادل کا ان پر سایہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ان میں بہ کثرت انبیاء کا مبعوث ہونا مراد ہے اور اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس نشانیاں آئیں۔ مثلاً سمندر کو چیر دینا اور ان کے دشمن کو غرق کر دینا وغیرہ، جو نشانیاں ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ کی امت سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کو سب سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، جو اس زمانہ میں اور کسی کو نہیں دی گئیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، اور پشت نہ دکھانا، ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (المائدہ: ۲۱)
ارض مقدسہ کا مصداق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارض مقدسہ کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کی زمین ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد شام ہے۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد اریحا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ ارض مقدسہ کو عموم اور اطلاق پر رکھنا چاہیے اور اس کو کسی علاقہ کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بغیر کسی حدیث کے ارض مقدسہ کی تعیین جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ ڈاکٹر وجہ زحلی نے کہا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے فرمایا ہے کہ یہ جگہ شرک سے پاک ہے، کیونکہ یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہے، یا اس لیے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ زمین لکھ دی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سورت کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین ان کے لیے لکھ دی تھی تو وہ چالیس سال تک ان پر حرام کیسے ہو گئی؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

- ۱- اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انجام کار یہ سرزمین بنو اسرائیل کے لیے لکھ دی گئی ہے۔
 - ۲- اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جن یہودیوں کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، ان کے لیے یہ سرزمین لکھ دی گئی ہے اور چالیس سال تک ان ہی لوگوں پر اس میں داخل ہونا حرام فرمایا۔
 - ۳- اس آیت میں اگرچہ عمومی طور پر بنو اسرائیل کا ذکر ہے، مگر اس سے مراد خاص شخص ہیں۔ یوشع اور کالب جو ارض مقدسہ میں داخل ہو گئے تھے اور باقی بنو اسرائیل جو بزدلی کی وجہ سے اس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام قرار دے دیا۔
 - ۴- بنو اسرائیل کے لیے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر اس میں داخل ہونے کو فرض کر دیا تھا، اور جب وہ داخل نہیں ہوئے تو بطور سزا ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام فرمادیا۔
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ (المائدہ: ۲۲)

جبارین کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رہتے ہیں، جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے، خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ روانہ ہوئے، حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے، اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا، جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے غیر معمولی جسامت والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ باغ والا اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے، اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا، پھر ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا اور آستین سے نکال کر ان کو زمین پر ڈال دیا، بادشاہ نے ان سے کہا: تم نے ہماری جسامت اور طاقت کا حال دیکھ لیا ہے، جاؤ جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۳۸-۲۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر

غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ ان جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں، ہم تو ان کی نظروں میں مڈوں کی طرح ہیں، یہ سن کر بنو اسرائیل آہ و بکا کرنے لگے۔ افسوس! ہم یہاں کیوں آگئے۔ کاش! ہم مصر ہی میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۳۹، مطبوعہ بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ، جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے۔ (المائدہ: ۲۳)

مجاہد نے بیان کیا ہے یہ دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بن یوقا تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ جاسوسوں سے عہد لیا تھا کہ جبارین کا حال صرف مجھے بتانا، قوم کو نہ بتانا، تو اس عہد کو ان دو نے پورا کیا تھا۔ باقی نے نہیں کیا، اور قوم کے سامنے جبارین کی غیر معمولی جسامت کو بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے قوم نے بزدلی دکھائی اور یہی دو شخص اللہ سے ڈرنے والے تھے، اور حضرت موسیٰ پر کمال ایمان لانے والے تھے۔ انہوں نے قوم کو حضرت موسیٰ کی اطاعت کرنے اور جبارین کے خلاف جہاد کرنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ تم اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو، اور دروازہ سے داخل ہو جاؤ، تم ہی کامیاب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے، جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

(المائدہ: ۲۳)

فاذہب انت وربکے میں بنو اسرائیل کے کفر اور فسق کی وجوہات

بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ جب تک کہ جبارین اس زمین میں ہیں، ہم اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے۔ جہاد کے حکم سے عناد انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مایوس ہونا ہے، اور انہوں نے جو یہ کہا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جا کر لڑو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے صریح جہالت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے اور منتقل ہونے سے منزہ ہے، اور ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشبہ کی طرح اللہ کی جسمیت کے قائل تھے۔ حسن بصری نے کہا اس وجہ سے ان کا یہ قول کفر ہے اور اگر ان کے قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر آپ رسول برحق ہیں، تو ہماری بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے اللہ کی نصرت پر توکل کر کے آپ ہی جا کر ان سے لڑیں، تب بھی یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے قول میں رب سے مراد حضرت ہارون ہیں۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے، اور حضرت موسیٰ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ تب بھی ان کے اس قول کے فسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان کو فاسق ہی فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں کا اپنے نبی کے ساتھ سلوک تھا، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ دیکھئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت مقداد نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے لیکن آپ چلئے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو گویا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کا بادل

چھٹ گیا۔ (ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد سے سن کر دوسرے صحابہ بھی اسی طرح کہنے لگے)

(صحیح البخاری، ج ٦، رقم الحدیث: ٣٦٠٩، مسند احمد، ج ٢، رقم الحدیث: ٣٦٩٨، جامع البیان، ج ٦، ص ٢٣٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب اے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو

ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (المائدہ: ٢٥)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کی دعا کی تھی، اس کے دو محمل ہیں:

١- چونکہ وہ حق سے دور چلے گئے تھے اور نافرمانی کر کے راہ راست سے ہٹ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو میدان تیرہ میں بھٹکنے کی سزا دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔

٢- ان کو ہم سے الگ اور متمیز کر دیا جائے اور ان کو دی جانے والی سزا کے ساتھ ہمیں لاحق نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) فرمایا: یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکتے

پھریں گے، سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ٢٦)

میدان تیرہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یہودیوں کو چالیس سال تک میدان تیرہ میں بھٹکنے کی

سزا دی۔ تیرہ کا لغوی معنی ہے حیرت، وہ میدان چھ فرسخ کا تھا، یعنی اٹھارہ شرعی میل اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے

رہتے تھے، لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے، وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے، شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام

کو جہاں سے چلتے تھے، صبح پھر وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام انکے

ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ انکے ساتھ نہیں تھے، کیونکہ میدان تیرہ میں ہونا ان کیلئے سزا تھا۔ انہوں نے چالیس دن

پچھڑے کی عبادت کی تھی، تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال انکی سزا مقرر کی گئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی

کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اسکا بھی تقاضا ہے کہ وہ انکے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ

انکے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں

داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کالب داخل ہوئے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا، اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشع ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض

مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیس سال سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیرہ میں داخل ہوا، وہ مر گیا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی تیرہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارون فوت ہوئے، حضرت یوشع ان یہودیوں کی اولاد کے

ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے، جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شہر کو فتح کر لیا۔

(جامع البیان، ج ٣، ص ٢٣٩، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ١٣١٥ھ)

حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا، حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزارا ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو، وہ میرے ساتھ نہ جائے اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گاہن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا: تم بھی حکم الہی کے ماتحت ہو، اور میں بھی حکم الہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے، پھر سورج روک دیا گیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انہوں نے مال غنیمت جمع کیا، پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی، لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے، سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہذا اب تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے، انہوں نے بیعت کی، آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بالاخر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آکر اس مال کو کھالیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نبی ﷺ کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی ﷺ نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جاری تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! بے شک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے، تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(المعجم الکبیر، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۳۹۰، ص ۱۵۲-۱۵۰، مشکل الآثار، للطحاوی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۰، ص ۲۶۸، مختصر تاریخ دمشق،

ج ۱۷، ص ۳۷۸، سل الہدی والرشاد، ج ۹، ص ۳۳۹-۳۳۵، اتذکرہ، ص ۱۷، شرح مشکل الآثار للطحاوی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۶۷-۱۰۶۸)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند

تبیان القرآن

جلد سوم

رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(شرح مشکل الآثار، ج ٣، ص ٩٨-٩٧، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق

ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن تیمیہ، ابن القیم، ذہبی، ابن کثیر اور ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے۔ امام ابوالحسن فضلی متوفی ٤٠٧ھ نے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا ہے اور ایک رسالہ لکھا ہے ”تصحیح حدیث رد الشمس“ اور امام سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے ”کشف اللبس عن حدیث الشمس“ اور امام محمد بن یوسف دمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے ”مزیل اللبس عن حدیث رد الشمس“۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ٩٠٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس کو اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے، اور امام ابن مردویہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے اس دن سورج کو لوٹایا، جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا، اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا، تو نبی ﷺ کیلئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا (الخ)

(المقاصد الحنہ، ص ٢٣٦، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٣٠٧ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی ﷺ نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے انکا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے، لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا، اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی ﷺ کیلئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی ﷺ سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی، اور اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ! قاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی ﷺ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا، حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری، ج ٦، ص ٢٢٢-٢٢١، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ١٣٠١ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے۔

(عمدة القاری، ج ١٥، ص ٢٣، مطبوعہ ادارہ المطابع المنیریہ، مصر، ١٣٣٨ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے، کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے، جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض، ج ۳، ص ۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے، حتیٰ کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں، جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں، اور ان سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی، امام ابن شامین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور امام طبرانی نے اس کو اپنی مجتم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(نسیم الریاض، ج ۳، ص ۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ میثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے امام طبرانی نے مجتم اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا، تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ (المعجم الاوسط، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۰۵۱) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ہم نے اس روایت کو درج کیا ہے)

(المعجم الکبیر، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۳۹۰، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۹۷-۲۹۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۰۲ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ موضوع ہے، لیکن ان کی خطا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شامین نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام حاکم نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا: احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس کی اس حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہیے، کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کشف الحفاء و منزل الالباس، ج ۱، ص ۲۲۰، مطبوعہ مکتبہ الغزالی، دمشق)

اس حدیث پر مزید بحث و تمحیص ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کر دی ہے۔

وَأْتَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبًا قَرَّبًا فَتَقَبَّلَ

اور آپ ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ تلاوت کیجیے، جب (ان) دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی (قربانی)

دقت لازم

مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۗ قَالَ

قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی ، اس (دوسرے) نے کہا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اور

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۗ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَىٰ يَدِكَ

نے کہا اللہ صرف متقین لوگوں سے قبول فرماتا ہے ۰ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری

لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِيَدَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ إِنِّي أَخَافُ

طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں ، میں اللہ سے ڈرتا

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۗ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ۰ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور

فَتَكُونَنَّ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۗ فَطَوَّعَتْ

تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے ۰ تو اس نے اپنے

لَهُ نَفْسُهُ قَتَلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۗ

بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۰

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی

سَوْءَةَ أَخِيهِ ۗ قَالَ يُؤَيِّلَتِي آعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا

کی لاش چھپائے ، اس نے کہا ہائے افسوس ! میں اس کتے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی

الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَةَ أَخِي ۗ فَأَصْبَحَ مِنَ التَّائِبِينَ ۗ

لاش چھپا دیتا ، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ۰

رابط آیات اور مناسبت

یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جو ظالمانہ کارروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپ کو آزار پہنچانے کی تک و دو میں لگے رہتے تھے اور تورات کے ضمن میں انہوں نے آپ پر ایمان لانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا اس کو توڑ

چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لیے اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی عمدہ نکتوں کو بیان فرمایا کہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے عمدہ کر کے توڑ دیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمدہ کر کے اس کو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا اور آپ کی مخالفت کی اس طرح آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے حسد کی وجہ سے ان کے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے، قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی، قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا، لیکن قابیل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے، قابیل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے، قابیل نے حضرت آدم کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو، تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوگی وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہوگا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا: میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا، ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۵۷-۲۵۶)

متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے، اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے، ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے، لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتل کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تاکہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان بنی اشجہ نے بھی اسی طرح کیا تھا، جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لیے مدافعت کرنا جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہابیل نے کہا) میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ لگے (المائدہ: ۲۹)

تبیان القرآن

جلد سوم

ہائیل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اصنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے روانہ ہوا، میری حضرت ابو بکر سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱)

گویا کہ ہائیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا، میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو، کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو، اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا، اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث المسلسل ۲۵۸۱، رقم الحدیث الآتاب ۵۹)

اس حدیث کے اعتبار سے ہائیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کرو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی، اور پھر بھی حق پورا نہ ہو تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے، سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلْيَحْمِلْنَ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ
(العنکبوت: ۱۳) ساتھ کئی اور بوجھ۔ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا، تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۹۹۶، سنن ابن ماجہ، ۲۶۱۶، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۳۶۳، سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۱۵)

ابو الحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گنہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہائیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قاتل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہائیل نے یہ کیسے کہا: میرے گناہ اور تمہارے گناہ، جبکہ انہیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی، تم

ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا، سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا (المائدہ: ۳۰)

قائیل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہانبل بکریاں چرا رہے تھے تو قائیل نے ہانبل کو قتل کر دیا۔ قائیل، ہانبل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آسکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہانبل کی گردن مروڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا، تب شیطان آیا، اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا، اس کا سر ایک پتھر پر رکھا، پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا، قائیل دیکھ رہا تھا اس نے بھی اسی طرح ہانبل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر نہیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت کا بیان فرمایا، سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہر نیک اور بد کام کے ایجاد کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا، تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہوگا، اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم پر حسد کیا اور اللہ کے سامنے تکبر کیا، تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کا بھی حصہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت سینہ کو نکالے، جیسے رافضیوں نے صحابہ کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاد کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کارِ ثواب قرار دیا، ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی، تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہوگا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں محراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ مروجہ محفل میلاد کی ابتداء اربل کے بادشاہ ابو سعید مظفر متوفی ۶۳۰ھ نے کی، اور اذانوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوة و سلام پڑھنے کی ابتداء ۷۸۱ھ میں سلطان صلاح الدین ابوالظفر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بادشاہ کے بھانجے پر سلام پڑھا جاتا تھا، السلام علی الامام الظاہر۔ سلطان ابوالظفر نے یہ سلسلہ موقوف کر لیا، اور نبی ﷺ پر صلوة و سلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کر لیا۔ علامہ سخاوی، علامہ ابن حجر مکی، علامہ علاء الدین حصکفی، علامہ ٹھٹھوی اور شامی نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاد کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاد کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے اپنا اپنا حصہ ملتا رہے گا، حدیث میں ہے:

تبیان القرآن

جلد سوم

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پڑھ لیا گیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۷۳، ۲۶۷۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۷، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۵۰۷، مسند احمد، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۹۰۵۷، ج ۹، رقم الحدیث: ۱۰۵۰۳، تحقیق احمد شاکر، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۱۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے، وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں۔

(مسند احمد، ص ۳۱۱، طبع قدیم، بیروت، علامہ احمد شاکر نے کہا، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہو گا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی، کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ ”فنسی ولم نجد له عزما“ (طہ: ۱۱۵) ”سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کیا اور اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اللہ نے ایک کو ابھیجا جو زمین کرید رہا تھا، تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کو بھیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔ (المائدہ: ۳۱)

قابیل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھر تارہا، اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھیجا جو زمین کرید رہا تھا، پھر اس نے زمین میں اس مردہ کو دفن کر دیا۔ تب اس نے کہا

ہائے افسوس! میں اس کو بے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

(جامع البیان 'ج ٦' ص ٢٦٨، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ١٤١٥ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

قاتل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا، اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا، حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی، وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، ماں باپ، بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا، یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم اور حواء ہاتل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے، پھر قاتل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا، وہاں ایک ہیل نے اس کو سینگ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی، تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہاتل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا، وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھالیتا، چوٹ کھانے سے مرہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قاتل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا، وہ ہاتل تھا۔ اسی وجہ سے قاتل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ٣' ص ٩٤، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ١٤١٥ھ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حسد سب سے بڑی خرابی اور بہت بڑا جرم ہے۔ قاتل نے اس حسد کی آگ کی وجہ سے اپنے گنہگار بھائی ہاتل کو قتل کر دیا۔ (آیت ٢٩) میں ہے 'ہاتل نے قاتل سے کہا اور تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاتل معذب ہو گا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ظالم تھا، کافر نہیں تھا۔ آیت ٢٨-٢٩ میں 'ہاتل نے قاتل کو قتل کرنے سے باز رہنے کے تین محرکات بیان کیے۔ اول: یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، ثانی: یہ کہ قتل کرنے سے پہلے اور قتل کے گناہ قاتل کے ذمہ لگیں اور وہ دوزخ کا سزاوار ہو، اور ثالث: یہ کہ وہ ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ سو جو شخص بھی کسی گناہ سے باز رہنا چاہے، اس کو گناہ سے باز رکھنے کے یہی تین محرکات ہوں گے۔ خوف خدا، دوزخ کی سزا اور ارتکاب ظلم سے بچنا۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ

اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا

قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا

زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ

کو قتل کیا، اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچا یا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

جَمِيعًا ۖ وَقَدْ جَاءَتْهُمْ سُلُوسًا بِالْبَيِّنَاتِ نَحْنُ وَإِن كَثِيرًا مِّنْهُمْ

بچا لیا ، اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات لے کر آئے ، پھر اس کے باوجود ان میں سے

بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ

بہت سے زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے تھے ۝ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا

سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو جن جن کو

أَن يُقْتَلُوا أَوْ يَصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَطَ أَيْدِيهِمْ وَأرجُلُهُم مِّن

قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے

خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِّنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جُزَاؤُهُمْ فِي الدُّنْيَا

کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے ، یہ ان کے لیے دنیا میں سزا ہے اور

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن

آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۝ مگر ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے

قَبْلِ أَنْ تَقْدَرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾

ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرنی سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین

میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچا لیا، تو گویا

اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔ (المائدہ: ٣٢)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اس کی

ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دوزخی ہے۔ نقصان اٹھانے والا ہے اور پچھتانے والا ہے، تو چونکہ

قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا، تاکہ لوگ قتل

کرنے سے باز رہیں۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء علیہم السلام زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتاب میں نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا اور انہوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے۔ انہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قینقاع کے پاس ایک مسلمان کی دیت وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے اور دوسری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قساوت قلبی، یعنی سنگ دلی اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا، حتیٰ کہ انہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہوگا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک وجہ قصاص ہے، دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرنا ہے، تیسری وجہ ارتداد ہے، چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرنا ہے، اور پانچویں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔ پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آ گئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس آیت پر یہ سوال ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ ایک بے قصور انسان کو عداً قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا، تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز! اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عداً شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عداً قتل کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسی بے قصور انسان کو عداً قتل کرتا ہے، اس کی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے، اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے، وہ اس کے بعد دوسرے شخص کو پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کے فیصلہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے، جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ اس طرح اب بھی اگر جوش غضب سے مغلوب ہونے والا کوئی امریکی صدر ہو تو اس کے پاس اب ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں جن سے پوری دنیا کو ہلاک اور تباہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک انسان کا تمام انسانوں کو ہلاک کرنا ممکن ہے۔ سو جو شخص جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک بے قصور انسان کو ہلاک کر سکتا ہے، اگر اس کے بس میں ہو تو وہ تمام انسانوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کو مرنے سے بچالیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔ مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا

تھا یا دریا میں ڈوب رہا تھا یا بھوک سے مر رہا تھا یا شدید سردی میں ٹھنڈ کر مرنے والا تھا اور کسی انسان نے اس کو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچالی تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کر لیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے“

شان نزول

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو صدقہ کی اونٹنیوں کی چراگاہ میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے۔ پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لے کر بھاگ گئے نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا ان کو پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلایاں پھروائیں اور ان کو پتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۱، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۵۰۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۳۶۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۰۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۷۸، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۳-۱۰۷)

امام رازی شافعی نے اسی آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عربین کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابو بزرہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں:

(الف) مرتد کو قتل کرنا زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے، جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب) مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہر بدر کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے، جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔

(ج) مرتد کو سولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(د) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں ان کو یہ سزائیں دی جائیں۔ خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۹۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

حرابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں 'حرب کا معنی ہے جنگ۔ صلح کی ضد' اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔

(تاج العروس، ج ۳، ص ۳۹۶)

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکر وہیہ زحیلی لکھتے ہیں 'باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے، مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے، کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور 'محافظ' امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے، اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطريق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶، ص ۱۲۸-۱۲۹)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت، جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو، خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاشی یا اینٹ یا پتھر ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جاسکتا ہے، خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو، اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۰)

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱- ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲- ڈاکو مرد ہو، اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں، اور دونوں پر حد ہوگی۔ روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا عادتاً عورتوں سے متصور نہیں ہے، اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے، عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

۳- جن پر ڈاکہ ڈالا ہے، وہ مسلمان یا ذمی ہوں، اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسبورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں

آئے ہوں تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)

۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے، وہ قیمت والا مال ہو اور محفوظ ہو، اس میں کسی اور کا حق نہ ہو، نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو، نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲۲۵ تولا چاندی ہو جو ۳۶۱۸ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متعدد ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کا مال ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مال نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے، وہ جگہ دارالاسلام ہو، اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (علامہ کاسانی نے جو وجہ بیان کی ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جا کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریق سے کفار کا مال لینا بہر حال گناہ ہے خواہ ان کا مال سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے، وہ جگہ شہر نہ ہو۔ اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے، یہ استحسان ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطريق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہروالے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے، اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈرانا اور دھمکانا، کسی کو قتل کرنا، نہ مال لوٹنا۔

۲۔ صرف مال لوٹنا۔ ۳۔ صرف قتل کرنا۔ ۴۔ مال لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک ایک الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزائیں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے۔ اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو، قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے نہ مال لوٹے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شہید کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبینفوا من الارض ”یا ان کو شہید کر دیا جائے“

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جب ڈاکو راستہ میں ڈرائے اور دھمکائے نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبینفوا من الارض (مائدہ: ۳۶) اس حالت میں جلاوطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نفعی، قتادہ اور عطاء خراسانی کا قول ہے اور زمین سے نکلنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکال دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانہ نہ ہو۔ اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے، جس طرح زانی کو شہید کر دیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے، اس میں اس کو قید کر دیا جائے، جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے، حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔ امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے۔ یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذا پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں ”ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا، دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے۔ اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی دلیل ”اوبینفوا من الارض“ (المائدہ: ۳۶) ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے، باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شہید کر دیا جائے؟ تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شہید کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شہید کر دیا جائے۔

(المغنی مع الشرح الکبیر، ج ۱۰، ص ۳۰۸-۳۰۷)

علامہ ابو بکر رازی بصاص حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، زمین سے نکلنے کی تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے۔

دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا ہو وہاں سے نکال دیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے۔

پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکال دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آچکا ہے۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالے گا، اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا، اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں بھیجنا صحیح نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی من الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکال کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا فساد کرنا متصور نہ ہو۔ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۱۳)

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں، نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیں اور اللہ کے قول ”او ینفوا من الارض“ سے بھی یہی مراد ہے۔ یعنی ان کو قید کر لیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا، نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا یا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا ہاتھ پیر کاٹنا، انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ (مبسوط للرخسی، ج ۹، ص ۱۹۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تا کہ ان کو ہر جگہ سے بھگا دیا جائے، کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو، اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (المبسوط، ج ۹، ص ۱۹۹)

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر، اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ اس کو تعزیر اقل کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کر دے یا سولی دے۔ یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔ البتہ اس صورت میں اس کو شریعتاً کرنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شریعتاً کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔

علامہ محنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا: کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹا جا چکا ہے اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔ (بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۳۴۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں ”جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو، اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔“ (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں ”اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے کم مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا۔“ (روضۃ الطالبین، ج ۱۰، ص ۱۵۱)

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا، اس کے متعلق امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے، پھر اس کو قتل کر دے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور

پیر کاٹ دے پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے، حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۳)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ ایک جرم ہے، اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی۔ نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے، جیسا کہ حد سرقہ، حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ) امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے، اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے، اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے، کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے، وہ امن میں خلل ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں، اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثال دی ہے، وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے، اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے، اس کو ترک نہ کیا جائے، کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے، تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابوحنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے، لہذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (ہدایہ اولین، ص ۵۳۶)

علامہ سخون مالکی لکھتے ہیں، میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے، تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا، اور اس کو قتل کیا جائے گا، یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا، اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔ (المدونۃ الکبریٰ، ج ۴، ص ۴۲۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی، اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے۔ ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا، اور قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین، ج ۱۰، ص ۱۵۷-۱۵۶)

علامہ ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں، ”جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا، اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور اس کو سولی دی جائے گی، حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور اس کی لاش ڈاکوؤں کے حوالے کر دی جائے گی۔“

(المقتنع مع المغنی والشرح، ج ۱۰، ص ۲۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی، سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔“

(المائدہ: ۳۳-۳۴)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا، البتہ! جو لوگ توبہ کر لیں گے، ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظریہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں، وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے، تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت

نبیان القرآن

جلد سوم

رہے۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں، ہاں اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کر لے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہوگا۔ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۱۲، مطبوعہ لاہور)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۱۰۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اس پر حد لگادی گئی تو وہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

(شرح مسلم، ج ۲، ص ۷۳، مطبوعہ کراچی)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما بدری صحابی ہیں اور وہ شب عقبہ کے نعباء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، اور نہ تم چوری کرو گے، اور نہ تم زنا کرو گے، اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے، اور نہ تم کسی بے قصور پر بہتان باندھو گے، اور نہ کسی نیکی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی (منوع) کام کر لیا، اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی (منوع) کام کر لیا، پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے، اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کر لی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۷۸۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۰۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۱۷۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۶۰۳، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۷۹۵، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۳۸۷، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گناہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۶۸، مطبوعہ لاہور)

علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الترمذی الکازرونی الشافعی المتوفی ۸۶۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی نے اپنے فتاویٰ اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے اخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہوگا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے قتل کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے، دھمکانے کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے، سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا، اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے، جس

میں نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی، کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈرایا دھمکایا اور اس کو سزا کے طور پر جلا وطن کر دیا گیا تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہوگی، کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی تلافی ہوگی، بندوں کے حق کی تلافی نہیں ہوگی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ (حاشیۃ الکا زرونی علی البیضاوی، ج ۲، ص ۳۲۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۶ھ)

علامہ کا زرونی نے نہایت عمدہ توجیہ کی ہے، لیکن فقہاء شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد مطلقاً عذاب نہیں ہوگا، جیسا کہ ہم علامہ نووی اور علامہ عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۷۷۰ھ امام شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہوگا۔ ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطع الطریق کی آیت پر عمل کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلک لہم حزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا یہ ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے، ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے، اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے، تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے، جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو، کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے، اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۵، ص ۳-۲، مطبوعہ مطبع علیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی القرشی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزا میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً قتل کرنا، سولی دینا، ہاتھ پیر کاٹنا اور شہر بدر کرنا۔ توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی، لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲، ص ۳۳۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۲، ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:
 اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مال لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا، ماسوا اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کر دے۔
 اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے، اس وجہ سے ڈاکوؤں سے حتمی قتل، سولی، ہاتھ پیر کاٹنے اور شہر بدر کرنے کی حد ساقط ہو جائے گی، اور ان پر قتل کرنے، زخمی کرنے اور مال لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انہوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان کو پکڑنے سے پہلے توبہ کر لی۔ (المائدہ: ۳۲) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حد واجب کر دی۔

(المغنی ج ۹ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق

ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ جب مجرم پر حد لگادی جائے تو وہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے، لیکن ایک روایت اس کے خلاف ہے۔
 امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں (از خود) نہیں جانتا کہ تیغ نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں، اور میں از خود نہیں جانتا کہ حدود ان کے اصحاب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور مجھے اس کی کسی علت (ضعف) کا پتا نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۲۹، لیمان)

اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے، مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت اسلام لائے تھے، اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث جس میں مذکور ہے حدود کفارہ ہوتی ہیں، یہ بعد کا واقعہ ہے، کیونکہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد لی گئی تھی۔ کیونکہ امام مسلم نے اس کے بعد دوسری حدیث (رقم الحدیث: ۴۳۸۲) جو ذکر کی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم پر عورتوں کی آیت تلاوت کی "ان لا یشرکن باللہ شیئاً" (الممتحنہ: ۱۲) اور معجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر بیعت لی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مقدم ہے اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث موخر ہے۔ نیز تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ سے جب عقبہ اولیٰ کے موقع پر آپ نے بیعت لی تھی، اس وقت تو حدود نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا جس پر حد جاری ہو گئی وہ اس کا کفارہ ہے، اس موقع کا نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ ایہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے، جب آپ نے دوسری مرتبہ بیعت لی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں آپ کو اللہ نے علم عطا فرمادیا اور آپ نے فرمایا حدود کفارہ ہیں، (یعنی بشرط توبہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو، اور

جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ

اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن

مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ

عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں سے دیں، تو وہ (فدیہ) ان قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے

أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

بنایت دردناک عذاب ○ وہ (دوزخ کی) آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

مِنْهَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا

اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے ○ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں ہاتھ

أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

کو کاٹ دو، یہ ان کے لیے ہونے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب بنایت حکمت والا ○

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْدَقَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا،

إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ لِلَّهِ لَهَ مُلْكُ السَّمَوَاتِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے ○ (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں جانتا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک

وَالْأَرْضِ مِنْ يَشَاءُ وَيَخْفَى لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى

اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۰﴾

پر قادر ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو۔“ (النح)

(المائدہ: ۳۵)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادت کا بجالانا ہے، یہود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہیے، تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کر کے اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہیں اپنے اکابر اور اسلاف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرنی چاہیے اور عبادت کے ذریعہ اس کے قرب اور نجات کے وسیلہ کو تلاش کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قبولیت توبہ کے لیے اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور عبادت کے ساتھ اسکے راستہ کی رعایت کرنا اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ (المفردات، ص ۵۲۳-۵۲۴، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(نہایہ، ج ۵، ص ۱۸۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۳ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(صحاح جوہری، ج ۵، ص ۱۸۴، لسان العرب، ج ۱۱، ص ۲۲۵-۲۲۴، مطبوعہ ایران، ۱۳۰۵ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز

امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۴۳ھ آداب دعائیں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حسن حصین مع تحفہ الذاکرین، ص ۳۴، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ)

شیخ ابو العباس تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرہم کے حق میں سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو اور یہ دعا صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۱، ص ۲۱۱، مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے، مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ (تحفۃ الذاکرین، ص ۶۹، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۰ھ)

امام ابو حاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ (قسم کے) آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے، اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جائے گی۔ (الحدیث)

(صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۵۷۴۹، حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور میرے علم میں اس کی کوئی علت نہیں ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا۔ المستدرک، ج ۱، ص ۳۶، ج ۲، ص ۵۲۵، ج ۳، ص ۹۰، الجامع الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۲۸۸۵، ۱۲۹۲۱، المعجم الاوسط، للبرانی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۸۸۔ حافظ العیسیٰ نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۰۵، المعجم الکبیر، ج ۱۷، ص ۳۳، موارد الطمان، رقم الحدیث: ۵۲)

اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کی وجاہت، ان کی حرمت اور ان کے حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی بارگاہ میں یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ وہ ان کے سوال اور ان کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا، ہرچند کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی دعا کو مسترد فرمادے، لیکن ایسا کرنا ان کو دی ہوئی عزت اور وجاہت کے خلاف ہے۔ ان کا اللہ پر حق ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جیسے اجیر کا آجر پر حق ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی دعا کو قبول کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے، اس وعدہ کی جہت سے ان کا حق ہے، فی ذاتہ کوئی استحقاق نہیں ہے، یا حق بمعنی وجاہت اور حرمت ہے، استحقاق کے معنی میں نہیں ہے۔

اس پر ایک دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بندہ فرائض ادا کر کے نوافل کو ہمیشہ پڑھتا ہے تو اللہ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور فرماتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اس کو اپنی پناہ میں لوں گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۲ھ، مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۱۰۳، مسند احمد، تحقیق

احمد شاکر، رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱، مسند ابو-علی، ۷۰۸۷، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۳۷، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۲۶۹، المطالب العالیہ، ج ۱، ص ۱۳۹

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی اور نبی سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا اور ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا اور ان کا اللہ پر یہی حق ہے اور یہی ان کی بارگاہ میں وجاہت اور حرمت ہے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا یا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنا صحیح ہے اور اب ہم اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۱۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۲ھ، المعجم الکبیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، کتاب الدعاء

للطبرانی، رقم الحدیث: ۹۶۵، شرح السنہ للبخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اس نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو مؤخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو" اے اللہ! میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۳، رقم الحدیث:

۱۷۱۷۵، ۱۷۱۷۴، طبع قاہرہ، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۸۹، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۵، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم

الحدیث: ۱۰۳۹۶، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحدیث: ۶۶۳، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۶۳۳، المستدرک، ج ۱، ص ۵۱۹،

دلائل النبوة، ج ۶، ص ۱۶۷، امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ المعجم الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث:

۵۰۸، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۳۱۱، حافظ منذری نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۷۶، ۷۷، ۷۸،

حافظ البیہقی نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۷۹، مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۰۳)

شیخ ابن تیمیہ، قاضی شوکانی، علامہ نووی اور امام محمد جزری وغیرہم نے امام ترمذی کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے

اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں، لیکن ہمیں جو ترمذی کے پاکستانی اور بیروت کے نسخے دستیاب ہیں ان میں یا محمد کے الفاظ نہیں

ہیں۔ سنن ترمذی کے علاوہ ہم نے باقی جن کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں، ان سب میں یا محمد کے الفاظ ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس نے یہ دعا کی، اے اللہ! تجھ پر سائلین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، اور میرے اس (نماز کے لیے) جانے کا جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ میں بغیر اکڑنے اور اترانے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے (محض) تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں، سو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو جنم سے مجھے اپنی پناہ میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ (سو جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۸، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۸۵، الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۳۵۲، صحیح ابن

خزیمہ، ج ۲، ص ۳۵۸، علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۱۰۹۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے اصحاب کو خوب علم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ان میں سب سے زیادہ قریب اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ تھے۔

(مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۵، دار الفکر بیروت، طبع قدیم، علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند

احمد، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۳۲۰۱، طبع قاہرہ)

وسیلہ بہ معنی درجہ جنت

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

وسیلہ کا ایک معنی جنت کے درجات میں سے ایک (مخصوص) درجہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (نمایہ، ج ۵، ص ۱۸۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جب تم موذن (کی اذان) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا،

اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو، کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں

سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا، اس

کے حق میں میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۲۶ (۳۸۳)، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۳، صحیح البخاری، ج ۱،

رقم الحدیث: ۶۱۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۶۷۷، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحدیث: ۳۵، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۹۳،

مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۵۶۸، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۹۶۳، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۲، ۱۱۶۸۱، ۱۱۷۹۹، سنن کبریٰ للبیہقی،

ج ۱، ص ۳۱۰-۳۰۹، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۱۶۸۸، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، فیصل آباد)

دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے ”اے اللہ! اس دعوت کاملہ اور (اس کے نتیجہ میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب اپنے بندے اور اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔“ (المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۵، مکتبہ المعارف الریاض، ۱۳۰۵ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں صدقہ بن عبد اللہ السعینی ہے۔ امام احمد، بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دحیم اور ابو حاتم اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت)

حافظ جمال الدین یوسف مزنی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

صدقہ بن عبد اللہ السعینی کی روایات سے امام ترمذی، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے استدلال کیا ہے۔ ہر چند کہ امام احمد اور شیخین نے اس کو ضعیف کہا ہے، لیکن سعید بن عبد العزیز اور امام اوزاعی نے اس کو ثقہ کہا۔ عبد الرحمن بن ابراہیم نے کہا: صدقہ ہمارے شیوخ میں سے ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا اس کی روایت صحیح اور مقبول ہے۔ دحیم نے کہا اگرچہ یہ قدریہ کی طرف مائل تھا، لیکن روایت میں صادق تھا۔ ولید بن مسلم نے کہا یہ ۱۶۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب الکمال، ج ۹، ص ۸۱-۸۸، ملخصاً، میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۲۶-۲۲۵، تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۸۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی ”اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبده ورسوله“ اے اللہ! آپ پر صلوة نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں داخل کر دے، سو جو شخص یہ دعا کرے گا، اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۲۵۵۳، الجامع الکبیر، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۲۱۱۸، عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۱۲۳)

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت، ۱۳۰۲ھ)

حافظ جمال الدین ابو النجاشی یوسف مزنی متوفی ۷۷۲ھ نے متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں سے اسحاق بن عبد اللہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے اسحاق بن عبد اللہ کی صرف ایک حدیث متابعہ درج کی ہے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کی روایات کو درج کیا ہے۔ اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان ۱۴۴ھ میں فوت ہوا تھا۔

(تہذیب الکمال، ج ۱، ص ۶۲-۵۷، میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۳۳۶، کتاب الجرح والتعدیل، ج ۲، ص ۲۲۸)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔
دعائے اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق

اس بحث کے اخیر میں ہم ایک اور حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں ”انک لا تخلف الميعاد“ کا ذکر ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی ”اے اللہ! میں تجھ سے اس دعوت کاملہ اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا محمد

ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے لیے مخصوص ہے، اور آپ کو فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بے شک تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا" اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے صحیح میں علی بن عیاش سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۴۰، مطبوعہ نثر السنہ، لبنان)

اس دعا میں الوسیلة اور الفضیلة کے بعد والدرجة الرفیعة کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اس کی اصل یہ حدیث ہے:

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب اور جابر جعفی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کہا: "اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے درجات بلند فرما" تو اس کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المصنف ج ۱ ص ۴۹۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

وسیلہ بہ معنی مرشد کامل

ایمان، اعمال صالحہ، فرائض کی ادائیگی، اتباع سنت، اور محرمات اور مکروہات سے بچنا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جس مرد صالح اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے، جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے، اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے، اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الہی کے ذریعہ میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی قول جمیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ لکھتے ہیں:

اہل سلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ گردانتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے، اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کاملنا شاذ و نادر ہے۔ (صراط مستقیم، فارسی) ص ۵۰، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

اسلام میں بیعت کا تصور، شیخ طریقت کی شرائط، بیعت برکت، بیعت ارادت، تبدیلی بیعت، اور تجدید بیعت کا حکم، کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض ہے، ان تمام عنوانات پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کے اخیر میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۳۶)

آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور پچھڑے کی عبادت کی، اور جن مشرکوں نے بتوں، انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور وہ توبہ کرنے سے پہلے مر گئے، تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں، تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دائمًا درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد فرمایا ہے، جنہوں نے کہا تھا، ہم کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور اسی طرح بت پرست

تبیان القرآن

جلد سوم

کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء و اجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے دائمی درودینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا 'یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو فدیہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا 'ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۵۳۸، صحیح مسلم، مناقب، ۵۴، ۲۸۰۵، ۶۹۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی عمران کی روایت میں ہے 'اللہ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک کے بغیر نہیں مانا، اور ثابت کی روایت میں ہے 'ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا۔ پس تو نے نہیں کیا، پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ قاضی عیاض نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلْسَتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انہیں گواہ بنایا، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی، تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۱۷۲)

یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس عہد کو پورا کیا، وہ مومن ہے اور جس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا، وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس عہد کو پورا کرنا، لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے، کیونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معتزلہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا، اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا، یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا، اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا، اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور کفر کا ارادہ بھی شر اور برائی ہے اور اللہ تعالیٰ شر اور برائی سے منزہ ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے، مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز! مخلوق جب کسی

چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ مخلوق کے ضعف اور اس کے عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور عجز سے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر: ۷) اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا، یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے، رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا، جس طرح ناراضگی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔

(فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے، اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن قتادہ السلمی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا، پھر ان کی پشت سے ایک مخلوق کو نکالا۔ پھر فرمایا: یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا نقد پر۔

(صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸، المستدرک، ج ۱، ص ۳۱، مسند احمد، ج ۴، ص ۱۸۶، طبع قدیم، علامہ الیثمی نے کہا اس

حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۸۶)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا (الاعراف: ۱۷۲) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا، پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا، اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے، پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا، پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے، تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے، تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۸۶، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۰۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۹۰، موطا امام مالک،

رقم الحدیث: ۱۳۶۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۱۶۶، المستدرک، ج ۱، ص ۲۷، ج ۲، ص ۲۲۳، ج ۲،

ص ۵۳۳، امام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دینار بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا

دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا اے ابو المنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے اور سب اس کی مملوک ہیں) اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے پوچھ لو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی حضرت ابی بن کعب کی طرح جواب دیا اور فرمایا: تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے تم جا کر حضرت حذیفہ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہا: اب تم جا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے سوال کرو میں نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا؟ تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو وہ اس وقت تک تم سے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم ہر تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۱، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۹۹، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۲۱۶۶، طبع دار الفکر بیروت، علامہ احمد شاکر، متون ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۱۳۸۱، ۲۱۵۰۲، ۲۱۵۳۶، طبع دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۱۶ھ)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کافر کافر اور مومن کا ایمان اللہ کے ارادہ سے ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں۔ اس نے جس کو جنت کے لیے پیدا کیا اس کے لیے جنت کے اعمال آسان کر دیئے اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس کے لیے دوزخ کے اعمال آسان کر دیئے۔ اللہ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازا۔ اے اللہ! ہمارا خاتمہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر کرنا اور اسی عقیدہ پر ہمارا حشر کرنا، ہم دوزخ سے اور دوزخیوں کے اعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

متکلمین نے اس کی توجیہ میں یوں کہا ہے کہ چونکہ کافر کافر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفر کو پیدا کر دیا اور مومن نے ایمان کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس میں ایمان کو پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر اور شر کا اختیار دیا جو خیر کا ارادہ کرتا ہے اس میں خیر پیدا کر دیتا ہے اور جو شر کا ارادہ کرتا ہے اس میں شر کو پیدا کر دیتا ہے، بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں۔ کسب کا تعلق بندہ سے ہے اور خلق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور انسان کو جزا اور سزا اس کے کسب اور ارادہ کی وجہ سے ملتی ہے اور اگر بندہ کے افعال میں اس کے کسب اور ارادہ کا دخل نہ مانا جائے تو پھر دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل کو بھیجا اور

آسمانی کتابوں کو نازل کرنا اور آخرت میں جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنا سب بے معنی اور خلاف حکمت ہوگا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے (المائدہ: ۳۹)
آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر دوبارہ چوری کی تو اس کا بائیں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

(کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی، ص ۱۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا: کہ اگر یہی انسان ڈاکو ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

سرقہ کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لئیر (مختلس اور منتہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔

(لسان العرب، ج ۱۰، ص ۱۵۶، مطبوعہ نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۳۰۵ھ)

سرقہ کا اصطلاحی معنی

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، در آنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقہ (چوری) ہے۔

(فتح القدر، ج ۵، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

شان نزول

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے زرہ کی چوری کی تھی۔ اس کی تفصیل ہم النساء: ۱۰۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ (اسباب النزول، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا، وہ ولید بن مغیرہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا، وہ خیاب بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے، اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے، وہ مرہ بنت

تبیان القرآن

سفیان بن عبد اللہ تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۱۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے، تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے، لہذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے، اس لیے اس کی سزا سخت رکھی، تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو فوراً جوڑ دیا جائے، تو یہ جائز ہے لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے، یہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے، اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا، تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے، اس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کی ہے۔ ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا آلہ تناسل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، تو اس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے، جبکہ زانی کے پاس دو سرا آلہ نہیں ہوتا۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کٹا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے، اور آلہ مستور ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے فروغ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا، اور ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زنا کی سزا میں جرم تو صرف ایک جز نے کیا ہے، اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے، اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

حجیت حدیث پر دلیل

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمال ہے۔ اول: یہ کہ مطلقاً چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیاً: اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر، ہتھیلی پر، پہنچے تک، کلائی کے وسط تک، کہنی تک اور بازو تک، پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثاً: اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے، یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی ﷺ کی سنت اور احادیث میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا جس دن اس نے چوری کی تھی۔ اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الام 'ج ۶' ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۳ھ)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری 'ج ۷' رقم الحدیث: ۶۷۸۹، صحیح مسلم 'حدود ۱' (۱۷۸۳) '۳۳۱۹' سنن ابوداؤد 'رقم الحدیث: ۳۳۸۳' سنن نسائی 'ج ۸' رقم الحدیث: ۳۹۳۹، مسند احمد 'ج ۹' رقم الحدیث: ۲۳۱۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸' ص ۲۵۳، موطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۱۵۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۹' ص ۳۷۰، صحیح ابن حبان 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۳۳۶۳، مسند حمیدی 'رقم الحدیث: ۲۷۹' مسند الشافعی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳، شرح السنہ للبیہقی 'رقم الحدیث: ۲۵۹۵)

واضح رہے کہ چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو اور ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چوتھائی درہم سے کم ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۳۳۹۶-۲۳۹۶۰، طبع قاہرہ) حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ امام عثون بن سعید التنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک سے پوچھا یہ بتائیے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوتھائی دینار کے برابر آج نہ ہوں، کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا اور حضرت عثمان بن عفان نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔

(المدونۃ الکبریٰ 'ج ۶' ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبعہ السعادة، مصر، ۱۳۲۳ھ)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۱۵۷۲' مسند الشافعی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳، صحیح البخاری 'ج ۷' رقم الحدیث: ۷۶۹۵، صحیح مسلم 'حدود' ۶' (۱۷۸۶) '۳۳۲۷' سنن ابوداؤد 'رقم الحدیث: ۳۳۸۵' سنن ترمذی 'رقم الحدیث: ۱۳۵۱' سنن نسائی 'ج ۸' رقم الحدیث: ۳۹۳۱، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۱۰، صحیح ابن حبان 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۳۳۶۳، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۳' ص ۱۹۰، سنن دار قطنی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۸۵، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸' ص ۲۵۶، شرح السنہ للبیہقی 'رقم الحدیث: ۲۵۹۶)

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ! حسن بصری، داؤد ظاہری، امام شافعی کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے، وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے، تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جمازوں کی رسی، سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈانہ ہو، بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی ”خود“ مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانی سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے، یا جوان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے، اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا، لیٹ اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبد العزیز، اوزاعی، امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بن عتی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ عطاء، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ حجاج بن ارطاة نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا، اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخصی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) علامہ ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جائز نہیں، کیونکہ جو تین

درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں، وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔

(المغنی، ج ۹، ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۰۵ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے جوابات
شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۲۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ڈھال کی قیمت کے مساوی ہاتھ نہیں کاٹا جائے، اور ان دنوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا: تین درہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا، اور ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اور کم سے کم قیمت جو منقول ہے، وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی، تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے، اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور ایمن بن ابی ایمن، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا، وہ دس درہم کی تھی، اور ان صحابہ کرام کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے، اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ڈھال کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو، کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے، تاکہ حد کو ساقط کیا جاسکے، اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متحقق ہوگا جب ڈھال کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا، جس نے کپڑا چرایا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے، پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز نصاب حد کو نصاب مہر پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے، اور نکاح اور ہاتھ کاٹنے دونوں میں ایک عضو پر تصرف کیا جاتا ہے، جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چوتھائی دینار کی جو حدیث مروی ہے، اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور قول یہ ہے کہ کسی معمولی چیز کے عوض ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا، بلکہ ڈھال کی قیمت کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چوتھائی دینار کی صریح حدیث ہوتی تو وہ یہ مبہم جواب نہ دیتیں۔ پھر یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداء میں چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہو، بعد میں دس درہم کو نصاب سرقہ مقرر کر کے چوتھائی دینار کے حکم کو منسوخ کر دیا، تاکہ ناسخ حکم، منسوخ حکم سے خفیف اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں، یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ (المبسوط ج ۹، ص ۱۳۸-۱۳۶، ملخصاً، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

مذہب احناف کے ثبوت میں احادیث

علامہ سرخسی کی اس مفصل عبارت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب آ گیا ہے، تاہم علامہ سرخسی نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، ہم ان کی تخریج اور مذہب احناف کی تائید میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

ایمن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا ہے اور اس دن ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو چھ مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔ ہارون بن عبد اللہ کی روایت میں ہے، اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

(سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۹۶۳، ۲۹۶۲، ۲۹۶۱، ۲۹۶۰، ۲۹۵۹، ۲۹۵۸)

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، کہ ڈھال کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔

(سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۹۶۶، ۲۹۶۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، یہ حدیث عطا سے مرسلات بھی روایت کی ہے۔ رقم الحدیث: ۲۹۶۸، ۲۹۶۷، المستدرک، ج ۲، ص ۳۷۹، حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ امام بیہقی نے متعدد اسانید کے ساتھ ایمن سے روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۷۴، مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۲۳۳، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۲، ۳۳۹۱، ۳۳۹۰، ۳۳۸۹)

امام نسائی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس درہم تھی۔ (سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۹۷۱، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۸-۳۳۸۷)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں قطعید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے۔ (علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۹۰۰، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۳، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۳۷۳)

امام عبدالرزاق بن حمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت لگاؤ۔ حضرت عثمان نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی، تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف، ج ۱۰، ص ۲۳۵-۲۳۴، ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۷۶، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۶۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۲۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۲۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۴۷۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۶۰، کتاب الآثار، امام محمد،

ص ۱۳۷، سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۷)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ڈھال سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار، ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۰۷ھ)

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

(مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۲۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دوپانچ (۲۶۶۲۵) تولہ اور تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ (۳۶۶۱۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔ اور تین درہم صفر اعشاریہ سات آٹھ سات پانچ (۰۶۷۸۷۵) تولہ اور نو اعشاریہ ایک آٹھ پانچ چار (۹۶۱۸۵۳) گرام چاندی کے برابر ہے۔

کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے ؟

چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، کیونکہ امام بیہقی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ ہماری قرائت میں ہے ”فاقطعوا ایمانہما“ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۷۰، مطبوعہ نشر السنہ، لبنان)

دایاں ہاتھ پنچے سے کاٹا جائے گا۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے، ان کے سرہانے ان کے کپڑے تھے، ایک چور آکر وہ کپڑے لے گیا، وہ اس چور کو پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے آئے، اس نے چوری کا اقرار کر لیا۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ! کیا عرب کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے، تم شفاعت کر سکتے ہو۔ اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا، پھر اس کو معاف کیا تو اللہ اس کو معاف نہ کرے، پھر آپ نے حکم دیا کہ پنچے (ہتھیلی اور کلائی کا جوڑ) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۷ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیا۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیا۔ عمرو بن دینار
بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑے کاٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۷۱، مطبوعہ نثر السنتہ، ملتان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا

فتاویٰ عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

- ۱- جو چیز دار الاسلام میں مباح یا خیس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے افتادہ لکڑی، گھاس پھوس، سرکنڈا، پھلی، ہڑتال اور چونو وغیرہ۔ (ہدایہ کافی، اور اختیار)
- ۲- سونا، چاندی، اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)
- ۳- جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے، جیسے دودھ، گوشت اور تازہ پھل، ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)
- ۴- جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو، اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۵- قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو، حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو، اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے، پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو، لیکن غیر محفوظ ہو، پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)
- ۶- مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تبیین)
- ۷- درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۸- ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔ (ایضاح)
- ۹- شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (فتح القدر)
- ۱۰- جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے، ان کے چرانے پر حد نہیں ہے، خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی، بری ہوں یا بحری۔ (تارخانیہ)
- ۱۱- مندی، سبزیوں، تازہ پھلوں، گھاس، پانی، گھسلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں۔ الا یہ کہ کھال سے مصلیٰ یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔ (عتابہ)
- ۱۲- خمر، خنزیر، باقی پرندوں، وحشی جانوروں، کتے، چیتے، مرغی، بطخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (تمر تاشی)
- ۱۳- ظنبور، دف، مزار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۱۴- طبل اور بربط اگر لہو و لعب کے لیے ہوں، تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے، اور اگر جہاد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ (محیط)
- ۱۵- پیڑ اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۱۶- شطرنج اور چوہر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں، ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)
- ۱۷- مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۱۸- فقہ، نحو، لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

- ۱۹- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)
- ۲۰- سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں ان پر حد ہے۔ (عتابہ)
- ۲۱- بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ہزفائق)
- ۲۲- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر موجدل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض موجدل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۲۳- اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (محیط)
- ۲۴- اگر چاندی کے برتن میں نمبیا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی اس کو چرایا تو حد نہیں ہے۔
- ۲۵- جس برتن میں خمر (شراب) تھی اس کو چرایا تو اس میں حد نہیں ہے۔ (محیط)
- ۲۶- اگر قبر سے درہم دینار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
- ۲۷- کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔ (کافی)
- ۲۸- مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہایہ)
- ۲۹- جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح اللغوی، ظہیریہ)
- ۳۰- حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)
- علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:
- ۳۱- مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قدیل چرانے پر حد نہیں ہے۔
- ۳۲- کعبہ کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔
- ۳۳- جن کانڈوں پر کچھ لکھا ہو یا چھپا ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔
- ۳۴- اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۳۵- شیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔
- ۳۶- اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۳۷- ماں، باپ، اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔
- ۳۸- اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۳۹- اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۴۰- غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالکہ کے خاوند کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۴۱- اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
- ۴۲- حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۱۷۹-۱۷۵، ملخصاً، مطبوعہ مطبعہ امیریہ، کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۳۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر چور نے توبہ نہ کی اور وہ پکڑا گیا تو اس پر حد بھی جاری ہوگی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور اگر اس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ آخرت کی سزا معاف فرمادے گا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا یا معاف فرمانا اس وجہ سے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس کا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اس کا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اہل سنت کا مذہب ہے عذاب دینا اس کا عدل ہے اور معاف فرمانا اور ثواب عطا فرمانا اس کا کرم ہے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، ہم اس کے عذاب سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اس کے عفو و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں، ان میں سے

الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِمَا فُورَاهُمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ شَيْخٌ وَمِنَ

بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے مومنوں سے کہا ہم ایمان لے آئے، حالانکہ ان کے دل مومن نہیں ہیں اور بعض

الَّذِينَ هَادُوا شَاجِئًا سَمِعُوا لِلْكَذِبِ سَمِعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَا

یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے

لَمْ يَأْتُوكَ يَحْرِفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَا أُضِيعَ يَقُولُونَ إِنْ

پاس نہیں آئے، (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ

أُوتِيْتُمْ هَذَا فَخَذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاذْرُوا وَمَنْ يُرِدْ

(حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو، اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو، اور (اے مخاطب) جسے

اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ

اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو، تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَظْهِرْ قُلُوبَهُمْ طَلَمٌ فِي الدُّنْيَا خَزَىٰ وَلَهُمْ

دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں

فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ

ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۵ (یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ

لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَأَحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ

کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض کر لیں

وَإِنْ تَعَرَّضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ

اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

فَأَحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٢٣﴾ وَكَيْفَ

ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور وہ آپ

يُحْكَمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ

کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ

بَعْدَ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٤﴾

رد گردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں (المائدہ: ٢١) اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری سے متعلق احکام شرعیہ ارشاد فرمائے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پرواہ نہ کریں، ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے اور ان کے مکر و فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہود کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں، یہ دونوں فریق یہود کے اہبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور تورات میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں، آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں، تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کر کے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

قرآن مجید میں دو جگہ آپ کو یا ایہا الرسول کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ایک یہ جگہ ہے (المائدہ: ٢١) اور دوسری آیت یہ ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ: ٤٦) ان کے علاوہ باقی ہر جگہ آپ کو یا ایہا النبی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت مسہتم بالشان آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (المائدہ: ٢١)

یہود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا

یہود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے یا اس لفظ کو زبان مروڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنی بدل جاتا تھا اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل تاویل کرتے، اگر ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو وہ جمل کی صفات پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بیان کیا ہے کہ یہود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے، صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عداقت کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی ﷺ) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا، ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۲۳)

امام ابن جریر نے یہود کی تحریف کی یہ مثال دی ہے کہ تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں، اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۳۲۱)

نبی ﷺ کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کر لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا، جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کبرتے ہیں، پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ، وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم، حدود ۲۶، (۱۶۹۹)، ص ۳۳۵)

امام مسلم نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم، حدود ۲۶، ص ۳۳۵، صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۸۴۱-۷۵۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۴۴۶، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۴۴۳۵، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۳۳۳۱-۱۳۳۳۲، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۱، شرح السنن للبخاری، رقم الحدیث: ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۱۳)

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا، جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو

نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا، ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں، لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں، تو پھر ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا، پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ۴۱) (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ، اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ۴۳)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔

(صحیح مسلم، حدود ۲۸، (۱۷۰۰)، ۴۳۶۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۴۳۸-۴۴۳۷، سنن ابن ماجہ، ۲۵۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے، تو تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ (المائدہ: ۴۱)

یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے، اس کا معنی ہے جس کو اللہ دنیا میں گمراہ اور رسوا کرنا چاہے اور آخرت میں عذاب دینا چاہے، تو اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کو اس شخص سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ نے بندہ کو گمراہ کر دیا، تو پھر اس کو دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخرت میں اس کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جب کوئی ایسا بڑا جرم کر لیتا ہے جس کی اللہ کے نزدیک معافی نہیں ہے، تو وہ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی خواہ کتنی کوشش کیوں نہ کرے، وہ اس کو راہ پر نہیں لاسکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ سے کسی معجزہ کو طلب کرے اور معجزہ دیکھنے کے بعد پھر ایمان نہ لائے، یا نبی ﷺ کی اہانت اور گستاخی کرے، تو پھر دنیا میں گمراہی اور رسوائی اور آخرت کا عذاب اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے، یعنی ان پر جزیہ مسلط کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے۔ نیز فرمایا: اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہودیوں اور منافقوں کے ایمان نہ لانے اور اخلاص سے اطاعت نہ کرنے پر آپ مغموم نہ ہوں اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی تبلیغ اور پیغام رسانی میں کوئی کمی ہے جو یہ ایمان نہیں لارہے اور اخلاص سے اطاعت نہیں کر رہے، آپ کی تبلیغ کمال ہے اور آپ کی پیغام رسانی مکمل ہے۔ دراصل ان کی عیہم اہانتوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور اللہ نے ان کو اس قابل نہیں جانا کہ ان کو آپ کے مخلصین اور اطاعت گزاروں میں شامل کرے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ پر ایمان نہیں لارہے، اور آپ کو منصب

نبوت کامل نہیں سمجھتے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو آپ کی غلامی اور آپ پر ایمان لانے کے لائق نہیں جانا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (المائدہ: ۴۲)
سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ لغت میں سحت کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ (طہ: ۶۱)
موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو، کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر موٹنے والے کے متعلق کہتے ہیں اسحت اس نے بل جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ مال حرام کو بھی سحت کہتے ہیں، کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا سحت رشوت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت ہے۔

امام احمد بن علی بن ثنی تمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

سروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا، فرمایا: یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون (المائدہ: ۴۴) اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ، ج ۹، رقم الحدیث: ۵۲۳۱، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۹۱۰۰، حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۲۰۰، المطالب العالیہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۳۹)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے سحت کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا ایک شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے، پھر وہ اس کو ہدیہ دے، جس کو وہ قبول کر لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے، نر کی جفتی کی اجرت سحت ہے، نصد لگوانے (رگ کاٹنے) والے کی اجرت سحت ہے، اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

نصد لگوانے (رگ کاٹنے) کی اجرت جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نصد لگوا کر اجرت دی ہے، اس لیے حدیث کا یہ جز منسوخ ہے۔ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی ﷺ کو نصد لگائی اور نبی ﷺ نے اس غلام کو اجرت دی، اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ اجرت سحت (حرام) ہوتی، تو آپ عطا نہ کرتے۔

(صحیح مسلم، ۱۲۰۲) ۳۹۶۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۲۳، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۸۱-۲۹۸۶-۲۹۸۷، مطبوعہ دار الحدیث

قاہرہ، نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے نصد لگوائی۔ تمام کو اجرت دی اور تاک میں دو اذالی۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۶۹۱-۲۲۷۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۶۲، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۸۰، مسند احمد، ج ۱، رقم

الحدیث: ۳۰۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

مسلم بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی، اس شخص نے ہدیہ میں انہیں باندی پیش کی، تو مسروق بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا، اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے، یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے، پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا: اے ابو عبد الرحمن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے، آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رگ کاٹنے والے کی اجرت، زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت، جلد فیصلہ کرانے کی اجرت، نجوی کی مٹھائی، نر کی جھتی کی اجرت، حکم میں رشوت، شراب کی قیمت اور مردار کی قیمت سحت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو، اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: حکم میں رشوت دینا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۲۸-۳۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ حسن بن منصور اوزجندی (المعروف بہ قاضی خاں) متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

- ۱- منصب قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔
- ۲- کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جانبین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا، یہ بھی جانبین سے حرام ہے، کیونکہ وہ کام اس افسر کی ذیوبی ہے۔) (سعیدی غفرلہ)
- ۳- اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ رشوت لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۴- کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے، اور لینا حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشم الحندی، ج ۲، ص ۳۶۳-۳۶۲، بنیہ علی الہدایہ، ج ۸، ص ۷، فتح القدر، ج ۷، ص ۲۳۶، البحر الرائق، ج ۶، ص ۲۶۱، رد المحتار، ج ۳، ص ۳۰۳، احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳۳)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۲۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۱۳۹، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۰۳۳)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو، جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۱۳۹، مطبوعہ نثر السنہ، ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، خواہ ان

سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ: ۴۲)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا، یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذمی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ محدوی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں، اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف وغیرہ مانے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن خویر منداد نے کہا ہے کہ جب ذمی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا، ہاں اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو، مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں، تو پھر امام اس کا سدباب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں، طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ علی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں، تو ان کو اس سے روکا جائے گا، تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبد العزیز اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ زیر بحث آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَإِنِ احْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے

(المائدہ: ۴۹) (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔

امام زہری نے کہا ہے، اس پر عمل ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملات میں ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انہیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندی نے کہا یہ قول امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ہے، کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں، ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاس نے النسخ والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ ابتداءً مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹایا جائے، اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، زہری،

عمر بن عبد العزیز اور سدی کا یہی قول ہے، اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدِهِمْ صَٰغِرُونَ

(المائدہ: ۲۹) ہوں۔

ان کے ذلیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے، اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتاب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں، تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ! امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خاوند آئے تو امام ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۱۳۳-۱۳۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتاب (ذمی) مقدمہ دائر کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے، کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے، اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ الکاثر رونی، ج ۲، ص ۳۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۶ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورہ المائدہ: ۲۹ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں، تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور سدی کا یہی قول ہے۔

(زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۶۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت فان جاء وک فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ: ۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے، لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احکم بینہم بما انزل اللہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ (المائدہ: ۴۴)

لوگ کافر ہیں۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا، وہ اس وعید کا مصداق ہو گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی فان جاء وک فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ: ۴۲) اس وقت یہودیوں کو ذمی نہیں قرار دیا تھا، اور نہ ان پر جزیہ فرض کیا گیا تھا، اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے، تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۳۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ: ۴۲) سے منسوخ ہو گئی ہے، اور ابتداء اسلام میں

حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے، لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی، کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا، اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو، یا بے حیائی اور بد چلتی کو فروغ ہو، تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا، اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں، تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (المائدہ: ۴۳)

موجودہ تورات میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم تورات میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۶۹۹) ۴۳۷۵ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس یہودی دو زانیوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا تورات کو پڑھو، جب یہودی عالم نے تورات کو پڑھنا شروع کیا، تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے، ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اب ۱۴۱۷ سال گزر گئے، اس عرصہ میں تورات میں بہت تحریفات کی گئیں، لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں، اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے، کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی، کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا، اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے، تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانگ پر نکال لانا، اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں، لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) استثناء، باب ۲۲- آیت ۲۳-۲۴، آیت ۱۸، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے

الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلدِّينِ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا

س کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے

أَسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا

کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی ، اور وہ اس پر گواہ تھے ، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو

النَّاسَ وَأَخْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ

مجھ سے ڈرو ، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تمہاری قیمت نہ لو ، اور جو اللہ کے نازل

يَحْكُمُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۲۴﴾ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمُ

کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر تورات

فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ، اور ناک کا بدلہ ناک

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ

اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ

قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ط وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ

ہے ، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے ، اور جو اللہ کے نازل کیے

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵﴾

ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدہ: ۴۴)

شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا

اس آیت میں ہدایت سے مراد احکام شرعیہ ہیں اور نور سے مراد اصول اور عقائد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد ان احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو ان پر غفلت تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے اور نور سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے، تاوقتیکہ اس کا منسوخ ہونا ہم کو معلوم ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'تورات میں ہدایت اور نور ہے' اگر تورات کے احکام حجت نہ ہوں تو وہ ہدایت اور نور نہیں رہے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ زانیوں کا جو مقدمہ لے کر یہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں 'انبیاء سابقین جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار تھے' وہ ایسے مقدمات کا تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں 'اور اولیاء اور علماء بھی اس کے

مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ان زانیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ کیا ہے، وہ بھی تورات کے مطابق ہے اور ان علماء سے تورات کی حفاظت کرائی گئی ہے اور یہ علماء اس کی شہادت دیتے تھے کہ نبیوں نے جو یہودیوں کے مقدمات میں تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے، وہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ والے اور علماء نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتے تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں، آپ پر اللہ کی طرف سے کلام نازل ہوا ہے اور یہودیوں کے اس مقدمہ میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ صحیح ہے اور تورات کے مطابق ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور راہبوں سے فرمایا: سو تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، یعنی امیر لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے کے سلسلہ میں تم یہ خوف نہ کرو کہ پھر تمہارے نذرانے اور وظیفے جو امیروں سے ملتے تھے، وہ بند ہو جائیں گے، بلکہ اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ کی حدود کو نافذ نہ کیا اور امیروں کے نذرانوں کے لالچ میں تورات کی آیتوں کا غلط مطلب بیان کیا تو پھر آخرت میں تم کو بہت ہولناک اور دائمی عذاب ہوگا۔ اس آیت کے اس حصہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تورات کے جو احکام قرآن اور حدیث میں بغیر انکار کے بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی ہم پر حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ کافر ہیں۔

(المائدہ: ۴۴)

قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے، کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کفر قرار دیا ہے اور اس سے بہ ظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہے اور اس آیت سے یہی مراد ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے، اس کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق یہود کے متعلق ہے، سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵) اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

(المائدہ: ۴۷)

اور ان آیتوں کا مفہوم عام ہے، کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے، خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین باتیں فرض کی ہیں:

- ۱۔ فیصلہ کرنے میں اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع نہ کریں، بلکہ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔
- ۲۔ فیصلہ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں، اللہ سے ڈریں۔
- ۳۔ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ رشوت یا نذرانہ لے کر عدل کو ترک کر کے بے انصافی سے فیصلہ نہ کریں، اس سلسلہ میں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے:

امام احمد بن علی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق گوئی یا عظیم نصیحت کرنے سے باز نہ رکھے۔ جب اسے اس کا علم ہو، کیونکہ یہ خوف نہ موت کو نزدیک کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۱۱، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، المطالب العالیہ، ۳۵۳۶، حافظ البیہقی نے کہا ہے، کہ

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۷۲-۲۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا

بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے“ (المائدہ: ۳۵)

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے

درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا اے محمد! ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے،

نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل، برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں

سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ اسے آدمی دیت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی

شخص قتل کر دیتا تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنو نضیر

غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں

گے، جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ: ۵۰) اور یہ آیت

نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الایہ)

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے

گا، جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذمی

کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابو حنیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟

حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا، ہمارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے،

ماسوا اس قسم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے، اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا

ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۱۱، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۳۷، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۹۰۳، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۱۷،

سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۷۵۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۵۸، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۹۳-۹۹۱)

امام اعظم اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے، یعنی کافر حربی کے بدلہ میں

تبیان القرآن

جلد سوم

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، تاکہ قرآن مجید اور حدیث میں تعارض نہ ہو اور قرآن کے عموم کو مقید کرنے کے بجائے حدیث کو مقید کر کے قرآن مجید کے تابع کرنا اصول کے مطابق ہے۔ امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معاہدہ (جس کافر سے معاہدہ ہوا) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للسیہقی، ج ۸، ص ۳۰)

عبدالرحمن بن البلیمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ یہودی نے کہا مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمن بن البلیمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں، لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے، اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

تورات میں قرآن مجید کی صداقت

قرآن مجید نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ (الخ) یہ آیات اب بھی تورات میں موجود ہیں: اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے، اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنا دے تو جیسا اس نے کیا، ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت، جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے، ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

(پرانا عہد نامہ، اخبار، باب ۲۲، آیت ۲۱-۲۰-۱۸، کتاب مقدس، ص ۱۱۸، مطبوعہ لاہور)

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (پرانا عہد نامہ، استثناء، باب ۱۹، آیت ۲۱، کتاب مقدس، ص ۱۸۵، مطبوعہ لاہور)

سینکڑوں سال گزر گئے، تورات میں بہت زیادہ تحریفات کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، وہ آج بھی تورات میں اسی طرح موجود ہے، اور یہ قرآن مجید کے صادق اور برحق ہونے کی بہت قوی دلیل ہے، حالانکہ یہودی اس آیت کو تورات سے نکال سکتے تھے اور پھر مسلمانوں سے کہتے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ تورات میں یہ حکم ہے، حالانکہ تورات میں یہ حکم نہیں ہے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں سے اس آیت کی حفاظت کرائی جو قرآن مجید کی مصدق ہے۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے، ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پیٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ

پر رکھ دیا جائے، حتیٰ کہ اس کی روشنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی ہے، اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے، اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں، اس لیے اگر مجنی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں جانی کی آنکھ نکال دی جائے، تو پورا بدلہ نہیں ہوگا، اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے، کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آلہ تناسل اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا، اور امام محمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک، زبان یا آلہ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کان کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔

(انوار التنزیل مع الکا زرونی، ج ۲، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضاء کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز خامس، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بدلہ نہ لینے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جنایت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا، اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم، حدود، ۴۱، صحیح بخاری، ۶۷۸۳) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جنایت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے

(الشوری: ۴۰) ذمہ (کرم) پر ہے۔

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو یوسف بن محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

تبیان القرآن

ابو السفر بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا، انصاری نے حضرت معاویہ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معاویہ نے اس سے کہا: ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معاویہ سے بت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے، حضرت معاویہ نے اس انصاری کو بت سمجھایا، لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معاویہ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔ اس مجلس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاری نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاری نے کہا: میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معاویہ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے، پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی، ج ٣، رقم الحدیث: ١٣٩٨، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٦٩٣، مسند احمد، ج ١٠، رقم الحدیث: ٢٤٦٠٣، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ٨، ص ٥٥، جامع البیان، ج ٦، ص ٣٥٣)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔
(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ١٦، رقم الحدیث: ٢٢٦٩١-٢٢٦٩٠، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ)

وَقَفَيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُعِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ صِدْقًا لِّبَايِنٍ

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

يَدِيهِ مِنَ التَّورَةِ ۚ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ

جو ان کے سامنے تھی، اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اور وہ

مُصَدِّقًا لِّبَايِنٍ يَدِيهِ مِنَ التَّورَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ

اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے سامنے تھی، اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِينَ ۚ ۝٣٦ وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَ

نصیحت تھی ۝ اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور

مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝٣٧

جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں ۝ اور

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ

(اے رسولِ محرم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس

الْكِتَابِ وَمُهَيَّمًا عَلَيْهِ فَاَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ

کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے، تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے

أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

وَمِنْهَا جَاہًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ

الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے

فِي مَا أَنْتُمْ فِيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

(الگ الگ) احکام دیے، سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ ۴۸ وَأِنْ أَحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

تجربے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝ اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا

موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہر شیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا

أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ

تو وہیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ ۴۹

سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک بہت سے لوگ فاسق ناسق ہیں ۝

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور

لِقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۵۰﴾

کس کا حکم ہو سکتا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تھی اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ (المائدہ: ۴۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے۔ ایک یہ کہ انہوں نے زنا کی حد میں تحریف کر دی، پھر وہ حرج میں مبتلا ہوئے اور اس معاملہ میں نبی ﷺ کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کر دی اور بنو نضیر کے خون کی پوری ریت اور بنو قریظہ کے خون کی آدھی ریت مقرر کی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں، رہنمائی اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا کے بعد مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے، کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا۔ یہ حقیقی تصدیق ہے اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں، ماسوا ان احکام کے جن کو انجیل نے منسوخ کر دیا۔ نیز فرمایا: انجیل متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے، یعنی وہ ناپسندیدہ اعمال سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ اعمال کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

نزل قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم نے عیسائیوں کو انجیل عطا کی اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام پر عمل کریں جو انجیل میں مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد انجیل پر عمل کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس کے چند جوابات ہیں۔ اول: یہ کہ انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل موجود ہیں، اہل انجیل کو چاہیے کہ ان دلائل کے مطابق آپ پر ایمان لے آئیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل انجیل ان احکام پر عمل کریں جن کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں تحریف نہ کریں، جس طرح یہود نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انجیل کو نازل کیا تھا اور نزول قرآن کے بعد قرآن مجید کے علاوہ کسی آسمانی کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اسلام کے علاوہ اور کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرّم!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے، یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے، اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ: ۴۸)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سماویہ کا محافظ اور نمکبان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات، زبور اور انجیل میں کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتاب ہونا منکوک ہو گیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی جس سے ان کا آسمانی کتاب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝
بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ فرمایا:
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
اس میں باطل نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے پیچھے سے۔ (حم السجدہ: ۴۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لاسکتا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا
فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ
دُونِ الْكُلُوبِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ: ۲۳)
اگر تم اس (کلام) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے
(مقدس) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے
آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمانیوں کو بھی بلاؤ، اگر تم سچے ہو۔

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بہ دن علم و فن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں، لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی بنا سکا نہ کمی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثل لاسکا۔ اس لیے ہر دور میں قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت اور مسلم رہا، اور چونکہ قرآن مجید نے تورات، انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے، اس لیے ان کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے، کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے، حتیٰ کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض کریں۔ (المائدہ: ۴۲) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتاب کے متعلق ہے جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا تھا اور دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الگ الگ) احکام دیئے۔ سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

اس آیت میں منہاج سے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک

رہے۔ مثلاً توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا اور جو احکام سب میں مشترک رہے، مثلاً قتل، جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے، 'شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر انکار کے ہم سے بیان فرمائے، وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں، کیونکہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں، بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اعمال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار ہیں، قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اسی طرح وضو میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں، رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی ﷺ نے زنا کار یہودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹانہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے، اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں۔ (المائدہ: ٥٠-٥٩)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد، ابن صلوبا، عبد اللہ بن صوری اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا: چلو (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ شاید ہم ان کو ان کے دین سے درغلانے میں کامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ بشر ہیں، وہ گئے اور آپ سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یہود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے، ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے، ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کر دیں، تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(المائدہ: ٥٠-٥٩)

(السیرۃ النبویہ، ج ٢، ص ١٨٠-١٢٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، ج ٦، ص ١٥٢، دار الفکر، بیروت، اسباب النزول

للواحدی، ص ٢٠٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جزیہ، جلا وطن کرنے اور قتل کرنے کی سزا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب

ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور کس کا حکم

ہو سکتا ہے؟ (المائدہ: ۵۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے

بعضہم أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ مِّنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنكُمْ فَإِنَّ مِنْهُمْ

کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہو گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٦﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي

بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں

قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ

میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش

تُصِيبَنَا دَائِرَةً ۚ فَعَسَىٰ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ وَأَمْرٍ مِّن

نہ آ جائے پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی

عِنْدِهِ فَيُصِيبُكُمْ عَلَىٰ مَا أَسْرَفْتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ نذِيرًا ﴿٥٧﴾

علاست تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے وہ اس پر پھٹانے والے ہو جائیں ○ اور

يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی ہلی تھیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَبَعْلَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَاصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴿٥٨﴾

تباہی سے سائق ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ○

جلد سوم

تبیان القرآن

وقف غفران
وقف منزل عند البعض

القرآن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی

اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی، وہ کمزوروں پر نرم ہوں گے اور کافروں

عَلَى الْكٰفِرِينَ ذِي جَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے

لَا يَمُذِّكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ۵

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ

زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) بھکنے والے ہیں ۵ اور جو اللہ اور اس کے رسول

وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں

سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے کہ

جن لوگوں کے دلوں میں (خفاق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ

آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے

وہ اس پر پھپھتاتے والے ہو جائیں۔ اور ایمان والے یہ کہیں کہ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳-۵۱)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول

نے بنو قینقاع کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی بنو عوف کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبد اللہ بن ابی کی طرف ان کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبد اللہ بن ابی کے متعلق سورۃ المائدہ: ۵۳-۵۱ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(السيرة النبوية، ج ۳، ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۷۳، مطبوعہ دار الفکر، اسباب نزول القرآن للواحدی، ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے:

ظالم لوگوں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود: ۱۱۳)

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران: ۲۸)

اپنے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ (آل عمران: ۱۱۸)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْفُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ (الممتحنہ: ۱)

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والوں کے ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، یا ان کے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔

(المجادلة: ۲۲)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود اور نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کرو۔

(صحیح مسلم، السلام، ۱۳، (۲۱۶۷) ۵۵۵۷، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۰۸، صحیح ابن حبان، ۵۰۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۶۲۱، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۹۳۵۷، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۱۱۱، سنن کبریٰ للسیحی، ج ۹، ص ۲۰۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور متقی کے علاوہ

طبیان القرآن

اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۰۳، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۳۲، مسند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۳۳۶، شعب الایمان 'رقم الحدیث: ۹۳۸۲)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا، اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں عربی کو نقش نہ کرو، اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انس نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمد نہ لکھو اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ (شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۵)

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس ایک نصرانی کاتب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے تو حضرت ابو موسیٰ نے کہا حضرت عمر نے مجھے ڈانسا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکال دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! اپنے اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ: ۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا، وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابو موسیٰ نے کہا بہ خدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا، یہ صرف کتابت کرتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کاتب نہیں ملا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو، اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی آداب القضاء میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۳)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یہود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آجائے، اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کر لو گے۔ (شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے عجمیوں کے ملک میں نشوونما پائی، اور ان کے نو روز اور مہرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

(شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشعم کی طرف ایک لشکر بھیجا، وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لینی شروع کر دی۔ لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کر دیا، جب نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدمی دیتے کا حکم فرمایا اور فرمایا: میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپ نے فرمایا ان دونوں کے (چولہوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو، نہ ان کے ساتھ جمع ہو، جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا، وہ ان کی مثل ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۱۱، ۱۶۱۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۶۳۵، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۷۹۳) علامہ تفتازانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا، کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے، یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے، وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کا گھر مشرک کے گھر سے دور ہو، اور جب اس کے گھر آگ جلے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے، مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا، وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ (المائدہ: ۵۱)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تشدید کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا، وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ لہذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہوگا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے، ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ (المائدہ: ۵۲)

منافق یہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ کا ساتھ دینے کی وجہ سے کہیں ان پر قحط نہ طاری ہو جائے۔ اور کہیں حالات بدل گئے اور یہود غالب آگئے اور (سیدنا) محمد ﷺ کی حکومت نہ رہی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا، میں نے بہ کثرت یہودیوں سے دوستی اور حمایت کا عہد کیا ہوا تھا، لیکن میں اللہ اور رسول کی خاطر اس عہد کو توڑتا ہوں، عبد اللہ بن ابی نے کہا میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کیے ہوئے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت، تو جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے، وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۲)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے۔ یا رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کی سازشوں سے مطلع فرمادے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فتح یہ تھی کہ بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے شہروں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور فتح کی علامت سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے مطلع کیا گیا، ان کے نام بتائے گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور مال غنیمت کی کثرت سے وہ خوش حال ہو گئے اور جب منافقوں نے مسلمانوں کا غلبہ، خوش حالی اور ان پر اللہ کی نصرت دیکھی، تب وہ کفار سے دوستی رکھنے پر تادم ہوئے اور اس وقت تادم ہوئے جب انہیں موت کے وقت عذاب دکھایا

کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری مدد کریں گے، یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے، کیونکہ انہیں ثواب کے بدلہ عذاب ہو گا۔ اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلا وطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا، جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی، وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، بہت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

عمد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا، اس کا ان ہی میں شمار ہو گا اور اس آیت میں صراحتاً فرمادیا، جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا، اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ علامہ زمر مخشری نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ جبار اللہ محمود بن عمر زمر مخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے، تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو مدلج تھا، ان کا رئیس زوالہ تھا اور یہی اسود عنسی تھا۔ یہ شخص کاہن تھا، اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ان شہروں پر غلبہ پالیا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے بعض عالموں کو نکال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فیروز دہلی کے ہاتھوں اس کو ہلاک کر دیا، انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا، اسی رات رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی، جس سے مسلمان خوش ہوئے، پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے، اور وہاں سے اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو حنیفہ ہے۔ یہ مسیلمہ کی قوم تھی، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مکتوب لکھا، "از مسیلمہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ، بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ یہ زمین آدمی آپ کی ہے اور آدمی میری ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا، "از محمد رسول اللہ برائے مسیلمہ کذاب، بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے، اور نیک انجام متقین کے لیے ہے۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشی کہتے تھے میں نے

اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔

تیسرا فرقہ بنو اسد تھا، یہ طلحہ بن خویلد کی قوم تھی، اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا، یہ شکست کھانے کے بعد شام بھاگ گیا، پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدین کے سات فرقے تھے۔ (۱) عینہ بن حصن کی قوم فزارہ (۲) قرہ بن قشیری کی قوم غطفان (۳) فجاءة بن عبد یلیل کی قوم بنو سلیم (۴) مالک بن نویرہ کی قوم بنو یربوع (۵) سجاح بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مسلمانوں سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔ (۶) اشعث بن قیس کی قوم کندہ (۷) حطیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل، یہ بحرین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا، یہ غسان کی قوم کاجبلہ بن اسد تھا، اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنا دیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کر روم کے شہروں کی طرف نکل گیا، جبلہ کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا، اس نے اس کے تھپڑ مارا، اس شخص نے حضرت عمر سے شکایت کی، حضرت عمر نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا، اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی پیشکش کی، مگر وہ شخص نہ مانا۔ جبلہ نے مہلت طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔

(۱) الکشاف، ج ۱، ص ۶۳۶-۶۳۳، مطبوعہ نثر البلاغ، ایران، ۱۳۱۳ھ)

اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی (المائدہ: ۵۴)

اس آیت کے مصداق کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکر اور ان کے اصحاب ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کے وصال کے بعد اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل بحرین کے سوا عام عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا خدا کی قسم جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے، اگر اس میں سے یہ ایک سی بھی نہ دیں تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ پھر حضرت ابو بکر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے قتال کیا، حتیٰ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۳۸۳-۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۸۳، المستدرک، ج ۲، ص ۳۱۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ان کے پاس ایک پیغام بھیجا، وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے، ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش میں اس قوم سے ہوتا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۸۲، مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ اور امام رازی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل

روافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا، وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لانا جو ان سب سے جہاد کرتی اور ان کو حضرت علی کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی، جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روافض اور شیعہ کا مزعوم فاسد ہے۔

ثانیاً: ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے جنگ کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اولاً: اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ثانیاً: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابو بکر تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت موجود تھے، لیکن بہ حیثیت سربراہ موجود نہیں تھے اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے، اور اس آیت کے مصداق حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا، وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کے خلاف انہوں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلامیہ سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے جو حضرت علی کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے، کیونکہ انہوں نے اس وقت میں حضرت علی کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علی ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علی نے ان سے جنگ نہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے، کیونکہ انہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی اس قوم میں سے ہیں، کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں، اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی، اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی، تب بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی، وہ بہت اعلیٰ اور افضل تھی اور اسلام میں بہت دور رس نتائج کی حامل تھی، کیونکہ حضرت ابو بکر کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علی کی جنگ اپنی خلافت کی بقا کے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تو اتر سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد اعراب مرتد ہو گئے، تو نبوت کے مدعیوں اور زکوٰۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا، اور حضرت ابو بکر کی جدوجہد کے نتیجے میں اسلام کو استقامت ملی، اور شرق و غرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام مہتمول دنیا کے حکمران مغلوب ہونے لگے، اور اسلام کے علاوہ باقی ادیان اور ملل کے چراغ بجھنے

لگے اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے جگمگانے لگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں، وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئیں۔ اس کے برعکس حضرت علی کی جو جنگیں ہوئیں، ان کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بقول شیعہ ان کو بالفرض مرتدان بھی لیا جائے، تب بھی حضرت ابو بکر کی جنگیں ان سے بہر حال افضل اور اعلیٰ تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابو بکر کی امامت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ کے محب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محب اور محبوب ہو، وہی خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابو بکر ہیں الحدیث یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۱۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۳۰، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۱۳۸-۱۳۷، المستدرک، ج ۳، ص ۳۲۳۔ یہ حدیث صحیحین کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند العیاضی، رقم الحدیث: ۲۰۹۶، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۲۹۰۳، فضائل الصحابہ للنسائی، رقم ۱۸۲، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۶، ص ۲۱۰، طلیح الاولیاء، ج ۳، ص ۱۳۲)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مومنوں پر بہت نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور آپ کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے کافر سرداروں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف جو پہنچی، وہ یہ تھی کہ ایک دن نبی ﷺ حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلابت سختی سے گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی ﷺ سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ (عاف: ۲۸) صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۵۶) اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلال، حضرت عامر بن نفیرہ، حضرت زبیرہ، حضرت نمدیہ اور ان کی بیٹی، بنو مول کی باندی اور ام عبیس۔ (الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۳) اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بہت جرات اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جس نے سب سے

طبیان القرآن

جلد سوم

پہلے جہاد کیا، وہ حضرت ابو بکر تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے اس وقت جہاد کیا، جب ملک کے اندر مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب نے مخالفت کی تھی، لیکن حضرت ابو بکر نے کہا شام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے (المائدہ: ٥٤)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے حال کے مناسب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ صلح حدیبیہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ نادار مہاجر تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابو بکر ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے، لیکن انہوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما پر تہمت لگانے والوں کی موافقت کی، جس سے حضرت ابو بکر کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی برائت بیان کر دی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ صلح کی مالی امداد نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور: ٢٢)

اور تم میں سے صاحب فضل اور صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے کہا بے شک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں صلح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا، اس کو کبھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہما امیہ بن خلف کے غلام تھے، وہ حضرت بلال کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذا نہیں پہنچاتا تھا، ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف کو اس ظلم و ستم سے منع کیا، اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلال کو خرید اور آزاد کر دیا، اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلال کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا ضرور بلال کا ابو بکر پر کوئی احسان ہوگا۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے اتنی بھاری قیمت پر بلال کو خریدا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں حضرت ابو بکر کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَىٰ ۖ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۖ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۖ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ (الليل: ١٤-٢١)

اور جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا، جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور عنقریب راضی ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اے مشرک! بلال کے احسان کی بات کرتے ہو، ابو بکر پر اس کائنات میں کسی کا کوئی

دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے، اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے اور اللہ عنقریب اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام اپنے فضل سے عطا کیا ہے، اسی طرح نبی ﷺ نے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو انعامات سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تروتازگی میں جو وہ چاہے، اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے، اسے دینے کا اختیار دیا، اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے اور کہنے لگے، ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں ان پر تعجب ہوا، اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تروتازگی لے یا اللہ کے پاس آجائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہو جائیں، اور دراصل یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا، اور اس بات کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابو بکر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابو بکر ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا، لیکن ان کے ساتھ اسلام کی خلعت (دستی) ہے، مسجد (نبوی) میں ابو بکر کی کھڑکی کے سوا اور کوئی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۰۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۷۹، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۶۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا، ماسوا ابو بکر کے، کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے مال نے مجھے ہرگز وہ نفع نہیں پہنچایا، جو ابو بکر کے مال نے نفع پہنچایا اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا اور سنو! تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۳)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک نوع کی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اس کو جنت میں بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے سو جو نمازی ہوگا، اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو مجاہد ہوگا، اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہوگا، اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہوگا، اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، کیا کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔

(صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۶۶، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۸۵، سنن نسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس

تبیان القرآن

جلد سوم

کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر مالا خانہ والے یہ کہیں گے 'مرحبا' 'مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہوگا! آپ نے فرمایا ہاں! اے ابو بکر وہ شخص تم ہو گے۔

(صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۶۷، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۶، المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۵، حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، سو احمد بن ابی بکر سالی کے 'اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۳۶) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہم نے شرح مسلم، جلد سادس (۶) میں بہت تفصیل سے دلائل بیان کیے ہیں، اہل علم اور ارباب ذوق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بعض علماء نے موضوع اور بے اصل احادیث کو بھی درج کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ احادیث ذکر کی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا ہے، وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

جو جاہل خود کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں، انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیثیں وضع کر لی ہیں، اللہ قیامت کے دن لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور حدیث جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے، وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا اور حدیث "رسول اللہ ﷺ کو جب جنت کا شوق ہوتا تو وہ ابو بکر کے سفید بالوں کو بوسہ دیتے اور حدیث "میں اور ابو بکر گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہیں" (یہ ضرب المثل ہے، اس کا معنی ہے دونوں مساوی ہیں) اور حدیث "جب اللہ نے روحوں کو پسند کیا تو ابو بکر کی روح کو پسند کیا"

(موضوعات کبیر، ص ۱۰۶، مطبوعہ مطبع مجتہائی، دہلی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ وہ احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ مجد الدین شیرازی نے سفر السعادتہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان احادیث کا باطل ہونا بدہمت عقل سے معلوم ہے۔ (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احادیث سے حضرت ابو بکر کی تمام مخلوق پر فضیلت لازم آتی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور حضرت ابو بکر کی سید المرسلین ﷺ سے مساوات لازم آتی ہے۔ اگرچہ ان حدیثوں کی تاویل ممتنع نہیں ہے اور حدیث اللہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اس کو "تنزیہ الشریعہ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خطیب اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کا ضعف میں ذکر کیا ہے، ذہبی نے اس کو موضوع کہا ہے اور بعض نے اس کو حسن کہا ہے، حاکم نے اس کو مستدرک میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات، ج ۳، ص ۶۳۳، مطبوعہ تاج کمار، لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۵۵)

آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بنو عوف سے تھے اور انہوں نے بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عبادہ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں تو ان کے متعلق سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ اور آیت ۵۵ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ الایہ

(السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۵۶-۵۵، جامع البیان، جز ۶، ص ۳۸۹-۳۸۸)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ اقر بظلمہ اور نصیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بنانے پر راضی ہو گئے۔

(اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نیز امام واحدی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے جو اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور بات کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاپچکے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست برخواست شادی بیاہ اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھالیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہو گا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسلمان قیام اور رکوع میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے اس نے کہا ہاں اسونے کی ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے تم کو یہ کس حال میں دی ہے؟ اس نے کہا انہوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(المائدہ ۵۶، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۲، جامع البیان، جز ۶، ص ۳۹)

امام طبرانی نے سائل کو حضرت علی کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۲۸)

حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل

شیخ طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور

امامت کے مستحق تھے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور مذکور الصدر شان نزول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس آیت کے مصداق ہیں، کیونکہ آپ ہی نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولیٰ اور احق ہے۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء شیعہ کی دلیل کا جواب

شیخ طوسی کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱- ولی کا معنی اولیٰ اور احق نہیں ہے، بلکہ ولی کا معنی محب اور ناصر ہے۔

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

ولی جب اسم ہو تو اس کا معنی محب، صدیق (دوست) اور نصیر ہے اور مصدر ہو تو اس کا معنی امارۃ اور سلطان ہے۔

(القاموس المحیط، ج ۴، ص ۵۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۲ھ)

۲- اس آیت میں ولی محب، دوست اور مددگار ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اے ایمان والو!

یہود اور نصاریٰ کو اولیاء نہ بناؤ یعنی ان کو دوست نہ بناؤ۔ سو اس آیت میں فرمایا تمہارا ولی یعنی دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں۔

۳- اگر اس آیت میں ولی کا معنی اولیٰ بالامامت ہو اور مومنین سے مراد حضرت علی ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ جس وقت یہ

آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں کی امامت کے زیادہ لائق حضرت علی ہوں، حالانکہ اس وقت تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں موجود اور تشریف فرما تھے اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت اور حکومت کے زیادہ لائق اور حقدار ہونا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۴- اگر یہ آیت حضرت علی کی امامت کے حقدار ہونے پر دلالت کرتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرور کسی نہ کسی محفل میں اس

آیت سے استدلال کرتے، حالانکہ آپ نے کبھی بھی اس آیت سے اپنی امامت پر استدلال نہیں کیا۔ آپ نے شوریٰ کے دن حدیث غدیر اور آیت مباہلہ سے اپنے فضائل پر استدلال کیا، لیکن اس آیت کو آپ نے کبھی پیش نہیں کیا۔

۵- شیخ طوسی اور دیگر علماء شیعہ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد حضرت علی ہوں۔ ہر چند کہ

تعلیمات جمع کا واحد پر اطلاق جائز ہے، لیکن یہ مجاز ہے، اور بلا ضرورت شرعی کسی آیت کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

۶- نیز یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں سائل کی طرف متوجہ ہوں اور حالت رکوع

میں سونے کی انگوٹھی سائل کو دینے کی نیت سے گرائیں اور نماز میں نماز کے علاوہ کوئی اور عمل کریں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

جس طرح انہماک اور استغراق اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، یہ کہانی اس کے سراسر خلاف ہے۔

۷- عمد رسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست تھے، بعض اوقات آپ اپنے حصہ کی روٹی سائل کو دے کر خود

بھوکے رات گزارتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ فرض کرنا کہ وہ صاحب زکوٰۃ تھے اور ان کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ

بہت بعید معلوم ہوتا ہے، بلکہ اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

٨- نبی ﷺ نے مردوں پر سونا حرام کر دیا تھا اور سورہ مائدہ احکام سے متعلق آخری سورت ہے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پہننا بھی اس روایت کے غیر معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت میں راكعون اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، اس کا معنی ہے جھکنے والے، یعنی ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی

غالب ہے۔ (المائدہ: ٥٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام بندوں کو خبر دی ہے جو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی رضا جوئی کے لیے یہود کی دوستی اور ان کے حلف سے بیزار ہو گئے تھے اور ان کو بھی خبر دی ہے جنہوں نے یہود کی دوستی اور ان کے حلف کو برقرار رکھا اور گردش ایام کے خوف سے ان کی دوستی کی طرف دوڑے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے تو ان ہی کو غلبہ ہوگا، کیونکہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور مالک کار اللہ کی جماعت ہی کو غلبہ ہوگا، نہ کہ شیطان کی جماعت کو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے

وَأَعْبَاءَ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ

تمہارے دین کو منہی اور کھیل بنا رکھا ہے، دوست نہ بناؤ، اور

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ

اللہ سے ڈرتے رہو، اگر تم مومن ہو ○ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو

اتَّخَذُوا هَاهُنَا حُزُؤًا وَوَالْعِبَاءَ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنِّي إِلَّا أَنْ أَمَّنَّ اللَّهُ وَ

آپ کیسے کہے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور

مَا نُزِّلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾

اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ ط مَنْ

آپ کیسے کہہ میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے، جن پر اللہ

لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَادَةَ وَالْخَنَازِيرَ

نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا

وَعِبَدَ الطَّاغُوتِ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ

اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹے ہوئے

السَّبِيلِ ۞ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ خَلَوْنَا بِالْكُفْرِ

ہیں ۞ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۞ ۶۱

ہوئے تھے اور کفر ہی کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے تھے ۞

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ: ۵۷)

مناسبت اور شان نزول
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اسی سیاق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اور اس میں مزید یہ فرمایا ہے کہ کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔
امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

رفاعہ بن زید بن التبوٹ اور سوید بن الحارث دونوں نے اسلام ظاہر کیا اور دراصل یہ دونوں منافق تھے اور بت سے مسلمان ان سے محبت رکھتے تھے تو اللہ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ الایہ

(السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۱، جامع البیان، جز ۶، ص ۳۹۱، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۲)

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں، ہر چند کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور بت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان سجدہ کرتے تو یہود اور مشرکین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جب مسلمان اذان دیتے تو وہ کہتے یہ اس طرح چلا رہے ہیں جیسے قافلے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے

سے مسلمانوں کو منع فرمادیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے، جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا، جس کی جرأت اور بہادری کا بہت چرچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی اتباع کروں اور مال غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ، میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا، وہ چلا گیا، حتیٰ کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پیشکش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، وہ چلا گیا، پھر مقام بیداء پر ملا، اور اس نے پھر پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے کہا ہاں اتب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چلو۔

(صحیح مسلم، الجہاد، ۱۵۰، (۱۸۱۷) ۳۶۱۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۳۲، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۹۶، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۲۱۲، طبع دار الفکر، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۷، رقم الحدیث: ۲۳۲۶۷، طبع دار الحدیث، قاہرہ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے، اگر مسلمانوں کے متعلق کافر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے، ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے، اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ معاوضہ دے دیا جائے اور اس کا حصہ نہ نکالا جائے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے متعلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

کفار نے جب اذان کو سنا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے حسد کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے، جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلی امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے، اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا، جس طرح قافلے والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنا لیا ہے، یہ کس قدر بری آواز ہے اتب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
اور اس سے اچھی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی
طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں
(حم السجدہ: ٣٣) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

(اسباب نزول القرآن، ص ٢٠٣، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے ہم اذان کی ابتداء، اذان کے کلمات، اذان اور اقامت کے کلمات، اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

مکہ میں اذان مشروع نہیں ہوئی تھی، اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے ”الصلوة جامعة“۔ جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا، تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا، اور نماز جنازہ، نماز عید اور نماز کوف وغیرہ کے لیے ”الصلوة جامعة“ سے نداء کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی ﷺ نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا، اور امام غزالی نے وسط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ جیلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا، لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبد اللہ بن زید کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ (فتح الباری، ج ٢، ص ٤٨، مطبوعہ لاہور، ١٣٠١ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی وحی کی گئی اور جب آپ واپس آئے تو جبرائیل نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔

(المعجم الاوسط، ج ١٠، رقم الحدیث: ٩٢٣٣، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی طلحہ بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ٢٩٢ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا، تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو براق کہتے تھے، جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا۔ جبرائیل نے کہا پرسکون رہو، بخدا (سیدنا) محمد ﷺ سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے، حتیٰ کہ آپ رحمان تبارک و تعالیٰ کے حجاب تک پہنچے، اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں، لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں، میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ پھر فرشتہ نے کہا ”اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا لا الہ الا

اللہ تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی، میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (الحديث)

(كشف الاستار عن زوائد البرزخ، ج ۱، ص ۱۷۸، حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن المنذر ہے، اس کے ضعیف

ہونے پر اتفاق ہے، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۲۹)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بھستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عمیر بن انس اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے، جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی، پھر آپ کو بوق (بگل، نرسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یهود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا ٹکڑا جو لکڑی سے بجایا جاتا ہے، گھڑیاں) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا: یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما وہاں سے اٹھ کر گئے، وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی، وہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا، میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا، لیکن انہوں نے بیس دن تک اس خواب کو مخفی رکھا، پھر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھے حیا آئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم کھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں، وہ پڑھو، پھر حضرت بلال نے اذان دی، ابو عمیر یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید بیمار نہ ہوتے تو وہ اذان کہتے۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو ندا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بناؤ۔ بعض نے کہا یهود کے بگل کی طرح بگل بناؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے بلال! تم کھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔"

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۰۳، صحیح مسلم، اذان، ۱، (۳۷۷)، ۸۱۳، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۰، سنن نسائی، ج ۲، رقم

الحدیث: ۶۲۵، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۶۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

کلمات اذان میں مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ان میں ترجیح نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیح ہے، یعنی دو مرتبہ شہادتین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شہادتین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔

(المنی، ج ۱، ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج ۱، ص ۷۶، مطبوعہ دار الفکر)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے، ان میں ترجیح نہیں تھی۔ انہوں نے یہی کلمات حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بتائے اور انہوں نے ان ہی

کلمات کے ساتھ اذان دی۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بختانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دیا، تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے، میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم ناقوس فروخت کرو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہا کرو ”اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہدان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ“ حتی علی الصلوة حتی علی الصلوة حتی علی الفلاح حتی علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات بتلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان شاء اللہ برحق خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو کلمات سنے ہیں، وہ ان کو بتاؤ، تاکہ وہ اذان دیں، کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فليلہ الحمد۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۸۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۰۶، مصنف عبد الرزاق، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۲۳۱، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۶۳۲۹، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۴، ص ۴۳، طبع قدیم، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۱، سنن کبریٰ للسیہتی، ج ۱، ص ۳۹۱-۳۹۰، السیرة النبویہ لابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۳-۱۲۲، طبع دار احیاء التراث العربی، سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۷۹، مطبوعہ موت الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو محذورہ کی روایت کا محمل

حضرت ابو محذورہ کی روایت میں جو ترجیح کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے تھے۔ نبی ﷺ نے حنین سے واپسی پر انہیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انہوں نے اذان پڑھی اور اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا، تو انہوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے، تو شہادتین کو پہلے دوبار آہستہ اور پھر دوبار زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے، نبی ﷺ نے اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔ اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستے میں تھے، جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے موزن نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے نماز کے لیے اذان دی، ہم نے اذان

(راوی ثقہ ہیں)

نیز حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات کی تعلیم دی، انہوں نے اقامت کے کلمات اس طرح بیان کیے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان محمد رسول اللہ، اشھدان محمد رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔

(صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۸۱، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۰۲، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۲، مسند احمد، ج ۳، ص ۴۰۹، ج ۶، ص ۴۰۱، طبع قدیم، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۲۹، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۷، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۹۶-۱۱۹۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۹۳)

اس حدیث میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے موقف کی واضح دلیل ہے۔

اذان کا جواب

امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب موزن کے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ اور تم میں سے کوئی کہے ”اللہ اکبر“ پھر وہ کہے ”اشھدان لا الہ الا اللہ“ تو یہ کہے ”اشھدان لا الہ الا اللہ“ پھر وہ کہے ”اشھدان محمد رسول اللہ“ تو یہ کہے ”اشھدان محمد رسول اللہ“ پھر وہ کہے ”حی علی الصلوٰۃ“ تو یہ کہے ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ“ پھر وہ کہے ”حی علی الفلاح“ تو یہ کہے ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ“ پھر وہ کہے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ تو یہ کہے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ پھر وہ کہے ”لا الہ الا اللہ“ تو یہ کہے ”لا الہ الا اللہ“ تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، صحیح مسلم، اذان، ۱۲، (۳۸۵)، ۸۲۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۵۲۷، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۷۳، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحدیث: ۶۷۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۴۰۸-۴۰۹)

دعا بعد الاذان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی:

اللہم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقام محمود الذي وعده -

اے اللہ اس کامل نداء اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب اے سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں بلند مقام اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

تو اس شخص پر میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۱۳، صحیح مسلم، اذان، ۱۱، (۳۸۳)، ۸۲۶، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۱، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم

الحديث: ۵۲۹، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۶۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۷۲۲، مسند احمد، ج ۵، رقم الحديث: ۱۳۸۲۳، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۵۳، طبع قدیم، عمل اليوم والليله للنسائی، رقم الحديث: ۳۶، عمل اليوم والليله لابن السنی، رقم الحديث: ۹۲، طبع کراچی، المعجم الصغير للطبرانی، ج ۱، ص ۲۳۰، طبع المذینة المنوره، مصنف عبدالرزاق، ج ۱، رقم الحديث: ۱۹۱۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۱۰، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحديث: ۱۶۸۹، شرح السنه للبیہقی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۱، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۲۰

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے اے اللہ! اس نداء کمال اور اس کے بعد قائم ہونے والی نماز کے رب، اپنے بندہ اور اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔ (رسول اللہ ﷺ کا یہ دعا فرمانا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحديث: ۳۶۷۵، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اللہ ھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد اعبده ورسولہ" اے اللہ! آپ پر صلوة نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے، اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے سو جو شخص یہ دعا کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحديث: ۱۲۵۵۳، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۳، الجامع الکبیر، ج ۷، رقم الحديث: ۲۲۱۱۸، عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۱۲۳)

اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی معصوم بیان کرتے ہیں کہ ان سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو، پس جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے اذان دیا کرو، اور بہ آواز بلند اذان کہنا، کیونکہ موزن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے، اور جو چیز بھی سنتی ہے، وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۶۰۹، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۶۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۷۲۳، موطا امام مالک، رقم الحديث: ۱۵۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۵-۳۳، مسند حمیدی، ج ۱، رقم الحديث: ۷۳، مصنف عبدالرزاق، ج ۱، رقم الحديث: ۱۸۶۵، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۸۹، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۹۷-۳۲۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو روحاء (ایک مقام) پر بھاگ جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ روحاء کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا وہ مدینہ سے چھتیس میل ہے۔

(صحیح مسلم، صلاۃ، ۱۵، (۳۸۸) ۸۳۱، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۹۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۱۶، شرح السنه، ج ۲، رقم الحديث: ۳۱۵، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحديث: ۱۶۶۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جب نماز کی ندا سنتا ہے تو زور سے پاؤں لگاتا ہے، تاکہ

ثبیان القرآن

جلد سوم

اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب موزن خاموش ہو جاتا ہے تو پھر واپس آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔

(صحیح مسلم، صلوٰۃ، ١٦، (٣٨٩) ٨٣٢، صحیح ابن حبان، ج ٢، رقم الحدیث: ١٦٦٣، مسند احمد، ج ٢، ص ٣١٣، طبع قدیم، صحیح ابن خزیمہ، ج ١، رقم الحدیث: ٣٩٢، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ١، ص ٢٣٢، شرح السنہ، ج ٢، رقم الحدیث: ٣١٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کہ اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ٥٩)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے دین اسلام کو ہنسی مذاق بنا لیا ہے اور اب اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو عزت اور احترام سے جو قبول نہیں کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جس میں ابو یاسر بن اخطب، نافع بن ابی نافع، عازر بن ابی عازر وغیرہم تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہتے اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ، ج ٢، ص ١٨٠، جامع البیان، ج ٦، ص ٣٩٢، اسباب نزول القرآن، ص ٢٠٣)

یہود کا بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا قطعاً باطل ہے، کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فساق ہیں، یہاں اکثر کو فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہذا تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو، فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے، جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی جھوٹے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا وہم کرتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا عطف اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہو گا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فاسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرتا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (المائدہ: ٦٠)

یہود کو علم تھا کہ ان کے اسلاف میں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان پر اللہ نے لعنت کی۔ یہود میں سے جنہوں نے ممانعت کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی ان کو بندر بنا دیا گیا اور جن عیسائیوں نے ماندہ (دسترخوان) کے معاملہ میں نافرمانی کی تھی ان کو خنزیر بنا دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن جن یہودیوں نے نافرمانی کی تھی ان میں سے جو انوں کو بندر بنا دیا گیا اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔ موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں اور خنزیروں کے متعلق سوال کیا گیا کیا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم، قدر ٣٢-٣٣، ٦٦٣٦ (٢٦٦٣) ٣٣-٣٤، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ٣، رقم الحدیث: ٣٤٠٠، مسند احمد، ج ١، ص ٣٩٠، طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر (ہی) کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے تھے۔ (المائدہ: ٦١)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو نبی اور کھیل بنا لیا تھا اور وہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقویٰ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ٣٢٠ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی ﷺ کے پاس آکر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اور اسی کفرانہ عقیدہ پر نبی ﷺ کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ (جامع البیان، ج ٦، ص ٣٠٠، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ١٣١٥ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا، وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آئے تھے اسی حال میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مکرو فریب کرنے کی بہت کوشش اور جدوجہد کریں، کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور عداوت رکھتے تھے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْبَرُ

آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے

السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ

ہیں، یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں ○ ان کے راہب اور پادری انہیں

وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ الْإِثْمَ وَأَكْبَرُ السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کمانے سے کیوں نہیں روکتے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت

يَصْنَعُونَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ عَلَتْ أَيْدِيَهُمْ

بڑے کام ہیں ○ اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

وَلَعِنُوا إِيَّاهُ قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ

اور ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے،

وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

اور آپ پر جو کھام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور

وَكُفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

سرکشی کو زیادہ کرے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے،

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ

وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تلک دو

فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ

کر رہے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور

آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ

اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں مزور داخل

التَّعِيمِ ٦٥) وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا نُزِّلَ

کرتے ○ اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف

إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَرْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ٦٦) وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ٦٦

اُلتبتا، ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو بے کام کر رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ٦٦)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہودی ہر قسم کے گناہ بے دھڑک کرتے ہیں اور وہ کسی قسم کے گناہ میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ گناہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اثم سے مراد کفر ہے، اور عدوان کے معنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھنا ہے۔

قائدہ نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہودی حکام مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے اور حلال و حرام میں اس کی حدود سے تجاوز کرنے اور رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرنے میں بہت تیزی سے رواں دواں ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، وہ سراسر باطل کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے! یہ جو کچھ کر رہے ہیں، یہ بہت برے کام ہیں۔ (المائدہ: ٦٦)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور تورات میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اس سے بھی تورات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے، کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے، اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے، اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بھری نے کہا ہے کہ ربانیوں سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں، اور اجبار سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد یہودی ہیں، کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک لفظ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے لفظ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علماء کی تنبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ نحاک نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا

ہے، وہ یہی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے، اس کو اور برے کام کرنے والے شخص، دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرمادیا ہے۔ (زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۹۱)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک پل بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو، کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی تضعیف کی گئی ہے۔ لیکن ابن المبارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۷۰، المعجم الاوسط، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۶۵، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو، اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی (المائدہ: ۱۰۵) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۷۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۵، مسند

احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۳۰، طبع دار الفکر بیروت و دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۵، طبع قدیم، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۴، سنن کبریٰ للسیحقی، ج ۱۰، ص ۹۱)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا، ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا، پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی، یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۷۶، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۷۸، (۳۹) ۱۷۵، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۴۰، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۷۹، سنن نسائی، رقم

الحدیث: ۵۰۲۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۵-۳۰۱۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۵۲-۱۰، طبع قدیم، سنن کبریٰ للسیحقی، ج ۱۰، ص ۹۰)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں ممانعت، یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے نام اوپر کی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام نچلی منزل کا، نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے۔ پھر انہوں نے کہا: اگر ہم کشتی کے پینڈے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے

چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نخلی منزل والے بھی۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۹۳، ۲۶۸۶، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۰، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۹۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۹، طبع دار الفکر، ج ۳، ص ۲۴۳، ۲۴۰، ۲۶۸، طبع قدیم، سنن کبریٰ للسیحی، ج ۱۰، ص ۲۸۸، ۹۱)

حضرت جریر بنی شمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں، اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۰۹، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۶، ۳۶۳، قدیم، المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۳، ۲۳۸۲)

ایک روایت میں ہے جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مدامت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے، تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔

(المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۵، ۲۳۸۱، ۲۳۸۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۳، ۳۶۱، طبع قدیم، سنن کبریٰ للسیحی، ج ۱۰، ص ۹۱) حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۱، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۱۱، مسند البرز، رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۷۲)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص! اللہ سے ڈر، اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا، تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے، وہ بہت برا کام تھا (المائدہ: ۷۹-۷۸) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں! بخدا! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا، ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا، پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، ۳۳۳۷، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۸، ۳۰۵۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۰۶، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۹۱، طبع قدیم، امام احمد کی سند میں انقطاع ہے، اس لیے یہ سند ضعیف ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۱۳، طبع دار الحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۳، حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ (الآیہ)

(المائدہ: ۶۴)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں، حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال حاصل کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا، کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا، اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا، ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک، بلند اور برتر ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا۔ اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

(المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۴۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہر چند کہ کسی ایک یہودی نے یہ خبیث قول کہا تھا، لیکن چونکہ باقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برائت کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا، اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت فقہاس یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیاوی مال نہیں ہے اور اکثر مسلمان فقیر اور فاقہ میں مبتلا ہیں، اور انہوں نے یہ آیت سنی:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(الحديد: ۱۱)

تو انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کا خدا فقیر ہے اور بسا اوقات کہا بخیل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا یہی معنی ہے، کیونکہ جو شخص خرچ نہ کرے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔

(الاسراء: ۲۹)

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افتراء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرر فرمائی ہے، یعنی ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غل کا معنی طوق بھی ہے، سو اس کا یہ

معنی ہے کہ دنیا میں ان پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت میں ان پر جہنم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔
يد الله (الله کا ہاتھ) کا معنی

انگلیوں سے لے کر پنچے تک کے عضو کو يد کہتے ہیں، بلکہ کندھے تک کے عضو کو بھی يد (ہاتھ) کہا جاتا ہے اور مجازاً اید کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کا مجھ پر ہاتھ ہے، یعنی اس کا احسان اور نعمت ہے اور عطا کرنے اور خرچ کرنے پر بھی يد کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ بہت کشادہ ہے اور يد کا اطلاق قدرت پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اولی الایدی والابصار (ص: ۴۵) وہ قدرت والے اور بصیرت والے ہیں۔ انہوں نے جو کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ نے ان پر عطا کرنے اور خرچ کرنے کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں اور ان کو رزق نہیں دیا۔ ان کا یہ قول بخل سے کنایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، یعنی وہ نیکی اور کار خیر سے روکے ہوئے ہیں اور وہ کائنات میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتا ہے، وہ بہت جواد اور فیاض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کا ذکر فرمایا، کیونکہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا بہت زیادہ سخاوت پر دلالت کرتا ہے، تمام چیزوں کے خزانے اور ہر قسم کی نعمتیں اس کے پاس ہیں اور وہ اپنی تمام مخلوق کو عطا فرما رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِنَّكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعْدُوا
 نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ
 كَفَّارٌ (ابراہیم: ۳۴)

اور اس نے تم کو تمہاری ہر سوال کی ہوئی چیز عطا فرمائی اور
 اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کر دو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے، بے شک
 انسان بڑا ظالم ناشکر ہے۔

وَاسْبَغْ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً
 (القمان: ۲۰) دیں۔

اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے خرچ کرو، میں تم پر خرچ
 کروں گا اور فرمایا اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں، رات اور دن میں ہمیشہ خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں
 ہوتی اور فرمایا یہ بتاؤ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ خرچ کر رہا ہے اور اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی
 نہیں ہوتی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے، جس کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا
 یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸۳، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۳، (۹۹۳) ۲۲، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۶، سنن ابن ماجہ،
 ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۷، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۲۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۰۰، ص ۳۱۳-۳۱۲، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۳، رقم
 الحدیث: ۱۰۵۰۵، ط دار الفکر، الاسماء والصفات للسیحقی، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جو رزق کم عطا کیا ہے یا ان پر تنگی کی ہے تو وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اور وہ سب کا
 مالک علی الاطلاق ہے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَّوْا فِي
 الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو
 وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن وہ اندازے کے مطابق

خَبِيرٌ بِصِيرٍ (الشوری: ۲۷)

جتنا چاہتا ہے، رزق اتار تا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے
خوب واقف ہے اور انہیں بہت دیکھنے والا ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: ۲۶) کے لیے چاہتا ہے (تنگ کر دیتا ہے۔
اللہ جس کے لیے چاہتا ہے، رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس

قرآن مجید کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، چہرے اور پنڈلی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، فرقہ مجسمہ ان آیات سے اللہ
تعالیٰ کے لیے جسمیت ثابت کرتا تھا۔ اس فرقہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ جسم اپنے ترکب میں اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا
ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم متناہی ہوتا ہے اور ہر متناہی حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم یا
متحرک ہو گا یا ساکن ہو گا اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جسم ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے جوید وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے،
اس میں اہل اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں جن امور کا ذکر ہے، مثلاً استواء، ید، وجہ (چہرہ) عین (آنکھ) وغیرہ ان میں حق یہ ہے کہ یہ مجازات اور تمثیلات
ہیں۔ یعنی جن امور کا ظاہر شرع میں ذکر ہے اور ان کو حقیقی معانی پر محمول کرنا محال ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ: ۵) الرحمن نے عرش پر استواء فرمایا۔

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

تَجِبْ اس كُو سَجْدَ كَرْنِ سَ كَس نَ رُو كَا جَس كُو مِ س نَ
مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي

اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ (ص: ۷۵)

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمن: ۲۷) اور باقی ہے آپ کے رب کا چہرہ۔

تَا كَ مِ رِي اَن كَ كَ سَا مَنِي اَ ب كِي پُرُ و رَش كِي جَا ئِي۔ (طہ: ۳۹)

شیخ ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی صفت زائدہ ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ تمام اطلاق مجازی
ہیں۔ استواء سے مراد غلبہ ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تمثیل اور تصویر ہے اور ید سے مراد قدرت ہے اور وجہ
(چہرہ) سے مراد ذات اور وجود ہے اور عین (آنکھ) سے مراد بصر ہے اور شیخ اشعری کا ایک قول بھی جمہور کے موافق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنی ہیں، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خصوصیت
سے کیوں فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر
کرنے کے لیے خصوصیت سے فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، جس طرح بیت اللہ میں بیت کی اضافت بھی تشریف
اور تکریم کے لیے ہے یا وہاں پر کمال قدرت کا اظہار مراد ہے۔ نیز علماء بیان نے یہ بھی کہا ہے کہ استواء سے مجازاً غلبہ اور ید اور
عین سے مجازاً قدرت اور عین سے مجازاً بصر مراد لینا اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم اور تشبیہ کے وہم کی نفی کرنے کے لیے ہے، ورنہ
ان الفاظ سے وہ معانی عقیدہ مراد ہیں جو ان کے مقابلہ میں صور حسیہ میں ہوتے ہیں۔

(شرح المقاصد، ج ۵، ص ۱۷۵-۱۷۳، مطبوعہ منشورات الرضی، ایران، ۱۳۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابوالحسن اشعری کا ایک قول یہ ہے کہ ان امور کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس لیے ان سے مراد اللہ کی صفات زائدہ ہیں اور ہمیں ان کی کسبہ معلوم نہیں ہے اور دو سراقول یہ ہے کہ اطلاق مجازی ہیں۔ (شرح المواقف، ج ٨، ص ١١٠-١١١، ملخصاً، مطبوعہ منشورات الرضی، ایران)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں جو یہ کالفظ آیا ہے، اس کے متعلق جمہور مسلمین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفظ آیا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے، اور چونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے لیے جسم اور جسمانی اعضاء محال ہیں، سو ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کی حقیقت اور کسبہ ہم کو معلوم نہیں ہے، سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ دو سراقول متکلمین کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ کالفظ کئی معانی میں ہے۔ ایک معنی یہ عضو مخصوص ہے، یہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس کا دوسرا معنی ہے نعمت۔ تیسرا معنی ہے قوت، چوتھا معنی ہے ملک، جیسے قرآن مجید میں ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح جس کی ملک میں نکاح کی گرہ ہے۔ پانچواں معنی ہے خصوصی توبہ اور خصوصیت جیسے، لما خلقت بیدی (ص ٤٥) موخر الذکر چاروں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس بحث میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ ایک صفت ہے جو قدرت کے علاوہ ہے۔ اس کی شان سے کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیدا کرنا ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفظ استعمال ہو تو اس سے قدرت اور نعمت مراد ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ٣، ص ٣٢٨، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کر دے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے، وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بھادیتا ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تک و دو کر رہے ہیں، اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا (المائدہ: ٦٣)

اس آیت کا تعلق علماء یہود سے ہے، کیونکہ ان کا موقف غلط اور باطل تھا۔ اس لیے اس کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں، اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد علماء یہود اس کا انکار کر دیتے، تو یوں قرآن مجید کے نازل ہونے سے ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی ہوتی رہی۔

علماء یہود حسد اور بغض کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور چونکہ یہ دنیاوی مال و دولت اور منصب اور عہدوں کے درپے تھے، اس لیے یہود اور نصاریٰ میں سے ہر فرقہ شد و مد کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اور دوسرے فرقہ کا رد کرتا تھا، تاکہ دنیاوی کامیابی صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس لیے یہود اور نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھتے تھے یا پھر ان کے اپنے اندر بہت فرقے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے بغض رکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہود جب بھی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بھادیتا ہے۔ جب انہوں نے فساد پھیلایا اور تورات کی مخالفت کی، تو اللہ نے ان کے اوپر بخت نصر کو بھیج دیا، انہوں نے پھر فساد کیا، تو ان پر پطرس رومی کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو بھیج دیا۔

قائد نے کہا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ مجوس کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔ اس کے بعد فرمایا: یہ زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ زمین میں سب سے بڑا فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل کرتے۔ (المائدہ: ٦٥)

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول، یعنی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے اور گناہ کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے، یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے، رشوت لے کر حرام مال نہ کھاتے تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے، بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں داخل کر دیتے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا، اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق ابلتا۔ ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں، اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں (المائدہ: ٦٦)

گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر اہل کتاب اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور کفر اور سرکشی میں اللہ سے ڈرتے رہیں، تو وہ اخروی عذاب سے محفوظ رہیں گے، اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کو حاصل کریں گے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کو بھی جنت بنا دے گا۔ تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

- ١- وہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ان میں یہ عہد بھی ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل ہیں اور آپ کی جو علامات مذکور ہیں، ان کو ظاہر کریں گے۔
- ٢- تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کریں گے، اور اس میں مذکور حدود کو نافذ کریں گے۔
- ٣- اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ ظہور اسلام سے پہلے تورات اور انجیل کی شریعت کو قائم رکھتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہتے، لیکن انہوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا اور انجیل کا انکار کیا اس لیے ان پر معاشی تنگی اور رزق میں کمی اور دنیا میں رسوائی اور خواری مسلط کر دی گئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد باقی انبیاء پر نازل کیے ہوئے صحیفے ہیں، مثلاً حضرت۔ سعباء، حضرت جتوق، اور حضرت دانیال کے صحائف۔

نیز فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب پر اصرار کیا تو ان پر قحط اور تنگی مسلط کر دی گئی، حتیٰ کہ انہوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ کفر کو چھوڑ دیں تو ان کے حالات بدل جائیں گے اور ان کی تنگی خوش حالی سے اور قحط غلہ کی فراوانی سے بدل

جائے گا۔ اور یہ جو فرمایا: تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے، اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱- اس سے مراد غذائی اجناس کی پیداوار میں مبالغہ اور وسعت ہے

۲- اوپر سے کھانے سے مراد ہے بارشوں کا ہونا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے زمین کا غلہ اگانا

۳- اوپر سے کھانے سے مراد ہے درختوں کا پھلوں سے لد جانا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے کھیتوں کا سلیمان

۴- اوپر سے مراد درختوں سے پھل اتارنا اور نیچے سے مراد ہے زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو چننا

خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنے اور عبادات اور نیکیوں کے کرنے سے آسمان سے بھی رزق برستا

ہے اور زمین بھی سونا اگلتی ہے۔ اس کی تائید اور نظیر میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو
ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

(الاعراف: ۹۶)

اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں ضرور کثیر پانی
سے سیراب فرماتے۔

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِينَهُمْ
مَاءً غَدَقًا (الجن: ۱۶)

جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر
دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا جہاں اسکا گمان بھی نہ
ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۲۰۳)

اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا۔

لَإِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)

اس کے بعد فرمایا: ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو میانہ روی پر ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے سلیم
الفطرت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا، جیسے یہودیوں میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے نجاشی اور یا
کفار میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معتدل تھے اور انہوں نے جلد یا بدیر اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی مذمت
اس سے پہلی آیتوں میں کی گئی ہے، جو تورات اور انجیل میں تحریف کرتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ

اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر (بالفرض)

تَفَعَّلَ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۶۲﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

بیٹک اللہ کافروں کی تزم کو ہدایت نہیں دیتا ○ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب!

تبیان القرآن جلد سوم

لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا

تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو

أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلِيُزِيدَكُمْ كَثِيرًا مِنْهُمَا مِمَّا أَنْزَلَ

جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے بہت لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا أَفَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ

کرفے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس

الْكَافِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِغُونَ

نہ کریں ○ بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی اور صابین اور نصاریٰ جو بھی اللہ

وَالنَّصَارَى مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلْ صَالِحًا

اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہو گا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ بیشک ہم نے بنو اسرائیل

بَنِي إِسْرَائِيلَ وَآرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا قَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ

سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا حکم لے کر

بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذِبًا وَأَفْرِيقًا يَقْتُلُونَ ۚ

آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا ○

وَحَسِبُوا إِلَّا تَكُونُ فِتْنَةً فَعَبَوْا وَصَوَّأْتُمْ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی

ثُمَّ عَبَّوْا وَصَوَّأُوا كَثِيرًا مِنْهُمْ وَأَلَّفَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ۚ

تو بے قرول فرمایا، پھر بھی ان میں سے بہت لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ○

○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، حالانکہ مسیح نے

الْمَسِيحِ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ وَعِبَادُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ

کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بیشک جس نے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا لَهُ فِي النَّارِ

اللہ کے ساتھ شریک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٤٧﴾

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر سے محفوظ رکھے گا، بے شک

اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۶۷)

ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟

اس سے پہلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے خبیث عقائد اور ان کے باطل اقوال، دین میں ان کی تحریفات اور ان کی بد اعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اب آپ سے فرمایا ہے کہ آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ سب کو پہنچا دیجئے اور اس تبلیغ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں اور کافروں کی مخالفت کی مطلقاً پروا نہ کیجئے۔ اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا، اور اگر یہ فرض محال آپ نے ایسا نہ کیا اور کسی آیت کو بھی نہ پہنچایا تو آپ نے کار رسالت انجام نہیں دیا اور آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا معنی یہ ہو اگر آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو یہ کلام غیر مفید ہے۔ کیونکہ شرط اور جزاء میں تغائر ہوتا ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہے اگر آپ نے ایک آیت بھی نہیں پہنچائی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا تو یہ کلام مفید ہے۔ لیکن واقع کے خلاف ہے، کیونکہ ایک آیت کے نہ پہنچانے سے اس ایک آیت کے پہنچانے کی نفی ہونی چاہیے، باقی تمام آیات جو پہنچائی جا چکی ہیں، ان کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی یہی ہے کہ اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایک آیت کو بھی نہ پہنچانے سے باقی تمام آیات کا پہنچانا ضائع اور غیر معتبر ہو جائے گا، یا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی ایک آیت پر ایمان نہ لائے تو اس کا باقی تمام قرآن پر ایمان لانا ضائع ہو گیا، یا جیسے کوئی شخص نماز کا ایک رکن ادا نہ کرے اور باقی تمام ارکان ادا کرے تو اس کی نماز ضائع ہوگی، کیونکہ جب کسی ایک آیت کو چھپایا جائے

گا تو دعوت اسلام سے جو غرض اور مقصود ہے، وہ فوت ہو جائے گا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا
جس نے بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے کسی کو
(ناحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔

(المائدہ: ۳۲)

کیونکہ جس طرح ایک شخص کو ناحق قتل کرنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح سب لوگوں کو ناحق قتل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے، اور جو ایک شخص کے قتل ناحق پر جرأت کر سکتا ہے، اگر اس کے بس میں ہو تو وہ سب لوگوں کے قتل ناحق پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو بالفرض ایک آیت کے چھپانے پر جرأت کر سکتا ہے، وہ سب آیتوں کے چھپانے پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے کار رسالت بالکل انجام نہیں دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، اس آیت کا معنی ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل ہوا ہے، اگر (بالفرض) آپ نے اس میں سے ایک آیت بھی چھپالی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا

(جامع البیان، ج ۶، ص ۴۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی، اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المؤمنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (الکھور: ۲۳) اور فرمایا اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (النجم: ۱۳) حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں، میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں، جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے، آپ نے اس صورت پر جبرائیل کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، ان کی عظیم خلقت (بناوٹ اور جسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ قول نہیں سنا آنکھیں اللہ کا ادراک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہی باریکیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ۱۰۳) اور کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوریٰ: ۵۱) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ۶۷) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (از خود) خبر دیتے ہیں، تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (از خود) غیب کو نہیں جانتا سو اللہ کے۔ (النمل: ۶۵)

(صحیح مسلم، الایمان، ۲۸۷، (۱۷۷) ۳۳۲، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۸۵۵، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۹، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۳۱، طبع قدیم، جامع البیان، جز ۶، ص ۳۱۶)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ۶۷) تب رسول اللہ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ، بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۷، المستدرک، ج ۲، ص ۳۱۳)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔

(المعجم الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱۸، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۳۳، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ العونی ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۷۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے، اس میں انہوں نے دوپہر کے وقت قیام کیا، مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکادی۔ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا، ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا، اس شخص نے میری تلوار نکال لی، میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سوتی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ! وہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۱۳۵، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۳، ص ۲۲۷، البیہقی، ص ۶۱، سنن ابی نعیم، ج ۵، ص ۱۷۶)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۳۳ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غورث بن الحارث تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد ﷺ کو قتل نہ کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں تم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی، اس نے کہا اے محمد ﷺ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔ پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد ﷺ آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بہتر بدلہ لینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو جانے دیا وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں، پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

(انسان العیون، ج ۲، ص ۵۷۴، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے، فتح الباری، ج ۷، ص ۴۲۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ آپ نے فرمایا کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا، اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ کہا گیا، یا رسول اللہ! میں سعد ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ پھر نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراثوں کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۸۵، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۷۲۳۱، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۳۹، (۲۳۱۰) ۶۱۱۳، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۷۷، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۹۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۲، ص ۸۸-۸۹، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۳۱، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۱۳۷، طبع دار الفکر، مسند احمد (احمد شاہ) ج ۱۷، رقم الحدیث: ۲۳۹۷۳، فضائل الصحابہ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳، المستدرک، ج ۳، ص ۵۰، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر، ج ۴، ص ۲۰۰، کنز العمال، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۳۷)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

غیر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی حال میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم سعد اور حذیفہ ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں، پھر آپ سو گئے، حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراثوں کی آواز سنی اور یہ آیت نازل ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ، بے شک اللہ نے میری حفاظت کر لی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۱۸۰، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے جس طرح ان دونوں روایتوں کو ملا دیا ہے، مجھے اس طرح حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، جبکہ میں نے اس حدیث کا بہت تتبع کیا ہے، جیسا کہ مذکور الصدر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب

مشہور شیعہ عالم شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں، تو نبی ﷺ کو یہ خوف تھا کہ یہ معاملہ آپ کے اصحاب کی جماعت پر دشوار ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ اللہ کے حکم پر عمل کریں۔

(التبیان، ج ۳، ص ۵۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بہ روز جمعرات ۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر نبی ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لائق اور مستحق کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مسلمانوں کا مولیٰ ہوں اور میں جس کا مولیٰ ہوں، علی اس کے مولیٰ ہیں۔ آپ نے اس جملہ کو تین چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے، اور اس سے

عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علی سے بغض رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا تمام حاضرین یہ پیغام غائبین کو پہنچادیں۔

(تفسیر نمونہ، ج ۵، ص ۱۱-۱۲، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، طہران)

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہے، کیونکہ ان کی شرط کے موافق اس کی روایت نہیں ہے۔ دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ہے۔ بعض میں صرف اس قدر ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کے علی مولیٰ ہیں اور بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے، اور اس کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۱۳۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۳۱-۱۵۲-۱۱۸-۸۸-۸۳، ج ۳، ص ۳۷۲-۳۷۰، ج ۵، ص ۳۶۶-۳۶۹-۳۷۰، طبع قدیم، مسند البزار، (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۲۵۱۹-۲۵۱۷-۲۵۱۶-۲۵۱۵-۲۵۱۴-۲۵۱۳-۲۵۱۲-۲۵۱۱-۲۵۱۰-۲۵۰۹-۲۵۰۸-۲۵۰۷-۲۵۰۶-۲۵۰۵-۲۵۰۴-۲۵۰۳-۲۵۰۲-۲۵۰۱-۲۵۰۰، مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث: ۵۶۷-۶۳۲۳، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۵-۲۵۰۵، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۵۲-۳۵۱۳-۳۵۱۵، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۰۹۲-۴۹۶۸-۵۱۲۸-۴۹۹۶-۴۹۸۵-۵۰۶۷-۳۵۱۳، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۲۹۱، ج ۲۲، رقم الحدیث: ۱۳۵، المعجم الاوسط، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۵، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۳۷۳، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۳۱-۲۲۷۵، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۹-۱۰۳، طبع قدیم)

علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ جس شخص پر اولیٰ بالتصرف ہیں اس پر حضرت علی اولیٰ بالتصرف ہیں اور جو شخص اولیٰ بالتصرف ہو، وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ لہذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے، اور جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو امام قرار دے دیا تو ان کی موجودگی میں حضرت ابو بکر کی امامت صحیح نہیں۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ لفظ مولیٰ ولی سے ماخوذ ہے اور اہل تشیع کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں ولی بمعنی اولیٰ ہے۔ اس لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے لغت میں کیا معنی ہیں۔ علامہ زبیدی نے قاموس کے حوالے سے ولی کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) محب (۲) صدیق (دوست) (۳) نصیر (۴) سلطان (۵) مالک (۶) عبد (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کیا ہوا (۹) قریب (۱۰) مہمان (۱۱) شریک (۱۲) عصب (۱۳) رب (۱۴) منعم (۱۵) تابع (۱۶) سرالی رشتہ دار (۱۷) بھانجہ۔

(تاج العروس، ج ۱۰، ص ۳۹۹-۳۹۸)

ولی کے یہ تمام حقیقی معانی ہیں اور ولی کا معنی اولیٰ بالتصرف نہیں ہے، اس لیے یہاں مولیٰ کے لفظ کو اولیٰ بالتصرف پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز ایہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مولیٰ ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص فلاں سے مولیٰ ہے، یعنی اولیٰ ہے۔

۲۔ بفرض محال! اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اولیٰ بالامامت کے معنی میں ہو، بلکہ یہ اولیٰ بالاتباع اور اولیٰ بالقرب کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه (آل عمران: ۶۸) ابراہیم سے اولیٰ بالقرب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے۔

۳۔ اگر یہ لفظ اولیٰ بالامامت کے معنی میں بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا تھا۔ اس وقت حضرت علی اولیٰ بالامامت تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی مالک کے اعتبار سے اولیٰ بالامامت ہیں، یعنی جس وقت

حضرت علی کی خلافت کا موقع ہوگا اس وقت وہی اہل بلائہ ہوں گے اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ اور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۴۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس سے حضرت ابو بکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے، لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۵۔ مسند یزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

۶۔ اس حدیث میں مولیٰ دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے، جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے، یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ من کنت مولاه فعلی مولاه کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں، علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں، لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انھی جوابات پر اکتفاء کی ہے۔

آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے، یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟ علماء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث و تمحیص کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی وحی کی تھی، خواہ وہ وحی جلی ہو یا وحی خفی، رسول اللہ ﷺ نے وہ سب امت تک پہنچادی یا کچھ علوم ایسے تھے جو نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو احکام بندوں کی مصلحت سے متعلق ہیں، ان کی تبلیغ آپ پر ضروری ہے اور جن آیات سے مقصود بندوں کو اطلاع پہنچانا ضروری ہے، ان کو بندوں تک پہنچانا ضروری ہے اور جو غیب آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور امت کی مصلحت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا امت تک پہنچانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا ان سے چھپانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَّا أَوْحَىٰ (النجم: ۱۰)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر بلا واسطہ ایک راز کی وحی فرمائی اور اس راز کو آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کا آخرت میں پتا چلے گا۔ جب آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور علامہ واسطی نے کہا اللہ نے اپنے عبد مکرم کی طرف القاء کیا جو القاء کیا اور اس کو بالکل ظاہر نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور جس چیز کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، وہ مستور ہے اور جس چیز کے ساتھ آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے، وہ ظاہر ہے اور صوفیاء اس کو اسرار الہیہ اور حقیقت کا علم کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے، لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس احکام شرعیہ اور اسرار الہیہ کا جو بھی علم تھا، وہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان

(النحل: ۸۹) ہے۔

مَا فَتَرَطَّنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا ان سے نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے متعلق احکام ہیں اور امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور ہمارے متعلق ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کو قرآن کریم سے حاصل کرنے سے ہمارا علم قاصر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا نبی ﷺ نے جس قدر احکام دیئے ہیں آپ نے ان سب کو قرآن سے مستنبط کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۷۵)

علامہ مرسی نے کہا کہ قرآن مجید میں تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور اس کا حقیقی احاطہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، ماسوا ان علوم کے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ پھر معظم سادات صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے، مثلاً خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام ان علوم کے وارث ہوئے، پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی ہمتیں اور ان کے درجات کم ہوتے گئے اور افاضل صحابہ اور اخیار تابعین جن علوم کے حامل تھے بعد کے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام علوم اور معارف قرآن مجید میں موجود ہیں، تو قرآن مجید کی تبلیغ ان تمام علوم و معارف کی تبلیغ ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ہر نکتہ، ہر ہر راز اور ہر ہر حکم تفصیل کے ساتھ ہر ہر شخص کے لیے قرآن مجید کی صریح عبارت سے ظاہر نہیں ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ کچھ ایسے اسرار ہیں جو قرآن مجید سے خارج ہیں اور ان کو صوفیہ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے، تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ عالم دین کا اپنی فہم سے قرآن مجید سے اسرار اور حکمتوں اور احکام کا استخراج کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اصول شریعت کے موافق ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کا کلام بھی اسی اعتبار سے ہے۔ البتہ! ان کی بعض عبارات ظاہر شریعت کے مخالف ہوتی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لوگوں سے ان کے عرف کے مطابق بات کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۷) ہمارے موقف کے قریب یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ عترہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ہم سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے۔ بخدا! ہم کو رسول اللہ ﷺ نے (قرآن مجید کے سوا) کسی تحریر کا وارث نہیں کیا، اور امام بخاری نے ابو جحیفہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں، صرف کتاب اللہ ہے، یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے، یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمانوں کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کی جو عبارات قرآن و سنت کے موافق ہیں، وہ مقبول ہیں اور جو عبارات کتاب و سنت کے خلاف ہیں، وہ مردود ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کتاب و سنت سے ایسے اسرار اور احکام مستنبط کرنے کی فہم عطا فرمائے جو ان سے پہلے مفسرین، فقہاء اور مجتہدین نے مستنبط نہ کیے ہوں، اور جب آیات اور احادیث سے ائمہ اربعہ کے اجتہاد اور استنباط کو مان لیا گیا ہے، حالانکہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو بعد کے علماء کے لیے یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کہ وہ کتاب اور سنت سے ایسے مسائل اور حکمتیں مستنبط کریں، جو ائمہ اربعہ نے نہ مستنبط کیے ہوں۔ البتہ! یہ ضروری ہے کہ یہ استخراج اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (روح المعانی، ج ۶، ص ۱۹۲-۱۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں

علامہ سید محمود آلوسی کے اس کلام کی متانت اور ثقاہت میں ہمیں کلام نہیں ہے، لیکن دلائل صحیحہ کی روشنی میں بعض محققین کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ پر صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ واجب تھی اور تمام علوم کی تبلیغ آپ پر واجب نہیں تھی۔ بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے سب کو نہیں بتلائے، بلکہ جو ان کے اہل تھے، ان کو بتلا دیئے اور بعض علوم ایسے تھے، جو آپ نے کسی کو نہیں بتلائے، وہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص تھے، گویا آپ کے علوم کی تین قسمیں ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے پروردگار نے کوئی چیز پوچھی جس کا جواب میں نہیں دے سکا، تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرمایا اور مجھے کئی اقسام کا علم عطا فرمایا۔ ایک علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھ سے عمد لیا کہ میں کسی کو اس پر مطلع نہیں کروں گا اور میرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسری علم کی وہ قسم تھی جس کو ظاہر کرنے یا پوشیدہ رکھنے کا مجھے اختیار عطا فرمایا اور تیسری علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھے حکم دیا کہ میں امت کے ہر خاص و عام کو اس کی تبلیغ کروں۔ (مدارج النبوت، ج ۱، ص ۱۶۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۱۳۹۷ھ)

وہ علم جس کو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے

جن علوم کی امت کے ہر خاص و عام کو تبلیغ واجب ہے، ان کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے، اور زیر بحث آیت میں آپ کو ان ہی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تمام آیات کو پہنچایا اور احادیث میں ان کی وضاحت فرمائی۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں آپ کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہر جو چیز نازل ہوئی اس کی تبلیغ واجب ہے، اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں متعلق ہوں، اس کی تبلیغ واجب ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود ان کو مطلع کرنا ہو، کیونکہ بعض اسرار الہیہ کا انشاء کرنا حرام ہے۔ (انوار التنزیل، الکازرونی، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کے حکم کا تعلق دین اور بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ ہے، اور آپ کو انہیں مطلع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور جو اسرار نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم محفوظ کیے۔ ایک علم کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا

دیا اور اگر دوسرے علم کو میں پھیلاؤں تو یہ زرخہ کاٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰) اور یہ علم الحقیقت اور حکمت ہے جس سے سکوت کیا گیا ہے۔ مصنف (علامہ بیضاوی) نے بھی اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(عنایۃ القاضی، ج ۳، ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ پر جس قدر بھی احکام نازل کیے گئے ہیں، ان کو پہنچا دیجئے، کیونکہ جن امور کا تعلق احکام سے بالکل نہیں ہے جیسے اسرار خفیہ ان کی لوگوں کو تبلیغ کرنا مقصود نہیں ہے۔

(تفسیر ابی السعود علی حاشیہ الکبیر، ج ۳، ص ۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر الجمل متوفی ۱۲۰۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو امور احکام سے متعلق ہیں، ان کو پہنچا دیجئے۔ کیونکہ جو اسرار آپ کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں، ان کی تبلیغ کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ الجمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۵۱۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کبھی بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے علوم سے مطلع فرماتے جن کا تعلق احکام شرعیہ کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اور بعض اصحاب کو کسی راز سے مطلع فرماتے تھے، جیسے آپ نے صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتلایا کہ نبی ﷺ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ آپ کے ساتھ آپ کے وصل کے بعد لاحق ہوں گی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۶۲۳) اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۹۰۵) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ خارجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے، جیسا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو بتلایا تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۲۵) اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم حاصل کیے ہیں۔ ایک علم تو انہوں نے پھیلا دیا اور دوسرا علم اگر وہ پھیلا دیں تو ان کی رگ جاں کاٹ دی جائے گی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۲۰) اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں کچھ لکھوانا چاہا اور پھر لکھوانے سے اعراض کر لیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۳) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق احکام شرعیہ سے نہیں تھا، کیونکہ اگر اس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہوتا تو آپ اس کو لکھوانے سے کبھی اعراض نہ فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔ (المائدہ: ۶۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ نے کسی ایسی چیز کو چھپا لیا جو آپ پر نازل کی گئی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۸۵۵، التحریر و التصریح، جز سادس، ص ۲۶۰)

جن علوم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں مطلع فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ مطلع فرمائیں، ان میں سے بعض کا ذکر احادیث کے حوالہ سے علامہ ابن عاشور کی تحریر میں آگیا ہے، اور اسی سلسلہ میں ایک حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سواری پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے

طبیان القرآن

جلد سوم

تھے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا بیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں (یہ مکالمہ تین بار ہوا) آپ نے فرمایا جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ من محمد رسول اللہ کی گواہی دے، اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خبر نہ سناؤں کہ وہ خوش ہو جائیں! آپ نے فرمایا پھر لوگ اسی پر تکیہ کر لیں گے۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے (تا کہ علم کا چھپانا لازم نہ آئے) یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح البخاری، ج ١، رقم الحدیث: ١٢٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جس شخص نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت معاذ نے پوچھا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ اسی پر تکیہ کر لیں گے۔

(صحیح البخاری، ج ١، رقم الحدیث: ١٢٩)

قرآن مجید میں بھی اس سلسلہ کی ایک نظیر ہے:

وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا
فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ
وَاعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ
أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ

(التحریم: ٣)

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب انہوں نے اس راز کا (کسی سے) ذکر کر دیا اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا، تو نبی نے انہیں کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض فرمایا۔ پھر جب نبی نے انہیں اس کی خبر دی، تو وہ کہنے لگیں آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے بہت علم والے نہایت خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٤٠ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ راز بیان کیا کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ کو حرام کر لیا ہے۔ (بعض روایات میں شد کے حرام کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شرعی حرام نہیں ہے، بلکہ قسم کھانا مراد ہے) اور یہ فرمایا کہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتا دیا، تب نبی ﷺ نے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تم نے ماریہ کے حرام کرنے کو افشاء کر دیا ہے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے راز کو افشاء کرنے سے آپ نے اعراض فرمایا، تا کہ وہ مزید شرمندہ نہ ہوں اور امام ابو نعیم اور امام ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے، سو تم یہ راز کسی کو بتانے سے اجتناب کرنا۔

(روح المعانی، ج ٢٨، ص ١٥١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہم نے باحوالہ دلائل سے یہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی ایک وہ قسم تھی جس کی ہر خاص و عام پر تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا، یہ قرآن مجید کی تمام آیات ہیں اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور آپ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس میں آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں، بیان فرمائیں۔ اس پر بھی ہم نے باحوالہ دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب رہی تیسری قسم، یعنی وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مقابلات کا علم عطا فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔ فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی مذہب تھا کہ آیات مقابلات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔

ملا جیون مقابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مقابہ اس چیز کا اسم ہے جس کی معرفت کی امید منقطع ہو اور اس کے ظاہر ہونے کی اصلاً امید نہ ہو۔ وہ غایت خفائیں ہوتا ہے اور محکم کی ضد ہے جو غایت ظہور میں ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس لفظ سے جو مراد ہے وہ حق ہے۔ اگرچہ ہم کو قیامت سے پہلے یہ پتا نہیں چلے گا کہ اس لفظ مقابہ سے کیا مراد ہے اور قیامت کے بعد اس کی مراد ان شاء اللہ ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی اور یہ حکم امت کے حق میں ہے اور نبی ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد ہے کہ آپ کو لفظ مقابہ کی مراد قطعاً معلوم ہو، ورنہ آپ سے اس کے ساتھ خطاب کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ ایسا ہو گا جیسے لفظ مہمل کے ساتھ خطاب کیا جائے، یا کسی عربی کے ساتھ حبشی میں گفتگو کی جائے۔ (نور الانوار، ص ۹۳، مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی، کراچی) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت کی کامل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ سے نہیں کہ آپ اللہ کے علم کی حکایت کریں۔ ہاں! مگر اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہے اور یہ علم آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے، لیکن میرے نزدیک اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی، ج ۲۱، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ یہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور آپ کو لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو، اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۴۰۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو امور خمسہ (قیامت، بارش ہونے، ماں کے پیٹ، کل کیا ہو گا، اور کون کہاں مرے گا) کا علم دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے، لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(خصائص کبریٰ، ج ۳، ص ۱۶۰، طبع مصر، شرح الصدور، ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (المواہب اللدنیہ مع الزرقانی، ج ۱، ص ۲۶۵)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک خواب بیان کیا۔ حضرت ابو بکر

نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! آپ مجھے اس خواب کی تعبیر کی اجازت دیں' پھر حضرت ابو بکر نے اس خواب کی تعبیر بیان کی 'بعد ازاں عرض کیا' آپ فرمائیں کہ میری تعبیر صحیح ہے یا غلط' آپ نے فرمایا بعض صحیح ہے، بعض غلط' حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ضرور بتلائیں میں نے کیا خطا کی ہے' آپ نے فرمایا قسم نہ دو۔

(صحیح البخاری، ج ٨، رقم الحدیث: ٤٠٣٦، مختصراً)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کی تعبیر غیب کا علم ہے، اس لیے جائز تھا کہ آپ اس غیب کو اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(فتح الباری، ج ١٢، ص ٣٣٦، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ١٣٠١ھ)

ہم نے تفصیل سے دلائل کے ساتھ باحوالہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں تھیں۔ ایک وہ علم جس کی تمام امت کو تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا۔ یہ تمام قرآن کریم ہے اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق قرآن مجید کی تفصیل اور بیان سے ہے، اور دوسرا وہ علم ہے جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار تھا اور اس کا تعلق عموماً غیب کی خبروں سے ہے، اور تیسرا وہ علم جس کا انشاء آپ پر واجب ہے۔ جیسے آیات تشابہات، تقدیر، وقت وقوع قیامت اور روح کا علم اور یہ وہ اسرار ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے صرف اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ کر دے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ٦٨)

شان نزول

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارثہ، سلام بن مشکم، مالک بن الصیف اور رافع بن حریمہ آئے اور کہنے لگے یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس تورات پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن تم نے دین میں کچھ نئی بدعات نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیے تھے، تم نے ان کا انکار کر دیا، اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا، تم نے ان کو چھپا لیا، سو میں تمہاری بدعات سے بری ہوں۔ انہوں نے کہا، ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے، نہ آپ کی اتباع کریں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الایہ)

(السیرۃ النبویہ، ج ٢، ص ١٨١-١٨٠، جامع البیان، ج ٦، ص ٣١٨-٣١٤)

یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، یہود اس لیے ہیں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کریں جن کو منسوخ نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک انجیل پر ایمان لائیں اور آپ کی بعثت کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائیں جو تورات اور انجیل دونوں کا محافظ ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، اور نصاریٰ اس

ليے مراد ہیں کہ انہوں نے انجیل کی ان بشارتوں سے اعراض کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق دی تھیں۔

تم کسی چیز پر نہیں ہو اس کا معنی یہ ہے کہ تم دین برحق کی کسی چیز کے حامل نہیں ہو۔ تم میں تقویٰ ہے، نہ دیانت ہے، نہ ہدایت ہے اور تم پر جو کتاب نازل کی گئی تھی، تم اس کی کسی چیز پر قائم نہیں ہو، جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے اصل احکام پر عمل نہ کرو اور قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے احکام پر عمل نہ کرو۔ اس وقت تک تم میں دین داری اور ہدایت کا ایک شہہ بھی نہیں ہو گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عمل قابل ذکر اور لائق شمار نہیں ہے، اور دین داری اور صاحب کتاب ہونے کے تمہارے تمام دعاوی جھوٹے اور باطل ہیں، خواہ تم دنیا میں اہل کتاب کہلاتے رہو، لیکن آخرت میں تمہارا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا

نیز یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول ان کے کفر اور سرکشی کو اور زیادہ کرے گا، کیونکہ قرآن مجید نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے، اور ان کی بد عقیدگیوں کو باطل کیا ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید سے حسد اور بغض رکھتے ہیں اور جوں جوں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی ہیں، ان کے حسد اور بغض میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیادہ شد و مد سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ نیز ایہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اسلام کے دین مستقیم ہونے پر برہان ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے، یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ نیز! کتنے ہی تاریخی حقائق انہوں نے غلط بیان کیے تھے، جن کی قرآن مجید نے تکذیب کر دی، اس لیے یہ قرآن مجید کے خلاف اور زیادہ سرکشی کرتے ہیں۔

نبی ﷺ پر چونکہ رحمت غالب تھی، اس لیے ان کے کفر اور سرکشی سے آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کافروں کی (اس) قوم پر افسوس نہ کریں، کیونکہ سرکشی ان کی سرشت بن چکی ہے، یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں، لہذا آپ ان کے انجام بد پر افسوس نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی، صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (المائدہ: ٦٩)

الصائبون کے رفعی حالت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں الصائبون حالت رفع میں ہے اور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے اس کو حالت نصب میں الصائبین ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الصائبون مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدر ہے۔ کذا لکے جس پر ان کی خبر دلالت کرتی ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ان الذین امنوا والذین ہادوا والنصاری من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون والصائبون کلمۃ الکتب۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ان" فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اس لیے عامل ضعیف ہے۔ اگر معطوف علیہ میں اس کا عمل ظاہر ہو (یعنی ظاہر اسم پر نصب ہو) تو معطوف میں بھی اس کے عمل کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اگر معطوف علیہ میں اس کے اسم پر ظاہر نصب نہ ہو، جیسا کہ اس آیت میں ہے تو پھر معطوف میں بھی نصب کا عمل ضروری نہیں ہے، اور اس کے اسم پر ابتداء کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی!

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تغایر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے..... جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق ہے جو صرف زبان سے ایمان لائے تھے۔ جیسے منافق، ان کے متعلق فرمایا: جو بھی محض زبان سے ایمان لایا ہے، اگر وہ دل سے ایمان لایا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جواب ایمان لایا ہے اگر وہ ایمان پر دائم اور برقرار رہا، مرتد نہ ہو اور اس کا ایمان پر ہی خاتمہ ہوا، تو اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا۔

اس آیت پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے نجات کے لیے اسلام لانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہودی، نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صحیح ایمان لائیں اور یہودی جو عزیر کو خدا مانتے ہیں اور عیسائی، جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں، اور صائبین جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں ان کا ایمان صحیح نہیں ہے، ان کا ایمان اس وقت صحیح ہوگا جب وہ اپنی بد عقیدگیوں سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یہ دونوں اعتراض ترجمہ سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تاہم دوسرے اعتراض کے جواب کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ، ٦٢ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا، تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ٥٠)

اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ بنو اسرائیل اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو پورا نہیں کرتے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے تمام احکام کو سن کر قبول کریں گے، اور ان تمام احکام پر عمل کریں گے، لیکن انہوں نے ان پختہ عہد کو توڑ دیا اور اپنی آراء اور خواہشوں کو احکام شرعیہ پر مقدم کیا۔ شریعت کا جو حکم ان کی رائے اور خواہش کے موافق ہوتا، اس پر عمل کرتے اور جو اس کے خلاف ہوتا، اس کو رد کر دیتے۔ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (المائدہ: ٤١)

فتنہ کے معنی

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ نقصانات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بد اعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں، اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، اور نبی ﷺ نے دجال کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گمان یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے، اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی، کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہو تو صرف چند دن عذاب ہوگا، جتنے دن انہوں نے پچھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبار اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی، ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر وبائیں طاری کی گئیں، لیکن انہوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا، وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے، لیکن انہوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم لوگ ایمان لائے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انہوں نے پچھڑے کی پرستش کی، پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ جب انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم حادثوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا حادثہ وہ تھا جب اشور کا بادشاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا، یہ ۶۰۶، ۵۹۸، ۵۸۸ سال قبل مسیح کے واقعات ہیں، وہ تیسری مرتبہ یروشلیم میں داخل ہوا۔ اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا، اور وہاں ان کو قید کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بادشاہ کورش، اشورین پر غالب آیا اور اس نے ۵۳۰ سال قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا، اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا، اس کے بعد انہوں نے پھر نافرمانی اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے، اور تب دوسرا حادثہ پیش آیا۔ جب قیطس بن انبراطور رومانی نے یروشلیم کا محاصرہ کر لیا، حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چمڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلا کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا، اور ستانوے ہزار یہودیوں کو قید کر لیا، یہ ۶۹ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن انبراطور رومانی ۱۱۷ء سے ۱۳۸ء تک اس کے بعد حکمران رہا، اس نے ان کے شہر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بنا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ (التحریر والتبیین، ج ۶، ص ۲۷۸-۲۷۷)

یہ دونوں تاریخی حادثے جو بنو اسرائیل کی بد عملیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے، ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَكَتَعَلْتُمُ الْعُلُوهَا كَيْبَرًا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۚ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۚ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَيَذْحِكُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَوَلِيَتَّبِعُوا مَا عَلُوا تَتَّبِعُوا ۚ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۚ (بنو اسرائیل: ٨-١٠)

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ۚ تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کر دیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہونا تھا ۚ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھادی ۚ اگر تم نے نیک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کی اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہروں کو مضطرب کر دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں ۚ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر عذاب دیں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ بنو اسرائیل دوبار شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہو جائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا اور دوسرے وعدہ سے قیطس (لیطوس) رومی کا حملہ ہے جو ۶۹ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودیوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس ہیكل کو برباد کر دیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے اور ان کو قتل کیا ہے، ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا: کہ انہوں نے دوبار سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی جس سے تمام یہودی ویران اور برباد ہو گئے اور ہر سزا کے بعد انہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انہوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا انہوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دوبار آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلا وطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا، یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا

تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (المائدہ: ۴۳)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بد اعمالیوں کا بیان فرمایا اور ان کے شبہات کا ابطال کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا، اس کو باطل کیا ہے، اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے ان کا رد کیا ہے، اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاریٰ میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقسام (اصولوں) سے مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا، اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا، وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا آيِنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ

(مسیح نے کہا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا، اور میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۱-۳۰)

اور اس آیت میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل فرمایا اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ ۖ وَمَنْ إِلَٰهٍ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین ہیں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوا ایک مہبود کے

إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ ۴۳ ۖ فَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ

ان کو نہایت دردناک عذاب مزور پہنچے گا ۰ وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں

وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۖ ۴۴ ۖ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ

طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۰ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت

خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ

رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ،

أَنْظُرْ كَيْفَ بَيَّنَّ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِي يُؤْفَكُونَ ﴿۴۵﴾ قُلْ

دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں ۰ آپ کیسے کیا

اتَّعِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَبْلُغُكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۗ وَاللَّهُ

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب

هُوَ السَّبِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۶﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ

کچھ سنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۰ آپ کیسے! اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا

ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں

وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۴۷﴾

کو گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست بھٹک چکے ہیں ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوائے ایک معبود کے کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے، ان کو نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (المائدہ: ۴۳)

متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ، مریم اور عیسیٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ

لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ

لِي بِحَقِّ (المائدہ: ۱۷۲)

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جو ہر واحد تین اقاہیم (اسلیس) ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک خدا ہیں

جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص، شعاع اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد ہے ذات، اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ،

اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ کے جسم میں مختلط ہو گیا، جیسے پانی شراب میں

مخلوط ہو جاتا ہے، یا پانی دودھ میں مخلوط ہو جاتا ہے، اور ان کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔

عیسائیوں کا یہ قول بدیہی البطلان ہے، کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا، اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے، حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (المائدہ: ۷۳)

یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے اور اس کا بے حد لطف اور احسان ہے کہ عیسائیوں کے اس کذب اور افتراء اور ان کے شرک کے باوجود ان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۷۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات پیش کیے۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے، اگر حضرت عیسیٰ نے مادر زاد اندھے بینا کیے، کوڑھیوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشی کو زندہ کیا اور اس کو دوڑتا ہوا اٹھ دھا بتا دیا، اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنا دیئے اور لاشی کو زمین پر مارا تو اس سے چشمے ایلنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، جب دوسرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے، اس سے مقصود حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں، اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱- ہر وہ شخص جس کی ماں ہو، وہ حادث ہوتا ہے، یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا، اس کے بعد موجود ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو، وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

۲- حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بقا میں کھانے کا محتاج ہو، وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

۳- اگر حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا شجرہ نسب لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ: ابراہام سے اسحاق پیدا ہوا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا، یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے، جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب ہشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ ہشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بائبل جانے تک چودہ ہشتیں

اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لیکر مسیح تک چودہ ہشتن ہوئیں۔ (متی کی انجیل، باب ۱، آیت ۱۷-۱۸، ملخصاً، ص ۵، مطبوعہ لاہور)
اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی، تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی، پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستہ باز تھا، اور اسے بونام کرنا نہیں چاہتا تھا، اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے، وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔
(متی کی انجیل، باب ۱، آیت ۱۸-۲۲، ص ۵، مطبوعہ لاہور)

غور کیجئے! جس شخص کا پورا شجرہ نسب موجود ہے، جو اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا، پیدا ہونے سے پہلے موجود نہیں تھا، وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کو خدائی اور استحقاق عبادت کب زیبا ہے؟ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ ان کے کھانے پینے کا ذکر موجودہ بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ آکھڑا ہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو! مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں، اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو، کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو! اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے! جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے! انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا! اس نے لے کر ان کے روبرو کھلایا۔ (لوقا کی انجیل، باب ۲۴، آیت ۴۳-۴۶، ص ۸۱، مطبوعہ لاہور)

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلارہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں، روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں، روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں، تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا، اسے بھوک لگی
(متی کی انجیل، باب ۲۱، آیت ۱۳، ص ۲۵، مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح انسان تھے، ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا۔ ان میں تمام انسانی صفات تھیں، انہیں بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے بھی تھے، سوتے جاگتے بھی تھے، انہیں درد سے تکلیف بھی ہوتی تھی، کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایللی ایللی لما شبقننی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا
(متی، باب ۲۷، آیت ۴۷، ص ۳۳) اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے، تمام جہان کا پیدا کرنے والا ہے، بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے پھانسی پر لٹکا دیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے، اسکے بعد جی اٹھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے، تو انکے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ (لوقا کی انجیل، باب ۲۴، آیت ۸-۷، ص ۸۰، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ابن آدم فرمایا تھا، نہ کہ ابن اللہ! سوان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنانا پر انتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود ساختہ اور من گھڑت ہیں، جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کر کے اللہ کے اصل کلام میں ملادی ہیں، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو دراصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورہ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا صدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے یہ طور خود لکھی ہیں۔

حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اور ان کی ماں بہت سچی ہیں، ان کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں، اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزم عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہ، حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں سیدہ مریم کو نبیہ مانتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے، اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْنَ
إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى (یوسف: ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا، جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں، اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے، جن مردوں کو زندہ کیا، جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مادر زاد اندھوں کو بینا کیا، یہ سب کام انہوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کیے۔ وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تھے۔ موجودہ بائبل میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے، اگر وہ خود خدا تھے اور نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر ان باتوں کے کوئی آٹھ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا، جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔

(لوقا کی انجیل، باب ۹، آیت ۲۸-۲۹، ص ۶۳، مطبوعہ لاہور)

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

(لوقا کی انجیل، باب ۶، آیت ۱۲، ص ۵۸، مطبوعہ لاہور)

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا، جب کرچکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا: اے خداوند! جیسا یوحنا

نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تو بھی ہمیں سکھا۔ اس نے ان سے کہا: جب تم دعا کرو تو کہو: اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے، ہماری روز کی روٹی ہمیں ہر روز دیا کرو اور ہمارے گناہ معاف کر، کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ (لوقا کی انجیل، باب ۱۱، آیت ۴-۱، ص ۶۵، مطبوعہ لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساری ساری رات دعا کرنا، بہ کثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا، اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے، اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے، اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی عبادت کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی، اور اس سے کہا: اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا: اے شیطان! دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی کی انجیل، باب ۴، آیت ۱۱-۸، ص ۷، مطبوعہ لاہور)

پولس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں، جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا، اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی، اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری کی۔

(عبرانیوں کے نام پولس رسول کا خط، باب ۵، آیت ۸-۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عبادت گزار، فرمانبردار اور رورو کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے، اور جو تمام جہان کا خدا ہو، اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو، وہ کسی کی عبادت اور فرمانبرداری کرنے اور کسی سے رورو کر دعائیں کرنے سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

نیز پولس رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو، جو رحمتوں کا باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔

(کوئنتھیوں کے نام پولس رسول کا دو سرا خط، باب ۱، آیت ۳، ص ۱۶۸، مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے، بلکہ یسوع مسیح خود خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے، اسی کی فرمانبرداری کرتے تھے اور اسی سے رورو کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کا، پولس رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا، یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا رکھنا مخلوق کی صفات ہیں، اللہ عزوجل اس سے بلند و برتر ہے، اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں، جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک اور مثل نہیں، وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر سے مستغنی ہے، اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے! اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں، اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا، اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ (المائدہ: ۷۷)

غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد کیا، پھر نصاریٰ کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد فرمایا۔

اب دونوں فریقوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو غلو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حق اور ایک باطل۔ غلو حق یہ ہے کہ کسی صحیح اور حق چیز کے بیان میں مبالغہ کیا جائے جس سے اس کو موکد کرنا مقصود ہو۔ اور غلو باطل یہ ہے کہ کسی چیز کی تحقیر میں زیادتی کی جائے یا کسی چیز کی تعظیم میں زیادتی کی جائے۔ یہود نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی کی حتیٰ کہ ان کی طرف زنا کو منسوب کیا، ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور عیسائیوں نے انبیاء کی تعظیم میں غلو کیا؛ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس آیت میں اس زمانہ کے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: کہ تم اپنے اہبار اور رہبان کی پیروی نہ کرو، وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم کو بھی گمراہ کر دیں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود سے یہ فرمایا ہو کہ تم عزیر کی تعظیم میں غلو نہ کرو، کہ ان کو خدا بنا ڈالو اور عیسائیوں سے فرمایا: تم عیسیٰ کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا بنا ڈالو۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی

عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾

گئی، کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۰

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۹﴾

وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا، وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے ۰

تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی

لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلْدُونَ ﴿۸۰﴾

آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے ۰

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مَا اتَّخَذُوا

اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست

أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ

نہ بناتے ہیں ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ۰ آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ رہے

عَدَاوَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ

زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں ، اور آپ جن لوگوں کو

أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ

مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں ، کیوں کہ ان

بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرَهَبَانًا وَانَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾

میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے (المائدہ: ۷۸) تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ان پر تورات میں لعنت کی گئی، حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان پر زبور میں لعنت کی گئی اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (جامع البیان، جز ۶، ص ۳۲۶) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا، اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دینا، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔

(جامع البیان، جز ۶، ص ۳۲۸-۳۲۷، مسند ابو یعلیٰ، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۳۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۹۱، طبع قدیم)

المائدہ: ۶۳ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کی زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی چکی گھوم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے، تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا، اللہ تعالیٰ ان سے فارغ ہو چکا ہے۔ بے شک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا، وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے، ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بادشاہوں کے پاس جانے

اور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا، پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ (جامع البیان، ج ٦، ص ٣٢٩)

حافظ عبد اللہ بن یوسف زبلی متوفی ٤٦٢ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہاں لھو (گانے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود واپس آگئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا، وہ ان ہی میں سے ہوگا، اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا، وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہوگا۔ اور امام ابن السبارک نے کتاب الزهد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انہوں نے وہاں (گانے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آگئے، ان سے پوچھا گیا، آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا: میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا، اس کا شمار ان ہی میں ہوگا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا، وہ اس عمل میں شریک ہوگا۔

(نصب الراية، ج ٣، ص ٣٣٦-٣٣٧، اتحاف السادة المتقين، ج ٦، ص ١٢٨، مسند الفردوس للذہبی، رقم الحدیث: ٥٦٢١، المطالب العالیہ للعسقلانی، ج ٢، رقم الحدیث: ١٦٠٥)

حافظ زبلی، حافظ عسقلانی اور علامہ زبیدی نے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے بیان کی ہے، لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملی اور نہ ہی مجھے حضرت ابوذر کی روایت امام ابن السبارک کی کتاب الزهد میں ملی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا، وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے (المائدہ: ٤٩)

بنو اسرائیل حرام کام اور گناہ کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ان کا گناہوں سے نہ روکنا حرام کاموں کو کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت برا کام تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے نہ روکنے کی تبلیغ میں وہ سب شریک تھے۔ نیز ایہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اور سوشل اور سماجی روابط رکھنا بھی ناجائز اور حرام ہے، اور ان سے ترک تعلق کرنا واجب ہے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں اور اس سے پہلے المائدہ: ٦٣ کی تفسیر میں جن احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے، ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہو اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے (المائدہ: ٨٠)

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے اور ہر مخاطب مراد ہے، اور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں، بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی، تاکہ ان مشرکین مکہ کے ساتھ اشتراک کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں، لیکن بات نہیں بنی۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی ناراضگی کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچے رہنا، کیونکہ زنا پر چھ چیزیں مترتب ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں، دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مردویہ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۶۲۲)

میں کہتا ہوں کہ تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن خیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (المائدہ: ۸۱)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

۱۔ اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

۲۔ اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں، اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں، کیونکہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (المائدہ: ۸۲)

نجاشی کا اسلام لانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا، نبی ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا، وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا، اور وہ تادم مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو، پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت حبشہ میں تھا۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ ﷺ کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی، ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی، نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے ہدیے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو چڑا پسند تھا، تو انہوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے، ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انہوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا، پھر انہوں نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ ہدیے

دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا: مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دے دیئے جائیں۔ وہ جشہ پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا: تمہارے بادشاہ کے ملک میں ہمارے چند نادان لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے، وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں، جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو، اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے، تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا پھر انہوں نے نجاشی کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے کہا اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نادان لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لیکر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ، اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے، جو ان کے آباء و اجداد اور رشتہ دار ہیں، تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے، اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے، سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے، تاکہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا، اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دو سروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے، جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کر لوں، ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے، تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا، اور اگر ایسا نہ ہو تو میں ان کی حفاظت کروں گا، اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے، ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آگئے، تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا، وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ادیان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا، وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہم جاہلوں کی قوم تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بد سلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب ان کے صدق، ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی، تاکہ ہم اس کو واحد مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس کو چھوڑ دیں، اور انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتوں کو ملانے، پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے، حرام کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا، اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت

کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا انہوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے، ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وحدہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہم پر حرام کیا تھا، ان کو ہم نے حرام قرار دیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا، ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا، تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے چھڑا کر بتوں کی عبادت کی طرف لے آئیں اور پھر ان ہی بد کاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انہوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے، تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی، اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر نجاشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا مجھے سناؤ۔ تو حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا خدا کی قسم! وہ آیتیں سن کر نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نجاشی نے کہا بے شک یہ دین اور جس دین کو عیسیٰ لے کر آئے تھے، یہ دونوں دین ایک ہی طاق سے نکلے ہیں، پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا: جاؤ! تم واپس جاؤ! بخدا میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا! میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ عبد اللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو، اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں، لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں، اس نے کہا میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں، پھر اگلے دن وہ گیا اور نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر بادشاہ نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادشاہ نے پوچھا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہے جو اس نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القاء کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا: بخدا! تم نے جو کچھ بیان کیا ہے، عیسیٰ بن مریم اس سے ایک تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نجاشی نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق یہ کہا، تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھنکارنا شروع کر دیا۔ نجاشی نے کہا: ہر چند کہ تم غصہ سے پھنکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سرزمین میں مامون ہو، جو شخص تم کو گالی دے گا، اس پر جرمانہ ہو گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو ایذا پہنچاؤں۔ ان لوگوں کے ہدیے اور تحفے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت

نہیں ہے، بخدا! جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے رشوت لوں گا؟

حضرت ام سلمہ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ناکام اور نامراد ہو کر لوٹے، اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثناء میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا، ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی، حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۴۰، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۴۰، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۱-۲۰۳، طبع قدیم، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۷۵-۳۷۶، الروض اللائف، ج ۱، ص ۲۱۳-۲۱۰، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۷-۲۸، البدایہ النہایہ، ج ۳، ص ۷۵-۷۶)

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے آپ ان کی

مِنَ الدَّامِعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا مَا فَكَّرْنَا

آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق)

مَعَ الشَّهِيدِينَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

کی (گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھے) اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ لَئِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۴﴾

ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے

فَأَنبَاهَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَذِبْتُ لَكَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ

خَلِيدِينَ فِيهَا ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

ہمیشہ رہیں گے، اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے

آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ (المائدہ: ۸۳)

شان نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۹، مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب نبی ﷺ کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے قرآن کریم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ نجاشی نے اپنے تئیں بہترین اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا، ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے، انہوں نے کہا یہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔“ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

- ۱- علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت ہے۔
 - ۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔
 - ۳- حسن بصری نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔
 - ۴- زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲، ص ۴۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۳۰۷ھ)
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ (المائدہ: ۸۳)

نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ (۲) ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ (زاد المسیر، ج ۲، ص ۴۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۳۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ: ۸۵-۸۶)

جن عیسائیوں نے دین حق کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے صلے میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں اور یہود اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے انبیاء کے صدق کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور عذاب اللہ کا عدل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

اسے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور

جلد سوم

تبیان القرآن

تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اللہ کے دیے ہوئے حلال پاکیزہ رزق

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ لَا

سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو ○ اللہ

يُؤَاخِذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا

تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت

عَقَدْتُمُ الْإِيمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ

فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے

أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرَ رَقَبَةٍ ۚ

جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور

حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

تور دو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا

ہے اور حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن حلال چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے

اپنے آپ کو منع نہ کرو، جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبوں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے

اوپر حرام کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کر لیا اور بعض سیاحت کرنے لگے۔ سو اے مسلمانو! تم ان کی طرح حد

سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْبُدُونَ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی
ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے
ہو۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ
الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو
اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو
(کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَ
كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے
ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی
سے ہوتا ہے۔

وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ وَالْمِسْكِينِ وَابْنِ
السَّبِيلِ وَلَا يُبْدِرُوا بَدْرِيًّا (بنو اسرائیل: ۲۶)
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا
مَحْسُورًا (بنو اسرائیل: ۲۹)

اور (اے مخاطب!) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور
مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔
اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو
پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت زدہ، تھکا ہارا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج کے حجروں میں تین شخص آئے۔ (ان میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔) مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۳ اور انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں آپ کی عبادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ؟ آپ کے تو ہر اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی انظار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے۔ سنو! یہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۶۳، مصنف عبد الرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۳)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پھٹے پرانے

کپڑے پہنے دیکھا انہوں نے کہا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا، حضرت سلمان نے کہا آپ بھی کھائیے۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھایا، جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جائیں، وہ سو گئے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پھر کہا: سو جائیں، جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی، پھر حضرت سلمان نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل (بیوی) کا آپ پر حق ہے، ہر حقدار کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابوالدرداء نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۹۶۸، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۳۲۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۲۷۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے خلوت میں آپ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس اس طرح کہتے ہیں، لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے (بطور ناپسندیدگی) اعراض کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، نکاح، ج ۵، (۱۳۰۱) ۳۳۳۳، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو نکاح نہ کرنے کی اجازت نہیں دی، اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۷۳، صحیح مسلم، نکاح، ج ۶، (۱۳۰۲) ۳۳۳۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۸۳، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۵، طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خویله بنت حکیم جو حضرت عثمان بن مظعون کے نکاح میں تھیں، وہ میرے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت ابتر حال میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! خویله کس قدر ابتر حال میں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! جس عورت کا خاوند دن کو روزہ رکھتا ہو اور ساری رات نماز پڑھتا ہو، وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی خاوند نہ ہو۔ سو اس نے اپنے آپ کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون آئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تم میری سنت سے اعراض کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں! بہ خدا یا رسول اللہ! لیکن میں آپ کی سنت کو طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں

تبیان القرآن

سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو، کیونکہ تمہارے اہل (بیوی) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ سو تم روزہ رکھو اور کھاؤ پیو بھی، اور نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

(علامہ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۶۱۸۶، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۶۳۶۸، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۶۸، طبع قدیم، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۶۹، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۶۹، مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۹، موارد الطمان، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۸۸، مسند البزاد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۵۷-۱۳۵۸، اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۳۰۱، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۳۱۹، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۷۲۲۲)

مسند ابو یعلیٰ میں یہ روایت اس طرح ہے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما سے ملے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تمہارے لیے میری سیرت میں نمونہ نہیں ہے! انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اس ارشاد کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، حالانکہ تمہارے اہل (زوجہ) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تم نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی بیوی نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس اس طرح خوشبو میں بسی ہوئی آئیں کہ وہ دلہن ہوں، ازواج نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا وہی ہوا جس طرح وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی طرف ان کے خاوند رغبت کرتے ہیں۔

اور مصنف عبدالرزاق، سنن داری، صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر میں یہ روایت اس طرح ہے: نبی ﷺ حضرت عثمان بن مظعون سے ملے اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی، کیا تمہارے لیے میری سیرت میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا کو ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف (دین میں) سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی، ان کے بچے کھجے لوگ مندروں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج کرو اور عمرہ کرو، تم سیدھے رہو تو تمہارے لیے استقامت ہوگی، اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

قائدہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں، عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں، ان میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عجیبہ بابلیہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، پھر واپس چلے آئے۔ پھر ایک سال کے بعد دوبارہ آپ سے ملنے گئے، اس وقت ان کا جسم کمزوری کی وجہ سے بہت متغیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا فلاں بابلی ہوں جو ایک سال پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے اس قدر بدل گئے تم تو بہت خوبصورت تھے؟ انہوں نے کہا میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں، میں نے کبھی دن کو کھانا نہیں کھایا، صرف رات کو کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ پھر آپ نے فرمایا رمضان کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا زیادہ کریں مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہر ماہ دو روزے رکھ لو، انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں، آپ نے فرمایا ہر ماہ تین روزے رکھ لو۔ انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں۔ فرمایا حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو۔ پھر چھوڑ دو، حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو، حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو۔ آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا، پھر چھوڑ دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے مہینہ میں تین مسلسل روزے رکھو، پھر تین دن چھوڑ دو، اور اس طرح تین بار کرو، یعنی صرف حرم کے مہینہ میں نو نفل روزے رکھنے کی اجازت دی۔) (حرم کے مہینہ سے مراد ایام حج کے مہینے ہیں۔)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ فلاں عورت ہے، اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا چھوڑو، اتنا عمل کرو جو ہمیشہ کر سکو، بخدا اللہ اس وقت تک نہیں اکتا جب تک تم نہ اکتاؤ، اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ ہمیشگی کرے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳، صحیح مسلم، مسافرن، ۲۲۱، (۷۸۵) ۱۸۰۳، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۳۱، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۸، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۲۹۹، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۵۱، طبع قدیم، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا یہ زینب کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں اس کو کھول دو، تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے، پڑھے اور جب تھک جائے، تو بیٹھ جائے۔ (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۵۰، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۳۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا، آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ نے کہا یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا ہے گا، بیٹھے گا نہیں، نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس سے کہو کہ بات کرے، سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۷۰۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۳۶، موطا امام

مالک، رقم الحدیث: ۱۰۲۹، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۶۸، طبع قدیم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نبی ﷺ سے اس کے متعلق فتویٰ معلوم کروں، میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستغنی ہے، اس سے کو سوار ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۶، صحیح مسلم، نذر، ۱۱، (۱۶۳۳) ۳۱۷۲، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۳۱، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۹، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۸۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا، ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا، اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۵، صحیح مسلم، نذر، ۹، (۱۶۳۲) ۳۱۶۹، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۳۲، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۸۶۲، ۳۸۶۱، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۴۱۲۸، مسند ابو یعلیٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۸۳، ابن الجارود، رقم الحدیث: ۹۳۹، سنن کبریٰ للسیہتی، ج ۱۰، ص ۷۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں گئے، ایک شخص ایک غار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا، اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس غار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے ارد گرد سبزیاں بھی ہیں، وہ دنیا کے بکھیروں سے آزاد ہو کر اس غار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نبی ﷺ کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی، تو میں اس غار میں رہوں گا، ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! میں ایک غار کے پاس سے گزرا، اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس غار میں رہوں اور دنیا کے بکھیروں سے آزاد ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا، میں ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح کرنا یا ایک شام گزارنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جہاد کے لیے صف میں کھڑے ہونا اس کی (تہا) ساٹھ سال کی نمازوں سے بہتر ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۲۱۹۲، طبع دار الحدیث، قاہرہ۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۶، طبع قدیم، المعجم الکبیر للبرانی، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۸۶۸، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۲۷۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے

کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)
اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
(البقرہ: ۱۸۵)
اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام معتدل، سہل اور دین فطرت ہے

ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ توسط اور اعتدال کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع اور مذموم ہے، اسی طرح اسلام میں سخت اور مشکل عبادات مطلوب نہیں ہیں، بلکہ اسلامی احکام میں نرمی، ملامت، سہولت اور آسانی مرغوب ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہم میں رہبانیت نہیں ہے۔ (العلل المتناہیہ، ج ۲، ص ۱۵۲)

اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۶۹) اسلام میں ترک لذائذ، سخت ریاضات اور عبادات شاقہ ممنوع ہیں، مصنوعی زاہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کر لی ہے اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام گامزن رہے اور اختیار تابعین نے جس کو اپنایا۔

حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی، جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی، خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، اور تم بدعات (سینہ) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں، تم میں سے جو شخص اس اختلاف کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲، سنن داری، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۱۳۵)

سنن ترمذی کے علاوہ باقی کتب حدیث میں اس طرح مذکور ہے، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، سو تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرو اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لو۔

آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو! تم ان چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنے کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ قسم ہے اور نہ اس پر کفارہ لازم کیا ہے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے، اور نہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کے

برخلاف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے نفس پر طعام کو یا مشروب کو یا اپنی باندی کو حرام کر لے، یا کسی بھی حلال چیز کو حرام کر لے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی، اور نہ امام مالک کے نزدیک اس پر ان میں سے کسی چیز کے حرام کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے۔ ہاں! اگر وہ باندی کو حرام کر کے اس کو آزاد کرنے کی نیت کرے، تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے، خواہ صراحتاً خواہ کنایتاً اور حرام کرنا کنایات طلاق میں سے ہے، اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حرام کرے گا، وہ چیز اس پر حرام ہو جائے گی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور یہ آیت ان پر رد کرتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۱۹۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، یہ آیت امام ابو حنیفہ کے اس وقت خلاف ہوتی جب اس میں یہ مذکور ہوتا کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے، یا اس میں کفارہ نہیں ہے، کفارہ کا ذکر نہ کرنا عدم کفارہ کے ذکر کو کب مستلزم ہے؟ امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں!

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ اس قول سے طلاق کی نیت کرے تو یہ طلاق ہے، اور اگر اس سے ظہار کی نیت کرے تو یہ ظہار ہے، اور اگر طلاق اور ظہار کے بغیر یہ نیت کرے کہ وہ بعینہ اس پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے لیکن اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے، اور اگر اس نے بغیر نیت کے یہ الفاظ کہے تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کفارہ قسم لازم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا، یہ ہمارا مذہب ہے۔

(صحیح مسلم مع شرحہ للنووی، ج ۶، ص ۳۰۰۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

نیز علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک، امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے، یا یہ پانی، یا یہ کپڑا، یا گھر میں داخل ہونا، یا زید سے بات کرنا، اور بیوی اور باندی کے علاوہ باقی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ کلام لغو ہوگا، اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا، اور نہ وہ چیز اس پر حرام ہوگی، اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم مع شرحہ للنووی، ج ۶، ص ۳۰۰۸-۳۰۰۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا اگر میں نے فلاں کام کیا تو اللہ نے جو مجھ پر حلال کیا ہے وہ حرام ہے۔ پھر اس نے اس کام کو کر لیا تو اس کو اختیار ہے یا تو جن چیزوں کو اس نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے ان کو ترک کر دے یا چاہے تو کفارہ دے۔ حضرت ابن مسعود، حسن بصری، جابر بن زید، قتادہ، اسحاق اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا جس شخص نے کہا حلال مجھ پر

حرام ہے یہ قسم ہے۔ اور وہ اس کا کفارہ دے گا۔ اور حسن نے کہا یہ قسم ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ کرے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو درست ہے ورنہ یہ قول لغو ہے۔ ضحاک سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے یہ روایت ہے کہ حرام قسم ہے اور طاؤس نے کہا یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا حرام قسم نہیں ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنے کا قصد کرنا ہے اس لیے اس کا قصد لغو ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (السخ) (التحریم: ۱۰۲) اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم سے نکلنے کے لیے کفارہ کو مشروع فرمایا ہے۔ جیسا کہ شہد یا حضرت ماریہ کی تحریم کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی حلال کو حرام کرنے پر قسم کا اطلاق فرمایا ہے۔ (المعنی، ج ۹، ص ۳۰۱-۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ
(التحریم: ۱۰۲)

اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضا جوئی کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (اے ایمان والو!) بے شک اللہ نے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرما دیا ہے۔ (یعنی کفارہ)

اس آیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت محس رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر میں نے اور حضرت حفصہ نے اتفاق کیا کہ جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں وہ یہ کہے کہ آپ سے مغایر کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغایر (ایک قسم کا گوند) کھایا ہے؟ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک (حضرت حفصہ) کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یہی کہا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے زینب بنت محس کے پاس شہد پیا ہے اور میں اس کو دوبارہ ہرگز نہیں پیوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی: لم تحرم ما احل اللہ لک (السخ) (التحریم: ۱۰۲)

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۶۷، صحیح مسلم، طلاق، ۳۰ (۱۳۷۳) ۳۶۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۱۳، سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۷۹۵، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم کی بندش کو کھولنے کے لیے کفارہ مقرر فرمایا ہے، بعض روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبیلہ کو اپنے نفس پر حرام فرمایا تھا۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ام المؤمنین ایک دن اپنے والد کی زیارت کے لیے گئیں اور اس دن حضور کی ان

تبیان القرآن

جلد سوم

کے گھر میں باری تھی، جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو آپ نے ان کو گھر میں نہیں دیکھا، تب آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہؓ قبیلہ کو بلا لیا اور حضرت حفصہ کے حجرہ میں ان سے اپنی خواہش پوری کی اور اسی حالت میں حضرت حفصہ آپہنچیں اور کہنے لگیں، 'یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں اور میری باری میں یہ عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے اور تم یہ کسی کو نہ بتانا، حضرت حفصہ عاتشہ کے پاس گئیں اور ان کو یہ واقعہ بتایا۔ تب سورہ تحریم کی ایک تا چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی باندی سے رجوع کریں۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۷، جامع البیان، جز ۲۸، ص ۲۰۱-۲۰۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حرام کرنا قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباس نے

فرمایا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں اچھا نمونہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۶۶-۳۹۱۱، صحیح مسلم، طلاق، ۱۸، (۱۳۷۳) ۳۶۱۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۰۷۳)

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری سے سوال کیا گیا ایک شخص نے کہا حلال مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا جب تک وہ

اس سے اپنی بیوی کی نیت نہ کرے اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن کبریٰ ج ۷، ص ۳۵۱)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر حلال حرام ہے تو یہ قسم ہے، وہ اس کا کفارہ ادا کرے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۸)

سعید بن جبیر نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ حلال اس پر حرام ہے تو یہ قسم ہے، وہ اس کا کفارہ دے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا حرام کرنے قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا حرام قسم ہے۔

(سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۵)

ابراہیم نخعی نے کہا جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے، اگر اس نے اس قول سے تین طلاق کی نیت کی تو

تین طلاقیں ہوں گی اور ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا حرام قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۳)

ابراہیم نخعی اور عبیدہ نے کہا جس شخص نے اپنی باندی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کیلئے قسم کھائی کہ آپ اپنی باندی سے مقاربت نہیں کریں

گے اور فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے، تب آپ کی قسم کیلئے کفارہ نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ کیلئے جو چیز اللہ نے حلال

کی ہے آپ اسکو حرام نہ کریں۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

(مذکور الصدر احادیث اور آثار مصنف عبدالرزاق ج ۶، ص ۳۹۹-۴۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵، ص ۷۲-۷۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳-۳۵۰، اور جامع البیان، ج ۲۸، ص ۱۹۸-۲۰۱، میں بھی مذکور ہیں اور ان احادیث اور آثار میں اس پر صریح دلیل ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے) علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کا وہ مالک نہیں ہے، مثلاً کہا: مجھ پر یہ کپڑا یا یہ کھانا حرام ہے تو اس پر وہ چیز حرام نہیں ہوگی اور اس کے لیے اس کو تناول کرنا جائز ہے، اور اگر اس نے وہ کپڑا پہن لیا یا وہ کھانا کھالیا تو اس پر کفارہ قسم ہے۔ امام شافعی نے کہا اس پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ بیوی اور باندی کے ماسوا میں یہ قسم نہیں ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے (یہ علامہ عینی کا تسامح ہے، امام احمد کا قول امام اعظم کے موافق ہے، جیسا کہ ہم علامہ ابن قدامہ حنبلی سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور امام مالک نے کہا جس شخص نے بیوی کے سوا اپنے نفس پر کسی چیز کو حرام کیا تو یہ قسم نہیں ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آتا، کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنا ہے۔ لہذا اس سے ایک شرعی عقد (قسم) منعقد نہیں ہوگا، ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ حرمت ثابت کرنے کی خبر دیتا ہے، ہر چند کہ اس سے بعینہ حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو نص قرآن سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے حرمت لغویہ ثابت ہو سکتی ہے جو کہ قسم کا تقاضا ہے تو جب ایک عاقل بالغ کے کلام کو صحت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کلام کو صحت پر محمول کیا جائے گا، اور اس سے قسم مراد لی جائے گی اور اس کلام کو لغو نہیں قرار دیا جائے گا اور قسم توڑنے سے اس پر کفارہ لازم ہوگا، اور قرآن مجید کی سورہ تحریم کی آیت ۱-۲ سے صراحتاً ثابت ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور صریح آیت کے مقابلہ میں آراء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۳۹-۴۰، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ، فتح القدر، ج ۵، ص ۸۴-۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بیوی سے کہا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس میں مفتی بہ قول اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ تو اس کے متعلق امام اعظم کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور اگر تین طلاقیوں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو طلاقیوں کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے، یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۹، ص ۲۳۸، صحیح مسلم مع شرحہ للنووی، ج ۶، ص ۳۰۰) علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے تحریم کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی، تو یہ ایلاء ہے (ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے قسم پوری کی تو چار ماہ بعد اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ قسم دینا ہوگا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی ہے تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ حکم دیا ہے اور قضاء یہ ایلاء ہے۔ (یعنی اس کے جھوٹ کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے یہ ایلاء پر محمول کیا جائے گا)

(در مختار علی رد المحتار، ج ۲، ص ۵۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ہدایہ میں مذکور ہے کہ عرف کی وجہ سے یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے، اگر اس نے کھایا یا پیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور بغیر نیت کے اس کا یہ قول اس کی بیوی کو شامل نہیں ہوگا اور اگر وہ نیت کر لے تو پھر یہ ایلاء ہے۔ یہ جواب ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ پھر مشائخ متاخرین کا مختار یہ ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ متن میں جو مذکور ہے کہ اس نے عورت کے حرام ہونے کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے، اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے بالخصوص بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس کے برخلاف جب اس نے عام لفظ بولا مثلاً اللہ کا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول عرف کی بنا پر کھانے پینے کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کلام بیوی کو اس وقت شامل ہوگا جب وہ اس کلام سے بیوی کی نیت کرنے، اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے کہ وہ عام لفظ بولے (مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے) یا خاص لفظ بولے (مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر حرام ہے) ہر صورت میں اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ (کیونکہ یہ نیا عرف ہے، لوگ طلاق دینے کے لیے یہ کہتے ہیں) اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اس قول (تو مجھ پر حرام ہے) میں دو عرف ہیں، ایک عرف اصلی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قول ایلاء کے معنی میں قسم ہے اور دوسرا عرف نیا ہے اور وہ اس قول سے طلاق کا ارادہ ہے اور فتویٰ نئے عرف پر ہے، کیونکہ ہر عقد کرنے والے اور قسم کھانے والے کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے، خواہ وہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایہ پر فیصلہ کرے یا فتویٰ دے، اور عرف کو ترک کر دے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس قول کو طلاق پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ یہی عرف حادث اور مفتی بہ ہے۔ لہذا اس قول سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ کلام عام ہو، مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے، یا کلام خاص ہو مثلاً بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اور یہ قسم نہیں ہے، نہ اس پر کفارہ ہے۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۵۵۳، ملخصاً و موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عالمگیری میں مذکور ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اس کلام سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کلام کا غالب استعمال ارادہ طلاق میں ہے۔ (عالمگیری، ج ۲، ص ۵۶، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

امام احمد رضا قادری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۵۶، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان

رکھنے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۸)

افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے

ہرچند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان، سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے، تاکہ انسان نفسانی خواہشوں

کا غلام نہ بن جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وصحت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے، عمدہ لباس، خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواریوں سے متمتع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے، تاہم توسط اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبات نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی ﷺ کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور میٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بہت سادہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک، زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض! آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حال اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ مشروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا اور آپ ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِيُنْفِقُ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُيْسِفْ وَمَا أَنَّهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَاتَهَا (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق ملک کرتا ہے جتنا اس کو دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ: ۸۹)

مناسبت اور شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری مہتوی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اب ہماری ان قسموں کا کیا ہو گا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ (الآیہ)

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۸-۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے عورتیں، گوشت اور رات کی نیند ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا، یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یہیں کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یہیں کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت (۲) داہنا ہاتھ (۳) قسم

یہیں بہ معنی قوت اس آیت میں ہے:

وَلَوْ تَفَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَا خِذْنَا
مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ (الحاقہ: ۴۵-۴۴)
اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے
کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔
یمن کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ یمن بہ معنی دایاں ہاتھ اس آیت میں ہے:
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ فَسَلِّمْ
لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ (الواقعة: ۹۱-۹۰)
اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس
سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے
ہے۔

یمن کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر یمن کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک
دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز اقسام کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور موکد
کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا مشروع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی ﷺ کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ	(النجم: ۱)	روشن ستارے کی قسم! جب وہ غروب ہوا۔
لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ	(البلد: ۱)	میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔
وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا	(الشمس: ۱)	سورج اور اس کی چمک کی قسم۔
وَالصُّحْحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ	(الضحیٰ: ۱-۲)	چاشت کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ (تاریکی کا) پردہ ڈالے۔

اور نبی ﷺ کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے:
وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قَوْلِي وَرَبِّي إِنَّهُ
لَحَقُّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ (يونس: ۵۳)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق
ہے؟ آپ کہئے 'ہاں! میرے رب کی قسم! وہ برحق ہے اور تم
(میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہئے
میرے رب عالم الغیب کی قسم! وہ ضرور تم پر آئے گی۔
کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا: وہ مرنے کے بعد ہرگز
نہیں اٹھائے جائیں گے، آپ کہئے کیوں نہیں! میرے رب کی
قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ
بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (سبا: ۳)
زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَ
رَبِّي لَتُبْعَثُنَّ (التغابن: ۷)

احادیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے
فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا، پھر رسول اللہ ﷺ نے
ہماری طرف چٹکبوتے کو ہان والے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو

آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے، ہم نے آپ کے پاس جا کر آپ کو اس قسم کی خبر دی، آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، الایمان، ۱۰ (۱۶۳۹) ۳۱۹۰، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۸۵، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۵۵۵، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۷۸۰، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶)

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز فقہاء کے نزدیک ہر چند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن بہ کثرت قسم کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ حَلَاْفٍ مُّسِيْمٍ (القلم: ۱۰)

اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔

لیکن اگر بہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاِيْمَانِكُمْ (البقرہ: ۲۲۳)

اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۳)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بہت قسم کھاتے تھے، بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آپ نے خطبہ کسوف میں فرمایا اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روزہ زیادہ۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ نے ترک دنیا کرنے کا ارادہ کرنے والے صحابہ سے فرمایا سنو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور انظار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

آپ نے ابوطالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سنو! اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

اس ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور بہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھالے اور مانعین نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاِيْمَانِكُمْ اَنْ تَبْرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تَصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۲۳)

اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ جن سے مقصد نیکی، خدا خونی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز

رہنا ہو۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا، خدا خوفی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا، پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں، سو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۱، (۱۶۵۰) (۳۱۹۲)

فی نفسہ قسموں کی اقسام

فی نفسہ قسموں کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام

واجب: اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔

حضرت سید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے نکلے، ہمارے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی، اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۱۹، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۶۷۲۶، طبع دار الفکر،

مسند احمد، ج ۳، ص ۷۹، طبع قدیم)

مستحب: جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ کو زائل کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی شر کو رفع کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، تو ان صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عبادت کے کرنے یا کسی گناہ کے ترک کرنے پر قسم کھانا مستحب ہے۔

مباح: کسی مباح کام کے کرنے یا اس کو ترک کرنے پر قسم کھانا مباح ہے، جس خبر کے صادق ہونے کا یقین ہو، یا اس کے صدق کا غلبہ ظن ہو، اس پر قسم کھانا بھی مباح ہے۔

مکروہ: کسی مکروہ کام کے کرنے پر، یا کسی مستحب کام کے ترک پر قسم کھائی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے، حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح کو خرچ دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت بیان کر دی، تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ پہلے جو حضرت مسطح کو خرچ دے کر ان کی مدد کرتے تھے وہ اب بند کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتِلُ أَوْلُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أَوْلِيَ الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا يُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب وسعت اور خوش حال ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (کچھ) نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے

حدر تم فرمانے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کار خیر کو ترک کرنے کی قسم کھانا پسندیدہ اور مکروہ ہے۔

حرام: جھوٹی قسم کھانا اور خلاف واقع قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
 اَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ
 مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (المجادلہ: ۱۵-۱۴)

اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ۝ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، بے شک وہ (دنیا میں) بہت برا کام کرتے تھے۔

اسی طرح معصیت پر اور ترک واجب پر قسم کھانا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص ناجائز کام کرنے کے لیے قسم کھائے تو یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
 ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۖ
 لَا يَكَلِمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا، اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا،

(آل عمران: ۷۷) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھانی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولیٰ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت مقداد میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا، جو حضرت عثمان سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان کے پاس گواہ نہیں تھے، اس لیے حضرت عمر نے حضرت مقداد پر قسم لازم کی۔ حضرت مقداد نے حضرت عثمان پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمان نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے کہ یہ مصیبت عثمان کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی، اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! بے شک میرے ہاتھ میں عصا ہے، اور عمر بن شہب نے کتاب قضاة البصرة میں اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعب کا اس درخت پر دعویٰ تھا، تو حضرت عمر پر قسم آئی۔ حضرت زید نے کہا تم امیر المؤمنین سے قسم کو معاف کر دو، حضرت عمر نے فرمایا امیر المؤمنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا، ورنہ میں قسم کو ترک کر دوں گا، اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمر نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا گیا اے امیر المؤمنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دے دیا، حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا، اور یہ حق پرچی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ

تبیان القرآن

دوسروں کے سامنے کھانا جائز ہے، وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ (المغنی، ج ۹، ص ۳۸۸-۳۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نبی ﷺ اس طرح قسم کھاتے تھے، اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ، رحمن، رحیم، خالق، باری، رزاق، رب وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفات یہ ہیں، اللہ کی عظمت، اللہ کا جلال، اللہ کی قدرت، اللہ کا علم، اللہ کا کلام وغیرہ۔ نبی ﷺ یوں قسم کھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۳۹۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۰۹۲) اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں، اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے، ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ندا کر کے فرمایا: سنو اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۰۸، صحیح مسلم، الایمان، ۳، (۱۶۳۶) ۳۱۷۸)

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہے، اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز پر گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے، مثلاً فرمایا: والطور (الطور: ۱) پہاڑ طور کی قسم! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے، جو چاہے کرے، اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور، درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گواہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد جصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ حانث ہو گا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا، اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے، جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم!

(در مختار علی هامش رد المحتار، ج ۳، ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تساہل برتتے ہیں، اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ، مثلاً اگر میں نے فلاں تاریخ کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق، توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا، اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی، اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے، کیونکہ اس میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔

(رد المحتار، ج ۳، ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

یمین لغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے: کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی بے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام، جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے (لا یسمعون فیہا لغوا الا سلما) (مریم: ۶۳) وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے، بجز سلام کے۔

علامہ ابو اسحق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلا قصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں، یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی اور چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمر، ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کہے، نہیں، خدا کی قسم! ہاں! خدا کی قسم! اور جو چیز زبان پر بلا قصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا، جیسے سبقت لسان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (المذنب، ج ۲، ص ۱۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو گمان ہو کہ یقینی طور پر فلاں واقعہ ہو اور وہ اس پر قسم کھالے اور درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ (بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے گمان کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابومالک، حضرت زرارہ بن اونی رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ حسن بصری، نخعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

(المغنی، ج ۹، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے گمان میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور درحقیقت واقعہ اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق

قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا یہی گمان ہو اور وہ درحقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یمن لغو ہے۔

(حدایہ اولین، ص ۴۷۹-۴۷۸، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ، ملتان)

یمن منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمن منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ: ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑ دے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے۔ (الآیہ المائدہ: ۸۹) اس قسم میں کفارہ بالاتفاق مقرر ہے، خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر، لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے (صحیح مسلم، ایمان ۱۱ (۱۶۵۰) ۳۱۹۲) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے، خواہ اس نے عداً قسم توڑی ہو، یا بھول کر، یا خطا سے، یا جبر سے، کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے اور اس میں عداً اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔

(بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۳۰۳، بدائع الصنائع، ج ۳، ص ۱۷)

امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان، خطا یا جبر سے قسم توڑ دی، تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

(المہذب، ج ۲، ص ۱۲۸، المغنی، ج ۹، ص ۳۹۱)

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے خطا، نسیان، اور جبر سے

مواخذہ اٹھایا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۲۶۹، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض، ۱۴۱۵ھ)

یمن غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عداً جھوٹی قسم کھائی جائے تو یہ یمن غموس ہے اور اس کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے، کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا یہی مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع، ج ۳، ص ۱۵، الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی، ج ۲، ص ۱۲۸، المغنی، ج ۹، ص ۳۹۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۱۸ (۱۳۷)، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۲۳، سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۲۵۰۵، صحیح ابن حبان، رقم

الحدیث: ۵۰۸۷، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۰، سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۱۷۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ

کروایا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۲۲۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۱-۲۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی

نافرمانی کرنا یا فرمایا: یمن غموس (جھوٹی قسم) اور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، یمن غموس، ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: کسی کو قتل کرنا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۸۷۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۳۲، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۰۲۲، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۵۵۶۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۶۹۰)

امام شافعی کے نزدیک یمن غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یمن غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے یمن منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (المہذب، ج ۲، ص ۱۲۸)

کفارہ قسم کی مشروعیت

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے، کفر کا معنی ہے ستر اور ڈھانپنا۔ سو قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (المائدہ: ۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی، پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے، تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۱، (۱۶۵۰) (۳۱۹۲))

کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے، اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھلانے سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے، اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلو گرام گندم دی جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گرام یا چار کلو کھجور یا جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گرام یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بہ یک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے، خواہ بہ یک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہوگا۔

جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کو بھی کھانا کھلایا جاسکتا ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھلانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے، بخلاف کھانا کھلانے کے،

کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ فقط کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمد کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالک کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعی کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے یہ مقدار ضروری ہے، ورنہ مردوں کو قمیص، شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قمیص، شلوار اور دوپٹہ۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے، اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاعضاء ہو اور غیب دار نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام عام ہے، مومن ہو یا کافر، کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے او تحریر رقبۃ (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے، کیونکہ کفارہ قتل خطا میں فرمایا ہے۔ فتح حریر رقبۃ مؤمنۃ (النساء: ۹۲) ائمہ ثلاثہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہاں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا، اور جہاں اس کو مقید ذکر کیا ہے وہاں اس کی مقید پر عمل ہوگا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے فصیام ثلاثة ایام (المائدہ: ۸۹) اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے فصیام ثلاثة ایام متتابعات ہر چند کہ یہ قرأت متواتر نہیں ہے، لیکن یہ آیت خبر واحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبر واحد حجت ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ جس طرح عہد آروزہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگاتار رکھے جاتے ہیں، ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگاتار رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سو اسی طرح اس کا حکم ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۱۹۵-۱۹۳، المذہب، ج ۲، ص ۱۳۲-۱۳۰، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۱۰۵-۱۰۴، رد المحتار، ج ۳، ص ۶۲-۶۰،

فتح القدر، ج ۵، ص ۹۱-۷۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

لے ایمان والو! شراب اور جو اور تبوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا

محض ناپاک ہیں، شیطان کاموں سے ہیں سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ شیطان

يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ

ممن یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں

وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ

اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے

مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَحْذَرُوا فِان

دائے ہو ○ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو، پھر اگر تم نے

تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے ○ ایمان والے اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا

نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ

وَأَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا

سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب اور جو اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک

ہیں شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے

ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے

ہو؟ (المائدہ: ۹۱-۹۰)

مشکل الفاظ کے معانی

خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے

ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر

کہتے ہیں۔ میسریر سے بنا ہے، اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس

لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیروں کی ہیئت کی پتلی پتلی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فال

نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۶۳۸)

رجس: جو چیز حسایا معنا گندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جو ا کھیتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہتے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (وقتی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے، ہم شراب پیئیں گے اور جو ا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے، حتیٰ کہ ایک شخص نے سورہ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی ”قل یا ایہا الکفرون اعبدوا ما تعبدون۔ آپ کہتے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ در آنحالیکہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جو ا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں..... کیا تم باز آنے والے ہو، تو مسلمانوں نے کہا اے رب! ہم باز آگئے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں، ایک (لقمان: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱) ہے۔ (حضرت سعد نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ سعیدی غفرلہ) (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا، انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ باغ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا، اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھایا اور شراب پی، پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں، ایک شخص نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جو ا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (الآیہ۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۴۳، (۱۷۳۸) ۶۱۲۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۲-۱۶۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۸۵)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے، اس وقت شراب حلال تھی۔ اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا، اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! شراب اور جو اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (المائدہ: ۹۰) اور اس کے آخر میں تھا، کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی، انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہادی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آگئے۔ اے ہمارے رب! ہم باز آگئے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۷۳، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۱، السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۲۸۶-۲۸۵)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں، جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ! مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۱۱۷۱ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو، کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے کہا کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے، اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ دینوری کا تسامح ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں، نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا: کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز! انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہانسی ارانی اعصر خمرا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں یہاں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابو حنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا جو انگور اٹھائے جارہا تھا، انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا ٹھایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر، سو اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔

(لسان العرب، ج ۴، ص ۲۵۵، مطبوعہ ایران، تاج العروس، ج ۳، ص ۱۸۷-۱۸۶، مطبوعہ مطبعہ خیریہ، مصر، اقرب الموارد، ج ۱، ص ۳۰۱، مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے، انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(صحیح مسلم الاثریہ، ۶۷، ۲۰۰۱، ۵۱۱۳، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۸۲، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۵۹۲) اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے خمر ان دو درختوں سے (بنائی جاتی) ہے یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم الاثریہ، ۱۳، ۱۹۸۵، ۵۰۵۰، ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۷۸، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۵۷۳-۵۵۷۲-۵۵۷۱)

تبیان القرآن

جلد سوم

نیز خمر کا لفظ مخامرة العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اس معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے، وہ مخامرة العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا، بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا زائقہ بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خمر کا لفظ مخامرة العقل سے مشتق ہے، تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو، کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظہور ہے، اس کے باوجود نجم کا لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ ثلاثہ نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام حافظ اور ثقہ ہیں، حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں، وہ حدیث نہیں ہے۔ عنایہ) اور دوسری حدیث: (خمر ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ ﷺ کا منشاء کھجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کھجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو، تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے، اور اس سے حد لازم آتی ہے۔ عنایہ) (ہدایہ اخیرین، ص ۲۹۲، مطبوعہ شرکت علمیہ، ملتان) خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے، خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں، اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس، اور ان کا پینا حلال ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۷۹۹-۵۷۹۰-۵۷۹۱-۵۷۹۲، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۹۷، کتاب الآثار لابن یوسف، ص ۲۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵، ص ۸، سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۱۹، المعجم الکبیر للبرانی، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۱-۱۰۸۳۲، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۲۶۳۳-۱۲۶۳۴، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو، اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو، اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے، اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا۔ جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو، جب اس کو ہوش آجائے تو اس کو کوڑے لگا دینا، پھر حضرت عمر نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوا دیا، پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور

سخت تلخ نبیذ تھا، آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا، پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا، پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آجائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں، ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الآثار، لامام محمد، ص ۱۸۳-۱۸۴، کتاب الآثار لامام ابی یوسف، ص ۲۲۶، مصنف عبدالرزاق، ج ۹، ص ۲۲۳)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ صنعانی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں، حضرت عباس نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے، آپ نے اس کو چکھا، پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ، پھر آپ نے اس میں پانی ملایا، پھر دو یا تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ، اور فرمایا جب تم کو (نبیذ) تیز لگے، تو اسی طرح کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۱۳۰-۱۳۹، مصنف عبدالرزاق، ج ۹، ص ۲۲۶، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۰۰-۳۰۵-۳۰۴)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے، آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا، آپ کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا، آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا: میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ، پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا، ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۱۳۰، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۳۰۴، سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۷۱۹)

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر

فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو، اور خمر بعینہ حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور مثلث اور کشش اور چھوڑوں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نبیذ) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے، اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو، صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثال کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے، اور اس کی مثال نفقہ کی طرح ہے اگر انسان اپنی کمائی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز محل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نبیذ ہے، اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر اس کو بہ قدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے، اس لیے جب نبیذ پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھئے! مثلاً دودھ حلال ہے، لیکن اگر کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی، اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا مدار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ! خمر مطلقاً حرام ہے، نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے، اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ) جب جوش دے کر پکایا جائے، اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو، تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو

یوسف کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں، اس کو مثلث کہتے ہیں۔ (رد المحتار، ج ۵، ص ۲۹۰) اس کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار کثیر نہیں ہوتی، بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبادت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں، وہ مثلث میں بالکل رغبت نہیں کرتے۔ (المبسوط، ج ۲۳، ص ۸-۹، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے، اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے، لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا، کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے، نہ نماز سے اور نہ بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (البنایہ، ج ۱۱، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شہابی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں، تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے، یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے، یا اعداء اسلام سے قتال کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے، یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے، تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، اور چونکہ اب فساد عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو و لعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں، اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۲۹۲-۲۹۳، ملخصاصد موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابیں پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے، خواہ قلیل مقدار میں پئے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے، لیکن اگر اسپرٹ یا الکوحل کی نہایت قلیل مقدار مانع دواؤں میں شامل ہو، یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے فتویٰ کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے، کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صادق نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شخص ایک چمچہ دوا پی رہا ہے جس میں ایک یا دو قطرے الکوحل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: کہ خمر عینہ حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے، سو اگر الکوحل بالفرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور تلخی جاتی رہتی ہے، اور جس طرح علامہ عینی نے کہا ہے، کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکنا ہے، اور مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو چمچے ہوتی ہے، اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے، وہ الکوحل نہ تو خمر ہے نہ نماز اور نہ

اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے، وہ حرام نہیں ہے اور یہ مانع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفیوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے، وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۳۸۶ھ انگریزی دواؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے، جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے، اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں، مگر بوقت اضطرار کہ وہ بنص ”الاما اضطررتم الیہ“ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بھیکے کے مقطر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے: ”والتاسع ان الطبخ لایوثر فیہا لانہ للمنع من ثبوت الحرمة لالرفعہا بعد ثبوتہا۔ انتہی“ لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا، یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے، بلکہ یہ ایسی شراب کا جو ہرے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے، یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ باذن یا مصنف یا نفع زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو، اس لیے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہذا عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں۔ کما صرح من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے، یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے، لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون سی شراب سے بنی ہے، تب بھی یہی حکم ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ اپنی دیر میں حرکت محسوس کرے اور اس کو یہ اشکال ہو کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا، تو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اصل اشیاء میں حلت اور طہارت ہے۔

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے، ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط۔

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی، جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز، لیکن مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ غیر خمر کی بیع ہر چند کہ صحیح ہے، لیکن مکروہ ہے، جیسا کہ غایہ میں مذکور ہے۔ پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط۔

(۴) جب ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے۔ پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے، تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب، اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے، تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لیے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے، ورنہ اختلاف ہے۔ در مختار میں ہے:

حرام دوا کے ساتھ علاج میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں یہ ممنوع ہے، جیسا کہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں الحادی سے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جب حرام دوا سے شفاء کا یقین ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو، تو اس کے ساتھ علاج کی رخصت دی جائے گی، جیسا کہ پیاسے کو خمر (شراب) پینے کی رخصت دی جاتی ہے۔

پس اس صورت میں اگر اس کا بطور دوا استعمال کیا جائے، تو گنجائش ہے، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جائے، اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اشرہ سے ہے، تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو، لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے۔ للاختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شامی نے احکام ایون کے بارے میں فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز نشہ آور ہو اس کی کثیر مقدار کو استعمال کرنا تو مطلقاً حرام ہے، اور قلیل مقدار اگر بہ طور لہو و لعب ہو، تب بھی حرام ہے اور اگر علاج کے لیے ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے، ورنہ قدر مسکر بجز اضطراب کے بطور دوا بھی جائز نہیں۔ کما قالہ العلماء والشامی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ امام مسجد فتح پوری، دہلی)

نوٹ: مفتی مظہر اللہ دہلوی نے حدیث اور فقہ کی صرف عربی عبارات ذکر کی تھیں، ہم نے ان عبارات کا اردو ترجمہ ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ (فتاویٰ مظہری، ص ۲۸۹-۲۹۰، مطبوعہ مدینہ، بلیٹنگ کمپنی، کراچی)

شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لیرا لوگوں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۷۵، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۷۵، صحیح مسلم الایمان، رقم الحدیث: ۱۰۱-۱۰۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو، اور چوتھی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۷۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۴۸۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

عروہ بن رویم بیان کرتے ہیں کہ ابن الدہلی سوار ہو کر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی تلاش میں گئے، جب ان کے پاس پہنچے تو کہا: اے عبد اللہ بن عمرو! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص میری امت میں سے خمر پئے گا، اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو، یہ تمام گناہوں کی اصل ہے، تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہو گئی، اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بہانے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا، اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے، ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا، لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا

اس شراب سے ایک پیالہ پویا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلا دو، اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی، اس نے کہا اور پلاؤ، پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو، کیونکہ خدا کی قسم! دامن شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے خمر کو پیا، چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی، پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، پھر اگر دوبارہ شراب پئے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا، پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، پھر اگر وہ شراب پئے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اس سے توبہ نہیں کی، تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵، صحیح مسلم، الاشریہ، رقم الحدیث: ۷۶-۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ (سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

خمر کی حد کا بیان

خمر پینے والے پر حد لگائی جائے گی، خواہ وہ ایک قطرہ خمر پئے اور خواہ اس کو نشہ نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص خمر پئے، اس کو کوڑے مارو، اگر دوبارہ پئے تو پھر کوڑے مارو، اگر سہ بارہ پئے تو پھر کوڑے مارو، اور اگر چوتھی بار خمر پئے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی و ابوداؤد) البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے، یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (مسلم) اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پئے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے، اور خمر کی حد اجماع صحابہ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تہمت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

بھنگ اور ایون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لہو و لعب کے قصد سے بھنگ پئے یا ایون کھائے اور اس کی عقل ماؤف ہو جائے، تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ یہ معصیت ہے، اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی تھی یا ایون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پینا یا ایون کھانا حرام ہے۔ اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور ایون کا استعمال جائز ہے۔ النہر الفائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (رد المحتار، ج ۵، ص ۲۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور دوا یہ مثلاً اے۔ ٹی ون، ڈائزوپام، والیم، لبریم اور تفرانیل وغیرہ کو بھی انسومینیا، دل گرفتگی (ڈپریشن) اور مایعولیا ایسے امراض میں ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے، لیکن ان دواؤں کو بطور عادت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں، لیکن ان کے مابعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں، ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اخیر عمر میں رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔

تंबا کو نوشی کا شرعی حکم

اگر انسان کبھی کبھی تمباکو پی لے تو یہ مباح ہے، لیکن تمباکو نوشی کو عادت بنا لینا اور مستقل تمباکو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اب جدید میڈیکل سائنس کی اس تحقیق کو تمام دنیا میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تمباکو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے، تمباکو پینے سے بالعموم لوگوں کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تمباکو سے کھمبھٹروں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں، بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، کینسر ہو جاتا ہے اور بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ہمیں اس جسم کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس جسم کو نقصان پہنچے، اس سے احتراز لازم ہے اور اس کا ارتکاب کرنا ممنوع ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں، ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر، شیشہ، مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا

ہلاکت ہے، اس لیے ان کا حلال نہ ہو تا واجب ہے۔ (شرح المہذب، ج ۹، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جو ا کھیلنے کو بھی حرام قرار دیا ہے، لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب، مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا، خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

(المعجم، ص ۶۵۳، مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ، بیروت، ۱۹۲۷ء)

میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی، قمار ہے۔

(التعریفات، ص ۷۷، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قمار، قمر سے ماخوذ ہے۔ جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جو ا کھیلنے والوں میں سے ہر

ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کو مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور

اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

الل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

عنمانے فرمایا آپس میں شرط لگانا جو ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا، بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہو گئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے، یعنی نب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا، وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا، وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے، اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں، تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی ﷺ نے محلل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن، جزا، ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۰۰ھ)

معمر، لائری اور سٹہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں معمر اور لائری کا رواج ہے۔ معمر میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معمر کو حل کر کے صاحب معمر کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں، اور لاکھوں شرکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں، اس میں سے تین چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں۔ علمی حیثیت سے تو اس معمر کے بہت سے حل صحیح ہو سکتے ہیں، لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں، بلکہ محض اتفاق سے کہاں لہر کے حل کے مطابق ہو۔ چونکہ معمر میں بھی تھیک کا مدار خطرہ (Risk) پر ہے، اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے، اور شرعاً ناجائز ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح لائری بھی جو ہے۔ لائری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں، اس میں سے قریب اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور فائلمید فاؤنڈیشن کے ر۔ نٹ ٹکٹ کا کاروبار عام ہے، یہ کاروبار خالص جو ہے، اگر کوئی شخص تپ دق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون مہیا کرتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے آکر ان اداروں میں عطیات جمع کرائے، لائری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور نادار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم مہیا نہ کرے، اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہارجیت پر جانبین سے شرط لگانا، اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے پر، یا کسی بھی اتفاقی امر پر جانبین سے شرط لگانا صراحتاً سٹہ اور جو ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں، ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو، تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں، بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آکر نکل جاتا ہے، اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے، کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے، لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا، بعض دفعہ کسی کھیل میں ہارجیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں۔ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں، ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا، اس

کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلیسٹروں کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے، اور یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں، معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں، ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظانِ صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے، نبی ﷺ نے گھڑسواری کا مقابلہ کرایا، پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا، اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی، اس سلسلہ میں ہم نے تمام احادیث شرح صحیح مسلم، جلد سادس میں بیان کر دی ہیں۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں، ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقتور جسم، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکتا ہے، اور حقوق العباد کی ادائیگی اور خلق خدا کی خدمت، تندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو، کشتیوں کا ہویا پرندوں، خجروں، گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے، اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے، کیونکہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا، نبی ﷺ نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی، آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (المنی، ج ۹، ص ۳۶۸، مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے، اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا جائز ہے۔

چوسر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو، وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو زرد شیر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ بنی شیبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے زرد شیر (چوسر) کھلیا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حضرت بریدہ بنی شیبہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے زرد شیر کو کھلیا، اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیر جب زرد شیر (چوسر) کھینے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار زرد شیر (چوسر) کھیلے، اس کی گواہی مقبول نہیں، عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے، شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے۔

البتہ اچوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چوسر پر قیاس کر کے حرام کیا گیا ہے۔ قاضی ابوالحسنین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، قاسم، سالم، عروہ، محمد بن علی بن حسین، وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابوہریرہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہی مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور زرد شیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے، نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے، لہذا یہ نیزہ بازی، تیراندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علی نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے، ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شہادت بھی مردود ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابو بکر نے کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی، الا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے، سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المغنی، ج ۱۰، ص ۱۲۲-۱۲۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۵ھ)

علامہ علاؤ الدین الحسینی الحنفی لکھتے ہیں:

نرد (چوسر) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، امام شافعی نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہی ہے، یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت بنائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے، ورنہ شطرنج کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۲-۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت

مولانا اقبال احمد نوری لکھتے ہیں:

عرصہ ۲۰ سال کا ہوا، حاجی احمد حسین صاحب نے نجیب آباد میں اتفاقہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی، ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہو گئی، جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہو گئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز بعد مغرب میں اور غلام جیلانی (کہ ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر امداد کی جائے جب کہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔

تبیان القرآن

عرض کیا ہاں حضور! بات تو یہی ہے، مگر ماشر قرب محمد صاحب جو سید ہیں، حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں! عرض کیا، وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماشر بھی ہیں، ان کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں، فرمایا یہ بات قابل غور ہے۔

ارشاد فرمایا اگر میرٹھ والوں کے سولہ نمبر (رن) بنیں تو بریلی والوں کی جیت ہے۔ عرض کی جی حضور! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لیے چلیں تو انہیں جو مسلمان ہوں، انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم جائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر، پھنکیاں سے شروع کریں اور کھبصص یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، پھر لٹے ہاتھ پر جمعسق یہ بھی پانچ حروف ہیں، ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورہ "الم تر کیف" پڑھیں۔ جب ترمیہم پر پہنچیں تو اس کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے، پھر لٹے ہاتھ کی یہاں تک دس بار ترمیہم پڑھنے میں دس انگلیاں کھل جائیں گی، پھر بقیہ سورہ بحجارتہ من سجیل فجعلہم کعصف ما کول پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے، اسے سکھادیں کہ ہر مرتبہ حم بنصرون پڑھ کر گیند پھینکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ رن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نہ معلوم کہاں کہاں سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی، کمال کہنے یا کرامت کہ..... آپ نے ہمیشہ ایک ایسا عمل عطا فرمادیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جاسکتی ہے، بعض عاقلین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ رن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اس عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے۔ کھبصص میں پانچ حروف ہیں جمعسق میں پانچ حروف ہیں اور ترمیہم میں چھ حروف ہیں۔ اس طرح کل ملا کر سولہ حرف ہوئے، پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کر دی تھی۔ لہذا سولہ رن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

(شمع شبستان رضا، حصہ سوم، ص ۵۰-۴۸، مطبوعہ رومی پبلیکیشنز، لاہور)

شراب پر زیادہ تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد سادس اور خامس میں ہے اور جوئے پر زیادہ تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم، جلد رابع اور خامس میں ہے۔

شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

۱- شراب اور جوئے کو جوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بت اور فال کے تیر حرام ہیں، سو شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۲- شراب اور جوئے کو جس یعنی ناپاک فرمایا ہے اور ناپاک چیز حرام ہے، اس لیے شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۳- ان کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

۴- ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۵- ان سے اجتناب کرنے پر اخروی نوز و فلاح موقوف ہے اور ان کا ارتکاب نوز و فلاح کے منافی ہے اور جو چیز اخروی نوز و

فلاح کے منافی ہو، وہ حرام ہے۔

۶- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

- ۷- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔
 ۸- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے وہ حرام ہے۔
 ۹- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے وہ حرام ہے۔
 ۱۰- پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فرمایا خمر (شراب) ام النجاشت ہے۔ (التسائی، ج ۸، ص ۵۶۸۲) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دائمی شرابی ماں باپ کا نافرمان اور احسان جتانے والا فردوس کی جنتوں میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند البرز، ج ۳، ص ۲۹۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ دائمی شرابی تھا، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا جیسے بتوں کو پوجنے والا ہو۔ (مسند البرز، ج ۳، ص ۲۹۳۲) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پر خمر کے پینے والے پر، خمر پلانے والے پر، انگور نچوڑنے والے پر، شراب بنانے والے پر، خمر اٹھانے والے پر، اس پر جس کے لیے خمر لائی جائے، خمر بیچنے والے پر، خمر خریدنے والے پر اور خمر کی قیمت کھانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (مسند البرز، ج ۳، ص ۲۹۳۷)

خمر انسان کی عقل زائل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے کام کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت اور آبرو گر جاتی ہے اور اس کا وقار نہیں رہتا، نیک کاموں کی قدرت جاتی رہتی ہے اور برائی سے دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ شراب نوشی سے اس کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں، اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کئی بیماریوں کی استعداد ہوتی ہے اور نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے اور اس سے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے اور بچے ویران ہو جاتے ہیں۔

جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے میں شخصی اور اجتماعی اور دینی اور دنیاوی خرابیاں ہیں۔

انصاب اور ازلام کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انصاب اور نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ابو عبیدہ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاب جمع ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاب نصب کی بھی جمع ہے، اور اس کا معنی بت ہیں۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۲۷۷-۲۷۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

ازلام کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دوسروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ ہو، یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استقام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمایا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے، اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے، انہوں نے تیروں پر مختلف قسم کی علامتیں بنائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۵، مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری کی حدیث الجرت میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر کا پیچھا کیا تو میں نے تیرے قسمت معلوم کی، آیا مجھے نفع ہو گا یا نقصان، تو وہی نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ (ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۰۶) امام ابن جریر نے کما زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوا تھا ”کام کرو“ دوسرے پر لکھا ہوا تھا ”نہ کرو“ اور تیسرا سادہ ہوا تھا۔ فرانے کما ایک پر لکھا ہوا تھا ”میرے رب نے حکم دیا ہے“ دوسرے پر لکھا ہوا تھا ”میرے رب نے منع کیا ہے“ اور تیسرا سادہ ہوا تھا۔ جب ان میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیرے سے فال نکالتا، اگر لکھا ہوا ”کرو“ تو وہ کام کرتا اور اگر لکھا ہوا ”نہ کرو“ تو وہ کام نہ کرتا اور اگر تیرا سادہ نکلتا تو وہ دوبارہ فال نکالتا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کاسب سے بڑا بت جمل تھا، یہ کعب کے درمیان میں نصب تھا، اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انہیں کوئی مہم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے فال نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا، اس پر عمل کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں، جس طرح سراقہ نے کیا تھا، امام ابن جریر طبری نے سعید بن جریر سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے، جن پر کچھ لکھا ہوا تھا، اور وہ اپنے ہر سفر میں خواہ وہ سفر جنگ کا ہو یا تجارت کا، ان پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے، یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعب والے ازلام کے علاوہ تھے۔ محدثین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ازلام (فال نکالنے کے تیر) تین قسم کے تھے۔ (۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے (۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعب میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے، یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور دیت وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔ (۳) یہ جوئے کے تیر تھے، یہ دس قسم کے تھے، سات دھاری دار تھے اور تین سادہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جو اکھلتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کما قسمت معلوم کرنے یا فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو گھماتے تاکہ ان کی قسمت معلوم ہو۔ آیا وہ سفر کریں یا نہ کریں، جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۲۷۸-۲۷۷، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

ازلام کی تفسیر میں مزید مباحث اور مسائل اسی سورت کی آیت نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو، پھر اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے (المائدہ: ۹۳)

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے خمر، جوئے اور دیگر محرّمات سے اجتناب کا جو حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرو اور اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت آجائے گی یا تم آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب۔

(النور: ۶۳)

اور اگر تم نے اعراض کیا اور ہمارے رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ تو تمہیں تبلیغ فرما چکے ہیں، اللہ کی حجت تم پر پوری ہو چکی ہے اور اب تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں، اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(المائدہ: ۹۳)

شان نزول کا بیان

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں، اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ الایہ

(مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۶۹۱-۲۳۵۲-۲۰۸۸، دار الفکر، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۳۴، طبع قدیم، جامع البیان، ج ۷، ص ۵۰، امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی، المستدرک، ج ۳، ص ۱۲۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ نے کہا ہمارے ان اصحاب کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہو گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۱-۳۰۶۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۵۳۵۰، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱، ص ۱۷۲، جامع البیان، ج ۷، ص ۵۰)

تحریم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۶۱۰ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا اور امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور یہ جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور راجح قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ (صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۸۳) تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس اس وقت چودہ سال کے ہوں گے، تو پھر وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ (فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۱، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

شراب کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے، اس کو حرام کر دینا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ امتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا، جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے، ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی، ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی، تاکہ قلیل مقدار میں خمر کا پینا کثیر مقدار میں خمر پینے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ

تبیان القرآن

جلد سوم

تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے، کیونکہ اس نے ہم کو خیر ائم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں خمر کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں خمر کو مباح رکھا تاکہ مسلمان خمر کے فساد کا خود مشاہدہ کریں، حتیٰ کہ جب ان پر خمر حرام کر دی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔ اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے، اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے، یعنی انہوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے، اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

۲۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام مثلاً نماز، روزہ اور جہاد وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے، مثلاً بعد میں شراب، جوئے، انصاب اور ازلام کو حرام کیا گیا، تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

۳۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے، اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں، مثلاً شراب سے مجتنب ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

۴۔ تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں، یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے، حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۵۔ تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں، یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو، اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے منافی ہو، اور نہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشاں رہتے ہیں۔

۶۔ وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دنائت اور خست نفس کا سبب ہوں۔

۷۔ اس سے مراد سلوک کی ابتداء، سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے جس میں انسان محبوب حقیقی سے واصل ہو جاتا

۸- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین ادوار مراد ہوں، یعنی وہ عمر کی ابتداء میں بھی اللہ سے ڈرتے تھے، وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

۹- وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے، اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور باقی اعمال میں خوف خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

۱۰- اس تکرار سے ایمان اور خوف خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے، تاکہ مسلمان اس پر نہایت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُؤْتِكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ

لے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آڑنے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے

اَيْدِيكُمْ وَرِمَاكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمِنَ اَعْتَدَىٰ

نیز سے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کرے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ)

بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا

کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ۰ لے ایمان والو! حالتِ احرام میں شکار نہ

الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ وَمَن قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَبِدًا فَأَجْرًا مِّثْلُ

مارو، اور تم میں سے جس نے عدا شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے

مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ

اس شخص کو موشیروں میں سے اسی کی مثل قربانی کرنی ہوگی، تم میں سے دو نصف اس کی

الْكُفَّةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ مِثْلًا

مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآن حایکہ یہ قربانی کبہ کو پہنچنے والی ہو، یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان کی تعداد کے برابر

لِيَذُوقَ وَبِالْأَمْرِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۖ وَمَن عَادَ فَيَنْتَقِمُ

روز سے رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے، جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ

اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ

اسے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے ۰ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام

طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْغِيَارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔ اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام

حُرْمًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے سو جس نے اس تجبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۹۷)

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی، بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا، اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب اللہ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں ممنوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۶، ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں نازل ہوئی، جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحشی جانوروں کے شکار کی آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے، وحشی جانور بکثرت ان کی سوار یوں کے گرد پھر رہے تھے، اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحشی جانوروں کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور، مثلاً جنگلی گدھا، گائے اور اونٹ وغیرہ ان کے نیزوں کی زد میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے، وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور تھے، وہ ان کے نیزوں کے نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا ہتھیار ہے، تیر اور دیگر ہتھیار بھی اس میں شامل ہیں۔

(روح المعانی، جز ۷، ص ۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے، ان کو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستثنیٰ فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو محرم پر حرام قرار دیا، اور شکار کرنے پر اس کی تلافی اور تدارک کے لیے تاوان بیان فرمایا۔

”تاکہ اللہ یہ جان لے“ کی توجیہات

اس آیت کے دوسرے جز کا لفظی معنی یہ ہے، تاکہ اللہ یہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے اور کسی شخص کے کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر اس کا علم موقوف نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس کا معنی یہ کیا ہے، تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور ہے۔ اس کو حکماء کی اصطلاح میں علم تفصیلی سے تعبیر کرتے ہیں، جو معلومات کا عین ہے، اس کے برخلاف علم اجملی عالم کا عین ہوتا ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور اس سے مراد معلوم کو واقع کرنا اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔ نیز علامہ بیضاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم بالفعل متعلق ہو جائے اور بعض مفسرین نے کہا یہاں پر مضاف محذوف ہے، یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء جان لیں کہ کون اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے، تاکہ اللہ پہچان کرادے اس کی جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے۔

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

اس کے بعد فرمایا سو جس نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ تنبیہ کے بعد محرم کا شکار کے درپے ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض لاپرواہی برتنا ہے اور بے باکی ہے اور اس کے ڈر اور خوف سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو لگام ڈالنے پر قادر نہ ہو اور اس قسم کے آسان احکام میں آزمائش پر پورا نہ اتر سکے، اس سے کب توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بڑے بڑے اور سخت احکام میں آزمائش پر پورا اتر سکے گا۔ متبادر یہ ہے کہ یہ عذاب آخرت میں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی پشت برہنہ کر کے اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور شیخ الاسلام نے کہا اس کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! حالت احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے عذا شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے، اس شخص کو مویشیوں میں اس کی مثل قربانی کرنی ہوگی، تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے در آنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہیں، تاکہ وہ اپنے کربوت کا مزہ چکھے۔ جو گزر گیا، اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا، تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

خشکی کے شکار کو مارنا محرم پر حرام ہے اور سمندری شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ
مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسِّيَارَةِ (المائدہ: ۹۶)

ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

خشکی کا شکار وہ ہے جو خشکی میں پیدا ہوا ہو اور خشکی ہی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو، اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے متنفر اور متوحش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ خبیث جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کاٹنے والا کتا، بھیڑیا، چیل، کوا، سانپ اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداءً حملہ کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں اور کوئے سے مراد وہ ہے جو مردار کھاتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا غیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ، کوا، (جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو) چوہا اور کاٹنے والا کتا اور چیل۔

(صحیح مسلم، ج ۶، ص ۶۶، (۱۱۹۸) ۲۸۱۵، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں 'پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں' ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کو اچیل، کاٹنے والا کتا، بچھو اور چوہا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۹، صحیح مسلم، ج ۱، ۷۱، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور حسن بن صالح کا یہی قول ہے اور انہوں نے بھیڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام زفر کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھیڑیا ہے اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو عداۃ حملہ کرتا ہو، مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاض نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح للنووی، ج ۵، ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

کھیتوں کے کوئے کے علاوہ ہر کوئے کو قتل کرنے کا حکم

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئے کو قتل کرنے کے حکم سے وہ چھوٹا کوا مستثنیٰ ہے جو دانہ کھاتا ہے۔ اس کو غراب زرع اور زاغ کہا جاتا ہے۔ اس کے کھانے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئے کی جتنی قسمیں ہیں، ان سب کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ فتح الباری کے مطابق کوئے کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک عققن ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ یہ سفید اور سیاہ رنگ کا پندہ ہے، اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے اور دو سرا اقع ہے، جس کی پیٹھ اور پیٹھ پر سفیدی ہے۔ تیسرا غداف ہے۔ اہل لغت اس کو اقع کہتے ہیں اور اس کو غراب امین بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ جب نوح علیہ السلام نے اس کو زمین کی خبر لانے کے لیے بھیجا، تو یہ ان سے علیحدہ ہو کر مردار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ چوتھی قسم اعصم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ٹانگ یا پیر یا پیٹھ میں سفیدی یا سرخی ہو اور پانچویں قسم زاغ ہے، اس کو غراب زرع بھی کہتے ہیں، یہ چھوٹا کوا ہے جو دانہ کھاتا ہے۔

(فتح الملعم، ج ۳، ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی)

شیخ عثمانی نے زاغ یا غراب زرع کے سوا کوئے کی باقی اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عققن کے سوا کوئے کی باقی اقسام حرام ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عققن دونوں اس عام کوئے سے چھوٹے ہوتے ہیں، ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ عام معروف کوا جو ہمارے درختوں پر پایا جاتا ہے، حرام ہے۔

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تاوان) واجب ہوتی ہے، جیسا کہ سورہ مائدہ کی اس آیت ۹۵ میں صراحتاً مذکور ہے۔ شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں، ایک قسم مباح ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مبیح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے، اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو، اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب

ہے، کیونکہ جان بچانا فرض ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے قاعدہ کے مطابق ہے، اور سبب مسیح یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صورت یہ ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کر کے کھالے، تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کر کے کھانا مباح ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ
اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

(البقرہ: ۱۹۵)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے، تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

محرم عمدہ قتل کرے یا خطا " ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب

ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عمدہ قتل کرے یا خطا قتل کرے، ہر صورت میں اس پر ضمان واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ جس بچو کو محرم شکار کرے، اس کا تاوان رسول اللہ ﷺ نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محرم شتر مرغ کا انڈا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تاوان اس کی قیمت ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۶، مطبوعہ بیروت)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس ضمان کو عمدہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، بلکہ شکار کرنے پر مطلقاً تاوان کو واجب فرمایا ہے۔

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے، خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو، اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو، وہ فی نفسہ پالتو جانور نہ ہو، اور انسانوں سے غیر مانوس ہو، ان کو دیکھ کر بھاگنے والا، متنفر اور وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا پھاڑنے چیرنے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کیڑے مکوڑے کو قتل کر دے تو اس پر ضمان نہیں ہے، اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے مثلاً گائے، بکری اور مرغی وغیرہ کو تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے، اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے، صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزا لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا تعلق قتل سے ہے، اور شکار پر دلالت کرنا، اس کو قتل کرنا نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم، غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے، فقہاء احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ ہم ”قاصہ“ میں پہنچے، ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے، اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی، اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھا دو، ساتھی محرم تھے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! ہم تمہاری اس معاملہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے، میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا اور آنچلیکہ وہ ٹیلہ کے پیچھے تھا، میں نے نیزہ مار کر اس کی کوئی کاٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھالو، اور بعض نے کہا نہ کھالو، نبی ﷺ ہمارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا، آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھالو۔

(صحیح مسلم، الحج، ۵۶، (۱۱۹۶) ۲۸۰۳، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۳، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم

الحدیث: ۸۳، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۱۶)

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابو قتادہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو۔ پھر مجھ سے آ ملنا، پھر وہ سب سمندر کے کنارے چل پڑے، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے لگے تو حضرت ابو قتادہ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا، انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا، چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھی کی کوئی کاٹ ڈالیں، پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھالیا ہے، حالانکہ ہم محرم ہیں۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگلی گدھی کا باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگلی گدھے دیکھے، ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کوئی کاٹ ڈالیں، پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے، اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

شیبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا امداد کی تھی؟ یا شکار کیا تھا؟

(صحیح مسلم، الحج، ۶۰، (۱۱۹۶) ۲۸۱۰، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۳، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۲۸، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۹۶۶، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۳۲۲، سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۲۹۱، ملتان، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۱، طبع قدیم)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شکار کے حلال ہونے کو اس کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا، ضمان لازم نہیں آئے گی، تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی

طرف اشارہ کرنا یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے، اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا امن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی اور اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا، سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی وہی ضمان ہوگی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر دلالت کرنے والے پر بھی ضمان ہے، اور اس زمانہ کے لوگ صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاوی نے اس کو متعدد صحابہ سے نقل کیا ہے، اور کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے تو اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمر سے جو یہ منقول ہے کہ دلالت کرنے والے پر ضمان نہیں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب دلالت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔

(فتح القدر، ج ۳، ص ۶۳-۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر دلالت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا، پس جب کسی محرم نے کسی غیر محرم کو شکار پر دلالت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا، تو اس کی پوری جزا محرم پر ہوگی۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مجاہد، بکر مزنی، اسحاق اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ دلالت کرنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہے، کیونکہ ضمانت جنایت سے لازم آتی ہے، دلالت سے لازم نہیں آتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے فرمایا تھا، کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر دلالت کرنا اس کو تلف کرنے کا ذریعہ ہے، لہذا اس کی وجہ سے ضمان لازم آئے گی اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۰۵ھ)

شکار کی جزا میں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے کی جزا یہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا یا جو جگہ اس کے قریب ترین ہو، وہاں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں، پھر فدیہ دینے میں محرم کو اختیار ہے، اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خریداجاسکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے، ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجوریں یا جو صدقہ کرے اور اگر چاہے تو جتنے مسکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے، مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گرام آتی ہے، جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی تو اس کو اختیار ہے کہ وہ پانچ مسکینوں پر دس کلو گرام صدقہ کرے، اور چاہے تو اس کے بجائے پانچ دنوں کے روزے رکھ لے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کی نظیر ہو سکتی ہو، اس میں اس کی نظیر کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ ہرن کی نظیر بکری ہے، اور بچو کی نظیر بھی بکری ہے اور خرگوش کی نظیر بکری کا بچہ ہے، اور جنگلی چوہے کی نظیر چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کی نظیر اونٹ ہے اور جنگلی گدھے کی نظیر گائے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَحَرَّاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

تو اس کا تاوان اس جانور کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا

(المائدہ: ۹۵) ہے۔

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ، ہرن، جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے ان ہی جانوروں کو مثل قرار دیا ہے، جو ہم نے بیان کی ہیں۔ امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا بوجھ شکار ہے؟ فرمایا ہاں! جب محرم اس کا شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۰۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۵۱، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۲۳۶، سنن داری، رقم الحدیث: ۱۸۷۷، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۹۶۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۹۷، سنن دار قطنی، ج ۲، ص ۲۳۵، ملتان، المستدرک، ج ۱، ص ۴۵۲)

جس جانور کی نظیر نہ ہو، اس میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت واجب ہے، مثلاً چڑیا اور کبوتر اور ان کی مثل دوسرے پرندے، اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد کا قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر میں بکری کو واجب کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مثل کو مطلقاً ذکر کیا ہے، اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مثل کامل وہ ہے جو صورت اور معنی دونوں اعتبار سے مثل ہو، اور جب کامل مثل مستحق نہیں ہو سکتی، تو اس کو معنی مثل پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ مثل معنوی شریعت میں متعارف ہے، جیسا کہ حقوق العباد میں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرہ: ۱۹۴)

سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا بدلہ لو،
اس زیادتی کی مثل جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

نیز جن جانوروں کی مثل نہیں ہے ان میں امام شافعی کے نزدیک بھی مثل معنوی مراد ہوتی ہے، پس مثل معنوی بالاجماع مراد ہے۔ لہذا سب جگہ مثل معنوی ہی مراد لینی چاہیے، ورنہ قرآن مجید کے ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے لازم آئیں گے، کہیں مثل صوری اور کہیں مثل معنوی۔ نیز مثل معنوی میں عموم ہے اور مثل صوری میں خصوص ہے اور عموم خصوص پر راجح ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہے، اس پر اس کے تادان میں اس کی قیمت واجب ہے۔ نیز قرآن مجید میں قتل کیے ہوئے شکار کے لیے نعم کا لفظ ہے اور یہ لفظ جنگلی اور پالتو دونوں قسم کے جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔

جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جزاء میں اختیار محرم کی طرف راجح ہے، یعنی محرم کو اختیار ہے، خواہ وہ اس جانور کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر اس کی قربانی کر دے، یا اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے، یا ان مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھ لے، اور امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک یہ اختیار فیصلہ کرنے والے دو نیک حاکموں کی طرف راجح ہے۔ اگر وہ قربانی کا حکم دیں تو اس جانور کی نظیر خرید کر اس کی قربانی کرے، اور اگر وہ طعام صدقہ کرنے کا حکم دیں یا روزے رکھنے کا حکم دیں تو اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کرے یا مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختیار محرم کی آسانی کے لیے دیا گیا ہے اور محرم کے لیے آسانی اسی وقت ہوگی جب یہ اختیار اس کی طرف راجح ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے در آنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو، یا اس پر چند مسکینوں کا کھانا ہے، یا ان کی تعداد کے برابر روزے رکھنا ہیں

اور ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار ان منصفوں کی طرف راجع ہے۔

طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے شہر میں بھی جائز ہے؟

قربانی کا جانور صرف مکہ میں ذبح کیا جائے گا اور مسکینوں کو طعام کا صدقہ کسی اور شہر میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی صدقہ طعام کو قربانی پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ یہ طعام بھی مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے اور ان دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ حرم کے رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء میں کسی جانور کو ذبح کرنا غیر معقول فعل ہے، لہذا وہ زمان اور مکان کے اعتبار سے اپنے امور میں بند رہے گا اور صدقہ کرنا ایک معقول فعل ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہو سکتا ہے اور روزہ میں اتفاق ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں رکھے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اولین، ص ۲۸۰-۲۷۷، مختصر اوموضیحا، مطبوعہ مکتبہ شرکت ملیہ، ملتان)

دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا، تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اس آیت کا معنی ہے محرم نے پہلی بار شکار کو قتل کیا اور اس کی ضمان یا جزاء ادا کر دی، تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور جس محرم نے دوسری بار شکار کو قتل کیا، وہ اخروی عذاب کا مستحق ہوگا۔

دوسری بار شکار کو قتل کرنے والا ضمان ادا کرے گا یا نہیں، اس میں دو قول ہیں۔ عطاء، ابراہیم، ابن جبیر، حسن اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تکرار قتل سے تکرار جزاء واجب ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا تو اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب ان سے کوئی محرم سوال کرنا کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے، اب وہ کیا کرے تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس نے پہلی بار شکار کو قتل کیا ہے یا دوسری بار۔ اگر اس نے پہلی بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم دیتے اور اگر دوسری بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم نہ دیتے، اور وہ چونکہ عذاب اخروی کا مستحق ہے، اس لیے اب اس پر صرف توبہ کرنا لازم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اس کی توبہ قبول فرمائے یا اس کو عذاب دے، جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے دوبارہ حالت احرام میں شکار کو قتل کیا اور کفارہ نہیں دیا، تو اللہ اس سے انتقام لے گا، لیکن یہ توجیہ ظاہر آیت سے بعید ہے۔ اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کے لیے بہت سخت وعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے۔ مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہو جائے، میں جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں، تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے

اگر محرم کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے جاں بلب ہو اور اس کو مردار اور شکار دونوں میسر ہوں تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ مردار کھا کر جان بچائے یا شکار کو مار کر کھائے۔ امام زفر نے کہا وہ مردار کھالے، کیونکہ مردار ایک وجہ سے حرام ہے اور شکار کو قتل کر کے کھانا کئی وجہ سے حرام ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ شکار کو قتل کر کے کھا لے اور اس کی جزاء ادا کرے، کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ غلیظ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت عارضی ہے، احرام سے

نکلنے کے بعد یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف مردار کی حرمت دائمی ہے اور جب اسے دو حرمتوں میں سے کسی ایک حرمت کا ارتکاب کرنا پڑے تو زیادہ غلیظ حرمت کے مقابلہ میں ضعیف حرمت کو اختیار کرے جیسا کہ دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار کیا جاتا ہے، جس کو فقہاء اہل البلیتین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مردار کھانا شکار کو قتل کر کے کھانے سے اولیٰ ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے کہا کہ شکار کو زبح کر لے اور اگر شکار حلال ہو اور مذبوح ہو تو سب کے نزدیک شکار کو کھانا مردار سے اولیٰ ہے اور اگر ایک طرف شکار ہو اور دوسری طرف خنزیر کا گوشت ہو تو جان بچانے کے لیے محرم کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ شکار کھالے۔

(روح المعانی، جزء ۷، ص ۳۰-۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مبسوط اور فتاویٰ قاضی خان کی نقل میں تعارض ہے، ہمارے نزدیک مبسوط کی نقل معتمد ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے وہی راجح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ (المائدہ: ۹۶)

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے، خواہ وہ پانی سمندر میں ہو، دریا میں ہو، نہر میں ہو یا تالاب میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو، اور اس کی نشوونما اور بقا بھی پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں، مچھلی اور مڈی۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

اس حدیث کی سند کا ایک راوی عبدالرحمن بن یزید ضعیف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں، ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر سے نکالی جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھائی جائے گی، خواہ وہ مردار ہو، سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۸۸-۸۶)

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور ان کی نشوونما اور بقا بھی خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس اور متوحش اور متنفر ہوں، جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اور بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں، کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسق جانوروں کو مستثنیٰ فرمادیا ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو، چوہا، کائٹے والا کتا، کوا، اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم، محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جشمہ لیشی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جنگلی گدھا (شکار کر کے) پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے وہ ان کو واپس کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

(صحیح مسلم، ج ۵، ص ۵۰، (۱۱۹۳) ۲۷۹۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۲۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۵۰، سنن النسائی، رقم الحدیث:

۲۸۱۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حارث کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا، اس نے کچھ پرندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان کی طرف بھیجا، حضرت عثمان نے یہ طعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، جس وقت ان کا قصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے، لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ کھا لو، کیونکہ میں محرم ہوں۔ پھر فرمایا قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا اور آنحضرت آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا؟ انہوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں!

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۰-۱۸۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے، جب تک کہ تم اس کو خود شکار نہ کرو، یا اس کو تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔

امام ابو داؤد نے کہا جب نبی ﷺ کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو اس حدیث پر عمل کیا جائے جس پر آپ کے اصحاب نے عمل کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۱، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۸۴۷، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲۷)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ حج کیا۔ ایک غیر محرم نے شکار کر کے حضرت عثمان کے پاس اس کا گوشت بھیجا، حضرت عثمان نے اس میں سے کھایا اور حضرت علی نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمان نے فرمایا بہ خدا ہم نے شکار کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت علی نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے، خواہ اس کو غیر محرم

نے شکار کیا ہو۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۹۷-۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ
علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۶۰ھ لکھتے ہیں:

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر دلالت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے، تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم، محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

صحابہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں، ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا، پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۳، صحیح مسلم، ج ۶، ص ۶۰، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۲۸، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۹۶۶، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۸۳۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۳۲۲، سنن دار قطنی، ج ۲، ص ۲۹۱، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۱، طبع قدیم) اور حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

- ۱- حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔
 - ۲- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے، ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔
 - ۳- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ دلالت کی، تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے، خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔
- محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل قوت دلائل کے اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ راجح ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ سنن ابو داؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے، اور صحاح کی احادیث سنن کی احادیث پر مقدم ہیں۔ اور

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں لام تلیک کے لیے ہے، یعنی شکار کا گوشت تمہاری ملک کر دیا جائے تو پھر تمہارے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، جبکہ تم محرم ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب تمہاری اعانت سے تمہارے لیے شکار کیا جائے اور اس صورت میں اس کا کھانا بالاتفاق حرام ہے۔

حضرت صعّب بن جشمہ کی حدیث میں ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ میں محرم ہوں۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی خلاف ہے اور امام ابو حنیفہ کے بھی، ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت صعّب بن جشمہ نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا، اس لیے آپ نے اس شکار کو واپس کر دیا اور امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ صحیح مسلم، الحج، ۵۰ میں ہے کہ حضرت صعّب نے آپ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا اور الحج، ۵۲ میں ہے، جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا اور الحج، ۵۳ میں ہے جنگلی گدھے کی ایک ٹانگ پیش کی اور حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ کے موقف کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور غیر مضطرب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے جب تک احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، یہ آیت بھی بظاہر امام ابو حنیفہ اور ائمہ ثلاثہ دونوں کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پر محمول ہے کہ خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے جبکہ تم نے حالت احرام میں خود شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے غیر محرم کی اعانت کی ہو، امام اعظم ابو حنیفہ کی تائید میں مزید احادیث حسب ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرین کے پاس سے گزرا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو آیا اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن میرے دل میں کچھ اضطراب تھا، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو تاحیات تم فتویٰ نہ دے سکتے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۵۹، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی)

امام ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں درے مارتا۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دھوپ میں سکھایا ہوا شکار کا گوشت لے کر جاتے اور اس کو سفر میں کھاتے تھے، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں ہوتے تھے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۰، مطبوعہ کراچی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس میں بحث کر رہے تھے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا، تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب غیر محرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کو محرم کی خاطر زبح کیا گیا ہو، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۱، مطبوعہ کراچی)

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ

میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت

شَدِيدٌ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے

الْبَلَّغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ○ آپ کہیے کہ پاک اور ناپاک

الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللهَ

برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، سوائے عقل والو! تم

يَأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا اور حرمت والے مہینہ کو اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۹۷-۹۸)

مشکل الفاظ کے معنی

کعبہ: یہ چوکور اور بلند بیت ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا، کعبہ کے معنی بلند ہوتا ہے اور یہ چونکہ بلند بیت ہے اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔

قیاماً للناس: جس چیز کے سبب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں کعبہ کی زیارت کر کے اور اس کا طواف کر کے لوگ حج اور عمرہ کی عبادت کو انجام دیتے ہیں، جس سے ان کی آخرت درست ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

امن کی جگہ بنا دیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سامان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین میں چلا آتا ہے اس سے ان کی دنیا درست ہوتی ہے۔
الشہر الحرام: چار حرمت والے مہینے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں کے سبب سے بھی ان کے معاملات قائم اور درست رہتے ہیں، کیونکہ ان مہینوں میں جنگ اور قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

الہدی: جن جانوروں کو قربان کرنے کے لیے حرم میں بھیجا جائے، ان کو الہدی کہتے ہیں، غریاء اور فقراء ان کا گوشت کھاتے ہیں، جس سے ان کی مدد ہوتی ہے۔

القلائد: قلادہ پٹے کو کہتے ہیں، اس سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جس کے گلے میں ہار یا پٹا ہو۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جس جانور کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف بھیجتے، اس کے گلے میں پٹا ڈال دیتے، اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔

مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا، اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے باعث امن ہے، اسی طرح وہ انسانوں کے لیے بھی امن کا باعث ہے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور مقوم ہونا

عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف اور مظلوم کا حق قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کسی بدکار کو سزا اور نیکو کار کو جزا دے سکے، تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو البیت الحرام ہے، لوگوں کے معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنا دیا، جیسے کسی ملک کا بادشاہ اپنی رعیت کے معاملات کو درست اور قائم رکھتا ہے اور ان میں عدل و انصاف برقرار رکھتا ہے، اسی طرح سے کعبہ اور حرمت والے مہینے زمانہ جاہلیت میں ان کی اصلاح اور درستگی کا سبب تھے، کیونکہ وہ البیت الحرام کی تعظیم کرتے تھے، اور اس شہر میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے اور سال کے چار حرمت والے مہینوں میں بھی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے، کیونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور محرم میں سفر حج سے واپس جاتے تھے، اور رجب میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اور وہ زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مامون اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے جن کو الہدی اور القلائد کہا جاتا تھا، ان کی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے، بیت اللہ کی تعظیم ان کے دل و دماغ میں مستحکم ہو چکی تھی اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

اور زمانہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعظیم کو اسلامی عبادات کا اہم حصہ بنا دیا، سو فرمایا:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَشَابَهًا لِلَّذِينَ آمَنُوا
اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْجِبًا وَمَنْعًا
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي
لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ
اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور مقام امن بنا دیا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے بیت کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔
(البقرہ: ۱۲۵)

مناسک حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب و گیاہ، ویران اور بنجر زمین میں تمام دنیا سے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں، اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سامان، پھل اور غلہ پہنچتا ہے، اور یوں اس بیت کی وجہ سے ساکنان حرم کے لیے اسباب زلیت فراہم ہوتے

نبیان القرآن

جلد سوم

ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُحْبِبُوا إِلَيْهِ
 ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ۔ (القصص: ۵۷)

کیا ہم نے انہیں حرم میں آباد نہیں کیا جو امن والا ہے، جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہماری طرف سے عطا کردہ ہیں، لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہیں، احرام کی ممنوعات سے باز رہتے ہیں، قرآن مجید کی حرم میں تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں، حج کے اجتماع کو دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں، ان کے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں، حرم میں کی ہوئی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گنا اجر عطا فرماتا ہے، زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر یہیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (المائدہ: ۹۹)

کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرض رسالت میں سے نہیں ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تاکہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں، پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے، تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے، نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے، تم کو نہ تو جبراً صالح اور نیکو کار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقویٰ پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھا اور بتادیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا، اب ان پر عمل کرنا، نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

البتہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ گنہگاروں کی مغفرت کے لیے اور نیکو کاروں کے درجات میں ترقی کے لیے شفاعت فرمائیں گے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اے مخاطب!) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، سو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ (المائدہ: ۱۰۰)

اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بد کاروں کا برابر نہ ہونا

پاک اور ناپاک کو برابر کرنا اور صالح اور فاسق و فاجر کو برابر رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ
 الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پر ہیزگاروں کو بد کاروں کی طرح کر دیں گے۔

آم حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ
تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّتَحَيَّاهُمْ وَمَمَاتَهُمْ سَاءَ مَا
يَحْكُمُونَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں، کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے
کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے
برابر کر دیں گے، کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو
جائے گی، وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں!

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا
لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ - (القلم: ۳۶-۳۵)

کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟
تمہیں کیا ہوا، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے رسول! آپ انہیں بتا دیجئے کہ کھرا اور کھوٹا، نفع بخش اور ضرر رساں، نیک اور بد، حلال
اور حرام، عادل اور ظالم، کبھی برابر نہیں ہو سکتے، خواہ دیکھنے والوں کو دنیا میں بد کردار اور بے ایمان لوگ زیادہ عیش و عشرت اور
زیادہ عزت و جاہ میں کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں، جیسے مسلمانوں کی بہ نسبت کفار زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی اور مستحکم ہیں، حتیٰ کہ
امریکہ جس ملک پر چاہے فضائی پابندی لگوا دیتا ہے، جیسے کئی سالوں سے لیبیا پر پابندی لگوائی ہوئی تھی، اور جس ملک پر چاہے
تجارتی اور اسلحہ سازی کی پابندی لگوا دے، جیسے کئی سالوں سے عراق پر یہ پابندی لگوائی ہوئی ہے، اسی طرح مسلمانوں میں بھی
زیادہ عزت دار، زیادہ خوشحال اور زیادہ طاقتور وہ لوگ ہیں جو بد عنوان سیاست دان اور بد دیانت سرمایہ دار ہیں، جو اسمگلنگ اور چور
بازاری کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، ٹیکس ادا نہیں کرتے، قومی کاروباری معاہدوں میں رشوت اور ناجائز کمیشن لیتے ہیں
اور بینکوں سے قرضے لے کر کھا جاتے ہیں یا معاف کرا لیتے ہیں۔ معاشرہ میں یہی لوگ عزت دار سمجھے جاتے ہیں اور سڑک کے
کنارے بیٹھا ہوا موچی جو اپنی محنت سے رزق حلال کماتا ہے، اخبار فروش، ملوں میں کام کرنے والے محنت کش اور راج اور
مستری کا کام کرنے والے مزدور جو اپنے خون اور پسینہ سے حلال کمائی کھاتے ہیں، ان کو معاشرہ میں ذلیل اور پسماندہ خیال کیا جاتا
ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال کھانے والے اور حرام کھانے والے، پاک اور ناپاک، طیب اور خبیث ہرگز برابر نہیں ہیں۔
سو اے صاحبان عقل! ان خبیث لوگوں کی ظاہری آن بان کو نہ دیکھو، شیطان کے دام میں نہ آؤ، اور مال حرام
کی زیب و زینت سے مسحور مت ہو، کیونکہ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور فانی کو باقی پر، عارضی
کو دائمی پر، باطل کو حق پر، فساد کو صلاح پر اور حرام کو حلال پر ترجیح نہ دے اور دنیا کے بدلہ میں آخرت کا سودا نہ
کرے، کہ یہ سراسر کھانے کا سودا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَسْئَلُوْا عَنۡ اَشْيَآءٍ اِنْ تُبَدَّلَ لَكُمْ

اسے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار

تَسْئَلُوْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلُ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ

ہوں، اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے

عَنْهَا وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝ (۱۰۴) قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنۡ قَبْلِكُمْ ثُمَّ

ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے، تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ

أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ

لوگ ان ہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے ○ اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ

وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَا لِكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى

اور نہ وصیلہ اور نہ حامی مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں ، اور

اللَّهِ الْكُذِبَ وَآكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا

ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین

إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی شریعت کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے

أَبَاءَنَا أُولَٰئِكَ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْعًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾

باپ اور دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۱)

نبی ﷺ سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے تھے، ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو دریافت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے اور منافق استہزاء اور عناداً سوال کرتے تھے، کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم فسو اور روؤ زیادہ، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی، ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۱، صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۳، (۲۳۵۹) ۶۰۰۳، سنن ترمذی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۰۶۷، سنن

کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۸۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء سوال کرتے تھے، کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون

جلد سوم

تبیان القرآن

ہے؟ کوئی کتا میری اونٹنی گم ہو گئی وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کیے، حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا، میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا، اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا، ایک شخص کاجب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، پھر حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد ﷺ کو رسول مان کر، ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا، میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا، حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ قنادہ اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: ”اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو.....“

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۰۸۹، صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۷، (۲۳۵۹) ۶۰۰۸، مسند احمد، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۵۶، طبع

دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۶۷-۱۳۸۲۰، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۷۷، طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں! اور اگر میں ہر سال میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۳، صحیح مسلم، الحج، ۳۱۳، (۱۳۳۷) ۳۱۹۹، سنن نسائی،

ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، در آنحالیکہ آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، آپ منبر پر بیٹھ گئے، ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، دوسرے نے سوال کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ؟ حضرت عمر بن الخطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد ﷺ کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر، یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے، پھر نبی ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو.....

(جامع البیان، ج ۷، ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی ﷺ سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض مخفی ہوتی تھیں، جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا: کہ میرے باپ کون ہیں؟

تبیان القرآن

جلد سوم

فرض کیجئے کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے، کوئی اور ہوتے، تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ناموس پر دھبہ لگ جاتا، اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال میں حج کرنا فرض ہے، اگر آپ ہاں فرمادیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گئی، پنیر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا، وہ معاف ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو شعبہ بنی ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان میں ملوث نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا، ان میں تمہارے لیے رخصت ہے، اللہ انہیں بھولا نہیں ہے، تم ان سے بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۲، المستدرک، ج ۲، ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن وقاص بنی ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۸۹، صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۲، (۲۳۵۸) ۶۰۰۱، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ بنی ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کر رہے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۰، (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محامل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورہ الصدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الدِّينِ كَيْرَافًا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(الانبیاء: ۷)

امام ابوداؤد سلیمان بن شعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بنی ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا، جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر اس کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں، تم پانی کے استعمال پر قادر ہو، تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا، جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کر دے، جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جمالت کی شفا سوال کرنا ہے، اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا، یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۲، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۰، طبع قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے ان کو منع کیا گیا تھا، یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا، نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا، اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا، یا جس چیز سے کسی کی پردہ دری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجود ثابت ہو چکا ہو، اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ: ۱۰۱) انشاء وحی میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا، جو چیز سمجھ میں نہ آئے، اس کو پوچھنا، کسی پیش آمدہ حاجت کے متعلق سوال کرنا، یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی، اور جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو، نہ حمل ٹھہرتا ہو، یعنی وہ بہت بوڑھی ہو، تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّتِي يَأْتِيهَا مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ
إِنْ أَرَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو مایوس ہو چکی ہوں اور تمہیں (ان کی عدت کے متعلق) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

اسی طرح حسب ذیل آیات میں صحابہ کرام کے ان سوالات کا ذکر فرمایا ہے جو وہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی وضاحت کے سلسلہ میں کرتے تھے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (البقرہ: ۲۱۵)

وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہتے کہ تم جو (مال) بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۲۱۷)

وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہتے اس میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا، اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِتْمَانٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہتے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں، اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَمِينِ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (البقرہ: ۲۲۰)

وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہتے کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ آذَى
فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ.....
وہ آپ سے حیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں، آپ کہئے کہ
وہ گندگی ہے، پس عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو۔
(البقرہ: ۲۲۲)

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں، جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرام کے سوالات ہیں، ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں، کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے، کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے، اور کسی اہتباہ کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے، احادیث میں بھی اس کی بہت نظائر ہیں۔
آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث
نبی ﷺ سے صحابہ کرام امور مستقبلہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔
امام محمد بن اسمعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نبی ﷺ صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی، پھر سائل کو متوجہ کر کے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا، اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)
صحابہ کرام کسی پیش آمدہ مسئلہ اور حادثہ میں آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے، لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے، ایک شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے ذبح سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں (اب) ذبح کر لو ایک اور شخص نے کہا کہ مجھے پتا نہیں چلا میں نے رمی سے پہلے نخر کر لیا۔ آپ نے فرمایا اب رمی کر لو، کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے دم لازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اسی طرح مروی ہے، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو اہاب کی بیٹی سے شادی کی، ایک عورت نے ان سے کہا: میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے بتایا تھا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے الگ کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے، تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۸، بیروت)
آپ کا یہ ارشاد بطور استحباب ہے، ورنہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ثبوت رضاعت کے لیے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی، میں نے حضرت مقداد سے کہا: کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں، انہوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۲، بیروت)

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا، کیا عورتوں پر بھی احتلام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا: یا رسول اللہ! عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! پھر بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰، بیروت)

قرآن مجید کی کسی اصطلاح کے متعلق بھی صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے:

حضرت ابو موسیٰ بنی شہرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی کیا تعریف ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتال کرتا ہے، کوئی گروہی تعصب کی وجہ سے قتال کرتا ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا، اس وقت وہ شخص کھڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے قتال کیا، وہی اللہ عزوجل کی راہ میں قتال کرتا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳، مطبوعہ بیروت)

بعض اوقات صحابہ آپ کی حدیث کے معارضہ میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے، پھر آپ اس کا جواب دیتے تھے:

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ اس کے مطلب کو نہ پہنچتیں تو آپ سے رجوع کرتی تھیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا، اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ بنی شہرہ نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ (الاشقاق ۸) آپ نے فرمایا اس آیت میں حساب کا پیش کرنا مراد ہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳، مطبوعہ بیروت)

مشکل سوالات اور بھارت ڈالنے کی ممانعت

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ بنی شہرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پہلیوں اور بھارتوں کے ڈالنے سے منع فرمایا، کسی کو ساکت اور عاجز کرنے کے قصد سے اس پر بھارت ڈالنا منع ہے، اور شاگردوں کا امتحان لینے کے لیے بھارت ڈالنا جائز ہے، خود نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۲)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے سوالات کیے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکل سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے افضل کوئی قوم نہیں دیکھی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ سوالات کیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ تیرہ سوالات یہ ہیں:

- (۱) واذا سالک عبادی عنی۔ (۲) یسئلونک عن الاہلۃ (۳) یسئلونک ماذا ینفقون (۴) یسئلونک عن الشهر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر والمیسر (۶) ویسئلونک عن الیتامی (۷) ویسئلونک ماذا ینفقون (۸) ویسئلونک عن

تبیان القرآن

جلد سوم

المحیض۔ یہ آٹھ سوالات سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ (۹) یسئلونک ماذا احل لہم۔ (المائدہ)
 (۱۰) یسئلونک عن الساعۃ۔ (الاعراف) (۱۱) یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال)
 (۱۲) یسئلونک عن الجبال۔

تحقیق یہ ہے کہ صرف بارہ سوالات صحابہ نے کیے تھے، قرآن مجید میں یسئلونک کے صیغہ سے باقی جو سوال ہیں، وہ یہود اور مشرکین کے ہیں۔ طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کے متعلق سوال کرے جو نہیں ہے، کیونکہ جو چیز بھی ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع

بہر حال! اب حصول علم کے لیے شرعی سوالات کا کرنا جائز ہے، کیونکہ اب یہ خوف نہیں کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائے گی، حلال و حرام احکام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے، اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں یا کسی نئے حادثہ میں یا کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے، اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو۔ (الانبیاء: ۱۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا جمالت کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۶) اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کے لیے سوال کرے، تاکہ اس کو جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے یا جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کے لیے سوال کرے یا جو شخص عناداً سوال کرے، سو ایسے سوال ناجائز ہیں، خواہ کم ہوں یا زیادہ، البتہ! علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کے لیے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں، وہ جائز ہے۔ اسی طرح کسی کی دلیل پر نقض وارد کرنا اور مسلمات بین الفرقین سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے، تاہم مناظرہ میں فریق مخالف کو حکمت کے ساتھ کسی کفریہ کلمہ سے بچانا چاہیے، اور اگر یہ چاہے کہ وہ کوئی کفریہ کلمہ کہے اور میں اس کی تکفیر کروں تو یہ خود کفر ہے اور اگر یہ چاہے کہ وہ دین میں کوئی ناروا بات کہے اور میں اس کی مذمت کروں تو یہ حرام ہے، بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں دلائل پیش کر کے حکمت کے ساتھ فریق مخالف کو حق کا قائل کر لوں، نہ یہ کہ اس کو مناظرہ میں شکست دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ لوگ انہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔ (المائدہ: ۱۰۲)

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرمادیئے تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا، اور جب وہ اونٹنی آگئی تو انہوں نے اس کی کوئی نہیں کاٹ دیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے اور جب ان پر دسترخوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی ﷺ کی وساطت سے اور ان کی زبان سے تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راستہ پر نہ چل پڑیں، اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی

معجزات کا سوال نہ کرو، نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو، اور جو چیز تم پر فرض یا حرام نہیں کی گئی اس کا سوال نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بیان کیا جائے تو تم کو ناگوار ہو یا تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ، جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۰، (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے لیے جو چیزیں چھوڑی ہیں، تم بھی ان کو چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں کی وجہ سے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، پس جب میں تم کو کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ، اپنی استطاعت کے مطابق۔

(صحیح بخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۸۸، صحیح مسلم، الحج، ۳۱۲، (۱۳۳۷) ۳۱۹۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۱۹، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱-۲۰-۱۹-۱۸، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وسیلہ اور نہ حامی، مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المانده: ۱۰۳)

اس سے پہلی آیتوں میں کثرت سوال سے منع فرمایا تھا، مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کر دی جائے، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں نے از خود بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا، اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا، وہ بدستور حلال ہیں، سو جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کیا ہو، اس کو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔
البحیرہ کا معنی

بحر کے معنی دسعت ہے، جب کسی اونٹنی کے کان کو بہت لمبا چیر دیا جائے تو اسے بحیرہ کہتے ہیں، جب کوئی اونٹنی دس بچے جنمتی تو وہ اس کے کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے، اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سلمان لاداجاتا۔

(المفردات، ص ۷۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

مسروق نے بیان کیا کہ جب اونٹنی کے پانچ یا سات بچے ہو جاتے تو وہ اس کا کان چیر دیتے اور کہتے یہ بحیرہ ہے۔
قنادہ نے بیان کیا کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو وہ پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ زہرہ ہو تو اس اونٹنی کو ذبح کر دیتے اور اس کو صرف مرد کھاتے، اور اگر وہ بچہ مردہ ہو تو اس اونٹنی میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے اور اگر پانچویں بار اونٹنی مونث کو جنم دیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا، اس کا دودھ دوہا جاتا، اس پر سواری کی جاتی، نہ اس کے بالوں کو حاصل کیا جاتا اور نہ اس کو ذبح کیا جاتا۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۱۲۲، ۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

السائبہ کا معنی

جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لے تو اس کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا تھا، اور اس کو پانی اور چارے سے منع نہیں کیا جاتا تھا، اس کو سائبہ کہتے تھے۔ (المفردات، ص ۲۳۶، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

شعبی نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اونٹنیوں اور بکریوں کو اپنے بتوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ خلط ملط ہو جاتیں، ان کا دودھ صرف مرد دہتے تھے اور جب ان میں سے کوئی مرجاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سدی نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا، یا وہ کسی بیماری سے شفایاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا، کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ابن المسیب نے کہا جس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۱۲۳-۱۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی بتوں کے لیے نذر مانی جاتی اور اس کو بتوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جہاں چاہتی چرتی اس پر سامان لادا جاتا، اس کا اون کاٹا جاتا، اور نہ اس کا دودھ دوہا جاتا، البتہ مہمان مستثنیٰ تھا۔

(التفسیر المنیر، جز ۷، ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

الوصیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے جنتی تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے، پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی ذبح نہیں کرتے تھے، اس بکری کو مشرکین زمانہ جاہلیت میں "الوصیلہ" کہتے تھے۔

(المفردات، ص ۵۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

عقلم نے الوصیلہ کی تعریف میں کہا: جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس اونٹنی کو مرد کھاتے تھے، اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے یہ اونٹنی اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہو گئی ہے، پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے، اور جب نر مرجاتا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے، گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وصیلہ تھی۔

ابن المسیب نے بیان کیا کہ وصیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے، دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے، وہ کہتے تھے کہ یہ وصیلہ ہے، دو مادہ اونٹنیوں کے درمیان نر نہیں ہے، اس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۱۲۳-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گیا بھن کر دے، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سامان لادا جاتا تھا، نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔

(المفردات، ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

قوادہ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گیا بھن کر دے، وہ حامی ہے۔

امام ابن جریر نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹنیاں پیدا ہوں، درمیان میں نر نہ ہو، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سواری کی جاتی، نہ اس پر سامان لادا جاتا، نہ اس کا اون کاٹا جاتا، اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۱۲۳، ۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

بحیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسمعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا، اور کوئی شخص اس کا

دودھ نہیں دوہتا تھا، اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا، اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا، وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھیٹ رہا تھا، اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا تھا، اور ویدہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے، وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نرم ہو، اور حامی نراونٹ ہے، جو چند معین مرتبہ گیا بھن کرے، جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے، اور اس کو الحامی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی، اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھیٹ رہا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۶۲۳-۴۶۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا جب تمہاری اونٹنیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں، پھر تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ ڈالتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہے، اور ان کے کان چیر دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر مال جو تمہارے لیے حلال ہے، اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸، سنن کبریٰ للسیہتی، ج ۱۰، ص ۱۰، جامع البیان، جز ۷، ص ۱۱۹-۱۱۸)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے زنج کرنے کے پتھر نصب کیے، اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لُحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا، وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھیٹ رہا تھا، اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی، اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بحیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدح کا ایک شخص ہے جس کی دو اونٹنیاں تھیں، اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دوہنا اور ان پر سامان ملا دنا حرام کر دیا، پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا، وہ اونٹنیاں اس کو اپنے مونہوں سے مہنہ بھون رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

(در مشور، ج ۲، ص ۳۳۸، جامع البیان، جز ۷، ص ۱۱۸، روح المعانی، جز ۷، ص ۴۴)

ایصالِ ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور طیب ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام نہیں کیا، لیکن زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، ویدہ اور حامی ٹھہرائے، ان کو اپنے بتوں کے لیے نامزد کیا، اور ان سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا، اور یہ محض اللہ پر افتراء ہے، سو ان جانوروں کو جب مسلمان، اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو ان کا کھانا حلال اور طیب ہوگا، اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور لوگوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، یہ عبد اللہ کی گائے ہے، یہ عبد الرحمن کا بکرا ہے، اور اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے جو جانور ان کی طرف

منسوب کیے جاتے ہیں، کہ مثلاً اس بکرے کو ذبح کر کے اس کے طعام کے صدقہ کے ثواب کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ یا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی روح کو پہنچایا جائے گا اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ یہ غوث پاک کا بکرا ہے یا یہ داتا صاحب کا بکرا ہے، تو جب اس کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو اس کا گوشت بھی حلال اور طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف، تو کہتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا، خواہ ان کے باپ اور دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں، نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۴)

بجیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریح کو رد کر دیا ہے، اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے، اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے، اور اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے، جو پتھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر اصلاً قادر نہیں ہیں، نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں، نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں، ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور ان جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تقلید مذموم اور تقلید محمود

عقل سے کام لیتے تو بت پرستی نہ کرتے اور نہ بتوں کی خاطر ان جانوروں کو حرام کرتے لیکن وہ بغیر غور و فکر کے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں، حالانکہ ان کے آباؤ اجداد جاہل اور گمراہ تھے اور جاہلوں کی تقلید ضرر محض ہے۔ عقل، علم اور دین کے منافی ہے اور مصلحت کے خلاف ہے، اس آیت میں مطلقاً تقلید کی مذمت نہیں کی، بلکہ ان لوگوں کی تقلید کی مذمت کی ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں، اور اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو لوگ عالم اور ہدایت یافتہ ہوں ان کی تقلید جائز اور صحیح ہے، امام رازی نے لکھا ہے کہ ہدایت یافتہ عالم کی تقلید اس وقت صحیح ہے، جب مقلد کو معلوم ہو کہ اس عالم کا قول دلیل اور حجت پر مبنی ہے، اور بوقت ضرورت وہ اس عالم سے دلیل معلوم کر کے بیان کر سکے، اس صورت میں یہ محض اندھی تقلید نہیں ہوگی اور وہ شخص دراصل اسی دلیل کے مطابق عمل کر رہا ہے، اور یہ چیز عقل اور علم کے خلاف نہیں ہے۔

ہر دور میں ان پڑھ عوام اپنے پیش آمدہ مسائل میں علماء اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور عالم اور مفتی اس مسئلہ کا جو حل بیان کرتا ہے، اس پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ دلیل بیان بھی کر دی جاتی ہے، سو درحقیقت وہ شخص قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے مقلد محض نہیں ہے، اور ہدایت یافتہ عالم کا مقلد ہے، جاہل اور گمراہ کا مقلد نہیں ہے، اسی طرح ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں وہ اپنے امام کے قول پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے، بلکہ اس قول پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے تو درحقیقت وہ قول امام پر عمل نہیں کر رہا، بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے اور چونکہ عام آدمی کا علم قرآن اور حدیث کو محیط نہیں ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط پر قادر نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے حاصل شدہ احکام کو اپنے پیش آمدہ مسئلہ پر منطبق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لیے اسے کسی قرآن اور حدیث کے تبحر اور ماہر عالم کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے وہ کسی ہدایت یافتہ تبحر اور ماہر عالم دین کی تقلید کرتا ہے اور ائمہ اربعہ ہدایت یافتہ اور قرآن و حدیث کے علوم کے ماہر اور امام تھے۔ سو ان کی تقلید کرنا بالکل جائز، صحیح اور عقل سلیم کے مطابق ہے، ان کے اقوال قرآن و حدیث پر

مبنی ہیں، یہ دلائل انہوں نے خود بھی بیان کیے اور ان کے متبع علماء نے بھی بیان کیے، اس کے باوجود ان کی نیک نفسی اور علم و دیانت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کہا اگر ہمارا کوئی قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو مسترد کر دو، اور حدیث پر عمل کرو وہی ہمارا مذہب ہے، سو ان ائمہ کی تقلید کرنا دراصل قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ یہ محض ان کی تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اندھی تقلید ہے، کیونکہ ان کے اقوال قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور نہ یہ کسی جاہل اور گمراہ کی تقلید ہے، بلکہ یہ ان کی تقلید ہے جو اپنے اپنے دور میں علم اور ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے، سو اس آیت سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر طعن کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے نہیں کوئی

اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَبَيْنَكُمْ بَمَا كُنْتُمْ

ضرر نہیں ہوگا، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَرْتُمْ

بے سختی ۰ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ

أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ أَثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرٍ

وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ

سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں)، اگر

الْمَوْتُ تَحِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ أَرْتُمُوهُنَّ

تمیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ

لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا

سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں بیس گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے

إِذَا لِمَنِ الْأَثْمِينَ ﴿۱۰۶﴾ فَإِنْ عُدْرَعَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا ثَمَنًا فَأَخْرَجْنَا

در نہ ہم سنت گنہگاروں میں شمار ہوں گے ۰ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق

يَقُومُونَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولَئِينَ فَيَقْسِمْنَ

ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعتَدِينَا صَلَاتًا اِنَّا اِذْ اَلَيْنَ

کہیں کہ ہماری شہادت ان دو صیروں کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں

الظالمين ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وُجُوْهِهَا اَوْ

میں ہو گا ○ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا

يَخَافُوْنَ اَنْ تُرَدَّ اِيْمَانُ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا

حق ہے یا وہ اس بات ڈریں کہ (ورثہ کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

سنو: اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں

ہوگا، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ (المائدہ: ۱۰۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے

لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں

نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انعامات کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی

جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پروا نہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان

نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتے رہو۔ اس لیے

اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین

سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے، یا اسلام قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب

منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پروا نہ کرو، مسلمانوں کو اس سے بہت سخت

تکلیف ہوتی تھی کہ نبی ﷺ کی بسیار تبلیغ، اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کو نہیں

چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو

مسلمان کرنے کے مکلف نہیں ہو، تم صرف اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضروری ہونا

”تم اپنی فکر کرو“ کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے، صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو، جب تم ہدایت پر ہو، نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو، تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا، وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا (المائدہ: ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور عیشم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۷)

سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

المائدہ ۷۹-۷۸ کی تفسیر میں ہم نے اس سلسلہ میں بہت احادیث پیش کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو

تبیان القرآن

تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آچنی تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے، اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے، پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے، ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان (دو عیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے، اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں میں ہوگا، یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے، یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو! اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا، پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا، ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے، پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

امام ابو یوسف ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۱۰۶) کے متعلق تمیم داری سے روایت کرتے ہیں، تمیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے، اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے، تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے، ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا، ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا، وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے، وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہا، ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچادیں۔ تمیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا، اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا، جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا باقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا، وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا، انہوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا، تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا، اور نہ اس کے سوا اور کوئی چیز ہمیں دی تھی۔

تمیم نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا، تو میں نے اس فعل میں گناہ جانا، میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی، اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے، اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے، آپ نے سہمی کے ورثاء سے گواہ طلب کیے، ان کے

پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو، اس نے قسم کھالی تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) پھر عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے (ورثاء سہمی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھائی تو عدی بن بداء سے پانچ سو درہم وصول کیے گئے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل

ان آیتوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے، وصیت کے ثبوت اور اس کو نافذ کرنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے، اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شریح، ابن سیرین اور شعبی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مختار ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے ہی دو گواہ بنا لیے جائیں حضرت ابن مسعود، حضرت عباس اور دیگر مذکور الصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں، یعنی اہل کتاب میں سے ہوں، اور حسن اور عکرمہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنالیا جائے، تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن المسیب، ابن جبیر، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور دو سراقول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

وَاشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۴) اور اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ

بناؤ۔

زید بن اسلم، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے، انہوں نے کہا کہ اہل کفر عادل (نیک) نہیں ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض، نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔

(زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۳۷-۳۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معاملات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے، اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت و اشہدوا ذوی عدل منکم سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ رِجَالًا كَمْ فَاِنْ
لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتٌ مِّمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّاهِدَاتِ (البقرہ: ۲۸۲)

اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

تبیان القرآن

اور ظاہر ہے کہ ذی یا اہل کتاب شرعاً غیر پسندیدہ ہیں، سو یہ آیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی، کیونکہ اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں، اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی، اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شرح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے، اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۳۲) امام احمد بن حنبل سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ان سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۳۳) اور امام طحاوی نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص و قواق میں فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا، تو اس نے دو اہل کتاب عیسائیوں کو گواہ بنا لیا، وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے، حضرت ابو موسیٰ نے کہا نبی ﷺ کے عہد کے بعد اس طرح نہیں ہوتا تھا، پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے، نہ جھوٹ بولا ہے، نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے، پھر ان کی شہادت کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰۵، جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۳۳) امام طحاوی نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے، اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے، اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی حال میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے، جس طرح فاسق کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلم، امام شافعی اور نعمان (امام ابو حنیفہ) ہیں۔ البتہ! امام ابو حنیفہ نے کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۷۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ، ۱۳۳۸ھ)

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابو حنیفہ کے دلائل

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہے، کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں، اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

(الانفال: ۷۳)

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔ امام ابو داؤد بحستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے، جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے دو مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں، وہ صوریہ کے دو بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مرد کے آلہ کو عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلاخی سرمہ دانی میں

ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا پھر تم کو انہیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی تو پھر ہم نے قتل کرنے کو ناپسند جانا، پھر رسول اللہ ﷺ نے گواہوں کو بلایا، سو چار گواہ آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آلہ کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے، تب نبی ﷺ نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۵۲، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۰۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب کی اہل کتاب کے خلاف شہادت جائز ہے، ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوماً نکلتی ہے۔

امام علی بن عمر دارقطنی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ملت والے دوسری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دوسری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے، کیونکہ ان کی شہادت دوسروں کے خلاف جائز ہے۔

(سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۶۸، المعجم الاوسط للبرہانی، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۳۰، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۰۱)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرغینانی الحنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی، خواہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (مثلاً یہودی گواہی نصاریٰ کے خلاف مقبول ہوگی) امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ فاسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** (قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے، یہ صاحب ہدایہ کا تسامح ہے۔ البتہ اس معنی میں یہ آیت ہے **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** (النور: ۵۵))

اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور وہ بہ منزلہ مرتد ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نصاریٰ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز ان کو اپنے اوپر اور اپنے چھوٹے بچوں کے اوپر ولایت حاصل ہے۔ لہذا ان کو اس کی جنس پر شہادت کا حق بھی حاصل ہوگا، اور فسق اعتقادی شہادت کو قبول کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے دین میں جس چیز کو حرام اعتقاد کرتے ہیں، اس سے اجتناب کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام ہے۔ اس لیے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور ان کو مرتد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی، اور ذمیوں کی گواہی مسلمانوں کے خلاف اس لیے مقبول نہیں ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۱۱۱)

اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

اور چونکہ کافر مسلمان سے دشمنی رکھتا ہے اور دار اسلام میں اس سے مغلوب ہے، اس لیے وہ اس پر غلبہ پانے کے لیے جھوٹ بولے گا اور کفر کی ملتیں ہر چند کہ مختلف ہیں، لیکن دار اسلام میں وہ ایک دوسرے سے مغلوب نہیں ہیں، اس لیے ان میں باہم دشمنی نہیں ہوگی، جو ان کو جھوٹی گواہی پر اکسائے اور حربی مستامن (جو کافر پاسپورٹ لے کر ہمارے ملک میں آئے) کی گواہی

ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور جو کافر الگ الگ ملکوں میں رہتے ہیں، ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ (ہدایہ اخیرین، ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ، ملتان)

اور اس سے پہلے جو ہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ملت والوں کی گواہی دوسری ملت والوں کے خلاف قبول نہیں ہوگی اس سے مراد دو مختلف ملکوں میں رہنے والے کافر ہیں، اور جو مختلف ملتوں والے ایک ملک کے کافر ہمارے ملک میں پاسپورٹ لے کر آئیں، ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی، کیونکہ یہاں وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں ہیں اور ان میں باہم دشمنی نہیں ہے، جو ان کو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی پر ابھارے۔ البتہ! مستامن کی شہادت ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ مختلف ملکوں میں رہنے والے کافروں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین، ص ۱۶۳)

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

فقہاء مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے، مسلمان کے خلاف، نہ اہل کتاب کے خلاف۔ اس لیے علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فقہاء احناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے اس آیت (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت جائز ہے، کیونکہ او انحران من غیر کم کا معنی ہے "یا ان کو گواہ بناؤ جو دین میں تمہارے غیر ہیں" اور جب اہل ذمہ کو مسلمان گواہ بنا سکتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بطریق اولیٰ گواہ بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک تو مسلمانوں کا اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور تمہارے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، اس لیے تمہارا یہ استدلال جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عبارت النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل ذمہ کو مسلمانوں کے خلاف گواہ بنانا جائز ہے اور بہ طریق تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کی آپس میں گواہی بھی جائز ہے، کیونکہ جب ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف جائز ہے تو اپنی ملت والوں کے خلاف بہ طریق اولیٰ جائز ہوگی۔ پھر جب دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی شہادت باطل ہے، تو آپس میں ان کی شہادت کا جواز اپنے حال پر باقی رہا، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جائز ہونا اس مسئلہ کی فرع ہے کہ اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت جائز ہو اور جب اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت باطل ہوگی جو اصل تھی، تو جو اس کی فرع ہے یعنی اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز وہ بہ طریق اولیٰ باطل ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۷۹-۲۸۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی اس عالمانہ بحث کی متانت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا، بلکہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض (الانفال: ۷۳) یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے، ہم اس سے متصل پہلے عنوان میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں، اجرت اور قرض کالین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے، مثلاً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں، اگر ان کے معاملات، جرائم اور تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا

اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہوگا اور یہ اسلام کے منشاء کے خلاف ہے اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دارالاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس کو گواہ بنا لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن المسیب، ابن جبیر، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر گواہ بنا لیا جائے تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا متہم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر لیا۔

امام ترمذی کی روایت میں ہے بعد میں اس کو رہا کر دیا۔

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۲۲، سنن نسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۸۹۱)

علامہ احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور سزا کے قید کرنا اور بطور تفتیش کے قید کرنا اور بطور سزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب

اس پر کوئی حق واجب ہو گیا جرم ثابت ہوگا اور جس شخص کو تہمت کی بنا پر قید کیا جائے گا تو اس کی تفتیش کی جائے گی اور

حدیث میں ہے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا پھر اس کو رہا کر دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد، ج ۵، ص ۲۳۷، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبداللہ حزاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کلاعیین کے لوگوں کی چوری ہو گئی انہوں نے حاکم کے کچھ لوگوں پر چوری کی

تہمت لگائی وہ لوگ نبی ﷺ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت نعمان نے حاکم کے لوگوں کو

چند روز قید رکھا پھر ان کو رہا کر دیا۔ کلاعیین حضرت نعمان کے پاس گئے اور کہا، آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر

امتحان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمان نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لگاؤں، پھر اگر تمہارا مسلمان نکل آیا تو فحشا ورنہ میں تمہاری

پشت پر اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمان نے کہا یہ اللہ کا حکم ہے

اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

امام ابو داؤد نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۸۲، سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بنا پر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکرہ جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ تہمت اور شبہ کی بناء پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔ مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی، وہ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا، صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! میرا نیک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خون کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں، اس کو اسی طرح رکھا گیا۔ آپ نے دوسرے دن پھر اس سے فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا، اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے، اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو، پھر ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا، اس نے غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ اے محمد ﷺ بخدا! (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا، اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، اور بخدا! میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور پہلے میں آپ کے شہر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا، اور اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! بخدا! میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں، بخدا! تمہارے پاس اب یمامہ سے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا، جب تک کہ نبی ﷺ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۳۷۲، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۷۹، صحیح مسلم، ج ۵، ۵۹، (۱۷۶۳)، سنن النسائی،

ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۹، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۵۲، ج ۳، ص ۸۲، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے تین دن ثمامہ بن اثال کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی

اصل ہے۔

ناوہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متونی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہر اس بن حبیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا اس کو قید کر لو، پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث میں ناہندہ مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الشریذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متمول آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن المبارک نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ (علامہ نووی اور علامہ سندی نے بھی یہی تشریح کی ہے)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۸، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۷۰۳-۳۷۰۴، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۷)

۲۳۲۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۹۶۸، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۸۹-۳۸۸-۳۲۲، طبع قدیم، امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض، باب ۱۳)

نیز امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ قاضی شریح مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب الصلوٰۃ، باب ۷۶)

ناہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم ادائیگی پر قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سزا کو جائز کہا ہے جو ادائیگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریح کا نظریہ یہ تھا کہ متمول اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے، اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (فقہاء احناف کا یہ نظریہ نہیں ہے سعیدی غفرلہ) امام مالک نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا، اس کو ادائیگی کے لیے مہلت دی جائے گی، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بہ ظاہر تنگ دست ہو، اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متمول ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرتا ہو، تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵، ص ۲۳۷-۲۳۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری، ج ۵، ص ۶۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے، کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے، خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے، اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکال دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے، کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو، وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے

ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ لزوم سے منع نہ کرے۔

(عمدة القاری، ج ۱۲، ص ۲۳۶، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية، ۱۳۲۸ھ)

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو، اسی طرح بدنی حقوق میں استغناء کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو، اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو، اس پر حد نافذ کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں.....

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں ”بعد از نماز“ سے مراد بعد از نماز عصر ہے، کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال لکھنے کے لیے آرہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے، اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں، اسی وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں، اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے، خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا، اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (لینے) سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی شخص سے محض دنیا کے لیے بیعت کرے، اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے، ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے، اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ آدمی اس کو لے لے، حالانکہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۷۲، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۱۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا، اللہ عزوجل اس سے کلام نہیں کرے گا، نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عصر کے وقت کو زیادہ گناہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حالانکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے، کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے، اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گناہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے، تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرات نہ کریں اور متقدمین عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔

(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذاہب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زمان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے، اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مدعی علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابت کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں، حضرت زید نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا، پھر زید قسم کھانے لگے اور انہوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا، مروان کو اس سے تعجب ہوا، حضرت زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا یا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے، اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے کہا قسم میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھانی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی، اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں، بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جاسکتی ہے، اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے، اور امام مالک منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے، اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھانے سے انکار کرے، وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالک کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: کہ امام شافعی کا مذہب بھی امام مالک کی طرح ہے، لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب بیس دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خواہ قلیل مال کا معاملہ ہو، یا کثیر مال کا نبی ﷺ کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ قصاص اور دیت میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن ثابت کے اثر سے استدلال کیا ہے، کیونکہ انہوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعی کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابت کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں، خدا کی قسم! میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا، میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے، اگر حضرت زید کو علم ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے، تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے، لیکن انہوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے!

(عمدة القاری، ج ۱۳، ص ۲۵۳-۲۵۲، مطبوعہ ادارة البیضاء المنیرية، مصر، ۱۳۳۸ھ)

حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے وصی تھے، ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا، جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمر نے نافع سے کہا: اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے! حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا، اور اس شخص

سے اسی مجلس میں حلف لیا۔

مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کراچی نے آداب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شخص کا اونٹ غصب کر لیا ہے، اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا، حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے، اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھاؤں گا، حضرت عثمان نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی، ورنہ اونٹ تو ان میں دینا پڑے گا، اس شخص نے اونٹ تو ان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔

جس طرح زمان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں منبر رسول ﷺ کی تخصیص ہے، اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:

۱۔ امام مالک، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ نے تصحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا، خواہ وہ ایک ہنرمند یا کسب پر قسم کھائے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

۲۔ امام نسائی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابو امامہ بن شبلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی، جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا مال ہٹ کرنا چاہتا ہو، اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا، نہ نفل۔

(فتح الباری، ج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے، اور جس قسم میں تغلیظ مقصود ہو، تو وہ منبر رسول پر قسم دینی چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہو سکتا ہے، اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا، یہ عملاً صرف حرمین طیبین میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی کے اس دور میں معقول مذہب صرف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا ہے، اور وہی قابل عمل ہے۔

صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس ذات کی قسم کھائی جائے اس کی صفات کے ذکر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے۔ ”باللہ الذی لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ الرحمن الرحیم“ امام شافعی نے کہا اس میں یہ اضافہ بھی کرے ”الذی یعلم خائئۃ الاعین وما تخفی الصدور والذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیۃ“ علامہ محنون مالکی نے کہا اللہ اور مصحف کی قسم کھائے اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک صرف اللہ کے نام کی قسم کھانا کافی ہے، طلاق کی قسم نہ کھائے (یعنی اگر میں نے یہ کام کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق) ہاں! اگر فریق مخالف اللہ کی قسم کو اہمیت نہ دیتا ہو اور طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے تو پھر طلاق کی قسم کھالے، لیکن اگر اس نے طلاق کی قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس نے اس چیز سے انکار کیا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کر

بھی دیا گیا، تو وہ ٹانڈ نہیں ہو گا۔ قسم کو زیادہ پختہ اور موکد کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شخص عرف میں نیک ہو، اس سے پختہ قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے اور دوسروں سے مطالبہ کیا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ مال کے معاملہ میں پختہ قسم کا مطالبہ کیا جائے، اور کم مال کے معاملہ میں نہ کیا جائے اور زمان اور مکان کے اعتبار سے قسم کو پختہ نہ کیا جائے (یعنی عصر کے بعد قسم کا مطالبہ کرے، یا مسجد کے منبر پر قسم کھانے کا مطالبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب اس وقت میں اور منبر پر قسم کھانے کا رواج عام ہو جائے گا تو لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جائے گی۔ ہاں کسی بہت اہم اور خاص معاملہ میں زمان و مکان کے ساتھ تغلیظ کرنی چاہیے، اور اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دینی چاہیے، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسم دی اور فرمایا یہ قسم کھاؤ "باللہ الذی لا الہ الا ہو" میرے پاس مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۰) اس طرح قرآن، حدیث اور آثار صحابہ سب پر عمل ہو گا، کیونکہ قرآن مجید میں (عصر کی) نماز کے بعد قسم دلانے کا حکم ہے اور حدیث میں اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ قسم دینے کا حکم ہے، اور آثار صحابہ میں مسجد کے منبر پر قسم دینے کا ذکر ہے۔ اس لیے قسم کی تغلیظ، تاکید اور اس کو پختہ کرنے کے لیے ان امور کے ساتھ قسم دی جائے، لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں اس تغلیظ کو واجب اور ضروری نہیں قرار دیا، اس لیے ان امور کے ساتھ تغلیظ کو عام معمول نہ بنایا جائے، تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت اور اہمیت کم نہ ہو، اور کسی بہت اہم اور غیر معمولی معاملہ میں جہاں بہت تاکید اور تغلیظ مقصود ہو، وہاں عصر کے بعد، مسجد کے منبر پر اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دی جائے۔ (سعیدی غفرلہ) توجیح میں یہ مذکور ہے کہ کیا قسم دیتے وقت مصحف (قرآن مجید) کو بھی حاضر کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کا انکار کیا اور بعض مالکی علماء نے کہا میں دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت میں مصحف کو حاضر کرنا لازم ہے، اور ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے مطرف کو دیکھا، وہ مصحف کے سامنے حلف اٹھاتے تھے۔

(عمدة القاری، ج ۱۳، ص ۲۵۳، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية، ۱۳۳۸ھ)

مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے، ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اس واقعہ میں پہلے میت کے وصیوں نے قسم کھائی کہ ہم کو اس میت نے صرف اتنا ہی مال دیا تھا (جس میں چاندی کا پیالہ نہیں تھا) اور ورثاء نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا مال نہیں پہنچایا، اور انہوں نے جھوٹی قسم کھائی اور امانت میں خیانت کی ہے، پھر وصیوں کی قسم کے مقابلہ میں ورثاء کے دو آدمی پیش ہوئے، اور انہوں نے ان وصیوں کے خلاف قسم کھائی اور کہا ہماری قسم ان کی قسم کے مقابلہ میں برحق ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ورثاء مدعی تھے اور مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں، اور قسم مدعی علیہ پر ہوتی ہے اور یہاں مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا، کیونکہ جب ورثاء کے گواہوں نے قسم کھائی کہ یہ وصی جھوٹے ہیں، اس سلمان میں پیالہ بھی تھا، تو ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ پیالہ مکہ میں مل گیا اور وصیوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے میت سے یہ پیالہ خرید لیا تھا تو اب معاملہ برعکس ہو گیا، اب وہ مدعی ہو گئے اور میت کے ورثاء اس خریداری کے منکر تھے، وہ مدعی علیہ ہو گئے اور چونکہ وصیوں کے پاس پیالہ خریدنے کے گواہ نہ تھے، اس لیے ورثاء پر قسم لازم آئی، انہوں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔

تبیان القرآن

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ورثاء کو مدعی ہی قرار دیا جائے تب بھی اصول یہ ہے کہ اگر کسی خارجی قرینہ سے مدعی علیہ کی خیانت اس کا جھوٹ اور گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم غیر معتبر ہو جاتی ہے اور پھر مدعی سے قسم لے کر اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس آیت سے یہی اصول ثابت ہوتا ہے اور جو قاعدہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے وہ اس وقت جب مدعی علیہ کی قسم کے جھوٹ ہونے پر کوئی خارجی دلیل اور قرینہ نہ ہو۔ اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جس میں گواہ کا مسلمان ہونا ضروری فرمایا ہے اور اس آیت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے اس پر مفصل بحث ہم اس آیت کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا

جس دن اللہ (تمام) رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا، وہ عرض کریں گے ہمیں بالکل علم نہیں ہے۔

إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝١٠٩ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بیشک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے ۝ جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر

اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

تم گھروائے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور بچپنہ عمر میں بھی، اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور

وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے

يَاذُنِي فَتَنْفَخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَامَ

تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادرزاد اندھوں

الْأَبْرَصَ يَاذُنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ

اور برس کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے، اور میں نے (ہی) تم کو

بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ

بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے

كُفْرًا وَمِنْهُمْ عِرَانُ هَذَا إِلَّا سِحْرَ مُبِينٍ ﴿۱۱۰﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَىٰ

کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے ○ اور جب میں نے حواریوں پر ابہام

الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۗ قَالُوا آمَنَّا وَاتَّبَعْنَاكَ

کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (سے اشد) تو

مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

گواہ ہو جا کہ بیشک ہم مسلمان ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے، ہمیں بالکل علم نہیں ہے، بے شک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے (المائدہ: ۱۰۹) آیات سابقہ سے مناسبت

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے، تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں رد و بدل نہ کرے اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے۔ اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے، تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے اور اس میں خیانت نہ کرے۔

قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ ”ہمیں کچھ علم نہیں“

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: ۶) سو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

فَوَرَّيْكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر: ۹۳-۹۴) سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے، مثلاً یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ
جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ
لائیں گے اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا
کر لائیں گے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور
جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے ”ہمیں اصلاً علم نہیں ہے“ اس کا معنی یہ ہے
کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے
ہیں، ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۱۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا
علم نہیں، یعنی ان کے دلوں کے حال کا علم نہیں اور جزاء کا ترتب اسی پر ہونا تھا اور یہ نبی ﷺ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے
کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے ماسوا اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ
قیامت کی ہولناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم سے ذہول ہو جائے گا اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔
نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوات اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین
ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاء علیہم السلام کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، لیکن بعض اوقات میں
ان پر خوف طاری ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق
گھسنوں کے بل گر جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔
میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) زنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے محمد!
(صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہولناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس
کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟

وہ کہیں گے ہمیں اصلاً علم نہیں ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابن
جریج نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں
ہے، تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبید نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس
حوض پر آئیں گے، میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ
کے بعد دین میں کیانسی باتیں نکالیں؟

علامہ ماوردی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حال اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے، پھر ان سے کیوں سوال فرمائے
گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تاکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بتلائے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا
افتراء باندھے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تاکہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے
اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جز ۶، ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مختار ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں، کیونکہ جو عمل انہوں نے ظاہر کیے، جو پوشیدہ کیے، ان کو صرف تو ہی جانتا ہے، ہم تو صرف ان اعمال کو جانتے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی، گویا اللہ کے علم کے سامنے ان کا علم، عدم علم کے حکم میں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اعمال کا علم تھا اور ہماری وفات کے بعد ان کے اعمال کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے، ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اعمال پر ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں، اور بعد میں جو فرمایا: بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے، وہ ان دونوں جوابوں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا، وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقین ہے) اور ظن اور چیز ہے، اور ہر شخص کو دوسرے کے متعلق ظن ہوتا ہے، علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چرب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بالفرض) میں ناحق فیصلہ کر دوں، تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں، سو انبیاء علیہم السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں، ہمیں ان کے احوال کا صرف ظن حاصل ہے، اور ظن صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے، کیونکہ دنیا کے احکام صرف ظن پر مبنی ہیں اور آخرت میں ظن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی، کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور بواطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا: ہمیں علم نہیں ہے سوا اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا، اور آخرت میں اپنے ظن کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ آخرت میں ظن کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور عادل ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا نہ کوئی نقصان دور ہو گا، اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے، اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے، جو حی و قیوم اور لایموت ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۶۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی اس آخری جواب کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں: انبیاء کا یہ جواب ان کے کمال ادب کی شان ظاہر کرتا ہے، کہ وہ علم الہی کے حضور اپنے علم کو اصلاً نظر میں نہ لائیں گے، اور قابل ذکر قرار نہ دیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم و عدل پر تفویض فرمادیں گے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

لیکن ابن عباس کے نزدیک ”لا علم لنا“ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند! تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں، گویا یہ الفاظ تادب مع اللہ کے طور پر کہے۔

(حاشیہ القرآن بر ترجمہ قرآن از شیخ محمود الحسن)

بعض علماء دیوبند اس آیت کو انبیاء علیہم سے علم غیب کی نفی میں پیش کرتے ہیں، انہیں شیخ عثمانی کی اس تفسیر میں غور کرنا چاہیے۔ باقی ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو اتنا ہی علم غیب حاصل ہے، جتنا ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے غیب مطلق کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے، امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق کرنا جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر خلاق کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر علامہ کا اطلاق کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تا، تانیث کے لیے بھی آتی ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۶۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں کسی نقص کا ذمہ ہو اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، ہمارے عام بول چال میں اللہ میاں اور اللہ سائیں کہا جاتا ہے۔ میاں کا لفظ بیوی کے مقابل کے لیے بولا جاتا ہے، کسی بوڑھے آدمی اور گاؤں کے مولوی کو بھی میاں جی کہتے ہیں، طوائف کے سرپرست کو بھی میاں جی کہتے ہیں، اور سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے۔ سو یہ دونوں لفظ نقص کے معنی کو مستغنی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کرنا جائز ہے، جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں ہو۔ البتہ اس کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں تھکری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا
الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (الاعراف ۱۸۵)

اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں، سو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کیا جائے، جن میں حسن ہو اور جن اسماء میں کسی وجہ سے نقص یا عیب ہو، ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ کیا جائے، بلکہ اس سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے اطلاقات سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کا علم دیا اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے، اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے اور میں نے (ہی) تم کو بنی اسرائیل سے بچایا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے، تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے (المائدہ: ۱۱۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے گا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور ان کی فرمائشیں پوری کیں، پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اور اس کا شریک بنا لیا۔ دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا، اور ان کی شان میں تازیبا باتیں کہی تھیں، یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے، انہوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ ”تعالی اللہ عن ذالک“ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی

تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے، اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے، اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔
روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے، قدس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح، ارواح کی ماہیت مختلف ہوتی ہے، بعض طاہرہ نورانیہ ہوتی ہیں، بعض خبیثہ ظلمانیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل وہ روح ہیں جو طاہر اور نورانی ہے، اور حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد طاہر اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں، ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا، کیونکہ ہنگموڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے، اور میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گوارے میں وحی فرمائی، اب یہاں ایک یہ سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوارہ میں کلام کرنا تو معجزہ ہے، پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح معجزہ ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کہولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال سے پہلے آسمانوں کی طرف اٹھالیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہو گا، اور اس وقت وہ پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا معجزہ ہے، کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کہول ہوں گے، حتیٰ کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے، اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر نزول کی بھی دلیل ہے، کیونکہ وہ پختہ عمر اور کہولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھالیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کہولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے، اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہو گا، ورنہ اس آیت کا صدق کیسے ہو گا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کہولت کا زمانہ پالیا تھا اور وہ کہولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ معجزہ کیسے ہوا؟ کہولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں، یہ معجزہ اسی وقت ہو گا جب انہیں کہولت کے زمانہ سے پہلے اٹھالیا گیا ہو، اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کہولت کا زمانہ پا کر لوگوں سے باتیں کریں، سو اس طرح اس آیت میں ان کے معجزہ کا ذکر بھی ہو گا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہو گی۔

کتاب، حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کا علم دیا کتاب سے مراد یا تو اس کا مصدری معنی ہے، یعنی لکھنا، اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے، اور اس سے مراد جس کتاب ہے۔ کیونکہ انسان پہلے آسمان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور اوق کتابیں پڑھتا ہے، اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور

ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے، تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی، اس میں شرائع اور احکام ہیں اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی، اس میں مواعظ اور اخلاق ہیں، پہلے کتاب کا ذکر فرمایا، پھر تورات اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتابیں ہیں، یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، جیسا کہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَ
جِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ
جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور
میکائیل کا دشمن ہے، تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔
(البقرہ: ۹۸)

تورات اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کر دی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی، اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عناد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا، اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چمگادڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور اس سے چمگادڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی، چمگادڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسب تھا، اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چمگادڑ بنانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے، اور باقی پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا، اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے، انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے، یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اندھیرے میں، یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔

(حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی ایضادوی، ج ۲، ص ۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے مینا کرتے تھے، برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ خارش ہوتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے، اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ، ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

اور میں نے (ہی) تم کو بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے، تو انہوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تمہمت لگائی کہ تم جادوگر ہو، اور انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف اوپر اٹھالیا اور تم کو ان کے شر سے بچایا۔ النساء: ۱۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان

پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (المائدہ: ۱۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار اور ان کے مخلص اصحاب تھے، حور کا معنی ہے کسی چیز کو صاف کرنا اور ان لوگوں نے اپنے نفوس کا تزکیہ کر کے پاک اور صاف کر لیا تھا، اس آیت میں مذکور ہے میں نے حواریین کی طرف وحی کی، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ جس کلام کو اپنے نبی کی طرف نازل فرماتا ہے، خواہ فرشتے کے واسطے سے ہو یا بلا واسطہ اس کو وحی کہتے ہیں، اس لیے اس آیت کا معنی ہے ہم نے حواریین کی طرف الہام کیا۔ قرآن مجید کی اور بھی کئی آیتوں میں وحی بمعنی الہام ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ
اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ انہیں

(القصص: ۷) دودھ پلاؤ۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ
اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ تو
پھاڑوں میں گھر بنا، اور درختوں میں اور ان چھپروں میں جنہیں
لوگ اونچا بناتے ہیں۔ (النحل: ۶۸)

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں، سو وہ ایمان لے آئے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر کی ہوئی نعمتوں کو شمار کر رہا ہے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حواریوں کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا حضرت عیسیٰ کے حق میں نعمت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کا اس درجہ میں ہونا کہ لوگ اس کے قول کو قبول کریں، اس کو محبوب بنائیں اور اس کی اطاعت کریں، اس کے ماننے پر ان کی نجات موقوف ہو، یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا؟ پھر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے نہ کہ ان کی والدہ سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو شرف اور مقام ملتا ہے، وہ اس کی ماں کے لیے عزت اور سرخ روئی کا باعث ہوتا ہے، سو یہ نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہیں اور ضمناً اور بالواسطہ ان کی ماں پر بھی ہیں۔

جس زمانہ میں جس قسم کے کمال کا چرچا اور شہرت ہوتی ہے، نبی کو اس زمانہ میں اسی نوع کا ایسا کمال دے کر بھیجا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمال کے ماہرین اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں اور یہی ان کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری اور شعبدہ بازی کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا دے کر بھیجا جو ان کی جادوگری پر غالب آگیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا چرچا تھا تو آپ کو حکمت کا ایسا کمال دے کر بھیجا کہ اس زمانہ کے اطباء اور حکماء اس کی نظیر لانے سے عاجز ہو گئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، تو آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال اس زمانہ میں کوئی لاسکا، نہ آج تک کوئی لاسکا ہے۔ علم اور ادب میں دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں، اگر اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کالانا ممکن ہو تا تو مخالفین اب تک لاپکے ہوتے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم: کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خون نازل

أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ

کر سکتے ہو، (عیسیٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

ہو ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خون سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

ہیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی، اے ہمارے رب: ہم پر آسمان سے کھانے کا خون نازل

مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۗ

فرما تاکہ (دو دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)

وَأَرْضُ قُنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنزِلُهَا

اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا بیشک میں اس خون کو تم پر

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ ذَلِكَ فَأِنَّهُ لَشَدِيدٌ مُّعَذِّبٌ ۗ

نازل فرمانے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

○ جہاں والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خون نازل کر سکتا

ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خون سے کھائیں اور

ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے

ہو جائیں (المائدہ: ۱۱۳-۱۱۲)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے خوانِ نعمت کا نازل ہونا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ پر بہت بڑا احسان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا، کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ بنو اسرائیل نے تیس روزے رکھے، پھر حضرت عیسیٰ سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی تیس دن کام کرتے، وہ ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا، تب انہوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل کر سکتا ہے؟

(جامع البیان جزء ۷، ص ۱۷۵-۱۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کے فرمائشی معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں! اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا: کیا آپ کا رب آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا، بلکہ یہ صرف ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ کا یہ فرمانا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعویٰ کے مطابق مومن تھے اور ان کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ محض طمانیت قلب کے حصول کے لیے تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے میرے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(۴) استطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائشی معجزہ نہ طلب کرو، کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر صبر کرو، کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمادیتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ. (الطلاق: ۲-۳)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نجات کی
راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے
اس کا گمان (بھی) نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ
اس کے لیے کافی ہے۔

حواریوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے
کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اس آیت میں حواریوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خوان کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے، بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا،
اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہرچند کہ ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزول مائدہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور پختہ ہو
جائے گا۔

(۳) ہرچند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے، لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرفان اور یقین اور پختہ ہو جائے
گا۔

(۴) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا، اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہو گا، اس کو دیکھ کر
ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما، تاکہ وہ
(دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے
بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۳)

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

حواریوں نے جب خوان کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن
ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا، انہوں نے اس خوان سے دنیاوی غرض، یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور
آخری غرض، یعنی ایمان کی پختگی کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعا کی تو آخری غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ
ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہونا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہونا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے ہمیں رزق عطا
فرما اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے، یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام
آدمی کی نظر میں!

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی
طرف تھی، پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے، یعنی لوگ نزول مائدہ میں غور و فکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی
طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں، یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک بلند مقام سے، اس
سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما، تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف
نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا، اور یوں اس آیت میں
حضرت عیسیٰ نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی

طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی اور اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے حظ وافر عطا فرما! (آمین)

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تاکہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے۔ ابن جریج نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیان نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خون رکھا جائے تو اول سے لے کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سدی نے کہا جس دن ماندہ نازل ہو اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریر نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ: یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خون نازل ہو اس دن ہم نماز پڑھیں، جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۱۷۸-۱۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خون

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے جو خون نازل کیا گیا تھا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا، سوان کو مسح کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۲)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

بنو عجل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خون کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا ایسا خون نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ کبھی ختم نہ ہو، ان سے کہا گیا کہ وہ خون تمہارے پاس رہے گا، بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گذرا حتیٰ کہ انہوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھالیا اور خیانت کی، سوان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ اونٹوں اور بکریوں کو چراتے تھے، پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے، اور تمہارے نبی کی زبان سے تم کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے، اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا! تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو، اور دردناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر ماندہ نازل کیا گیا، اس میں جنت کے پھول تھے، ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

میں سے نہ چھپائیں، نہ خیانت کریں، نہ ذخیرہ کریں۔ ان لوگوں نے خیانت کی، چھپایا اور ذخیرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۷۹-۱۸۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

میلاد رسول ﷺ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم اس (خوان طحام) کے نزول کے دن کو عید بنائیں، اس کی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو، اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکر الہی بجالانا، طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارک کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزانة العرفان، ص ۲۰۳، مطبوعہ تاج کمپنی لیتڈ، لاہور)

علامہ شریف سید احمد بن عبدالغنی بن عمر عابدین دمشقی متوفی ۱۳۲۰ھ (سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ کے عم زاد) نے علامہ ابن حجر مہتمی مکی متوفی ۹۳۷ھ کی کتاب النعمۃ الکبریٰ کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے النعمۃ الکبریٰ، نبی ﷺ کے میلاد کے ثبوت اور بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں، لیکن سب سے مبسوط شرح علامہ احمد عابدین دمشقی کی ہے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے اس شرح کو جو اہر البحار میں مکمل نقل کیا ہے۔ ہم اس شرح کے چند اقتباسات جو میلاد النبی ﷺ کے ثبوت سے متعلق ہیں، یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا

جس ماہ میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی، اس میں میلاد شریف کو منانا بدعت مستحبہ میں سے ہے، اس کو ایجاد کرنے والا اربل کا بادشاہ مظفر تھا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول میں میلاد شریف منعقد کرتا تھا، اور بہت عظیم الشان محفل کا اہتمام کرتا تھا، اس کی بادشاہی کافی عرصہ قائم رہی اور وہ ۶۳۶ھ میں فوت ہوا۔ وہ بہت بہادر، نیک، عادل اور ذہین بادشاہ تھا، وہ اس محفل میں بہت علماء اور صوفیاء کو مدعو کرتا تھا اور اس عظیم الشان دعوت میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ علامہ نووی کے استاذ شیخ ابو شامہ نے میلاد شریف کی رات بکثرت صدقہ و خیرات کرنے پر ملک مظفر کی بہت تعریف کی ہے، اور علامہ ابو شامہ کی یہ تعریف شب ولادت میں میلاد شریف منانے کے بدعت حسنہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔

علامہ ابو شامہ کی عبارت یہ ہے:

ہمارے زمانہ میں نبی ﷺ کی ولادت کے دن جو میلاد شریف منایا جاتا ہے اور صدقات اور خیرات کیے جاتے ہیں اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، یہ سب سے اچھی اور نیک بدعت ہے، نیز اس عمل کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے ناداروں اور مفلسوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے، جس شخص نے اس بدعت کو ایجاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کو نیک جزا دے۔ نیز! اس عمل کی وجہ سے کفار اور منافقین کے دل غیظ سے جلتے ہیں۔

(الساعت علی انکار البدع والحوادث، ملخصاً ص ۹۵، مطبوعہ دار الراية الرياض، لبع اولیٰ، ص ۱۳۱۰ھ)

علامہ زر قانی مالکی نے لکھا ہے کہ حافظ ابو الخیر شمس الدین بن الجزری نے کہا وہ ابو لہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، اس نے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو انگلی کے اشارہ سے آزاد کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس فعل کی یہ جزا دی کہ ہر پیر کو جب وہ اس انگلی کا سراچو ستا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے، تو نبی ﷺ کا امتی مسلمان اور موحد

جب ایمان کے رشتہ سے آپ کی ولادت پر خوشی منائے گا اور اپنی استطاعت کے مطابق مال خرچ کر کے صدقہ اور خیرات کرے گا تو اس کی جزاء کیا ہوگی اور مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل عمیم سے جنات النعیم میں داخل کرے گا۔ امام محقق ابو زرہ عراقی سے سوال کیا گیا کہ میلاد شریف منانا آیا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس میں کوئی چیز وارد ہوئی ہے اور کیا یہ فعل صحابہ کرام سے منقول ہے تو علامہ عراقی نے جواب دیا کہ دعوت کرنا اور کھانا کھلانا ہر وقت میں مستحب ہے اور جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور مسرت شامل ہو تو یہ فعل کیونکر مستحب نہیں ہوگا اور ہم سلف صالحین کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتے اور کسی چیز کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدعت مکروہہ ہو، کیونکہ کئی بدعات مستحب ہیں، بلکہ واجب ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے کہا اگر محفل میلاد میں برائیوں کو شامل کر لیا جائے، مثلاً عورتیں شریک ہوں اور بلند آواز سے گائیں، یا مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع ہوں (یا جلوس کے دوران نمازیں نہ پڑھی جائیں) تو اس قسم کے افعال بلاجماع حرام ہیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ برائیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کسی نیکی کو ترک نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس وجہ سے عبادات کو ترک نہیں کیا جاتا، بلکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ عبادات اور نیکیوں کو بجالائے اور بدعات کا انکار کرے اور حتی الامکان ان کا ازالہ کرے۔ (رد المحتار، ج ۱، ص ۶۰۳) علامہ زرقانی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ میلاد شریف بدعت ہے، اس میں محاسن بھی ہیں اور قبائح بھی، سو اگر محاسن کو اختیار کیا گیا اور قبائح سے اجتناب کیا گیا تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ پر میلاد شریف منانے کی اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے، آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی، تو ہم اس دن بطور شکر کے روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے، اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور نبی ﷺ کی ولادت اور آپ کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔ سو جس دن آپ کی ولادت ہوئی، اس دن مختلف عبادات کرنا، مثلاً نوافل پڑھنا، روزہ رکھنا، صدقہ و خیرات کرنا، اور تلاوت کرنا اور ان عبادات سے اللہ کا شکر بجالانا اس حدیث کے مطابق ہے اور حافظ ابن حجر سے پہلے علامہ ابن رجب حنبلی نے اس اصل کو تلاش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر کی نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اس دن روزہ رکھا اور یہود سے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمارا تم سے زیادہ حق ہے۔

علامہ احمد عابدین نے کہا نبی ﷺ کی محفل میلاد میں شریک ہونا اور آپ کی ولادت مبارک کا واقعہ اور آپ کے فضائل اور محامد کو بیان کرنا اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنا، آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کے قرب کا موجب ہے۔ سو ہر وہ شخص جو آپ کی محبت میں صادق ہو، اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے مہینہ کی آمد پر خوش ہو اور اس مہینہ میں اس محفل کو منعقد کرے اور اس میں آپ کی ولادت کے متعلق احادیث صحیحہ اور آثار قویہ بیان کرے اور امید ہے کہ ایسے شخص کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی، کیونکہ شفاعت آپ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ سو جو شخص محافل میلاد منعقد کر کے آپ کا بکثرت ذکر کرے گا اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ آپ کی محبت سے محفل میلاد میں آپ کا ذکر کرنے والے

اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائے جنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے ماہ مبارک کی راتوں کو عیدیں بنا دیا۔

(جواہر البحار، ج ۳، ص ۳۶۲-۳۵۹، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

عید میلاد النبی ﷺ کی مشروعیت پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اس سورت کی آیت ۳ میں بھی مانعین کے بکثرت حوالہ جات سے میلاد شریف کی مشروعیت اور استحباب کو بیان کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک محفل میلاد منعقد کرنا مستحسن اور مستحب ہے، واجب یا فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ (المائدہ: ۱۱۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔ قنادہ نے بیان کیا ہے کہ ان کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہو گا: منافقین کو، اصحاب مائدہ میں سے کافروں کو اور آل فرعون کو۔

(جامع البیان جز ۷، ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے، اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا، وہ اس نشانی میں مبتلا کیے گئے، پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے نماز پڑھی اور بہت گریہ و زاری سے دعا کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما، تو اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دسترخوان نازل کیا، بنو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے، اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنا اور اس کو غضب نہ بنا۔ حضرت عیسیٰ دعا کر رہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسیٰ کے پاس آ کر ٹھہر گیا، حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی، حضرت عیسیٰ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے، یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے، وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہو گا، وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں، حضرت عیسیٰ نے دوبارہ وضو کیا، نماز پڑھی اور اللہ سے رورو کر اپنے اور قوم کے لیے برکت کی دعا کی، پھر اس کو کھولا، تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے گھی بہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیوں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون، ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام

ہے نہ آخرت کا اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔ انہوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اور نشانی کا سوال کرتے ہو۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی اتو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جا، وہ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی، حواری خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہو جا، پھر انہوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں، یا ان پر کوئی آفت نہ آجائے۔ تب حضرت عیسیٰ نے فقراء اور یتیموں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ، اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو، تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا، اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا، حضرت عیسیٰ اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس یتیم نے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور وہ لوگ تادم حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تادم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب، صحت مند اور بیمار، چھوٹے اور بڑے، بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا، چالیس دن تک یہی معمول رہا، جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا، وہ اس کو دیکھتے رہتے، حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں، فقیروں اور یتیموں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں، کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں) حضرت عیسیٰ نے فرمایا بخدا! اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسح کر کے خنزیر بنا دیا، صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر باقی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے، حضرت عیسیٰ ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے، ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے، میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا، گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا، وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھروالے ان کو دیکھ کر روتے رہے، لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پکھل گئے، پھر جو تھے دن حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے، سو چوتھے روز وہ مر گئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا، اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ ایہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑکٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

(کتاب الطہر، ص ۳۶۷-۳۶۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۶۱-۳۵۹، تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۴۷۲، الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۸۲، تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۶۸۵-۶۸۴، البیضاوی مع الکاظمی، ج ۲، ص ۳۸۱-۳۸۲، الدر المنثور، ج ۲، ص ۳۳۶-۳۳۷، تفسیر ابوالسعود علی ہاشم التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۹۵-۹۷، تفسیر الجمل، ج ۱، ص ۵۳۶-۵۳۵، روح المعانی، ج ۷، ص ۶۳-۶۳، قصص الانبیاء للشعلبی، ص ۳۰۱-۳۰۲، تفسیر السمرقندی، ج ۱، ص ۳۶۸)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کو حکیم ترمذی کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اس کی چاروں جلدیں دیکھیں، ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی، علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالیمان اندلسی نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں، کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا، اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں، انہوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھالیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (البحر المحیط، ج ۳، ص ۳۱۵-۳۱۴)

امام ترمذی کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیر کی مفصل روایت کا مفاد یہ ہے کہ انہوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحاح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں وہب بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے، اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی کی روایت ہی کو ترجیح ہے، ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے، نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں، لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے، عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے، اور وہب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام

ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا، اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث ان اقوال سے اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۶، ص ۲۸۷-۲۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

سلمان الخیر کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا، وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی ﷺ اور عربوں کا مائدہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا) حکیم ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خوان کے اوپر کھانا کھایا نہ پیالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: سفرہ پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو عجمیوں نے ایجاد کیا ہے، عرب سفرہ پر کھانا کھاتے تھے، سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے، کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے۔ حسن نے کہا میز پر کھانا کھانا بادشاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۶، ص ۲۸۸-۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ (صحیح مسلم، العید، ۳۶، (۱۹۳۷)، ۳۹۵۰، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۵۷۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۷۹۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چمڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے اور میز ایک نئی چیز ہے، نبی ﷺ نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس پر کھانا مباح ہے اور اگر میز پر کپڑے یا چمڑے کا دسترخوان بچھالیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

وَاذَقَالَ اللَّهُ يَعْيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي

اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

وَإِنِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ

سوا دو خدا بنا لو؛ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات

أَقُولُ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ

کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے، اگر میں نے (بالتفرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو

مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلامٌ

جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا

الْغُيُوبِ ۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ

جاننے والا ہے ○ میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا

میرا رب اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے

تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

مجھے (آسمان پر) اٹھایا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا ، اور تو ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ۱۱۷ إِنْ تَعَدَّ بِهِمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ

ہے ○ اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۱۸ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع

صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

پہنچائے گا ، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۱۱۹

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ○

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ

آسمانوں ، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۱۲۰

پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا بتاؤ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے (بالفرض) یہ کہا ہوتا تو اسے ضرور جانتا تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا

جو تیرے علم میں ہیں بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۶)

اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمایا کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا بنا لو اس سوال کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا بنا لیا تھا اس آیت سے ان کو زجر و توبیح کرنا ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے، کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے انکار کریں گے تو ان لوگوں کی واضح تکذیب ہوگی۔ نیز اس سوال و جواب سے یہ بتانا تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے دین کو بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ خود قائل نہ تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا نہیں کہا اور نہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو پھر یہ آیت کس طرح صادق ہوگی، کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ انہوں نے صراحتاً حضرت مریم کو خدا نہیں کہا، لیکن ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے کسی انسان کو جنم نہیں دیا، انہوں نے خدا کو جنم دیا ہے اور بیٹا ماں کا جز اور ماں کی جنس سے ہوتا ہے، تو جب بیٹا خدا ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کی ماں بھی خدا ہو۔ گویا وہ صراحتاً حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور التزاماً ان کی ماں کو بھی خدا کہتے ہیں، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ (التوبہ: ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! عیسائی اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان کے علماء اور درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء اور درویش حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور ان کو خدا ماننا ہے۔ ثعلبی) سو جس طرح عیسائی صراحتاً اپنے علماء اور درویشوں کو خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے، اسی طرح وہ مریم کو صراحتاً خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا بنا لو حالانکہ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور خدائی کی کبھی نفی نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں عیسائیوں کے متعلق مذکور ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدہ: ۷۳) تیرا ہے۔

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ ”کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا بنا لو“۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ اللہ کے خدا اور معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کی جائے گی تو گویا کہ اللہ کی عبادت نہیں کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تنها مستحق عبادت ہے اور وہی عبادت اللہ کی عبادت کہلائے گی جو صرف اسی کی کی جائے اور جب اس کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کی جائے تو پھر وہ اس کی عبادت نہیں ہوگی تو حقیقت میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو معبود بنایا اور اللہ تعالیٰ کو معبود نہیں بنایا، اس لیے فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا خدا بنا لو!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی براءت کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا تو سبحان (پاک) ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: کہ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ بات حق نہیں ہے، اس لیے میں نے نہیں کہی اور کمال ادب سے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیا کہ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا، تو تجھے علم ہوتا، کیونکہ تجھے میرے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے متعلق علم نہیں ہے، یا اس کا معنی ہے تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا، یا تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے، یا تجھے میرے اقوال اور افعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال اور افعال کا علم نہیں ہے، پھر اس کی تاکید کے طور پر فرمایا: بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام کی ابتداء لفظ سبحان سے کی، ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریک کی نسبت کی گئی ہے اس کی تزیینہ کریں اور دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اور سطوت کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ (المائدہ: ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ توفی کا معنی وفات ہے اور اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی، تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث ہیں، وہ حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور النساء: ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہت زیادہ احادیث پیش کی ہیں۔

توفی کا مادہ وفا سے ہے۔ وفاء کا معنی ہے کسی چیز کو پورا کرنا یا کسی چیز کا تمام و کمال کو پہنچنا، موت کو وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے و او فوا الکیل (الانعام: ۱۵۲) پورا پورا ماپ کر دو او فوا بعہدی (البقرہ: ۴۰) مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ ووفیت کل نفس ما کسبت (آل عمران: ۲۵) ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں توفی کا لفظ موت کے لیے بھی آیا ہے اور غیند کے لیے بھی:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ

موت نہیں آئی ان کی غیند کے وقت۔

تَمَّتْ فِي مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِأَلْبَابِكُمْ (الانعام: ۶۰)

دی ہے جو رات کے وقت تمہاری رو میں قبض کر لیتا ہے۔

اور اس آیت میں توفی کا معنی پورا پورا اٹھالینا ہے، جیسا کہ بکثرت احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اس آیت میں توفی کا معنی موت مراد لینے پر مرزائی حسب ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے در آنحالیکہ تم ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون ہو گے اللہ نے فرمایا ہے جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا، ہم اسی حالت میں اس کو لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء: ۱۰۳) اور سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو! میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہوگا، میں کہوں گا، اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، سو کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی ہیں، تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے عبد صالح نے کہا تھا میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی، تو تو ہی ان پر گواہ تھا۔ (المائدہ: ۱۱۸-۱۱۷) سو مجھ سے کہا جائے گا، آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے تھے۔ (مرتب ہو گئے تھے)

(صحیح مسلم، الجنت، ۵۸، (۲۸۶۰) ۷۰۶۷، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۵۲۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۲۳-۳۱۶۷، سنن نسائی،

رقم الحدیث: ۲۰۸۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورہ مائدہ کی اسی آیت کو نقل فرمایا ہے اور اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ مرزائی کہتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کو پڑھیں گے تو آپ کے حق میں اس کا معنی وفات ہی ہوگا، کیونکہ آپ کے حق میں اس معنی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب توفیتنی فرمائیں گے تو ان کے حق میں اس کا معنی وفات نہیں ہوگا، کیونکہ اس معنی کے خلاف بہ کثرت احادیث ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے، سو اس کا معنی ہوگا جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا۔ بعض اوقات فاعل کے اختلاف سے فعل کا معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ صلی اللہ کا معنی ہے اللہ نے رحمت نازل کی، صلی الملائکہ کا معنی ہے فرشتوں نے استغفار کیا، صلی المسلمون کا معنی ہے مسلمانوں نے رحمت طلب کی۔ اس لیے مستبعد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توفیتنی فرمائیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے وفات دی اور جب حضرت عیسیٰ توفیتنی کہیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ توفی کا معنی لازماً موت اور وفات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب،

بڑی حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۸)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی

سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے آپ کے

تبیان القرآن

جلد سوم

آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کو اور آپ کی ماں کو معبود بنا لیا تھا، کیونکہ سلسلہ کلام ان ہی کے ساتھ مربوط ہے اور وہ لوگ مشرک تھے اور مشرکوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی شفاعت کیسے کی؟ کیونکہ مشرکوں کے لیے شفاعت جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اس میں ضمیر ان کی طرف راجع ہے جنہوں نے موت سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کر لی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قیامت کے دن کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ آسمان پر اٹھانے جانے کے بعد ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر باقی رکھے، حتیٰ کہ یہ مرجائیں اور تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنی توحید اور اطاعت کی ہدایت دے، پھر تو ان کو بخش دے تو بہت غالب ہے تیرے ارادہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور تو اپنے افعال میں حکیم ہے جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اور ”اگر تو ان کو بخش دے“ کے ساتھ ”تو غالب اور حکمت والا ہی مناسب ہے اور غفور رحیم مناسب نہیں ہے۔“

العزیز الحکیم اور الغفور الرحیم کا فرق

امام رازی کے والد ضیاء الدین عمر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کے آخر میں العزیز الحکیم، الغفور الرحیم سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ غفور رحیم ایسی صفت ہے جو ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے اور عزیز رحیم ایسی صفت ہے جو ہر ایک کے لیے مغفرت کو واجب نہیں کرتی، کیونکہ عزیز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غالب ہے جو چاہے کرے، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ عزیز ہو اور ہر اعتبار سے غالب ہو، پھر اس کا بخش دینا اس کا بہت بڑا کرم ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اگر وہ غفور رحیم کہتے تو یہ متبادر ہوتا کہ وہ شفاعت کر رہے ہیں، اور جب انہوں نے العزیز الحکیم کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ معاملہ بالکلیہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فساق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت فرمائیں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں یہ نیکو کاروں کے حق میں نہیں فرمایا تھا، کیونکہ وہ عذاب کے سزاوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعا کفار کے حق میں ہے، کیونکہ ان کا یہ قول ”اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے“ کفار کے لائق نہیں ہے، کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت ثابت ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی، اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس آیت کو پڑھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے (ابراہیم: ۳۶) اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے (المائدہ: ۱۱۸) نبی ﷺ نے اپنے

ہاتھ بلند کیے اور کہا اے اللہ امیری امت امیری امت اور آپ رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے کہا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جاننے والا ہے، ان سے پوچھو ان کو کیا چیز رلاتی ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم، الایمان، ۳۳۶ (۲۰۲) ۳۸۹، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور امت کی بھلائی اور بہتری میں کوشاں رہتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں اس امت کے لیے بہت عظیم بشارت ہے اور اس میں امت کی مغفرت کی بہت بڑی امید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کی بہت عزت اور وجاہت ہے اور حضرت جبرائیل کو نبی ﷺ کے پاس بھیجنے سے آپ کے شرف اور مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ یہ حدیث اس آیت کے موافق ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ (الضحیٰ: ۵) اللہ اکبر! سارا جہان اللہ کو راضی کرتا ہے اور اللہ آپ کو راضی کرتا ہے۔ آپ کو راضی کرنے کی بشارت دینے کے بعد یہ فرمایا: اللہ آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دے گا، کیونکہ بعض امتیوں کو بخش دینے سے بھی راضی کرنا متحقق ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ گیا تو آپ رنجیدہ ہوں گے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے اور آپ کے تمام امتیوں کو دوزخ سے نجات دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع پہنچائے گا، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(المائدہ: ۱۲۰-۱۱۹)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا، ان کا سچ اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا، اور اس دن کسی کا سچ بولنا اس کے لیے نفع آور نہیں ہوگا، کیونکہ دار التکلیف اور دار العمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ
اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا۔ (ابراہیم: ۲۲)

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا سچ اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے تبلیغ کرنے کی جو سچی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سچی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سچی گواہی ان کو نفع دے گی، اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہوگا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع ویسے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے، لیکن آخرت میں دائمی اجر و ثواب صرف اس دن حاصل ہوگا۔ اس

تبیان القرآن

جلد سوم

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر سناٹی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مر جانا ہے تب بھی وہ اس خیال سے ملول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی بلکہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے، جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے، ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اس آیت میں لفظ ما استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اس میں ہو سکتا ہے یہ تشبیہ کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذوی العقول اور ذوی العلوم ہوں، غیر ذوی العقول اور غیر ذوی العلوم سب اس کے قبضہ و قدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء و قدرت کے تابع ہیں۔ اور ذوی العقول اس کے سامنے غیر ذوی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں، اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں، اس لیے اس آیت میں غیر ذوی العقول کو ذوی العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ

جب آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بھی اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس کے مملوک اور عبد ہیں اور جو مملوک اور عبد ہوں، وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم خدا ہیں، اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو اور احکام شرعیہ کے ذکر سے اس سورت کی ابتداء کی تھی اور اس سورت کا اختتام اللہ عزوجل کی کبریائی، اس کی عزت و جلال اور اس کی سلطنت اور قدرت پر کیا ہے۔ گویا یہ سورت شریعت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور حقیقت کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس میں یہ تشبیہ ہے کہ شریعت ابتداء ہے اور حقیقت انتہاء ہے، اور یہ کہ شریعت پر عمل کر کے ہی انسان حقیقت تک پہنچے گا۔

تمام مضامین سورت کی دلیل

اس سورت میں احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں اور یہود کا رد کیا گیا ہے جو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے تھے اور عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے، اور اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا ہے جس کا معنی ہے ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات، ارواح اور اجسام کا موجد اور خالق ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے تو اسے اپنی مخلوق کو امر اور نہی، حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہے اور یہی شریعت ہے، سو یہی آیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے اور جب اللہ خالق اور مالک ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ جس حکم کو چاہے معطل کر دے اور جس شریعت کو چاہے منسوخ کر دے۔ سو اس نے یہود کی شریعت کو منسوخ کر کے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کر دیا، سو اس آیت سے یہود کا رد بھی ہو گیا اور اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کا رد بھی ہو گیا، کیونکہ جب ہر چیز

اس کی مملوک ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا سو یہ آخری آیت اس پوری سورت کے مضامین کی دلیل ہے۔
اختتامی کلمات

آج بہ روز چہار شنبہ مورخہ ۱۹ صفر ۱۴۱۸ھ / ۲۵ جون ۱۹۹۷ء سحری کے مبارک وقت میں سورہ مائدہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اس سورت کے تمام حقائق و معارف اور تمام اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اسلاف کی کتابوں سے استفادہ کر کے اور زیادہ سے زیادہ احادیث پیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اس تفسیر کی سعی کی ہے۔

اللہ العالمین! اس سعی کو قبول فرما، اس میں جو کوتاہی ہو گئی اس سے درگزر فرما اور جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے سورہ مائدہ کی تفسیر کی توفیق دی ہے، بقایا سور قرآن کی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے میری میرے والدین اور اساتذہ کی میرے تلامذہ کی اس تفسیر کے کمپوزر، کاتب اور صحیح کی اس کے ناشر، اس کے تمام معاونین، معبین اور قارئین کی مغفرت فرما۔ ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل، مصیبت اور پریشانی اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور نعمت عطا فرما۔ شرح صحیح مسلم، اس تفسیر اور میری ہر تصنیف کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے، ان کتابوں کے فیضان کو تاقیام قیامت باقی اور عام رکھ، ان کتابوں کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین یا رب العالمین بحاہ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین، قائد المرسلین، شفیع المذنبین، و علی آلہ الطیبین الطاہرین و علی اصحابہ الکاملین الراشدین و علی ازواجہ امہات المؤمنین و علی اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔



سُورَةُ الْاِنْعَامِ

(۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة الانعام

اس سورت مبارکہ کا نام الانعام ہے، اس میں بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں، یہ سورت مکی ہے البتہ! اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوالہ آرہی ہے، انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ان مشرکین کا رد کیا گیا ہے، جنہوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا، وہ آیتیں یہ ہیں:

اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں گے ان کے زعم فاسد کے مطابق، اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، اللہ پر بہتان باندھنے کے لیے، اللہ ان کو ان کے بہتان کی عنقریب سزا دے گا، اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو بچہ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ ان کو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑی حکمت والا، بہت علم والا ہے۔

وَقَالُوا هٰذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَرَّتْ حَجْرًا لَا يَطْعَمُهَا
الْاَمْنُ نَشَاءُ بَزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا
وَاَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اَسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً
عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا
مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا
وَمَا نَحْنُ عَلَيْهِمْ بِمُحَرَّمٍ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَكُنْ مَبْنِيَةً فَهُمْ فِيهِ
مُشْرِكًا وَّسَيَجْزِيهِمْ وَصَفَّهُمْ اِنَّهُمْ حٰكِمِي
عَلَيْهِمْ (الانعام: ۱۳۹-۱۳۸)

جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی، اور جس رات یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا۔ اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ

مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصالتہً خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صلہ رحم، عورتوں کے حقوق، نکاح، طلاق و عدت، وراثت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے، یہود اور عیسائی، ان کی بد عقیدہ گیاں بیان کر کے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں، اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے، چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے، اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا، وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے، اور اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے، مشرکین کے فرمائشی معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجوہ بتائی ہیں۔ تقدیر کا بیان کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے، مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آگیا تو تمہارے پاس اس کے بچاؤ کا کیا سامان ہے؟

سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۹۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی، اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

(المعجم الکبیر، ج ۲۲، رقم الحدیث: ۲۲۸-۲۲۹، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی در آنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا، وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی، اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ العظیم۔ اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف الریاض، ۱۳۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النحاس نے اپنی کتاب تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی، سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسواتین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔ الایہ: ۱۵۳-۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا اس آیت کے ولواننا نزلنا الیہم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱) امام فریبانی، امام اسحاق بن راہویہ اور امام عبد بن حمید نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے یہ مکی سورت ہے ماسوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۵۲-۱۵۱) (الدر المنثور، ج ۳، ص ۲۳۲، مطبوعہ بیروت) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا مکہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے کاتبوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔ (قرطبی، ج ۶، ص ۲۱۵)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک منادی ندا کرتا ہے: اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔ امام ابو الشیخ نے ابو محمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں: تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلسبیل سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا: ”میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے۔“ امام ابن الضریس، ابو محمد فارسی سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلسبیل سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا: میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلیٰ پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الدر المنثور، ج ۳، ص ۲، مطبوعہ ایران)

ان احادیث کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۹۶-۲۹۵)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں، ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسانید سے سکوت کیا ہے۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے، وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں، تب بھی ضعف سے بہر حال خالی نہیں ہیں اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں، اور تعدد اسانید سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں، لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ نہ فرائض، واجبات اور سنن و مستحبات پر عمل کی ضرورت ہے، نہ محرمات اور مکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے، تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کچھ چٹا رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا، حتیٰ کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو مشکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سو اگر اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو یہ اس کے کرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے!

سورۃ الانعام کا موضوع

جس طرح باقی مکی سورتوں میں اصالة عقائد کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی اصول اور عقائد ہی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور الوہیت، وحی، رسالت، بعث بعد الموت اور جزاء و سزا کا اثبات اور اس پر دلائل فراہم کرنا اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس سورت میں مشرکین اور دیگر ان مبتدعین کے خلاف دلائل ہیں جو حشر اور نشر کا انکار کرتے تھے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پوری سورت کو یکبارگی نازل کیا جائے۔ کیونکہ پوری سورت بہ منزلہ دلیل واحد ہے۔ اگرچہ اس کی فروع بہت ہیں اور متکلمین نے اسی سورت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے، کیونکہ اس میں ایسی آیات ہیں جو قدریہ کا رد کرتی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۹۶، مطبوعہ بیروت)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی دلائل کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی دلائل کی تلقین کی ہے۔ خود دلائل پیش کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں:

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ
جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ (الانعام: ۱)

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور (قیامت کا) معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم شک کرتے ہو۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَ
وَأَجَلَ مُّسَمًّى عِنْدَهُ ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ
(الانعام: ۲)

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر (نعمتوں) فرشتے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو ہمارے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کو تابی نہیں کرتے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ
حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (الانعام: ۶۱)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت دلائل تلقین فرمائے ہیں۔ ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

آپ پوچھئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے (اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ
كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ۱۲)

آپ کہنے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔
آپ پوچھے سب سے بڑی کس کی گواہی ہے؟ آپ فرمائیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

آپ پوچھے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت سے) سے بچالے تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بن جائیں گے ○ آپ کہنے اللہ ہی تم کو اس (مصیبت سے) اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام: ۱۳)
قُلْ آتَىٰ شَيْءٌ أَكْبَرَ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (الانعام: ۱۹)

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُّشْرِكُونَ ○ (الانعام: ۶۳-۶۴)

-۶-

سورة الانعام کے مضامین

سورة الانعام کے مضامین کو حسب ذیل عنوانوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱- اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی صفات پر انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے استدلال
- ۲- نبوت، رسالت اور وحی پر عقلی اور مشاہداتی دلائل اور مشرکین کے شبہات کے جوابات
- ۳- بعث بعد الموت، حساب و کتاب، حشر و نشر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء اور سزا کا اثبات۔
- ۴- تمدنی اور معاشرتی زندگی کے مسلمہ اخلاق اور آداب کا بیان۔
- ۵- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور اصول اور عقائد میں لوگوں کے اختلاف کا ہوا، شخصیت اور آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہونا۔
- ۶- آخرت میں ثواب اور عذاب کا لوگوں کے شخصی اعمال پر مبنی ہونا۔
- ۷- انسانوں کے افعال کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا کسب انسان کرتا ہے۔ کسب سے مراد انسان کا اختیار اور ارادہ ہے۔ انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اور اس کو جزا و سزا اپنے کسب اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس لیے جبر بھی نہیں ہے کیونکہ انسان مختار ہے، اور قدر بھی نہیں ہے کیونکہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق اسباب کا مسببات کے ساتھ مربوط ہونا۔
- ۸- کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور مومنوں اور نیکو کاروں کو ثواب دینا، اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہے۔

- ۹- حلال اور حرام کرنے کی تشریح اور شریعت سازی اللہ عزوجل کا حق ہے اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ بھی شریعت ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔

- ۱۰- لوگوں پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے احوال میں غور و فکر کریں کہ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی، ان کا کیا

حال ہوا اور زمین میں گھوم پھر کر ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان بکثرت نشانیوں میں غور و فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کی ذات 'اس کی عظمت' اس کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مصائب سے اور دنیاوی زیب و زینت سے امتحان اور آزمائش میں ڈالتا ہے، تاکہ نیک اور بد ممتاز ہوں۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور کافروں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، اس لیے کسی کافریا فاسق کی دنیاوی عیش و عشرت، آسودہ حالی اور اقتدار سے کسی مسلمان کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۱۳۔ بیوی اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تزیینہ کا بیان، استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا ہے کہ سورۃ الانعام میں توحید کے تمام قواعد ہیں۔

۱۴۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں ان کو نصیحت کرنا اور جو دین حق کی تکذیب کرتے ہیں ان کو پہلی امتوں کے مکذبین کی وعید سنانا اور یہ بتانا کہ ان کے انکار سے صرف ان کو نقصان ہوگا۔

۱۵۔ جو مشرکین مکہ نبی ﷺ سے عنادا معجزات طلب کرتے تھے ان کی جہالت کا بیان کرنا۔

۱۶۔ نبی ﷺ کو یہ تسلی دینا کہ آپ کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۱۷۔ رسولوں کو بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے ثواب کی بشارت دیں، لوگوں کی فرمائش سے ان کو مغیبات پر مطلع کرنا یہ رسول کا منصب نہیں ہے۔

۱۸۔ فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننا اور تقویٰ ہے۔

۱۹۔ نفس کو طیبات یعنی پاکیزہ اور حلال چیزوں سے محروم کر دینا یہ تقویٰ نہیں ہے، بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ نفس کے ناجائز تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کو شہوات باطلہ کی تکمیل سے محروم کر دیا جائے۔

۲۰۔ امت محمدیہ پر یہ احسان کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جس طرح حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سابقہ امتوں کا خاتم بنایا۔

۲۱۔ قرآن اور دین اسلام کی فضیلت اور یہ کہ اس امت کی نیکیوں کا ثواب اللہ نے کئی گنا بڑھایا۔

۲۲۔ یہ سورت مشرکین جاہلیت کے تمام احوال کی جامع ہے اور اس میں ان کی جہالت پر سب سے زیادہ رد کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتًا وَخَمْسٌ وَرِسْتُونَ اَيْتَمَاءٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ الانعام مکی ہے اس میں ایک سو پینٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرم کرنے والا بہت مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا

التَّوْرَةَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَايْرِبْهُمْ يَعْذِلُونَ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ

فرمایا، پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں ۰ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے

مِّنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُّسَيِّئٌ عِنْدَ اللَّهِ ثُمَّ أَنْتُمْ

پیدا فرمایا، پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی، اور قیامت کا عین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ

تَمْتَرُونَ ② وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ۰ اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے، وہ تمہارے ظاہر اور باطن

جَهْرِكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ③ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ

کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے ۰ اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے

مِّنْهُمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَجَاءَهُمْ

کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ۰ سب سے شک جب ان کے پاس حق آگیا تو انہوں نے اس کو

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا يَسْتَهْزِءُونَ ⑤ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

جھٹلا دیا سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۰ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنْهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں

لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِيٰ

دیا ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتیں باغوں کے) نیچے دریا بہائے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری

أَخْرَيْنَ ⑥

قوم پیدا کر دی ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰)

حمد، مدح اور شکر کا فرق

حمد، مدح اور شکر میں فرق ہے مدح، حمد سے عام ہے۔ کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے، حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جانتا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے، شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مال دیا ہو اور آپ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا

ہم نے الحمد للہ کا ترجمہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ الحمد میں الف لام جنس کا ہے اور اللہ میں لام اختصاص کا ہے یا استحقاق کا ہے اور اس کا معنی ہے حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ منعم کا شکر واجب ہے مثلاً تعلیم کی وجہ سے استاذ کا شکر واجب ہے۔ عدل کی وجہ سے منصف کا شکر واجب ہے، احسان کی وجہ سے محسن کا شکر واجب ہے اور پالنے پونے کی وجہ سے ماں باپ کا شکر واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

أَنْ شَكَرْتُمْ لِي وَلِوَالِدَيْكُمْ (القمان: ۱۴)

میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ○

نیکی کا صلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے؟

(الرحمن: ۶۰)

اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بھستانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۱۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۶۱، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۵۸، ج ۳، ص ۳۲، ج ۴، ص ۲۷۸، طبع قدیم)

یہ برحق ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ کوئی نیکی کرے یا اس کو کوئی نعمت پہنچائے تو اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے، لیکن درحقیقت تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور تمام احسانات اسی کے ہیں۔ اسی لیے حقیقت میں صرف وہی مشکور ہے اور باقی سب مجازاً مشکور ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس وقت احسان کرتا ہے جب اس کے دل میں اس احسان کا محرک اور داعیہ پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعیہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اصل احسان اسی کا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر بلا غرض احسان کرتا ہے اور بندہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور یہ غرض یا حصول نفع ہوتی ہے یا دفع ضرر۔ کسی ضرورت مند پر احسان کر کے محسن کا دل خوش اور مطمئن ہوتا ہے یا وہ اس پر احسان کر کے اس کے کسی سابقہ

تبیان القرآن

جلد سوم

احسان کا بدلہ چکاتا ہے یا اخروی ثواب کے لیے احسان کرتا ہے اور یہ حصول نفع ہے یا اس ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس رقت کے ازالہ کے لیے اس پر احسان کرتا ہے اور یہ دفع ضرر ہے تو انسان انسان پر کسی نہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا غرض احسان کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بلا واسطہ احسان کرتا اور انسان بلا واسطہ احسان کرتا ہے۔

مثلاً ایک انسان کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلا کر احسان کرتا ہے۔ اگر اس انسان کے پاس طعام خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے یا پیسے تو ہوتے لیکن بازار میں طعام دستیاب نہ ہوتا تو وہ اس کو طعام کیسے کھلاتا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ طعام کس کا پیدا کیا ہوا ہے! پھر اگر وہ انسان طعام فراہم کر لیتا لیکن وہ بھوکا شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا جس کی وجہ سے وہ کھانا نہ کھا سکتا تو وہ اس کو کیسے کھانا کھلاتا؟ غرض انسان جب کسی انسان پر احسان کرتا ہے اور اس کو فیض پہنچاتا ہے تو اس تک اس احسان اور فیض پہنچنے میں بیسیوں واسطے ہوتے ہیں اور ہر واسطہ اللہ کے فیض اور اس کے احسان پر ختم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ جو شخص کسی پر انعام اور احسان کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اور اسی کا احسان ہے۔ لہذا تمام احسانات پر شکر اور تمام کمالات اور محاسن پر ستائش اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے اور مخلوق میں جس کی خوبی پر حمد کی جائے اور جس کے احسان کا شکر ادا کیا جائے وہ سب مجاز ہے۔ حقیقت میں وہی مشکور ہے اور وہی محمود ہے۔

عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اور بغیر کسی کجی کے آسمان کو بنایا اور آسمانوں میں سورج اور چاند کو رکھا اور اس کو ستاروں سے مزین کیا اور ہوا کے دوش پر بادلوں کو رکھا، زمین کا فرش بچھایا، اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں کشادہ راستے رکھے اور اس میں سمندروں اور دریاؤں کو رواں دواں کیا اور پتھروں سے چشمے نکالے۔ ان تمام چیزوں میں اس کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر دلالت ہے، کیونکہ اس کائنات کا پورا نظام طرز واحد پر چل رہا ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہی اللہ واحد شمار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، اس نے تاریکیوں اور نور کو پیدا کیا۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد تاریکی اور نور کے پیدا کرنے کا ذکر کیا، کیونکہ آسمان اور زمین جو اہر اور اعیان ہیں اور تاریکی اور نور معانی اور اعراض ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن مکروہ چیزوں کو پیدا کیا (مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں التنقن کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معدنیات) اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں مویشیوں اور جانوروں کو پھیلا دیا اور مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم، المنافقین، ۲۷، (۲۷۸۹) ۶۹۲۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۳۹، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۲۷، طبع

قدیم)

کفار کی احسان فراموشی

یہ آیت کفار کی شقاوت اور قباحت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کے دلائل اور نشانیاں سب پر ظاہر اور واضح ہیں اور اس کی عطاؤں اور انعامات سے کائنات کا ہر فرد فیض پارہا ہے اور فائدہ اٹھا رہا ہے اور کوئی شخص بھی اس کے کرم سے محروم نہیں ہے۔ پھر ان تمام احسانات کے باوجود یہ کفار بے جان بتوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ملامت کرتے ہوئے کہے میں نے تم کو اتنا مال دیا، اتنی عزت دی، تم پر اتنے احسان کیے، پھر بھی تم مجھے گالیاں دیتے ہو اور برا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے سے اس کو ایسی ہی اذیت ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے جو میری تکذیب کی وہ اس کا یہ فاسد گمان ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس نے جو مجھے گالی دی، وہ اس کا یہ قول ہے کہ میرا بیٹا ہے، سو میں اس سے پاک ہوں کہ میں کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۸۲، سنن النسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۰۷۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۵۱، طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ شک کرتے ہو۔ (الانعام: ۲)

عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو، لہذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن، متقی، کریم اور فاجر، درشت خوار و ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۴، ص ۲۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

اس آیت کا دو سرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلا واسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے، وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے، اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے، اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟ اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ فرماتا ہے تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق، اس کا نشان، اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا، وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (طہ: ۵۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۰۰، مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطا خراسانی سے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے منہا خلقنا کم۔

(الدر المشور، ج ۳، ص ۳۰۲، مطبوعہ ایران)

حافظ ابو نعیم اسمعانی متوفی ۳۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۲۸۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ علی متقی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابو بکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۲۶۷۳)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس موقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زمینی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مال زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب، دماغ، پیچھے ہٹے، جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں، باریک شریانیں اور پٹھے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت و شکل اور مختلف طبائع اور حقائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ و نسل کے انسان پیدا کرنا، صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آسکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزار ہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

دو اجلوں کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اس نے اجل (موت) مقرر فرمادی اور اجل مسہی (مدت مقررہ) اس کے پاس ہے۔ اجل کے معنی موت ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان موتوں کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد موت ہے اور دوسری اجل سے مراد قیامت ہے، کیونکہ آخرت میں ان کی حیات کی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہوگی اور اس کی مدت اور اس کی کیفیت کا حال اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کی مدت ہے۔ اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر اس کے دوبارہ پیدا ہو کر اٹھنے تک کی مدت ہے اور اس مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد نیند ہے اور

دوسری اجل سے مراد موت ہے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد طبعی موت ہے اور دوسری اجل سے مراد حادثاتی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وہ اس کے پاس مقرر ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اس کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں مذکور ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر واضح دلائل ہونے کے باوجود تم اس کی وحدانیت میں شک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے۔ وہ تمہارے ظاہر اور باطن کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے (الانعام: ۳)

اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل

اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا، دوسری آیت میں فرمایا جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری خلوت اور جلوت کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل ہے اور کمال علم اور کمال قدرت یہ ایسی دو صفتیں ہیں جن پر الوہیت کا مدار ہے اور ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل مکمل ہو گئی۔

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس سے یہ لازم آیا کہ آسمان اور زمین اللہ کے لیے طرف ہیں اور اللہ تعالیٰ مطروف ہے اور مطروف محدود ہوتا ہے اور محدود ہونا الوہیت کے منافی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں میں معظم ہے، یا معبود ہے، یا مستحق عبادت ہے، یا اس کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر میں منفرد ہے، یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری خلوت اور جلوت کو آسمانوں اور زمینوں میں جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو، کسب کا معنی ہے حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے کوئی کام کرنا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے، وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، سو بے شک جب ان کے پاس حق آگیا تو انہوں نے اس کو جھٹلادیا۔ سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانعام: ۵-۴)

کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر بالرسول کی مذمت

اس سے پہلی تین آیات کا تعلق توحید کے ساتھ تھا اور ان آیتوں کا تعلق رسالت کے ساتھ ہے۔ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے اس کفر کو بیان فرمایا تھا جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیتوں میں ان کے اس کفر کو بیان فرمایا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیات میں وجہ ارتباط یہ ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی اس لیے کرتے تھے کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنی رسالت کے صدق پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرتے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے تھے۔ سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ کوئی انسان اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا، سو کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکا۔ پھر آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کئی معجزات

پیش کیے، لیکن انہوں نے ان معجزات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اور تیسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی انتہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس وعید میں دو احتمال ہیں، اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور ان کو اپنی عددی برتری اور طاقت کا جو گھمنڈ تھا، وہ خاک میں مل گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں) کے نیچے دریا بہائے، پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ (الانعام: ۶)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے، ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سنانا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنڈ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ بہت مالدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش مکہ سے اس بات میں ممتاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی تھیں، جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ بَطَرَتْ مَعِيْشَتَهَا
فَنِلَّكَ مَسَاكِيْنَهُمْ لَمْ تَسْكُنْ مِنْ بَعْدِهِمْ
اَلْاَقْلِيْبِلَا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَرِيْثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رُبُّكَ
مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِيْ اُمَمٍ اَرْسُوْلًا
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى
اِلَّا وَاهْلٰهَا ظَالِمُوْنَ ۝ (القصص: ۵۹-۵۸)

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان، جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی گئی ہے اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے، جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار مکہ کو نصیحت کی جائے اور انہیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب

نہ آجائے جو پچھلی امتوں کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا، جب کہ وہ لوگ دنیاوی شان و شوکت اور قوت و طاقت اور عددی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ اور برتر تھے۔
قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن تباہ کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقترن ہوں اس کی جمع قرون ہے (المفردات، ص ۳۰۱) علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے، ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عمروں کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقتران سے ماخوذ ہے، یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور اپنے احوال سے مقترن ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلق زمانہ ہے۔ (التہامیہ، ج ۳، ص ۵۱) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ واحدی نے کہا ہے کہ زمانہ کی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو وہ قرن ہے، یعنی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو، پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفرق ہو جائے، تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقترن ہوں گے، تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام قرونوں میں بہترین میرا قرن ہے۔ اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ، ستر، اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے، بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن ختم ہو گئی۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۱۱، طبع قدیم)

امام رازی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سب میں بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (الحدیث)

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۵۱، صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۲۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۵۷، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۲۹، سنن نسائی، ۳۸۱۸، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۷۲۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۲، ص ۱۷۶، المعجم الکبیر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۵۸۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۲۰۸، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۹۳، طبع قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۹، طبع قدیم)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

بعض سوالوں کے جوابات

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیح کی

تبیان القرآن

کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آتی ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبرد تو بیخ کی وجہ سے ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ حالانکہ کفار مکہ نے گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے وہ صدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم اور ان امتوں کی ہلاکت کے احوال تو اتر سے نقل ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَابٍ فَلَسَوْهٖ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا

اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لینتے تب بھی کفار

الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ

یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ○ اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ

عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَكًّا لَفَقِئُوا الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يَنْظُرُونَ ﴿۱۱﴾

کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی ○

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ﴿۱۲﴾

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورۃ) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں ○

وَلَقَدْ أَسْرَهٗزِي بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا

اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۳﴾

یا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھولیتے

تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے۔ (الانعام: ۷)

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اپنے عیش و آرام میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ ان کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے

جو نبی ﷺ کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیتے تھے۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا اے محمد ﷺ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر، ج ۳، ص ۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

کفار کے انکار کا حقیقی سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کس سبب سے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا انکار چند ضعیف شہادت پر مبنی تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل ہو اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے، لیکن حقیقت میں ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ سو اگر اللہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے، پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے، کیونکہ مشاہدہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نظر نے دھوکا کھایا ہو یا نظر بندی کی گئی ہو۔ لیکن ہاتھ سے چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ (الحجر: ۱۵-۱۴)

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں (دن بھر) چڑھتے رہیں (تو پھر بھی) یہ لوگ یقیناً یہی کہیں گے کہ محض ہماری نظر بندی کی گئی ہے، بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے، تب بھی اس کو (صورۃ ۳) مرد بینا تے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا، تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۱۰-۸)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی انتہائی کوشش کی تو زمعہ بن الاسود، نضو بن حارث، عبدہ بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔ (الدر المنثور، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ ایران)

کفار مکہ کا منشا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا، تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت اور ان کی ہیبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ مکمل طور

پر دو سروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سوان کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوگا، تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کثیف میں متمثل ہوتا، اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتے کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے، نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متمثل ہو کر آتا، تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتے نہیں ہو، تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی پہلا شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل اعرابی اور وحیہ کلبی کی شکل میں آئے اور نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتے کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مر جاتے، کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ قیامت آجاتی۔ حسن اور قتادہ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیامیٹ اور تہس نہس کر دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آتا تھا، اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی ﷺ سے استہزاء یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت نازل کی اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا، تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْبِ الْأَوَّلِينَ ۝
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ
(الحجر: ۱۰-۱۱)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ
(الحجر: ۹۵-۹۴)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو علانیہ ذکر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بے شک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو ضادید رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبد العزیٰ سے اسود بن المطلب تھا، رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے، آپ نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کو اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد بنحوث تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عاص بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن طلاطلہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے، تو سورہ حجر کی یہ آیات (۹۴-۹۵) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل کے پاس سے گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے منہ پر سبز پتہ مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد بنحوث گزرا، جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو استسقاء (پیس) کی بیماری لگ گئی، پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا، دو سال پہلے اس کے پیر کی اڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا، کیونکہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا، تو اس کا تیر اس کے تہند میں گھس گیا جس سے اس کا پیر زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مر گیا۔ اور عاص بن وائل سہمی گزرا حضرت جبرائیل نے اس کے پیر کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گر اور اس کے ٹکڑے میں کٹا چھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مر گیا۔ اور حارث بن طلاطلہ گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی بیماری میں مر گیا۔

(جامع البیان، ج ۱۳، ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو ثانی گرامی کافر نبی ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے، وہ سب عذاب الہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظروا كيف كان عاقبة

آپ کیسے کرتے زمین میں گھومو، پھرو، پھر دیکھو جھلانے والوں کا انجام کیا

الْمُكَذِّبِينَ ۝ قُلْ لَيْسَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلُوبٌ لِّلّٰهِ

ہوا ○ آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے، آپ کہیے کہ

كُتِبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ۝ لِيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے (مض اپنے کرم سے) اپنے اور رحمت لازم کر لی ہے، وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس

سَابِقٍ فِيْهِ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَنْ لَا يُؤْمِنُ ۝ ۱۴ ۝ وَلَهُ مَا

میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچا یا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ رات اور دن میں

تبیان القرآن

جلد سوم

سَكَنَ فِي الْيَلِّ وَالنَّهَارِ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ أَغْيِرُ

جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کیسے کیا میں اللہ

اللَّهُ اتَّخَذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا

کے سوا کسی اور کو کار ساز بنا لوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں

يُطْعَمُ ۗ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ

باتا، آپ کیسے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۴﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيَ عَذَابَ

دالوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کیسے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۗ وَذَلِكَ

دُورًا ہوں۔ جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بیشک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی

الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا

بہت واضح کامیابی ہے۔ اور (اے مخاطب) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا

هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ

نہیں ہے، اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہی اپنے

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۱۸﴾

تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم زمین میں گھومو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ (الانعام: ۱۱)

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اے محمد! ﷺ ان مذاق اڑانے والوں اور جھٹلانے والوں سے کہئے کہ تم زمین میں سفر کرو اور تفتیش کرو اور تم سے پہلے کافروں پر تکذیب کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس کے آثار اور نشانات دیکھو اور اس کے متعلق لوگوں سے خبریں معلوم کرو۔ اس آیت میں تکذیب کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے

کہ وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔ وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جج کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۸)

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک رسول کا ہونا ضروری ہے، جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد ﷺ نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں، ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔
(صحیح مسلم، التوبہ، ۱۳ (۲۷۵۱) ۶۸۳۶، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۱۹۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۵۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۶۰-۲۵۸-۲۳۲، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ، ۱۶ (۲۷۵۱) ۶۸۳۸، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۵۰۳، طبع دار الفکر، بیروت)
اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمانے اور اپنے بندہ کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے، جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نانوے رحمتیں موخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(صحیح مسلم، التوبہ، ۱۹ (۲۷۵۲) ۶۸۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۳)

یہ دنیا دار ابلاء اور دار التکلیف ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو 'اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی، بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نیکی، صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان ننانوے رحمتوں کی وسعت اور گیرائی کے متعلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی، جو دار القرار اور دار الجزاء ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے، قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو دیکھا، اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چمٹا لیا اور اس کو اودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں، خدا کی قسم! اگر آگ میں ڈالنا اس کے لیے مقدور ہو تو یہ اپنے بچے کو کبھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنے بچے پر جس قدر رحم کرنے والی ہے، اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ، ۲۲، (۲۷۵۳) ۶۸۳۵، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۹۹۹)

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ماں اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالنا کیسے گوارا کرے گا، جبکہ اللہ ماں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو بتوں کا بندہ کہتا ہے، کوئی اپنے آپ کو سورج، آگ، پہل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو عیسیٰ اور عزیر کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر زندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (الفرقان: ۳۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا! تو کیا آپ اس کی وکالت کریں گے!

ہاں! جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں، وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہو گئی اور انہوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انہیں معاف فرمادے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی ﷺ کی شفاعت سے عفو و درگزر کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر میرے جسم کو پینا اور میری راکھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس بہ خدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم، التوبہ، ۲۵، (۲۷۵۶) ۶۸۳۸، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۵، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۷۹)

اس حدیث میں ہے کہ اگر بہ خدا میرا رب قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

- ۱- اس شخص کے قول میں "قدر" قدرت سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کر دیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔
- ۲- "قدر" اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔
- قرآن مجید میں ہے:

فَقَدَرْنَا عَلَيْهِ رِزْقَهُ (الفجر: ۱۶) سو اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا۔

فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ (الانبیاء: ۸۷) یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

- ۳- "قدر" قدرت ہی کے معنی میں ہے۔ لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہو تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف، دہشت اور سخت گھبراہٹ کی کیفیت میں بغیر تدبیر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جاتی، جیسے ایک شخص کو اپنی گم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت کی وجہ سے سہواً یہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی تکفیر نہیں ہوتی۔

۴- عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ یقینی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سبا: ۲۳) آپ کئے تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کئے اللہ! اور بے شک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

- ۵- وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جاہل ہو اس کی تکفیر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری اس کی تکفیر کرتے ہیں، دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جاہل کفر نہیں ہے، اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابو الحسن اشعری نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

- ۶- وہ شخص زمانہ نترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا، اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (الاسراء: ۱۵) ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

- ۷- اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا، اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ جو تنگ دست ہو اس کو مہلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ کی ایک اور روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں میرے بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح مسلم، المساقاہ ۲۶، (۱۵۶۰) ۳۹۱۷، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک ٹہنی دیکھی، اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا، اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا بہ خدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا، تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم، البر والصلہ، ۱۲۸، ۱۲۷، (۱۹۱۳) ۶۵۳۷، ۶۵۳۶، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۷۲، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۶۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۸۳، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۳۶، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۱۱۳۳، الموطاء، رقم الحدیث: ۲۹۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۲۱، طبع قدیم)

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گھائیوں میں سے ہے، خواہ وہ کانٹوں کی ٹہنی ہو، شیشہ کا ٹکڑا ہو، کیلے یا آم کا چھلکا ہو، کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں دیکھا، اس میں اتر کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت سے کچھڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی، وہ کنوئیں میں اتر اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا، پھر موزہ کے منہ کو بند کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔

(صحیح مسلم، سلام، ۱۵۳، (۲۲۳۳) ۵۷۵۱، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۶۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۵۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی، اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا، تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (صحیح مسلم، سلام، ۱۵۳، (۲۲۳۵) ۵۷۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہو گئی، اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا، اس کو خود کھلایا نہ اس کو آزاد کیا، تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھالیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

(صحیح مسلم، التوبہ، ۲۶، (۲۷۵۶) ۶۸۵۰، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۶۵، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۸۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۶، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۱۳، سنن کبریٰ للسیحی، ج ۸، ص ۱۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۶، ۱۸۱، ۱۵۹، طبع قدیم)

آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے، تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے، کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آکر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفوں پر نظر رہے اور ایمان، عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کہئے، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کار ساز بنا لوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کہئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی بہت واضح کامیابی ہے۔

(الانعام: ۱۶-۱۳)

مغفرت، نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے یہ نبوت کا دعویٰ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم تمہارے لیے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے غنی ہو جاؤ گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رات اور دن میں جو چیز بھی متحرک ہے یا ساکن، یا جو چیز بھی سکونت پذیر ہے، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا آپ کہئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب، ناصر اور معبود بنا لوں؟ کیا میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ جو اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ اپنی حیات اور بقا میں کسی غذا کا محتاج نہیں ہے۔

اور چونکہ نبی ﷺ اپنی امت میں سب سے سابق ہیں، اس لیے آپ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا اور شرک کرنے سے منع کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہئے اگر میں بھی بالفرض اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس میں امت کے لیے تعریض ہے جب نبی ﷺ جو معصوم ہیں جن کی وجہ سے ان گنت گنہگار بخشے جائیں گے، جب وہ بھی اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا، بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا۔

معتزلہ یہ کہتے تھے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا، اور یہ کہنا اسی وقت مستحسن ہو گا جب نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا اللہ کا فضل اور احسان ہو۔ اگر ان کو عذاب سے بچانا اللہ پر واجب ہوتا، تو پھر ان کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا رحم نہ ہوتا، بلکہ یہ ان کا حق ہوتا۔ اور اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا محض اس کا رحم و کرم اور فضل و احسان ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم، منافقین، ۷۵، (۲۸۱۶) ۶۹۸۳، صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۳۶۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰۱، سنن

داری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۳۳ 'مسند احمد' تحقیق احمد شاکر 'ج ۷' رقم الحدیث: ۷۲۰۲ 'طبع قاہرہ' 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۲۵۶، ۲۳۵ 'طبع قدیم)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا، ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔ (صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۵۵ 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۲۰۸ 'طبع قدیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں، وہ اس مسلمان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۲۳۸، سنن نسائی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۷۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۰۵، 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۵۱۰ 'طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو، کیونکہ اللہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔ (سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرے، اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا کرے، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم 'مسافرن' ۶۸، (۷۱۳) ۱۶۲۲، سنن ابوداؤد 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۶۵، سنن نسائی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۲۹، سنن کبریٰ للنسائی 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۰۰۵، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحدیث: ۹۱، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۲، سنن داری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۹۳، 'ج ۲' ۲۶۹۱، 'مسند احمد' 'ج ۵' ص ۳۲۵ 'طبع قدیم)

نبی ﷺ نے استخارہ کی جو دعا تعلیم فرمائی ہے، اس میں ایک جملہ یہ ہے:

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۲، سنن نسائی 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۵۳، 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۳۳۳ 'طبع قدیم)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا اے قبیصہ! تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے، میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا اے قبیصہ! تم کسی پتھر، درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزرو گے، مگر وہ تمہارے لیے استغفار کرے گا۔ اے قبیصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ" تم نابینا ہونے، جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے۔ اے

قبیصہ! تم یہ دعا کرواے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں، تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت بکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۶۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں قرائت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب اور عذاب ثابت نہیں ہوتا اور نہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور شرع سے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام اطاعت کرنے والوں اور صالحین کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہو گا اور جب وہ ان پر اکرام اور احسان کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا تو یہ اس کا فضل ہو گا اور اگر وہ کافروں پر اکرام کرے اور ان کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا بھی مالک ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کی خبر کا کذب ہونا محال ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مومنوں کی مغفرت کر دے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا، اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا۔ اس کے برخلاف معتزلہ کہتے ہیں کہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہیں اور نیک اعمال کا اجر و ثواب دینا واجب ہے۔

ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی اطاعت کی وجہ سے جنت کا مستحق نہیں ہے، بلکہ جنت کا مدار عمل پر نہیں محض اللہ کے فضل پر ہے۔ البتہ بعض آیتیں بظاہر معتزلہ کی موید ہیں۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ يَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کرتے
(النحل: ۳۲) تھے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الزحرف: ۷۲)
اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے ہو، ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے

یہ آیتیں اور اس نوع کی دوسری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں دخول کا سبب نیک اعمال ہیں، لیکن نیک اعمال کی توفیق اور اعمال میں اخلاص کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے تو حاصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت محض عمل سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے، اس کی توفیق اور ہدایت نہ ہو تو کوئی نیک عمل کیسے کر سکتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک جنت میں دخول کا صورتی اور ظاہری سبب ہے اور ایک حقیقی سبب ہے۔ ظاہری اور صورتی سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ ان آیتوں میں ظاہری سبب یعنی اعمال کی طرف دخول جنت کی نسبت فرمائی ہے اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں دخول جنت کی نسبت حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف فرمائی ہے اور عمل کی جو نئی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب اعمال نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بعض علماء نے کہا جنت میں دخول ایمان کی وجہ سے ہو گا۔ درجات اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت میں

دوام مومن کی نیت کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ مومن کی نیت ہمیشہ ایمان پر قائم رہنے کی ہوتی ہے، اس لیے اس کو اجر و ثواب بھی ہمیشہ ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۸-۱۷)

حقیقی حاجت روا، کار ساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہتے، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کار ساز بنا لوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا نہیں ہے اور اسی مطلوب پر یہ آیت دلیل ہے کہ اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر: ۲)

اللہ رحمت سے لوگوں کے لیے جو چیز کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ معنی حدیث صحیح میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد جو ذکر کرتے تھے، اس میں یہ جملہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز کے بعد ذکر کرتے تھے..... اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور کوئی طاقتور اپنی طاقت سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتا۔ (صحیح مسلم، المساجد، ۱۳۷، (۵۹۳) ۱۳۱۳، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۶۶۱۵، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۰۵، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو، تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، سنن احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۰۳، ۲۷۶۳، ۲۶۶۹، طبع قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۰۳، ۲۷۶۳، ۲۶۶۹، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۳، ۲۹۳، طبع قدیم، دار الفکر، مسند ابو یعلیٰ، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۵۶، المعجم الکبیر للبرانی، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰، ۱۱۳۱۶، ۱۱۲۳۳، کتاب الدعاء للبرانی، رقم الحدیث: ۴۱، مسند الشیبانی، ج ۱، ص ۷۳۵، المستدرک، ج ۳، ص ۵۴۱، مصابیح السنہ، ج ۳، ص ۳۳۷، عمل الیوم والیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۴۲۷، مطبوعہ کراچی، مشکوٰۃ المصابیح،

ص ۲۵۳، طبع کراچی

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر، مرض، غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج و الم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح صحت، دولت، عزت اور اولاد کا بھی صرف وہی دینے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس کی سلطنت اور فرمانروائی ہے، اسی کا غلبہ اور اسی کی کبریائی ہے، بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ تمام انبیاء، رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے، وہی کارساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اپنے رب سے اس کا سوال کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو مایوس ہو کر دعا ترک نہیں کرنی چاہیے، بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کرے کہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۹، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۲۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدار اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور عجلت نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! عجلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہے میں نے اپنے رب سے دعا کی، اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۸، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۳۳۰، صحیح مسلم، (۲۷۳۵) سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:

۱۳۸۳، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۹۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۰، طبع جدید، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے

تبیان القرآن

جلد سوم

عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۹۳، المستدرک، رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیا دار، کریم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹا دے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا، حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے، کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں، انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے، قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے، بلکہ آپ نے دو گنہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں، حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفا یاب ہو گئے۔ (شفاء، ج ۱، ص ۲۱۳) امام بخاری نے بھی حضرت علی کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۱) نیز امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ج ۵، رقم الحدیث: ۳۲۰۶) اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن عتیک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۰۳۹)

ایسے بہ کثرت واقعات ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے مخالف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں، وہ اللہ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ محض سبب ہیں شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا، سو معلوم ہوا ایسا کتنا جائز ہے۔ البتہ ایہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے غنی کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۳۷)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ منعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے انعام فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (مریم: ۱۹)

(جبرائیل نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں، تاکہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی ہے، کیونکہ اللہ نے حضرت جبرائیل کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

(مسند احمد، ج ۳، ص ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)

اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کی دعا منظور فرمائے تو ان کی دعا سے بھی اولاد ہو سکتی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے دعا کی درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارا فلاں مطلوب پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کرام کی ایسی عزت و جاہت اور مقبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے ان کی دعا قبول فرمالتا ہے اور رد نہیں فرماتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرب بندہ کو جب اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۳۳، محلا)

حدیث میں بھی غنی کرنے کا اسناد اللہ اور رسول دونوں کی طرف کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا، آپ کو بتایا گیا کہ ابن جمیل، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے صدقہ دینے سے منع کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابن جمیل کو تو صرف یہ بات ناگوار ہوئی ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا اور رہا خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو، اس نے اپنی زرہ محفوظ رکھی ہے اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے، اور رہے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عم (محترم) ہیں۔ جتنا صدقہ ان پر واجب ہے ان سے اتنا اور وصول کیا جائے (یعنی ان کے بلند رتبہ کی وجہ سے ان سے دگنی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ سعیدی غفرلہ)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلا واسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے مقربان حضرت رب العزت، خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں غنی اور شاد کام کرتے ہیں۔

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہیے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَتَيْنَكُمْ

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس (تک) یہ پہنچے۔ کیا تم ضرور

لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً آخَرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہیے کہ وہ صرف

هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝۱۹ الَّذِينَ اتَّيَمُّوا

ایک مستحق عبادت ہے اور بیشک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتَابِ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا

دی ہے وہ اس (نبی) کو لپتے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا

أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰

سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہئے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے، کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہئے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ (الانعام: ۱۹)

ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کو آپ کے سوا رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا، ہمیں کوئی شخص نہیں ملا جو آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرے۔ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے آپ کے رسول ہونے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی نبوت کی گواہی کون دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ کہئے: کس کی گواہی سب سے بڑی

ہے؟ آپ کہئے 'اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے، کیونکہ سب سے بڑی گواہی اللہ سبحانہ کی ہے اور جب وہ اس کو مان لیں تو آپ بتائیں کہ میری نبوت پر اللہ گواہ ہے۔ کیونکہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے اور یہ قرآن معجزہ ہے، کیونکہ تم فصحاء اور بلغاء ہو اور تم اس قرآن کا معارضہ کرنے اور اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے ہو اور جب یہ قرآن معجزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس قرآن کو مجھ پر نازل کرنا میرے دعویٰ نبوت کے موافق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے نبی ہونے کی شہادت ہے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے، اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں (اور ان کو) جن تک یہ پہنچے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف سے تبلیغ کرو، خواہ ایک آیت ہو۔ اور بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو، کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر عداوت جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۷۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۳۹۶، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۲۵۶)

جن لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی، نبی ﷺ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔
حضرت ابو موسیٰ بنی اسرائیل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت اور علم کو دے کر مجھے بھیجا ہے، اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برسی، ان میں سے بعض زمینیں زرخیز تھیں۔ انہوں نے پانی کو قبول کر لیا اور تر اور خشک گھاس کو اگایا اور بعض غیر زرعی زمینیں تھیں، ان میں پانی جمع ہو گیا، اللہ نے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے پانی پیا، اپنے مویشیوں کو پلایا اور کھیتوں کو پانی دیا اور ایک اور زمین کی قسم پر بارش ہوئی جو بنجر تھی، اس نے پانی جمع کیا، نہ کچھ اگایا۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جو دین دے کر مجھے بھیجا ہے، اس سے نفع پایا۔ اس نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پہلی مثال کے مصداق ائمہ مجتہدین ہیں، دوسری مثال کے مصداق محدثین ہیں اور تیسری مثال کے مصداق کفار اور منافقین ہیں۔

بعض روایات میں مذکور ہے جس شخص کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت پہنچ گئی اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ گیا، خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ مقاتل نے کہا جن اور انس میں سے جس کے پاس قرآن پہنچ گیا، وہ اس کو ڈرانے والا ہے۔ اور قرظی نے کہا جس کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے سیدنا محمد ﷺ کو دیکھا اور آپ سے سنا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا اس نے مجھ سے بالمشافہ سنا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے آپ کہئے کہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے، تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں

تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے، ان سے احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ نے پوچھا تم نے ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے نیز یہ آیت بھی اس مطلوب پر دلیل ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں، جب تک
(الاسراء: ۱۵) کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنے پچھلے دین کے باطل ہونے کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس سے برائت اور بیزاری کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپ کی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپ کی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی نبوت کو نہیں پہچانتے، بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپ کو پہچانتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے کہا کہ خدا ہم نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے، کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شناخت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے ہیں، تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کون سا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی، اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل تزویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر

عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہا یا رسول اللہ! یہود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مہسوت ہو جائیں گے۔ سو یہود آئے اور عبد اللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عبد اللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پناہ میں رکھے۔ تب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور کہا "اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ" تو انہوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۳۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ بتاؤ! یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے، ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تمہارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی ماں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

(روح المعانی، جز ۷، ص ۱۲۰، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معرفت دلائل سے حاصل ہوئی تھی، کیونکہ نبی ﷺ مسلسل غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور غیب پر مطلع ہونا بدوں وحی کے متصور نہیں تھا۔ نیز آپ سے متواتر معجزات کا ظہور ہو رہا تھا اور سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا۔ اس لیے جو شخص بھی ان دلائل میں غور کرتا اسے آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا، اولاد کے نسب کے متعلق کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں بہت دلائل تھے، اور یہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی علامات سے آپ کو پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اول تو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی اور ثانیاً وہ علامات شرق و غرب میں پھیلے ہوئے سب یہودیوں کو کب معلوم تھیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی ان علامات کو آپ پر منطبق کر لیتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو پہچانتے تھے، اس کے باوجود انہوں نے عناداً آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا، کیونکہ ان کو اب دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جنت بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کو اس جنت میں داخل کر دیا جائے، اور اس کے لیے ایک دوزخ بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے، اور قیامت کے دن کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دوزخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جنتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلہ میں دوزخیں ملیں گی اور مسلمانوں کو اپنی جنتیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جنتوں کے بھی وارث ہوں گے، اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے
اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
(المؤمنون: ۱۰-۱۱)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، بیشک ظالم

لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

فلاح نہیں پائیں گے ۝ اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے

أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَائِكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُزْعَمُونَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَكُمْ

تہا کے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھنڈ کرتے تھے ۝ پھر وہ صرف یہی فتنہ

فِتْنَتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ أَنْظِرْ

اٹھائیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝ دیکھیے انہوں نے

كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

اپنے اوپر کیا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب ہر گم ہو گئے ۝

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ

يَفْقَهُوا وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ يَرَوْا كَلِمًا إِتِيًّا لَا يُوَاسِبُهَا

آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا

حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا

إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ عَنْهُ وَيَتَّبِعُونَ عَنْهُ وَ

قصہ کہانی ہے ۝ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور

اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ۲۱)

یسود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، نیز کفار مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے بحیرہ، سائبہ، حامی اور وسیلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا، اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یسود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصاً یہودیہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دوزخ کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی اور ان میں سے بعض جلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، اور خصوصاً نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور یسود و نصاریٰ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر انتراء اور بہتان ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے، یسود و نصاریٰ اور مشرکین نے ان کو جھٹلایا اور قرآن مجید جو نبی ﷺ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے، باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے، انہوں نے اس کو کھلا جادو کہا، کبھی شعرو شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہا یہ محض ان کے تخیلات ہیں۔ انہوں نے اس کے کلام الہی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے؟ پھر وہ صرف یہی فتنہ اٹھا سکیں گے کہ کہیں: اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ انتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

(الانعام: ۲۳-۲۴)

روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور نامرادی

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے ان سے سوال فرمائے گا تمہارے وہ شرکاء اور جھوٹے معبود اور پتھر کی مورتیاں کہاں ہیں جن کے متعلق تم دنیا میں یہ زعم کرتے تھے کہ یہ تمہارے کار ساز ہیں اور مددگار ہیں اور وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذاب سے چھڑالیں گے، اب وہ کہاں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ
الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصص: ۶۴)
وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفَّالَّذِينَ زَعَمْتُمْ
أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ
ضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام: ۹۴)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کر کے فرمائے گا میرے وہ
شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔
ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو
نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ
تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں، بے شک تمہارا
(خود ساختہ) ربط ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ
ٹوٹ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جھوٹا قول۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ سوال فرمائے گا تو وہ اس کے جواب میں حیران اور پریشان ہوں گے اور کوئی صحیح
اور معقول جواب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کے سوا انہیں کوئی بات نہیں سوچھے گی کہ وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے
شرک کا انکار کر دیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی مغفرت اور بخشش ہو رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم
بھی مشرک نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے
نزدیک ان کا کوئی گناہ بھاری نہیں ہوگا۔ جب مشرکین یہ ماجرا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش رہا ہے اور
شرک کو نہیں بخش رہا، آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گنہ گار ہیں، مشرک نہیں ہیں۔ جب وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے
مونہوں پر مر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ
تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَتُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ
لَوْ تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ
حَدِيثًا (النساء: ۴۲)

جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، اس دن وہ
تمنا کریں گے، کاش! ان پر زمین ہموار کر دی جائے اور وہ اللہ
سے کوئی بات چھپانہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منافقین کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں
گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں!
آپ نے فرمایا چودھویں رات کو جب بادل نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ آپ
نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی
تکلیف تم کو سورج یا چاند کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا،
اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور
اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا! وہ بندہ کہے گا، کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے
گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس
طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا، کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں

دی؟ کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے؟ اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ شخص کہے گا، کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اس سے اسی طرح فرمائے گا۔ وہ کہے گا! اے میرے رب! میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا، میں نے نماز پڑھی، روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی پتا چل جائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا، ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں، وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا، میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا، تم بولو! پھر اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال بیان کریں گی اور یہ اس لیے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت قائم ہو۔ یہ وہ منافق ہو گا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔

(صحیح مسلم، الزہد، ۱۶، (۲۹۶۸)، ۷۳۰۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۳۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا، مشرکین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ بتوں کی عبادت ہمیں اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹے عذر پیش کیے اور اپنے نفاق کا انکار کیا۔

پھر فرمایا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے، یعنی دنیا میں ان کا جو یہ گمان تھا کہ ان کے بت ان کی شفاعت کریں گے وہ باطل ہو گیا۔ یا اللہ کو چھوڑ کر وہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے، وہ ان کے کسی کام نہ آسکے اور ان سے کسی عذاب کو دور نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، نضر بن الحارث، عتبہ، شیبہ بن ربیعہ کے دونوں بیٹے، امیہ اور ابی بن خلف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتیں کان لگا کر سن رہے تھے تو انہوں نے نضر سے کہا اے ابو قتیلہ (سیدنا) محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے میرے اور ان کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے، میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں صرف ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں جیسا کہ میں تمہیں گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سنا تا ہوں۔ اور نضر پچھلے لوگوں کے قصے بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ قریش کو واقعات بیان کرتا تھا اور وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول، ۲۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کانوں میں ڈاٹ (گرانی) تھی اور ان کے دلوں پر پردے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کوئی بات نہ سنتے اور کسی بات کو نہ سمجھتے۔ حالانکہ وہ لوگوں کی باتیں سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور نہ سمجھتے تھے تو اس کے معارض اس آیت کا آخری حصہ ہے جس میں فرمایا ہے جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے کلام کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے، البتہ مانتے نہیں تھے۔

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ سننے سے مقصود یہ تھا کہ وہ سن کر اس سے نفع حاصل کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور سمجھنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ نکالتے اور یہ اعتراف کر لیتے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی انسان اس کی نظیر نہیں لاسکتا اور نبی ﷺ کی نبوت کو مان لیتے اور جب انہوں نے سننے اور سمجھنے کے مقصود کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے پھر اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور جب ان کے کانوں میں اللہ نے گرانی رکھی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ نے پردے ڈال دیئے ہیں تو وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے پھر ان کی مذمت کی کیا وجہ ہے؟ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ان کے کانوں میں اللہ نے ڈاٹ لگادی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کا ایمان لانا ممکن نہیں رہا پھر ان کو ایمان لانے کا مکلف کرنا کس طرح درست ہوگا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے عناد اور بغض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسی شدید گستاخی کی جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حق کو سننے کے لیے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی اور حق کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے، جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے:

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء: ۱۵۵) بلکہ انکے کفر کی وجہ سے انکے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ (المنافقون: ۳) یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی تھی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا جاننے کے خوگر اور عادی ہو گئے تھے، کیونکہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے اور دلائل میں صحیح طریقہ سے غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان میں گمراہی اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انکار کی ایسی حالت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں حق نافذ نہیں ہو سکتا تھا اور ان کے کانوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ حق بات کو سنتا نہیں بہت ناگوار ہوتا تھا اور ان کے دلوں اور کانوں میں اس کیفیت کا پیدا کرنا ان کو کفر اور گمراہی پر مجبور کرنا نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اپنے اختیار سے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کو جو اختیار کیا تھا، یہ اس کی سزا اور تعزیر تھی، تو چونکہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی رکھی ہے اور چونکہ اس کو پیدا کرنے کا سبب ان کافروں کا اپنا ارادہ، اختیار اور کسب تھا، اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی اور آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے، اس لیے ان کو ایمان کا مکلف کرنا بھی صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالخیر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار از راہ تکبر خود کہتے تھے ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ آپ کی باتیں سننے کے لیے ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور آپ کے اور ہمارے درمیان مضبوط پردہ حائل ہے۔

بشارت دیتا ہوا اور ڈراتا ہوا، سوا کثر کافروں نے منہ پھیر لیا پس وہ نہیں سنتے ○ اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو، ہمارے دلوں میں اس کے لیے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضبوط حجاب ہے تو آپ اپنا کام کریں، بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

بَشِيرًا وَ نَذِيرًا فَاعْرَضْ أَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيهِ أَكْتَةٌ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي أذَانِنَا وَقُورٌ مِّنْ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَأَعْمَلْنَا لَنَا عَمَلُونَ ○ (حم السجده: ۴-۵)

کفار یہ ظاہر کرتے تھے کہ رسول کا کلام ان کے سننے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا نہیں بلکہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم کو ہمارے رسول کا کلام سنایا جائے، تو جس طور سے انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں، اسی طور سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے کانوں میں ڈاٹ ہم نے لگائی ہے اور تمہارے دلوں پر پردے ہم نے ڈالے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کافروں نے حق کو سننے اور اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کیا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر اصرار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انکار اور اعراض کی حالت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جس کے دل پر پردے ہوں اور اس کے کانوں میں گرانی ہو، سو اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً ان کے دلوں پر اللہ نے پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق سے ان کی مسلسل روگردانی ایسی ہے جیسے ان کے دلوں پر پردے ہوں اور ان کے کانوں میں گرانی ہو، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلِي مُّسْتَكْبِرًا كَانُوا لَمْ يَسْمَعُهَا كَانُوا فِي أُنْيِهِمْ وَقُرًا (القمان: ۷)

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس نے تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی، گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرانی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ختم اللہ علیٰ قلوبہم کی تفسیر میں، میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ وہاں پر میں نے صرف پہلے جواب کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے اور یہاں پر دو مزید جواب ذکر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۲۶)

ایمان ابو طالب کی تحقیق اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے سے

روکتے ہیں اور آپ سے دور بھاگتے ہیں یا وہ لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور اس کو ماننے سے روکتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس طرز عمل سے صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔ اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور خود آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور ان کے علاوہ قاسم بن مخیمرہ اور عطاء بن دینار سے بھی ماثور ہے۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۲۲۹-۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور خود نبی ﷺ کے لئے ہوئے دین سے دور رہتے تھے۔ یہ عطاء بن دینار اور قاسم بن مخیمرہ کا قول ہے اور مقاتل نے کہا کہ ابوطالب کے پاس نبی ﷺ تشریف فرماتے، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو قریش ابوطالب کے پاس جمع ہو گئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے چند اشعار پڑھے، جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگوں سے آپ کا دفاع کرتے ہیں اور خود آپ کی تصدیق سے دور رہتے ہیں۔

(اسباب النزول، ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان روایات کے مطابق ابوطالب کا ایمان اور اسلام ثابت نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث اس کی موید ہیں۔

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب کے والد بنو شیبہ بیان کرتے ہیں جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آپہنچا، تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابوطالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا! ایک بار ”لا الہ الا اللہ“ کہو تو میں تمہارے حق میں اسلام کی گواہی دوں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، اے ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہو، رسول اللہ ﷺ مسلسل ابوطالب کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ بہر حال! ابوطالب نے جو آخری الفاظ کہے، وہ یہ تھے میں اپنے باپ عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہ خدا میں اس وقت تک تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے روک نہ دے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) نبی اور مسلمانوں کے لیے مشرکین کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جنسی ہونا معلوم ہو چکا ہو (التوبہ: ۱۱۳) اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی (ترجمہ) ہر وہ شخص جس کو آپ چاہیں آپ اس میں ہدایت جاری نہیں کر سکتے۔ البتہ! اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔ (القصص: ۵۶)

(صحیح مسلم، الایمان، ۳۹، (۲۳) ۱۳۱، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۵، سنن النسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۰۳۵، سنن کبریٰ

لنسائی، رقم الحدیث: ۱۳۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا ”لا الہ الا اللہ“ پڑھیں۔ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا، کہ وہ کہیں گے کہ یہ

بے صبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

(صحیح مسلم الایمان، ۴۲، ۱۳۴ (۲۵) صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۷۲، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۱۹۹، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۶۱۶، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۲۷۰، دلائل النبوة للسیحقی، ج ۲، ص ۳۲۵-۳۲۴)

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۸۳، صحیح مسلم، الایمان، ۳۵۷، ۲۰۹) (۵۰۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا، نبی ﷺ کے سامنے ابوطالب کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا، اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی، جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۸۵، صحیح مسلم، الایمان، ۳۶۰، ۲۱۰) (۵۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابوطالب کو ہوگا، اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

(صحیح مسلم، الایمان، ۳۶۲، ۲۱۳) (۵۰۳) صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۵۶۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۱۳، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۱۸، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۷۳۷۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کے پیروں کے ٹکڑوں میں دو انگارے ہوں گے، جس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح پیتل کی دیگی میں پانی کھولتا ہے۔ (صحیح مسلم، الایمان، ۳۶۳، ۲۱۳) (۵۰۵) صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۵۶۱)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا، آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا، اس کو زمین میں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ، اپنے باپ کو زمین میں دفن کر دو۔ (سنن التسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ابوطالب فوت ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ جب میں دفن کر کے نبی ﷺ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کر لو۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۰۳، ۹۷، طبع قدیم، دلائل النبوة للسیحقی، ج ۲، ص ۳۲۸)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا، وہ فوت ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳، ص ۳۲۸، مطبوعہ کراچی، ۱۳۰۶)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت اور وہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) منع کرتے ہیں اور خود

ان سے دور رہتے ہیں (الانعام: ۲۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتا تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتا تھا۔ (دلائل النبوة، ج ۲، ص ۳۴۱، مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تصریحات التوبہ: ۱۱۳ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام احمد، امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن منذر اور امام بیہقی نے مسیب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اے چچا! لا الہ الا اللہ کہو، میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا اے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر ”لا الہ الا اللہ“ پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے، آخر میں ابوطالب نے کہا وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے، اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دینا مستبعد ہے۔ علامہ واحدی نے کہا یہ استبعاد خود مستبعد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابوطالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی، کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر حدیث کا معنی یہ ہوگا، اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی، یہ معنی نہیں ہوگا اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور فائزل میں فاسبیت کے لیے ہوگی، نہ کہ تعقیب کے لیے۔ اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوطالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، حتیٰ کہ جبرائیل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورہ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو باعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو۔ بہر حال! یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا! آپ ”لا الہ الا اللہ“ کہیں تاکہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو، اور نبی ﷺ نے بہ اصرار ترغیب دی۔ ابوطالب نے کہا بہ خدا! اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہو تاکہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر ملامت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب پر موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ مل رہے تھے، انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے! تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کے لیے کہا تھا، اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد سوم)

ج ۳، ص ۱۲۳) اس روایت سے ابوطالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں، ان سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابوطالب مومن تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے، علاوہ ازیں ان اشعار میں ابوطالب کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے۔ رہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ”میں نے نہیں سنا“۔

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوة، ج ۲، ص ۳۳۶)

باقی ابوطالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی، بلکہ نسب اور قرابت کی وجہ سے کی، اور اعتبار دینی محبت کا ہے، نسبی محبت کا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابوطالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت ازیت بھی تو پہنچائی ہے، تاہم ابوطالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابو جہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (روح المعانی، جز ۱۱، ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ بیروت)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۵۱۱، طبع قدیم، دار الفکر، بیروت)

حافظ ابن کثیر شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں احادیث کے حوالے سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۶۰، مطبوعہ ادارہ اندلس، بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جز ۶، ص ۳۱۶-۳۱۵)

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۵۰۷-۵۰۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ابی حاتم، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی تو اسکے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا اے چچا! ”لا الہ الا اللہ“ کہئے، میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا۔ امام ابن مردویہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر

اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (شرح مسلم، ج ۱، ص ۳۱)

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کتنا کہ تمام مسلمانوں کا یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابوطالب اسلام لے آئے تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس پر شاہد ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ علماء شیعہ کے اختلاف اور ان کی روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ تاہم ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے حق میں یا وہ گوئی کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے علویوں کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی ﷺ کو بھی ایذا پہنچے۔ (روح المعانی، جز ۲۰، ص ۹۷-۹۶ مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان کے متعلق مصنف کا نظریہ

مذہب اربعہ کے معروف علماء، فقہاء، مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔ ہم نے عدا ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئے۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا، یہ بہت نازک مقام ہے، جو لوگ اس مسئلہ میں شدت کرتے ہیں اور ابوطالب کی ابولہب اور ابو جہل کی طرح مذمت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کے خطرہ میں ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ چیز ہم پر بھی اتنی ہی گراں اور باعث رنج ہے جتنی اہل بیت کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس بحث میں نہ کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیوں میں الجھنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء اہل سنت نے ابوطالب کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے، لیکن ان کی نیت محبت اہل بیت ہے، اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا أَلَيْسَ تَارِدًا وَلَا نَكِدًا

اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹا

بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَّ لَهُمْ مَا كَانُوا

دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں ○ بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں

يَخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ

جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بیشک

لَكَذِبُونَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے

بِبَعْوِثِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ط قَالَ أَلَيْسَ

جائیں گے ○ اور (اے مخاطب) کاش تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا: اللہ فرمائے گا

هَذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے، وہ کہیں گے کیوں نہیں! اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے

كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾

عذاب (کامزہ) چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھتا جب ان کافروں کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔

(الانعام: ۲۷)

قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت

قرآن مجید میں وقوف کا لفظ ہے، یعنی ان کافروں کو جب دوزخ پر واقف کیا جائے گا۔ اس کا معنی قیام بھی ہے اور جانا بھی، اس صورت میں اس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ دوزخ کے پاس کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں (۲) دوزخ کے اوپر جو پل صراط ہے، وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے دوزخ کو دیکھ رہے ہوں (۳) وہ دوزخ کے عذاب پر واقف اور مطلع ہوں (۴) ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ اس حال میں دوزخ میں کھڑے ہوئے ہوں کہ وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں۔

اس آیت میں جزا محذوف ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو یہ دیکھے گا کہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو تو ان کو اس قدر خوف اور دہشت میں دیکھے گا جس کو منضبط کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت یہ کافر نادوم ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور قیامت پر، فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

یعنی ان کی حالت نہیں بدلے گی اور وہ اسی طرح کفر اور معصیت پر برقرار رہیں گے۔ اب وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور معصیت چھپائی تھی وہ سب قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَدَّآلَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَآقَّ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (الزمر: ۳۸)

اور ان کی، کی ہوئی تمام برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت یا تمنا کا صراحتاً رد فرمایا، یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو ان کو جس کفر، عناد، معصیت اور نفاق سے منع کیا گیا تھا، وہ پھر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور عناد ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینوں اور زیب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت کا انکار کر دیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کی پھر تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے

(الانعام: ۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا صراحتاً رد فرمایا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تو وہ پھر دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کفر کریں گے، وہ صرف دنیا کی زندگی کا اقرار کریں گے اور آخرت کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور ہم صرف طبعی حیات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ یہ لوگ مادہ پرست اور لٹھ ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لاتے، ان کا نفس امارہ ان کو کفر، گمراہی اور برے کاموں پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) کاش! تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اللہ فرمائے گا، کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے، کیوں نہیں؟ اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا، پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ (الانعام: ۳۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حشر کے دن کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس فرمائے گا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقِفُّوهُمْ اِنَّهُمْ مُسْتَوْثُونَ (الصف: ۲۳)

ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (البقرہ: ۱۷۳)

اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ اور اس آیت میں ان سے کلام فرمانے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ کلام نہیں فرمائے گا اور اس آیت میں جس کلام فرمانے کا ذکر ہے وہ فرشتوں کے واسطے سے ہے، یا اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مرکر دوبارہ اٹھنا حق نہیں ہے، جس کا تم انکار کرتے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰهِ حَتّٰى اِذَا جَاءَتْهُمْ السّٰعَةُ

بیشک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آچنی گئی تو

بَعْتَهُمْ قَالُوا بَحْسَرَتْنَا عَلٰى مَا قَرَّرْنَا بِهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ

کہیں گے ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس باسے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گنہگاروں

أَوْ نَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۖ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِمُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيَاةُ

کا، بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سزا وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اور دنیا کی زندگی تر

الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مَالٌ كَثِيرٌ ۖ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا خَيْرٌ لِّذِينَ ظَنُّوا ۖ وَلِلَّذِينَ

صرف کھیل تماشا ہے اور بیشک آخرت کا گھر متقین کے لیے بہت اچھا ہے، پھر

أَقْلًا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ

کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟ ○ (اے رسول مکرم) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان آپ علیین ہوتے ہیں،

لَا يُكْذِبُ بَوْنِكَ ۖ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَدْ

در اصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ آپ سے پہلے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبِرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأَوَدُّ أَحَدٌ

بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سرانہوں نے اس تکذیب اور ایذا و رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ

أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۖ وَلَا مَبْدَلُ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۖ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ

ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور بیشک آپ کے پاس رسولوں کی

نَبِيَّائِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾ وَإِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ

خبری آچکی ہیں ○ اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی

اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ

سزگ یا آسمان میں کوئی سیرمی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں

فَتَأْتِيهِمْ بَأْيَةٌ ۖ وَكُوشَاءَ ۖ اللَّهُ لَجَمْعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلا تُكُونَنَّ

(تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، (تو لے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں

مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ

میں سے نہ ہو جانا ○ (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (تو جبر سے) سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو

يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف

آیۃ مِّنْ سَائِبِهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِن

سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کیسے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کرے، لیکن ان کے

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچے گی تو کہیں گے 'ہائے افسوس ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے' سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱)

منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان

اس آیت میں بھی ان کافروں کے احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا، ان کا ایک حال یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نقصان اٹھایا اور دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا، تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر فانی اجر و ثواب کے حصول کا، اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوا، اور کفر اور معصیت کی وجہ سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہوئے۔ ان کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی سعادت کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی دلفریبیوں اور عیاشیوں سے خود کو بے تعلق رکھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے اور جو شخص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہوگا، وہ اخروی زندگی کے لیے کسی زاد راہ کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچے گی تو وہ کہے گا 'ہائے افسوس امیری اس تقصیر پر جو قیامت کے متعلق مجھ سے ہوئی، در آنحالیکہ وہ اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا اور وہ کیسا برا بوجھ ہے۔'

روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں قیامت کو ساعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قیامت ایک ساعت میں واقع ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حساب و کتب بھی ایک ساعت میں ہوگا، گویا قیامت ایک ساعت حساب ہے۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو اللہ سے ملاقات کا دن فرمایا ہے، کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے غضب کے آثار کا ظہور ہوگا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے اور ان کے گناہوں اور سرکشی پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ يَعْلَمُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَفْعَالَهُمْ
بِالْخَيْرِ لَفُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ فَنَذَرَ الَّذِينَ لَا
يَرْجُونَ لِقَاءَ نَافِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝
(یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں کو سزا دینے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ بھلائی کی طلب میں کرتے ہیں، تو ان کی مدت عمل ختم کی جا چکی ہوتی (مگر یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) لہذا جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا میں مہلت اور ڈھیل دی، تاکہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے کو یاد کریں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اور اس کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اپنے گناہوں اور سرکشی کے متعلق کیا عذر پیش کریں گے۔ اس لیے انہیں زندگی میں مہلت دی گئی کہ کسی بھی لمحہ وہ اس ملاقات کے دن کو یاد کر کے اپنی معصیت اور سرکشی سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوُهُ
اور اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔ (البقرہ: ۲۲۳)

اور ان سے کہہ دیا جائے گا آج کے دن ہم تم پر رحم نہیں کریں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن کو یاد رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں نیک عمل کرے، تاکہ اس دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور محبت کے ساتھ اس سے کلام کرے اور اس کو اپنے دیدار سے نوازے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ البتہ! جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل کے راضی ہونے اور اس کے کرم کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔ تو اس وقت اس کو آخرت کے سفر میں آگے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ لہذا اس کو آخرت کے اگلے سفر سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی، سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۷، صحیح مسلم، الدعاء الذکر، ۱۷ (۲۶۸۵) ۶۷۰۰، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۶۸، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۳، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۵۶)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارا خیال ہے وہ بات نہیں ہے لیکن جب پتلیاں اوپر کی طرف چڑھ جائیں اور جب سانس سینہ میں اکٹرنے لگے اور جسم پر لرزہ طاری ہو اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے، اس وقت جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور ناخوشی نزع روح کے وقت معتبر ہوتی ہے۔ اس وقت ہر انسان کو یہ خبر دے دی جاتی ہے کہ اس کا کیا انجام ہے؟ اور آخرت میں اس کے لیے کیا تیار کیا گیا ہے؟ اور اس کا اخروی ٹھکانہ اس کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ موت کو اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں، تاکہ ان انعامات کی طرف منتقل ہو جائیں جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اللہ بھی ان کو پسند کرتا ہے تاکہ ان پر اپنا انعام اور اکرام فرمائے اور بدکار لوگ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتا چل جاتا ہے کہ ان کو عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا اور اللہ بھی ان سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور ان کو اپنی رحمت اور اپنے عفو و کرم سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں عمرو بن قیس سے روایت کیا ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا، کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں، البتہ! تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین ہے۔ وہ کہے گا، تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے، میں تمہارا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا، آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو اور یہ آیت پڑھے گا جس دن ہم مستقین کو رحمن کی طرف بطور وفد جمع کریں گے (مریم: ۸۵) اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا، اور اس سے کہے گا تو دنیا میں اسی طرح تھا، میں تیرا برابر عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) (جامع البیان، جزء ۷، ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے، اور بے شک آخرت کا گھر مستقین کے لیے بہت اچھا ہے، پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے۔ (الانعام ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے، ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رنگینیاں، دلفریبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کا خیس اور گھٹیا ہونا اور اس کا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ یہ دنیا آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں کا وسیلہ اور زینہ ہے، اس لیے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً دنیا کی زندگی مذموم نہیں ہے، بلکہ کافر کی زندگی مذموم ہے اور مومن چونکہ نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اس لیے اس کی زندگی لہو و لعب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دنیا کی زندگی مطلقاً لہو و لعب ہے اور دنیا سے مراد دنیا کی لذتیں اور راحتیں ہیں اور جس طرح انسان کھیل تماشے میں مشغولیت سے جب فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت کو کسی نیکی کے کام میں گزارا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا، اسی طرح دنیا کی لذتوں سے جب انسان فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر یہ وقت کسی عبادت میں صرف کیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی وجوہات

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

- ۱- لہو و لعب کی مدت کم ہوتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کم ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔
- ۲- لہو و لعب عموماً کسی فریب پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح انسان دنیا کی زندگی کو بھی کسی فریب کے سہارے گزارتا ہے۔
- ۳- عموماً بچے اور نادان اور غافل لوگ لہو و لعب میں اشتغال کرتے ہیں اور سنجیدہ اور فہمیدہ لوگ لہو و لعب میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور دلفریبیوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو عقل مند اور زیرک لوگ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں فانی ہیں۔ لہذا وہ فانی کی بہ نسبت باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔

دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث

حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت میں جا رہا تھا اچانک آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں بکری کا (مردہ) بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اس کے مالکوں نے اس کو پھینکا ہو گا تو یہ ان کے نزدیک بے وقعت ہو گا۔ صحابہ نے کہا اس کے بے وقعت ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جس قدر یہ بکری کا مردہ بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہے اللہ عز و جل کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا، ج ۲، ذم الدنیا، رقم الحدیث: ۲، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۳۲۸، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۳۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۱، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۰۳۵، دار الفکر، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۸، ج ۴، ص ۲۲۹، ۲۳۰، ۳۳۶، دار الفکر، طبع قدیم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(ذم الدنیا، رقم الحدیث: ۳، صحیح مسلم، الزهد، (۲۹۵۶) ۷۲۸۳، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۳۳۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۸۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۹۷، ۳۲۳، ۳۸۹، ۳۸۵، طبع قدیم، کتاب الزهد للاحمد، ص ۳۷)

محمد بن منکدر اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے ماسوا اس کے جو اللہ کے لیے ہو۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے ماسوا اللہ کے ذکر کے اور ذکر کرنے والوں کے اور ماسوا عالم یا متعلم کے۔

(ذم الدنیا، رقم الحدیث: ۷، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۳۲۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۳، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۵۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو فانی ہونے والی چیز ترجیح دو۔ (ذم الدنیا، رقم الحدیث: ۸، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۱۲، طبع قدیم، المستدرک، ج ۴، ص ۳۰۸)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ (ذم الدنیا، کتاب الزهد للاحمد)

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن! ہمارے لیے دنیا کی حقیقت بیان کریں۔ آپ نے فرمایا دنیا کی جو چیزیں حلال ہوں گی ان کا حساب لیا جائے گا اور جو چیزیں حرام ہوں گی ان پر دوزخ کا

ابن ہوگا۔ (ذم الدنيا، ۱، مطبوعہ موت الکتب الشافیه، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر فقر کا خوف نہیں ہے، لیکن مجھے پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، سو تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۱۵۸، صحیح مسلم، الزحد، ۶، (۲۹۶۱) ۲۹۱، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۷۰، سنن ابن ماجہ،

ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۹۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس کے نشان آپ کی جلد پر نقش ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، اگر آپ ہم کو اجازت دیں تو ہم چٹائی کے اوپر کوئی چیز بچھا دیں جس سے آپ کی جلد محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے؟ میری اور دنیا کی مثال یہ ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں بیٹھے، پھر سائے کو ترک کر کے سفر شروع کر دے۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! الحمد للہ ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے لیکن اللہ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے، وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے اس طرح حیا کی جو حیا کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا مقصود دنیا ہو، اللہ اس کے حالات دگرگوں کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر کر دیتا ہے اور دنیا سے اس کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حالات مجتمع کر دیتا ہے اور اس کا دل مستغنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۵، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تمام تفکرات کو صرف آخرت کا حصہ بنا دیا، اللہ اس کو دنیا کے افکار سے کافی ہو گا اور جس شخص کے تمام افکار دنیا کے حالات کے متعلق ہوں، اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ پار کرنے والے ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۰، صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۳۱۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۳، صحیح ابن

حبیب، رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن کبریٰ للسیمتی، ج ۳، ص ۳۶۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت چھڑ کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۰، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۳۰۲، ج ۸، ص ۲۹۰)

حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کو میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دنیا میں بے رغبتی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۰۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔ سو تم آخرت کے فرزند بنو، دنیا کے فرزند نہ بنو۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الامل و طولہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا، مگر اس کی ہم کو خبر دی، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دنیا سرسبز اور ٹیٹھی ہے اور اللہ تم کو دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے، پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو! سنو! تم دنیا سے پرہیز کرو اور عورتوں سے پرہیز کرو (مسلم کی روایت میں ہے) کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں برپا ہوا تھا، اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ جس شخص کو حق کا علم ہو جائے تو لوگوں کا دباؤ اس کو حق بیان کرنے سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابو سعید رونے لگے اور کہا ہم نے کئی چیزوں کو دیکھا اور ہم دباؤ میں آگئے۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۸، صحیح مسلم، الذکر والدعاء، ۹۹، (۲۷۴۲) ۶۸۱۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت قتادہ بن النعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۴۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

دنیا کے مال کو انسان اگر عیش و عشرت اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کرے تو پھر دنیا اور دنیا کا مال مذموم ہے اور ان احادیث کا یہی محمل ہے اور اگر دنیا کے مال و دولت کو دین کی سربلندی، تبلیغ دین، اسلام کی نشرو اشاعت اور ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کرے اور حج اور عمرہ کرے، قربانی، زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے اور نیکی اور خیر کے راستوں میں مال کو خرچ کرے، تو پھر دنیا کا مال و دولت بہت مبارک اور مستحسن ہے۔

نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات قرآن کے ساتھ قیام کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اس مال کو (نیکی میں) خرچ کرتا ہو۔

(صحیح مسلم، مسافرن، ۲۶۶، (۸۱۵) ۱۸۶۳، صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۵۲۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۰۷۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۰۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۴۱۲، دار الفکر، طبع)

جدید 'مسند احمد' ج ۱، ص ۳۸۵، دار الفکر، طبع قدیم)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستوں پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت (علم دین) عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور تعلیم دیتا ہو۔

(صحیح مسلم، مسافرن، ۲۶۸، ۱۸۶۶ (۸۱۷)، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۸۳۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۰۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۳۲، ج ۲، ص ۱۳۳، ۸۸، ۳۶، ۹، ج ۳، ص ۱۰۵، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اصحاب ثروت اور دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے کہا وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجات کو پا لو، جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر بھی سبقت کرو گے اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہوگا، ماسوا اس کے جو تمہاری طرح اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی ان تسبیحات کا پتا چل گیا؟ اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیحات پڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم، مسافرن، ۱۳۲، ۱۳۲ (۵۹۵)، ۱۳۲۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کی تائید اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (الجمعه: ۱۰)

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال مسجد کے بالمقابل بیرحہ تھا (یہ مسجد کے سامنے بنو جدیلہ کا محلہ تھا) رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خوش ذائقہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے، جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔ (آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحہ ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے پاس اس کی نیکی اور ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا چھوڑو یہ مال نفع آور ہے، یہ مال نفع آور ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کہا وہ میں نے سن لیا، اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ پھر حضرت ابو طلحہ نے بیرحہ کو اپنے رشتہ داروں اور عم زاد میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۳۲، ۲۲۷۸ (۹۹۸)، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے۔ آپ اس کے حق میں اللہ سے دعا کیجئے، آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اور اس کو جو کچھ عطا فرمائے، اس میں برکت دے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۱۳۱، (۲۳۸۰) ۶۲۵۵، صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۳۳۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۵۳) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے لو، جب تمہارے پاس مال آئے در آنحالیکہ تم اس پر حرص ہو، نہ اس کا سوال کر رہے ہو تو اس مال کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ ہو اس کے درپے نہ ہو۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۱۱۰، (۱۰۳۵) ۲۳۶۷، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۷۳، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۰۸) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا، آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا، میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا پھر آپ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس مال کو استغناء نفس سے لے گا، اس کو اس مال میں برکت دی جائے گی اور جو شخص حرص ہو کر اس مال کو لے گا، اس کو برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتا ہے۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ، ۹۶، (۱۰۳۵) ۲۳۳۹، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۷۲، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۵۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۲۳۱۰، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۰، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۸۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۲۰۰۳۱، سنن کبریٰ للسیوطی، ج ۳، ص ۱۹۶)

دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً مال دنیا مذموم نہیں ہے۔ البتہ اگر مال دنیا کو ناجائز خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے تو یہ لائق ملامت اور مستوجب عذاب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا اور ان سے دل لگانا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۹۴۹، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۵، ۱۹۹، ۱۲۸، طبع قدیم)

بلکہ ممنوع اور مذموم یہ ہے کہ انسان دنیا کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ لے، جبکہ مقصود آخرت ہے اور دنیا اس کے حصول کا وسیلہ اور اس تک پہنچنے کا زینہ ہے یا بندہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ انسان اپنے لیے، اپنے ماں باپ اور اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی جستجو کرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ جو الفت اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ملک و قوم کی فلاح کے لیے اور انسانیت کی خدمت کے لیے جو دنیا میں تگ و دو کرتا ہے، اور کارنامے انجام دیتا ہے ان تمام کاموں میں حسن نیت کی بناء پر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بشارتوں کے مطابق اجر و ثواب ملے گا اور یہ تمام کام اطلاعات اور عبادت میں شامل ہیں اور جس وجہ سے دنیا

تبیان القرآن

جلد سوم

کی خدمت کی گئی ہے، یہ کام اس میں داخل نہیں ہیں۔
لوو لعب کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف لوو لعب ہے۔ اس لیے ہم لوو لعب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لوو کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جس چیز میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے، اس کو لوو کہتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت مثلاً عورتوں اور بچوں کو بھی لوو لعب کہا جاتا ہے، کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:

آلْهٰكُمْ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝
(التکائر: ۱۰۲)
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلٰهِيْكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا
اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون: ۹)
رِجَالٍ لَا تُلٰهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ وَّلَا عَنْ ذِكْرِ
اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخٰفُوْنَ
يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَاَلْبَصٰرُ
(النور: ۳۷)
ماں جمع کرنے کی حرص نے تمہیں اس قدر غافل کر دیا کہ تم
قبروں میں پہنچ گئے۔
اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد کی مشغولیت تمہیں
اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔
وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت کی مشغولیت اللہ
کی یاد، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی، وہ
اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ
جائیں گے۔

ان آیات میں اولاد، مال و دولت اور تجارت میں مشغول ہونے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا، بلکہ اس حد تک اشتغال سے منع فرمایا ہے کہ انسان نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں تجارت اور مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (الحج: ۲۸)
وہ حج کے لیے آئیں گے) تاکہ اپنے فائدے کے مقامات
پر حاضر ہوں۔
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)
حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے
میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(المفردات، ص ۳۵۵، مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ، ایران، ۱۳۶۲ھ)

لعب کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لعب اصل میں لعاب ہے، یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب منہ سے لعاب بننے لگے اور جب کسی شخص کا فعل بغیر قصد کے واقع ہو تو اس کو لعب کہتے ہیں۔ (المفردات، ص ۳۵۰، مطبوعہ ایران)
علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لعب کا معنی ہے مذاق میں کوئی کام کرنا۔ حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان بطور مذاق سنجیدگی سے نہ لے، یعنی وہ اس کا سامان اس کو تنگ کرنے کے لیے لیتا ہے اور چوری کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن اس کو اذیت پہنچانے کا سنجیدگی سے ارادہ کرتا ہے۔ سو ایسا نہ کرے اور جو شخص لغو اور بے فائدہ کام کرے، اس کو بھی لعب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہم سمندر میں

سفر کر رہے تھے، جب موجیں جوش سے اٹھ رہی تھیں اور ایک ماہ تک موجیں ہمارے ساتھ لعب کرتی رہیں، یعنی موجوں نے ان کو اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ (النہایہ، ج ۲، ص ۲۵۳-۲۵۲، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۷ھ)

اردو میں لہو و لعب کا ترجمہ کھیل تماشے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہم نے لہو کا جو معنی بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ ہے غافل کرنا اور لعب کا خلاصہ ہے بے مقصد اور بے فائدہ کام، اور کھیل اور تماشہ عموماً لغو اور بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان عبادات اور کئی اہم کاموں سے غافل ہو جاتا ہے، اس لیے کھیل اور تماشے کو لہو و لعب کہتے ہیں۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام

ہر کھیل تماشہ مطلقاً ممنوع اور حرام نہیں ہے، بلکہ جو کھیل تماشہ کسی غیر شرعی امر پر مشتمل ہو، مثلاً غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا اجنبی مرد عورتوں کے سامنے یا اجنبی عورتیں مردوں کے سامنے مثلاً کرکٹ کھیلیں یا ٹینس کھیلیں یا رقص کریں یا کسی کھیل میں کھیلنے والوں کا ستر کھلا رہے تو ایسے کھیل ممنوع ہیں یا جس کھیل میں جانبین سے شرط لگائی جائے کہ جو فریق بھی کھیل میں ہار گیا، وہ جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا یا فلاں چیز دے گا یا فلاں چیز کھلائے گا۔

یا کسی کھیل میں اس قدر اشتغال کیا جائے جس سے فرائض اور واجبات ترک ہو جائیں تو وہ کھیل جائز نہیں ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لہو صرف تین چیزوں میں ہے۔ کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، کسی شخص کا اپنی بیوی سے دل لگی کرنا اور کسی شخص کا تیر اندازی کرنا۔

(سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۱۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حبشی، نبی ﷺ کے پاس مسجد میں کھیل رہے تھے، حضرت عمر داخل ہوئے اور انہوں نے ایک کنکری اٹھا کر انہیں ماری۔ آپ نے فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے، لیکن میں ان کے کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے، حتیٰ کہ میں خود واپس مڑی۔ سو تم اندازہ کرو کہ ایک کم عمر کھیل کی شوقین لڑکی نے کتنی دیر کھیل دیکھا ہوگا۔

(صحیح مسلم، عیدین، ۱۸، ۱۷، ۱۸۹۲، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵۰، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۷۹۶)

حدیث میں ہے کہ عید کے دن حبشی مسجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اچھل کود رہے تھے، اور اپنے جنگی آلات کے ساتھ کھیل رہے تھے، اور ان کا یہ کھیل رقص کے مشابہ تھا، کیونکہ اکثر روایات میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حدیث کی ایسی تاویل کی جائے گی جو باقی احادیث کے موافق ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا تم میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو تو وہ ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو تو وہ حضرت زید کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں حضرت جعفر کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگا۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۱۰۸، مطبوعہ دار الفکر، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۵۷، طبع دار الحدیث، قاہرہ، ۱۳۱۶ھ)
علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۵۳۷، طبع قاہرہ)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے مسند احمد میں ہے۔ اسی طرح الباقی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نبی ﷺ کے گرد چکر لگانے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے جیشوں کو دیکھا ہے، وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نجاشی جب اپنے اصحاب میں سے کسی سے خوش ہوتا تو اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگتا۔ حدیث میں حجل کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ہیئت مخصوصہ کے ساتھ رقص کرنا اور حضرت علی کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے اس طرح رقص کیا۔

(فتح الباری، ج ۷، ص ۵۰۷، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو ایک انصار کے مرد سے زفاف (شادی) کے لیے تیار کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو (کھیل) ہے؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔
(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

عامر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت قوطبہ بن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شادی میں گیا۔ وہاں بچیاں گارہی تھیں۔ میں نے کہا آپ دونوں رسول اللہ ﷺ کے بدری صحابی ہیں اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر گانا سنو اور چاہو تو چلے جاؤ، ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ (سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۳۸۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نوب کی بیٹی کے خاوند بیان کرتے ہیں کہ جب ابو نوب کی بیٹی کی شادی ہوئی تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی لہو (کھیل) ہے؟

(مسند احمد، ج ۴، ص ۶۷، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۶۵۷۹، طبع قاہرہ، المعجم الکبیر، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۶۵۹، ص ۲۵۸، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۲۸۹)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن حجر نے التعمیل میں اس کی تصویب کی ہے۔

(مسند احمد، ج ۱۳، ص ۹۶، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۱۶ھ)

نبی ﷺ نے گھوڑے سواری کا مقابلہ کرایا، پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ

لیا، اسی طرح آپ نے رکازہ سے کشتی بھی کی۔ ان تمام حدیثوں کو ہم نے صحاح اور سنن کے حوالہ سے (شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۶۳۱-۶۳۹ میں) بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لہو و لعب مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور جب کوئی کھیل کسی غیر شرعی امر پر مبنی نہ ہو، نہ اس میں شرط لگائی جائے، نہ اس سے کوئی عبادت ضائع ہو تو غرض صحیح سے مناسب حد تک اس کا کھیلنا جائز ہے اور جب کسی کھیل میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے انسان عبادات سے غافل ہو جائے، تو وہ ممنوع اور مذموم ہے۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے مناسب حد تک کھیل اور ورزش مستحسن ہیں۔ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں، ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا، جس سے ان کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلسترول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا، معدہ کا ضعف، گیس اور السر وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے جائز کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے، ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مسلمانوں کی کرکٹ ٹیم کی کامیابی کے لیے وظیفہ بتایا تھا۔ دیکھئے شمع شبستان رضا، حصہ سوم، ص ۵۰-۴۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرّم!) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں، دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

شان نزول اور مناسبت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی، اخنس ابو جہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابو جہل سے کہا اے ابو الحکم! مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں یا کاذب؟ کیونکہ یہاں پر میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابو جہل نے کہا تم پر افسوس ہے، بہ خدا (سیدنا) محمد ﷺ البتہ ضرور صادق ہیں اور (سیدنا) محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن جھنڈا، کعبہ کی دربانی اور زمزم کی سبیل پہلے ہی بنو قصی کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو قریش کے پاس کیا باقی بچے گا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے، یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

نابیہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن آپ جو چیز لے کر آئے ہیں، ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، اسباب النزول، ص ۲۱۹، ۲۱۸)

مقالہ نے بیان کیا کہ یہ آیت حارث بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی تکذیب کرتا تھا اور جب گھروالوں کے ساتھ تنہا ہوتا تو کتا (سیدنا) محمد ﷺ جھوٹوں میں سے نہیں ہیں اور میرے نزدیک وہ صرف بچے شخص ہیں۔ (اسباب النزول، ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا رد کیا جا رہا تھا اور اس آیت میں بھی ان کا رد ہے۔ پہلے ان کفار قریش کا رد کیا جو توحید، نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ پھر ان کافروں کا رد کیا جو سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ بشر تھے

اور فرشتہ نہ تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے، تب بھی ہم اس کو انسان کی صورت میں ہی بھیجتے اور تم پر پھر اشتباہ ہو جاتا اور اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جو نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے ایذا پہنچاتے تھے۔ بعض آپ کو جھوٹا کہتے تھے۔ بعض آپ کو جادوگر کہتے تھے اور بعض شاعر یا کاہن یا مجنون کہتے تھے۔

نبی ﷺ کی تسلی کی آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کفار کی تکذیب اور ان کی دوسری دل آزار باتوں کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے، یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور کئی آیتوں میں بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تسلی دی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاطِحٌ نَّفْسِكَ عَلَيْنَا أَنَّا نَمُوتُ وَيَوْمَئِذٍ هَذَا الْحَدِيثُ أَسَفًا (الكهف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں فرط غم سے آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ

ان پر حسرتوں کی وجہ سے آپ کی جان نہ چلی جائے۔

(فاطر: ۸)

کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیجئے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مصلحت دیجئے۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۚ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي التَّعْمَقِ وَمَهْلِكُمْ قَلِيلًا (المزمل: ۱۰-۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی، سوانہوں نے اس تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا، حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

اس آیت میں نبی ﷺ کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مخالفوں اور کافروں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ ہے اور نبی کو چاہیے کہ ان کی بے ہودہ باتوں سے اعراض کرے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۵) تھا۔

اس قسم کی آیات سے نبی ﷺ کو بار بار تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صبر کرنے سے مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور صبر کے اندر رحمت کے نزول اور کشادگی کے حصول کی بشارت ہے:

فِيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَا بِالْبَشِيرِ وَالنَّذِيرِ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح: ۵-۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں، یعنی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین کو لوگوں نے جھٹلایا اور انہوں نے ان کے جھٹلانے پر صبر کیا اور بالاخر رسولوں کے پاس اللہ کی مدد آ پہنچی۔

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور (آخرت میں) جس دن

الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (المومن: ۵۱)

گواہ کھڑے ہوں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَمِهِمُ الْمُنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّا
جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصف: ۱۷۳-۱۷۴)

ہم اپنے ان (مقرب) بندوں سے جو رسول ہیں یہ پہلے کہ
چکے ہیں کہ یقیناً وہی مدد کیے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمارا لشکر ہی
غلبہ پانے والا ہے۔

اور جو بات اللہ پہلے فرما چکا ہے اس کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں
کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں، تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں (تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو
ہدایت پر جمع کر دیتا (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جاتا۔ (الانعام: ۳۵)

شان نزول

بعض آثار میں ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس
گیا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی نشانی لائیے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نشانیاں
لاتے تھے۔ پھر ہم آپ کی تصدیق کریں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مطلوبہ نشانیاں عطا فرمانے سے انکار فرمایا۔ تو انہوں نے نبی
ﷺ سے منہ پھیر لیا، نبی ﷺ پر ان کا اعراض کرنا بہت دشوار ہوا، کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص
تھے، اور وہ جب بھی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تو ان کے ایمان لانے کی طمع میں آپ کی یہ شدید خواہش ہوتی کہ وہ نشانی (معجزہ)
نازل کر دی جائے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی، جزء ۷، ص ۱۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر سیڑھی لگانے کے معانی اور توجیہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو ان لوگوں کا کفر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ان کی تکذیب بہت گراں محسوس
ہوتی ہے اور اس سے آپ کو بہت رنج پہنچتا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر اس میں داخل ہونے پر قادر ہوں یا سیڑھی لگا کر
آسمان پر چڑھنے پر قادر ہوں، تو آپ ایسا کر لیں اور اگر آپ اس پر قادر نہیں ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے خلاف غم و
غصہ کو برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور آپ کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت پر جو دلائل قائم کیے ہیں، صرف ان
سے استدلال کریں اور جن لوگوں میں غور و فکر کرنے کی اہلیت ہے ان کو اس کی طرف متوجہ کریں اور جو اپنی عقل سے کام لینے
کے بجائے ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں، ان کی پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے خیال میں ان کے ایمان لانے کے لیے آپ کا زمین میں سرنگ بنا کر
چلے جانا یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چلے جانا کافی ہے تو آپ ایسا کر لیں، اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر
آپ زمین میں سرنگ بنا کر چلے جائیں یا آسمان پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ کر ان کا مطلوبہ معجزہ لاسکیں تو آپ ایسا کر لیں، اور اس کی
تائید ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَنْجُرَ لَنَا مِنَ
الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَحْتِ
وَعِيبٍ فَنَجْحِرَ الْأَنْهَارَ حِلَالًا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ
تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِثْفًا

اور کافروں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے
حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا
آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ
اس میں بستے ہوئے دریا جاری کر دیں، یا جیسا کہ آپ نے کہا

آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں، آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہئے: میرا رب پاک ہے، میں صرف ایک بشر ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

أَوْتَاتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةَ قِيْلًا ۚ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُفَيْفِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۚ (بنو اسرائیل: ۹۳-۹۰)

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر بطور برہان اور معجزہ قرآن مجید نازل فرمایا اور یہ چیلنج کیا کہ اس میں نہ رد و بدل ہو سکتا ہے، نہ اس کی کوئی نظیر لاسکتا ہے اور جب تمام دنیا اس چیلنج سے عاجز ہو گئی اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور کفار کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی، تو وہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوا دیا کہ آپ کہئے کہ میں صرف بشر اور رسول ہوں۔ یعنی میرا کام اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ میں نے پہنچا دیا اور میری نبوت پر کسی شخص کے اطمینان اور یقین کے لیے جس قدر معجزات اور نشانیاں ضروری ہو سکتی تھیں، وہ سب میرے رب نے ظاہر فرمادی ہیں۔ اب یہ کافر حیل و حجت اور ہٹ دھرمی کے لیے عجیب و غریب معجزات طلب کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ معجزات اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی نہیں نازل فرماتا جس کے بعد عقل کی آزمائش کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کافروں کی پوری قوم کسی معجزہ کی طلب پر اصرار کرے اور اس معجزہ کے ظہور کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے اور نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اب ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا، چنانچہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی نشان اور معجزہ کو ظاہر کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ کسی نشانی اور معجزہ کو ظاہر فرمادیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو نبی ﷺ اپنی کوشش سے کسی معجزہ کو ظاہر نہیں کر سکتے اور یہ بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قدرت دی ہے اور اختیار عطا فرمایا ہے، لیکن اس قدرت اور اختیار کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں قادر و مختار ہیں، حتیٰ کہ جس کام کو اللہ نہ کرنا چاہے آپ اس کو کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ یہ کہنا مطلقاً درست ہے کہ کوئی معجزہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کا معجزہ ہے، لیکن اس کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے قرآن مجید کی آیات نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح غیب کی خبریں دینا آپ کا معجزہ ہے، لیکن یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تو آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور بعض معجزات آپ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بعض خصائص کی وجہ سے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور ان خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں کے اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں، اسی طرح نبی کے اختیار میں افعال غیر

عادیہ (معجزات) ہوتے ہیں۔ (فتح الباری، ج ۱۲، ص ۶۷، طبع لاہور، احیاء العلوم ج ۵، ص ۵۳، طبع بیروت)

نبی ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے کئی بیماروں کو شفا عطا فرمائی۔ (الشفاء، ج ۱، ص ۲۱۳-۲۱۲) آپ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو گیا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹) معرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاہت الوجوه فرمایا۔ اللہ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ (روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی (صحیح البخاری، ج ۲، رقم ۱۳۳۹)

نبی ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا ابو خیشمہ ہو جاوہ شخص جو کوئی بھی تھا، وہ ابو خیشمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم، التوبہ، ۵۳، ۲۷۶۹) اس قسم کے معجزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نبی ﷺ کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

جبراً ہدایت نہ دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو جبراً مومن بنانا چاہتا تو ان سب کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں خیر اور شر دونوں چیزوں کو پیدا کر دیا ہے اور شر کی ترغیب کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تحریص کے لیے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی خیر اور شر کے دو محرک پیدا کیے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، اب وہ خارجی اور داخلی تحریکات میں سے جس سے بھی متاثر ہو کر جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے، خیر اور شر میں سے جس راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ از خود اس پر کوئی راستہ مسلط نہیں کرتا اور چونکہ خیر یا شر بندہ میں اسی کے اختیار میں پیدا کی جاتی ہے، اس لیے اس اختیار کی وجہ سے اس کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ کو ہدایت پر لانے کے لیے تمام دلائل کھول کھول کر بیان کیے جا چکے ہیں اور بہت سے معجزات اور نشانیاں دی جا چکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کو ہدایت پر لانے کی صرف یہی صورت رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ہدایت پیدا کر دے، لیکن یہ اللہ عزوجل کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ از خود تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔ پھر کسی نبی اور رسول کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتاب اور صحائف نازل کرنے کی اور نہ معجزات اور نشانیاں پیش کرنے کی حاجت ہوتی اور رشد و ہدایت کا یہ حکمت پر مبنی نظام اور مربوط سلسلہ عبث اور بے کار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

جو لوگ آپ کی دعوت اور تبلیغ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے، ان کے ایمان نہ لانے اور اعراض کرنے سے آپ دل برداشتہ اور مغموم نہ ہوں، کیونکہ آپ کے پیغام کو وہی لوگ توجہ سے سنیں گے جن کے کانوں کو اللہ عزوجل نے غور سے سننے کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے لیے آپ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور وہ لوگ

تبیان القرآن

جلد سوم

آپ کے پیغام کو توجہ سے نہیں سنیں گے، جن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ سو جب آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائیں گے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا، جس طرح مویشی اپنے چرواہوں کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتے، سو یہی ان کا حال ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الدُّبِّ يَنْعِقُ
يَمَا لَا يَسْمَعُ الْآدُعَاءَ وَنِدَاءَ صُتْمِ بَكْمِ عُمَى
فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (البقرہ: ۱۷۱)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے، بہرے گونگے اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی (مردہ) فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح مردے کوئی آواز سنتے ہیں نہ کسی پکار کا معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی نشانیوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ان کو مردہ فرمایا ہے:

لَا تَكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الصُّتْمَ
الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَدَى
الْعُمَى عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ
بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (النمل: ۸۱-۸۰)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا تے اور نہ بہروں کو سنا تے ہیں، جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لانے والے ہیں، آپ صرف ان ہی کو سنا تے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔

بے شک اللہ سنا تے ہیں جسے چاہے اور آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں ہیں۔

ان کافروں کی آنکھیں تھیں لیکن ان کو اندھا فرمایا، ان کے کان تھے پھر بھی ان کو بہرہ فرمایا اور ان کی زبان تھی، اس کے باوجود ان کو گونگا فرمایا اور یہ زندہ تھے، پھر بھی ان کو مردہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کا جلوہ دیکھے، کان اس کے ہیں جو عقیدت سے آپ کی باتیں سنے، زبان اس کی ہے جو آپ کا کلمہ پڑھے اور زندہ وہ ہے جو آپ کی غلامی میں زندہ رہے۔ جو آپ کی محبت سے جہاد میں مارا جائے، جو آپ کی خاطر سرکٹائے تو اللہ کے نزدیک وہ مردہ نہیں ہے، جو آپ کی غلامی میں رہے وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جو آپ سے منحرف ہو اور آپ کا منکر ہو وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی مردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہئے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے، لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝

(الانعام: ۷: ۳)

کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب

یہ آیت ضاہد قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جو عناد اور سرکشی کی بنا پر نبی ﷺ سے کسی معجزہ اور نشانی کا سوال کرتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے جا چکے تھے جو کسی منصف مزاج شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی تھے اور جن نشانیوں کا یہ سوال کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے نازل کرنے پر بھی قادر تھا، جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد نشانیاں

نازل فرما چکا تھا، مثلاً ان کے مطالبہ پر چاند کو شق کیا گیا، لیکن یہ اس کے بلوجود ایمان نہیں لائے۔ لہذا ان کے مطالبہ کے موافق نشانیاں نازل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ ہر نشانی نازل ہونے کے بعد یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ سو واضح ہوا کہ یہ محض عناد اور ہٹ دھرمی سے نشانیوں کو طلب کرتے ہیں اور ان کے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کے اجتماعی مطالبہ کے موافق کوئی نشانی نازل کر دی جائے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر ایسا عذاب آئے گا جس سے یہ سب ملیا میٹ ہو جائیں گے، تو ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ فرماتا اس حکمت پر مبنی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُنمِّيَتْ

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضائیں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق

أَمْثَلَكُمْ مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

ہے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع

يَحْشُرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّوْا وَبِكُمْ فِي الظُّلُمَاتِ

کیے جائیں گے ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) بہرے اور گنگے ہیں، اندھیروں میں (بٹٹے ہوئے)

مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ ۖ وَمَنْ يَشَأِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَتَتْكُمْ السَّاعَةُ ۚ أَعِيدُوا

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے۔ کیا (اس وقت) اللہ

اللَّهُ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ

کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؛ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؛ ۝ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ۝

چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو بیکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضائیں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی

مثل مخلوق ہے۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ۝

(الانعام: ۳۸)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اگر کفار کے فراموشی اور مطلوبہ معجزات کے نازل کرنے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرمادیتا اور اس کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا ہے اور ان پر احسانات کیے ہیں، اسی طرح تم پر بھی فضل و کرم فرمایا ہے اور تم پر بھی احسانات کیے ہیں اور تمہارے مطلوبہ معجزات کو تم پر نازل نہ کرنا بھی ہمارا تم پر احسان ہے، کیونکہ اگر تمہاری فرمائش کے مطابق نشانیاں نازل کر دی جاتیں اور پھر تم ایمان نہ لاتے تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا جس سے تم نیست و نابود ہو جاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافروں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اس کے حضور جمع کیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حیوانات اور پرندے بھی تمہاری مثل ہیں، یعنی ان کو بھی اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔ جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن ہر چیز مقدمہ پیش کرے گی، حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگھ مارے تھے۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۳۹۰، طبع قدیم، اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۴۹)

امام ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۰۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۹، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور دو بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری بکری کو سینگھ مار کر اس کا حمل ساقط کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بکری پر تعجب ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس بکری سے قیامت کے دن قصاص لیا جائے گا۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۱۷۳، مسند البرز، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۴۵۰)

امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سینگھ والی بکری سے بغیر سینگھ کی بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (مسند البرز، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۴۴۹، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض مخلوق کا بعض سے حساب لیا جائے گا، حتیٰ کہ بغیر سینگھ والی بکری کا سینگھ والی بکری سے اور حتیٰ کہ چیونٹی کا چیونٹی سے۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۳۶۳، امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۵۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جبار تبارک و تعالیٰ متوجہ ہو گا اور پل صراط پر اپنا پیر رکھ دے گا، پھر فرمائے گا، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! کوئی ظالم ظلم کر کے مجھ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر وہ بعض مخلوق کا بعض سے انصاف لے گا، حتیٰ کہ بغیر سینگھ کی بکری کا سینگھ والی بکری سے اس کو سینگھ مارنے کا انصاف لے گا۔

(المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۲۱، اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ربیعہ ضعیف ہے اور باقی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد،

ج ۱۰، ص ۳۵۳)

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر حیوان اور ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ کس چیز میں ہے؟ اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱- حیوانوں اور پرندوں کو بھی اللہ کی معرفت ہے، وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (بنو اسرائیل: ۴۳)

سات آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے، وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور صف بستہ پرندے، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا۔

حضرت شریذ بنی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے بلا فائدہ کسی چیز یا کو قتل کیا، وہ چیز یا قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھ کو بے فائدہ قتل کیا اور کسی نفع کے لیے مجھے قتل نہیں کیا۔

(سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۵۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۹، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۵۸۷، المعجم الکبیر، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۲۳۵، المستدرک، ج ۳، ص ۲۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۸۶، الکامل لابن عدی، ج ۵، ص ۱۸۳، کنز العمال، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۳۹۹۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو واقعات اور حوادث کا ادراک اور ان کی معرفت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہد ہد کے مکالمہ کا جو ذکر کیا گیا ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کے جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی حیوانوں کے ادراک اور معرفت پر دلیل ہے۔

۲- جس طرح انسانوں میں تو والد اور تاسل ہے اور وہ ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں میں بھی یہ امور ہیں۔

۳- اللہ عزوجل نے جس طرح انسانوں کو ایک خاص تدبیر سے پیدا کیا ہے، اور وہ ان کے رزق کا کفیل ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کا معاملہ ہے۔

۴- جس طرح قیامت کے دن انسانوں سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا، سو حیوانوں اور پرندوں سے بھی یہ معاملہ ہوگا۔

۵- ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان یا پرندے کی خصلت اور خصوصیت ہے۔ بعض انسان شیر کی طرح دلیر اور بہادر ہیں، بعض انسان بھیڑیے کی طرح حملہ کرتے ہیں، بعض انسان کتوں کی طرح بھونکتے ہیں، بعض انسان مور کی طرح مزین ہوتے ہیں، بعض انسان خنزیر کی طرح پاک چیز کو چھوڑ کر ٹپاک کی طرف لپکتے ہیں، بعض انسان بلی کی طرح خوشامدی ہوتے ہیں، بعض کوے کی طرح حریص اور بعض لومڑی کی طرح چالاک ہوتے ہیں۔

۶۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی موت، حیات، ان کا عمل، ان کا رزق اور ان کا اخروی انجام مقدر کر دیا ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے بھی یہ امور مقرر کر دیئے ہیں۔

۷۔ جس طرح انسان اپنی روزی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اور اسے کسی مکان کی حاجت ہوتی ہے، جس میں وہ سردی، گرمی اور بارش سے پناہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی ان امور کی حاجت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (الكهف: ۱۱۰)

آپ کہتے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کی بنا پر بعض لوگ نبی ﷺ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے کہا نبی ﷺ کے مماثل کوئی بشر نہیں ہے۔ اس نے کہا کیا آپ کے دو ہاتھ نہیں تھے؟ کیا آپ کی دو آنکھیں اور دو کان نہیں تھے؟ میں نے کہا تم دو ہاتھ تو دکھا دو گے مگر ان ہاتھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان ہاتھوں سے اشارہ کریں تو سورج مغرب سے طلوع ہو جائے، ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو چاند شق ہو جائے، وضو کے برتن میں ہاتھ رکھ دیں تو انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو جائے اور تم دو آنکھیں تو دکھا دو گے لیکن ان آنکھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان آنکھوں سے جنات اور فرشتوں کو دیکھو حتیٰ کہ رب کائنات کو بے حجاب دیکھو اور تم دو کان تو دکھا دو گے مگر ان کانوں میں یہ قوت کہاں سے لاؤ گے؟ کہ فرشتوں اور جنات کا کلام سن سکو، زمین پر ہوتے ہوئے آسمانوں کی آوازوں کو سن سکو، حتیٰ کہ رب کائنات کا کلام سن سکو۔ وہ کہنے لگا کمالات کی بات کو چھوڑو، صرف اس بات میں تو آپ ہماری مثل ہیں کہ آپ کے بھی دو کان تھے اور دو آنکھیں تھیں، یعنی ان اعضاء کے عدد اور گنتی میں تو آپ ہماری مثل ہیں۔ میں نے کہا اس طرح تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو، کیونکہ تمہارے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ اور ان کے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں اور جس طرح تم رسول اللہ ﷺ کے مماثل ہونے کے ثبوت میں سورہ کف کی یہ آیت پڑھتے ہو، وہ تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پڑھ سکتا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (الانعام: ۳۸)

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔

اگر تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل کہا جائے تو یہ تمہاری تو ہیں ہے۔ حالانکہ تمہیں کتے اور خنزیر پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کو ہم پر فضیلت ہے، تو سوچو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مثل کہنے سے آپ کی کس قدر توہین ہوگی!

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ کہتے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف عدم الوہیت میں ہماری مثل ہیں۔ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا مماثل نہیں ہے نہ بشریت میں، نہ عبدیت میں، نہ نبوت اور رسالت میں اور اس کائنات میں جو بھی آپ کی مثل ہے، وہ عدی وصف میں آپ کی مثل ہے یعنی نہ وہ خدا ہے نہ آپ خدا ہیں۔ نہ وہ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہے، نہ آپ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہیں۔

لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے، لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوقات کے تمام احوال تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ
كَبِيرٍ مُّسْتَطَرٍّ (القمر: ۵۳-۵۲)

انہوں نے جو کچھ کیا، وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور سے تجلی فرمائی، سو جس نے اس نور کو پالیا، اس نے ہدایت کو پالیا اور جس نے اس نور سے خطا کی، وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۵۱، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۵۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۹۶، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۰، مسند ابو عوانہ، ج ۱، رقم ۱، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۰۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقین رکھو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے، اور اگر تمام امت تم کو نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نقصان پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے، قلم اٹھالے گئے ہیں اور صحیفہ خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۳، ۲۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خوف ہے اور عورتوں سے نکاح کرنے کی میرے پاس وسعت نہیں ہے آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر عرض کیا، آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چوتھی بار اسی طرح عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جو کام تمہیں درپیش ہیں، ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے، خواہ تم خصی ہو یا ایسے رہو۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۷۶، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کے تمام احوال لکھ دیئے گئے ہیں اور قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے

اس آیت میں کتاب کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اب معنی یہ ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں حساب، الجبرا، ریاضی اور سائنسی علوم اور ان کے قواعد کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح جدید اور قدیم میڈیکل سائنس کے علوم کا ذکر نہیں ہے، تو پھر یہ معنی کس طرح درست ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہے دین کی معرفت، عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى
لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۲)

یہ عظیم الشان کتاب اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے، یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

نبیان القرآن

جلد سوم

بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء: ۱۰۵)

ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے کہ جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، آپ اس کو صاف صاف بیان کر دیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِي اُخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ (النحل: ۶۴)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ
هُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (النحل: ۸۹)

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون کا روشن بیان ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کے تمام واقعات کا تفصیلی ذکر ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں ہر پیش آمدہ مسئلہ کے لیے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے، اس میں منطق، فلسفہ، ریاضی اور سائنس وغیرہ کی تعلیم نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ احکام شرعیہ سارے کے سارے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض قرآن مجید سے ثابت ہیں، بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے، بعض آثار صحابہ سے، بعض اجماع سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ لہذا جو احکام سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ لہذا جو مسائل آثار صحابہ سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن کریم میں ہے اور اجماع اور قیاس کا حجت ہونا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہذا جو مسائل اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے۔

سنت کی حجیت پر دلائل

جو احکام رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل یہ آیات ہیں:

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں، ان سے باز رہو۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوا (الحشر: ۴)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

(النساء: ۸۰)

آپ کہنے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

(آل عمران: ۳۱)

آثار صحابہ کی حجیت پر دلائل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اتباع کی اصل یہ احادیث ہیں:

حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے، احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ تم پر حبشی غلام مسلط کر دیا جائے، جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ تم دین میں نئی نئی باتیں نکالنے سے اپنے آپ کو بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے، تم میں سے جو شخص اس چیز کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو ڈاڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث ۲۶۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۵، طبع جدید، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۳۶-۱۳۷، طبع قدیم، المستدرک، ج ۱، ص ۹۷-۹۸) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت ضرور وہ کام کرے گی جو بنو اسرائیل نے کیے تھے، بالکل برابر برابر، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ ایسا کریں گے اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تتر فرقوں میں منقسم ہوگی، اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس ملت پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں جو اختلاف ہوگا، اس کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! (ﷺ) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض اصحاب بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کا نور ہے، جب ان کے مواقف میں اختلاف ہو تو جو شخص ان میں سے جس کے موقف پر بھی عمل کرے گا، وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی، تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۵۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی) اس حدیث کے آخری حصہ کو علامہ زبیدی نے امام دارمی اور امام ابن عدی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، ج ۲، ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبعہ مہینہ، مصر، ۱۳۱۱ھ)

اجماع کی حجیت پر دلائل

اجماع کی اصل درج ذیل آیت اور احادیث ہیں:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵)

جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں تمام مسلمانوں کے موقف اور مسلک کی مخالفت پر عذاب کی وعید ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی موقف حجت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کبھی

تبیان القرآن

جلد سوم

بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، سو تم جماعت کو لازم رکھو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۶۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ الحیثی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک سند کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۲۱۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے، اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قیاس کی حجیت پر دلائل

وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار جلا وطن کرنے کے وقت نکالا، تمہیں ان کے نکل جانے کا گمان (بھی) نہ تھا۔ وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے، سو ان کے پاس اللہ کا حکم آگیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (الحشر: ۲)

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، یعنی جو حکم اصل شے کے لیے ثابت ہوگا، وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے، تم وہ کام نہ کرنا، ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو اللہ کا حق ادا کیگی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۹۵۳، صحیح مسلم، صیام، ۱۵۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶، سنن ابوداؤد، ج ۲،

رقم الحدیث: ۳۳۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۵۹، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۹۱۲)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو، وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۶۹۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۱۵، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا، تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۶، ۲۳۰) عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے، وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو، تو وہ نبی ﷺ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو، اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو، تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو، اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبدالرحمن نسائی نے کہا یہ حدیث بہت جید (عمدہ) ہے۔

(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۳۱۲، ۵۳۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید میں صرف ان علوم کو بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ہدایت اور اخروی فوز و فلاح میں احتیاج ہوتی ہے یا قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا ذکر موجود ہے۔ علامہ آلوسی کا مختار ثانی الذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ بلخی اور ایک جماعت کا مختار ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی دین اور دنیا میں ضرورت پڑتی ہے، بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے، اور یہ ذکر یا مفصل ہے یا مجمل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ دین کا جو مسئلہ بھی پیش آئے گا، اللہ کی کتاب میں اس کے متعلق ہدایت موجود ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت کرتا ہے، اور بال نوچنے والی پر اور جو خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھری کرواتا ہے، اور اللہ کی بناوٹ کو تبدیل کرتی ہیں۔ ام یعقوب نے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی

تبیان القرآن

جلد سوم

ہے اور اس پر کتاب اللہ میں لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا بہ خدا میں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا بہ خدا اگر تم نے قرآن مجید کو پڑھا ہو تا تو تم اس لعنت کو پالیتیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور رسول تم کو جو احکام دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔ (المحشر: ۵۹) (صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۵۹۳۹) صحیح بخاری میں اسی قدر ہے، لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی اس نے کہا پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ امام شافعی نے مکہ میں فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتاب سے اس کا جواب دوں گا ان سے سوال کیا گیا جو محرم بھڑ (تتبیہ) کو مار ڈالے آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ اس کو مار سکتا ہے اور اس پر حضرت ابن مسعود کی طرح استدلال کیا۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا اس قرآن میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے، لیکن ہمارا علم ان چیزوں کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جن کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے کتاب العظیمہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی چیز سے غافل ہو تا تو چیونٹی، رائی کے دانہ اور مچھر سے غافل ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو گئی تو میں اسے اللہ کی کتاب میں تلاش کر لوں گا (یہ اثر کسی صحیح یا معتبر سند سے منقول نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور علامہ مرسی نے کہا قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور ان علوم کا حقیقتاً احاطہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے، ماسوا ان چیزوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، اور میں نے بعض علماء سے سنا اور اس کی صحت کا زمہ ان ہی پر ہے کہ ایک دن محی الدین ابن العربی قدس سرہ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے اچانک شیخ گدھے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ شیخ اکبر کو سوار کرانے کے لیے آگے بڑھے انہوں نے کہا مجھے کچھ مہلت دو۔ انہوں نے کچھ مہلت دی۔ پھر شیخ نے ان کو سوار کرانے کی اجازت دی، لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا میں نے اللہ کی کتاب میں اس حادثہ پر غور کیا، تو مجھے سورۃ الفاتحہ میں اس کا ذکر مل گیا، اور یہ امر ہماری عقلوں سے ماوراء ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے سورۃ الفاتحہ سے بادشاہوں کے نام نکالے ہیں اور ان کے احوال اور ان کی سلطنت کی مدت وغیرہ مستنبط کی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں اس تخصیص کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ان ہی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ضرورت ہے، مثلاً دلائل توحید وغیرہ۔

(روح المعانی، جز ۷، ص ۱۳۵-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع صرف ہدایت دینا ہے۔ اس لیے اس نے عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی ہدایت دی ہے، اور اس سلسلہ میں موعظت اور نصیحت کے لیے انبیاء اور صالحین اور کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور جنت اور دوزخ کا بیان کیا ہے اور اخروی فوز و فلاح کی ہدایت کے لیے جو امور ضروری ہیں ان سب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض علماء اور صوفیاء کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ماسکان و مایکون کا بیان ہے، یعنی ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک ہر جزئی اور مشخص واقعہ اور حادثہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہر چند کہ ان کا

صراحتاً اور تفصیلاً بیان نہیں ہے، لیکن ان امور کا اجمالاً ذکر ہے اور کچھ رموز، اشارات اور کنایات ہیں جن سے ان تمام امور کا استخراج کیا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (النحل: ۸۹) ہے۔

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اگر ہر چیز سے ماکان و مایکون مراد لیا جائے تو ان کے اپنے قول کے مطابق اس کا بیان رموز اور اشارات سے ہے اور اس کو تبیان اور روشن یا واضح بیان نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! اگر اس سے مراد عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ ہوں تو ان کی ہر چیز کا قرآن مجید میں روشن بیان ہے۔ نیز وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (یوسف: ۱۱۱)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، لیکن یہ ان کتابوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اس میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کی تفصیل ہے تو فی الواقع قرآن کریم میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں ہے اور ان علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ ان تمام امور کا قرآن مجید میں اجمالاً ذکر ہے، نہ کہ تفصیلاً اس لیے یہ آیت بھی ان کے مدعا پر دلیل نہیں ہے اور اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ اس میں عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر چیز کی تفصیل ہے تو یہ معنی برحق ہے، لیکن یہ معنی ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ ان کی۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا فَتَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

عطا نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کو جس چیز کی حاجت تھی، ہم نے اس کا بیان کر دیا ہے یا صریح عبارت میں یا دلالت النص سے یا اجمال سے یا تفصیل سے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹) ہے۔

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان

یعنی قرآن مجید ہر اس چیز کا روشن بیان ہے جس کی دین میں احتیاج ہے، اور سورۃ الانعام کی زیر بحث آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ماکان و مایکون پر مشتمل ہے، یعنی ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک کی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے۔

(الوہب، ج ۲، ص ۲۶۹، ۲۶۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

علامہ واحدی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اس سے فرمایا لکھ تو اس نے ابد تک ہونے والی سب چیزوں کو لکھ دیا۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

(المعجم الکبیر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۲۵۰۰، مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۶، سنن کبریٰ للسیہتی، ج ۹، ص ۳، الاسماء والصفات للسیہتی، ص ۳۷۸، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۹۰، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

علامہ ابو الفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے یا صراحتاً یا اجمالاً یا دلالتاً جیسا کہ سورۃ النحل، آیت ۸۹ میں ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یعنی ہر اس چیز کو بیان کر دیا جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تمام یا اکثر آیتیں مطابقتاً، تضمناً، اور التزاماً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اللہ کی معرفت اور اللہ کے احکام کی معرفت کو بیان کیا جائے۔

(تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۱۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں تمام حوادث ثابت کیے گئے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے دین کی کسی چیز کو قرآن مجید میں نہیں چھوڑا، اور دین کی ہر چیز کی اس میں دلالت ہے۔ یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں دنیا کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں کسی جاندار یا بے جان کی کسی چیز کو ترک نہیں کیا گیا اور یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کی تدوین کی گئی ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ مفصلاً بھی اور مجملاً بھی۔ (الایضاد مع الکازرونی، ج ۲، ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیمان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جو اللہ کی معرفت کی دعوت دیتی ہو، اور اس کے احکام کی طرف بلائی ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام احکام شرعیہ پر مشتمل ہے۔

(البحر المحیط، ج ۲، ص ۵۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزی حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس کے ذکر کی احتیاج ہے۔

(بدائع التفسیر، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار ابن الجوزی، ریاض ۱۳۱۳ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد حسین نقی نیشاپوری متوفی ۷۷۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں طب، حساب، دیگر علوم اور لوگوں کے مذاہب کی تفصیلات تو نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفریط نہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی احتیاج ہو اس کو نہ چھوڑا جائے اور احتیاج اصول اور قوانین کی ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں اور علم الفروع کی تفصیل کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ وہ سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان علی هامش جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۰۹ھ)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے کہ یہ کتاب اپنی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء کے اعتبار سے ان تمام امور پر مشتمل ہے جن کی طرف ہم اپنی عبادت میں محتاج ہیں۔

(مدارک التنزیل علی هامش الخازن، ج ۲، ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور)

علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہم اشیاء کے بیان میں سے قرآن کریم میں کسی شے کو ترک نہیں کیا اور ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی مصلحتوں کی رعایت فرماتا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی هامش التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۱۶۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کو مفصلاً یا مجملًا مدون کیا گیا ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (التفسیر المظہری، ج ۳، ص ۲۳۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، ۱۳۰۳ھ)

سید محمد رشید رضا اپنے استاذ الشیخ محمد عبدہ کی تقریر لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے تو اس آیت کے عموم سے مراد دین کے موضوع کا عموم ہوگا، جس دین کو دے کر رسولوں کو بھیجا جاتا ہے، اور جس کی وجہ سے کتابوں کو نازل کیا جاتا ہے اور وہ ہدایت ہے کیونکہ ہر چیز کا عموم اس کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کسی قسم کو ترک نہیں کیا جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا جاتا ہے، اور ہم نے ان کو اس کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ دین کے اصول، قواعد اور احکام ہیں اور ان میں انسان کی قوت بدنی اور قوت عقلی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے، وہ ان سے کس طرح استفادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی رعایت کر کے کس طرح سے انفرادی اور اجتماعی کمال حاصل کرے اور قرآن مجید نے صریح عبارات اور اشارات سے اس کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور تمام ماسکان و مایکون کا ذکر ہے اور یہ کہ ایک دن شیخ محی الدین ابن العربی اپنے دراز گوش سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے لوگوں کو اس وقت تک یہ

اجازت نہیں دی کہ ان کو اٹھائیں جب تک کہ انہوں نے سورہ فاتحہ سے اپنے گدھے سے گرنے اور ٹانگ ٹوٹنے کے حادثہ کا استخراج نہیں کر لیا۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا اور نہ فقہاء تابعین اور علماء سلف صالحین میں سے کسی کا یہ قول ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس قول کو قبول کرے گا، سوا ان لوگوں کے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ سب حق ہے۔ خواہ اس کو عقل قبول کرے، نہ اس کی نقل تائید کرے اور نہ اس پر لغت دلالت کرے۔ اس کے برعکس ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ عبادات ضروریہ کے تمام احکام فرعیہ پر قرآن مجید مشتمل نہیں ہے نہ صریح عبارت سے، نہ دلالت النص سے، نہ اشارۃ النص سے، بلکہ قرآن نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے۔ لہذا ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت ہے، اس پر بھی قرآن دلالت کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید نے قیاس صحیح کے قواعد کو ثابت کیا ہے اور دیگر قواعد کو بھی ثابت کیا ہے۔ لہذا قیاس کی فروع اور جزئیات پر بھی قرآن مشتمل ہے اور دین کی کوئی چیز ان سے خارج نہیں ہے۔ (النار، جزء ۷، ص ۳۹۵، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید شریعت کا کلیہ ہے اور اس میں امور کلیات جمع کیے گئے ہیں، کیونکہ ان کے نزول کے مکمل ہونے سے شریعت تام ہو گئی، لہذا جب ہم شریعت کے کلیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ان تمام کو شامل ہے۔ (تفسیر القاسمی، ج ۶، ص ۵۲۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ احمد مصطفیٰ الراغی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کوئی قسم نہیں چھوڑی جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے اور اس میں دین کے اصول، احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان اپنی بدنی اور عقلی قوتوں کو کس طرح استعمال کرے۔

(تفسیر الراغی، جزء ۷، ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ڈاکٹر وہب زحیلی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل شریعت پر دلالت کرتا ہے اور اسلام کے مبادی اور تمام احکام کے اصول اور دین کے اخلاق و ضوابط پر محیط ہے۔

(التفسیر المنیر، جزء ۷، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۱ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں علم طب اور علم حساب کی تفصیل کا ذکر تو نہیں ہے، نہ دیگر علوم اور ان کے مباحث کا ذکر ہے اور نہ ائمہ کے مذاہب کا ذکر ہے اور نہ ان کے ان دلائل کا ذکر ہے جو علم الاصول اور علم الفروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا، اس سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کو اپنے دین کی فہم میں جن امور کی ضرورت ہوتی ہے، ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ اور جن امور کی حاجت نہیں ہے، ان کی تفصیل نہیں کی اور علم الاصول تمامہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دلائل املیہ پوری تفصیل سے موجود ہیں اور ائمہ مذاہب کی تفصیل اور ان کے اقوال کے ذکر کی اس میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ باقی رہی علم الفروع کی تفصیل تو علماء نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع، خبر واحد اور قیاس شریعت

میں حجت ہیں اور جو مسئلہ بھی ان تین ذرائع میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا وہ درحقیقت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو روکیں ان سے باز رہو (المحشر: ۵۹) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے یعنی گودنے والی پر اور گدوانے والی پر اور بال جوڑنے والی پر اور بال جڑوانے والی پر۔

روایت ہے کہ ایک عورت نے پورے قرآن کو پڑھا پھر وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے گزشتہ رات پورے قرآن کو پڑھا اور مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی کہ گودنے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم واقعی تلاوت کرتیں تو تم کو وہ آیت مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کریں ان سے باز رہو اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں ان میں یہ حکم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرماتا ہے اور روایت ہے کہ ایک دن امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا اگر محرم بھڑ (تتبیہ) کو مار دے تو کیا اس پر تاوان ہے؟ امام شافعی نے فرمایا اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ قبول کرو پھر سند کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا۔ پھر سند کے ساتھ ذکر کیا کہ جس محرم نے بھڑ کو قتل کیا تھا اس کے متعلق حضرت عمر نے یہی فرمایا تھا تو امام شافعی نے تین درجات کے ساتھ اس حکم کو قرآن مجید سے مستنبط کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبر واحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے لہذا ہر وہ حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا وہ درحقیقت قرآن مجید سے ثابت ہوگا اور اس تقریر کے مطابق اس آیت کا یہ معنی صحیح ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کو نہیں چھوڑا کیونکہ اس کتاب کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے اور وہ تمام عقائد اور احکام قرآن مجید میں یا صریح عبارت کے ساتھ موجود ہیں یا دلالت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ دلالت اجماع، خبر واحد یا قیاس میں سے کسی ایک سے حاصل ہوگی۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر ایضادی، ج ۲، ص ۱۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہم نے یہ واضح کرنے کے لیے بہ کثرت دلائل اور حوالہ جات پیش کیے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن مجید میں ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک تمام کوائن اور حوادث اور تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان کیے گئے ہیں سو یہ چیز محض ظنی ہے اور قطعی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ ایندھیروں میں (بھٹکے ہوئے) ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے۔ (الانعام: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ

جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا ان کی جہالت اور ان کی کج فہمی کی وجہ سے ان کی مثال بہرے شخص کی طرح ہے جو ستانہ ہو اور گونگے شخص کی طرح ہے جو

بولتا نہ ہو۔ وہ حق کی طرف دعوت و ارشاد کو قبول کرنے کے لیے سننے اور حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا اقرار نہیں کرتے اور وہ شرک، بت پرستی اور رسوم جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور جمالت، آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی اور کٹ جتنی کے اندھیروں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ سو جو شخص بہرہ اور گونگا ہو اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہو، وہ کیسے صحیح راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے یا ان تاریکیوں کے جال سے کس طرح نکل سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے، تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے، ہدایت پیدا فرمادیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے، گمراہی پیدا فرمادیتا ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان میں غور و فکر کرنے سے تکبر کرتا ہے اس شخص میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو انسان اپنی سماعت، بصارت اور عقل سے صحیح کام لے کر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اس کی قدرت اور اس کی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے، اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے تو گمراہ کی مذمت کس لیے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ پیدا کرتا ہے تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے! یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے، یا تم پر قیامت آجائے، کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؟ (الانعام: ۴۰)

مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا ہے کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے، چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اے رسول مکرّم! آپ ان مشرکین سے کہئے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا، یا ان پر سخت آندھیاں آتیں یا بجلی کی کڑک آلتی یا طوفان آتا، اگر تم پر ایسا ہی عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے، جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ! اگر تم ان بتوں کی عبادت میں سچے ہو؟ تو پھر اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔ (الانعام: ۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سختی، مصیبت اور تنگی میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو، تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَيْنَا مِنْ هَذِهِ
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّبِكُمْ
مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْرِكُونَ ۝

(الانعام: ٦٣-٦٤)

فَإِذَا رَكبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَا اللَّهَ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا
هُمْ يَشْرِكُونَ ۝ (العنكبوت: ٦٥)

آپ کہئے کہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون
نجات دیتا ہے؟ جسے تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ
ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر کرنے والوں میں
سے ہو جائیں گے، آپ کہئے اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف
سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر تم شرک کرتے ہو۔

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں
در آنحالیکہ وہ اظلام سے اس کی عبادت کرنے والے ہوتے
ہیں اور جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو
یہ ایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ
خدائے واحد کی پرستش کرے اور اسی کو پکارے۔ اس لیے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی امید کی
نظریں اس کے سوا اور کسی کی طرف نہیں اٹھتیں:

فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا
تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (الروم: ٣٠)

اللہ کی بنائی ہوئی سرشت کو اپنے اوپر لازم کر لو، جس پر اس
نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی سرشت میں کوئی
تبدیلی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا

وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٢٢﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ۝ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ

وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

گڑگڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا ۝

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ

إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿٢٤﴾

جب وہ ان چیزوں پر اترنے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے ۝

فَقَطِّعْ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾

پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں سے جاسنے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

مَنْ إِلَهَ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ أَنْظِرْ كَيْفَ نَصَّرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں

هُمْ يُصْذِفُونَ ﴿۳۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً

پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں ○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھم کھلا، اللہ کا عذاب آجائے

أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ

تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے ○ ہم صرف خوش خبری سننے والے

إِلَّا مَبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَنْ أَمِنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ

اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں، پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْتَهْمُ الْعَذَابُ

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۹﴾ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

وہ نافرمانی کرتے تھے ○ آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَيْتُمُوهَا

اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا

يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۰﴾

ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا، تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ○ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گڑگڑا کر دعا کی، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔ (الانعام: ۴۲-۴۳)

مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اس آیت میں ان سے زیادہ سخت دل کافروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ الباساء کا معنی ہے شدت، عذاب، قوت اور شدت فقر اور اس کا اطلاق جنگ اور مشقت پر بھی کیا جاتا ہے اور الباساء جنگ کی شدت کو بھی کہتے ہیں اور الضراء، ضرر سے بنا ہے، ضرر نفع کی ضد ہے، یعنی نقصان اور مرض کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں الباساء سے مراد ہے فقر کی تنگی اور الضراء سے مراد ہے بیماری کی سختی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی عبرت کے لیے سابقہ امتوں کی مثال دی اور یہ بتلایا کہ اپنے بندوں کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے، تاکہ وہ گمراہی اور کفر سے ہدایت اور ایمان کی طرف رجوع کریں۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ہم نے ان کو فقر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں، کیونکہ سختیاں جھیلنے سے انسان کندن بن جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لیے بتایا ہے کہ وہ بھی پچھلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الہی کے منتظر تھے اور نبی ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو موکد فرمایا کہ جب ان کافروں پر فقر اور مرض کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کیوں نہیں کی، ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی، نہ خوف پیدا ہوا اور انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔ سو ان کے دل پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یہ لوگ جو نبیوں سے عناد رکھتے تھے، شرک کرتے تھے اور فسق و فجور میں ڈوبے رہتے تھے، شیطان نے ان کے ان کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ڈنٹے رہو، کیونکہ یہی حق و صواب ہے۔ پھر جب انہوں نے اس تنبیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس سے وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترنے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے ○ پس ظالموں کی جزا کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۴۴-۴۵)

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے

اس آیت میں ان کے نصیحت کے بھولنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا، حالانکہ بھولنے سے احتراز تو ان کے اختیار میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھولنے سے مراد ترک کرنا ہے، یعنی جب انہوں نے اس نصیحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ ابن جریج نے اس کی تفسیر میں کہا ہے جس دین کی طرف ان کو اللہ اور اس کے رسولوں نے دعوت دی تھی، اس کو انہوں نے ترک کر دیا، بلکہ اس کا انکار کیا اور اس کو رد کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی معاش کی تنگی کو رزق کی وسعت سے بدل دیا اور بیماریوں کو صحت اور سلامتی کے ساتھ بدل دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ان پر رحمت اور توبہ کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ ان کے علاوہ نیکی اور صلاح اور فلاح کے دروازے بھی بہت زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے رزق کی وسعت، خوشحالی اور جسمانی صحت و سلامتی کے جو دروازے ان پر بند کر دیئے تھے، بطور استدراج اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہم نے وہ بند دروازے ان پر کھول دیئے۔ اس کی نظیر اس آیت میں ہے:

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو (نبی کی تکذیب کی وجہ سے) ہم نے تنگی اور تکلیف میں گرفتار کر لیا، تا کہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں، پھر ہم نے بد حالی کو خوشحالی سے بدل دیا، حتیٰ کہ وہ (مال اور اولاد میں) بہت زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے، ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف اور راحت پہنچتی رہی ہے پھر ہم نے اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور آنحالیکہ ان کو شعور نہ تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضْتَرُّونَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (الاعراف: ۹۵-۹۴)

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں، بے شک میری خفیہ تدبیر (الاعراف: ۱۸۳) بہت مضبوط ہے۔

محمد بن نصر حارثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کو بیس سال مہلت دی تھی۔ ابن جریج نے کہا کہ وہ خوشحالی میں مغرور تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔ ابن زید نے کہا مہلس وہ شخص ہے جس پر ایسی مصیبت آجائے جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ یا اس پر ایسا عذاب آئے جس سے بچاؤ نہ کیا جاسکے۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۲۵۶-۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے باوجود ان کے سوالوں کے مطابق عطا فرما رہا ہے، تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استدراج اور ڈھیل ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (الآیہ) (مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع جدید، ۱۴۱۳ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں، حسن نے کہا جس شخص پر بھی اللہ نے دنیا وسیع کر دی ہے، اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس شخص کا عمل ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور جس شخص سے اللہ نے دنیا کی وسعت روک لی ہو اور اس نے اس تنگی میں خیر کا گمان نہ کیا ہو، تو اس شخص کا عمل بھی ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جب تم فقر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو نیک لوگوں کی طرح مرجھا کو، اور جب تم غنا کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کو یہ آزمائش ہے جس میں مجھے مبتلا کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، جزء ۶، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں نے اپنے رب کے خلاف سرکشی کی تھی، اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے احکام کی مخالفت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک بالکل ہلاک کر دیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس لیے فرمایا پس ظالموں کی جڑ

کاث دی گئی اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا پروردگار ہے، یعنی کامل ثناء اور مکمل شکر اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولوں پر اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر انعام فرمایا اور ان کو اپنے مخالف کافروں کے خلاف دلائل اور براہین سے غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کو ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جس عذاب کی وعید سنائی تھی، وہ عذاب ان پر نازل کر دیا اور اپنی وعید کو سچا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۶)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ خالقیت پر استدلال کرنا مقصود ہے، کیونکہ انسان کے اشرف الاعضاء کان آنکھیں اور دل ہیں۔ کان قوت سامعہ کا محل ہیں، آنکھیں قوت باصرہ کا محل ہیں اور دل حیات، عقل اور علم کا محل ہے۔ اگر ان اعضاء سے یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام فاسد ہو جائے گا اور وہ دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عظیم الشان اور عالی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ تعظیم، ثناء اور عبادت کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل اور فاسد طریقہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر وہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دے جس سے وہ ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو بالکل زائل کر دے اور وہ پاگلوں اور مجنونوں کی طرح ہو جائیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو مردہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، یعنی کبھی ہم انہیں اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی انہیں پچھلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور کبھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں، تاکہ تم ایمان لے آؤ اور کبھی اپنی الوہیت، قدرت اور توحید پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے یہ بتاؤ! اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے۔ (الانعام: ۴۷)

کافروں کے عمومی عذاب میں، آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب خواہ کسی قسم کا ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر ہو، اللہ عزوجل کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اس آیت میں عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا، کیونکہ یا تو عذاب کی پہلے علامتیں نمودار ہوں گی یا پیشگی علامتوں کے بغیر عذاب آئے گا۔ ثانی الذکر اچانک عذاب ہے اور اول الذکر کھلم کھلا عذاب ہے۔ ثانی الذکر کا اچانک ہونا ظاہر ہے اور اول الذکر کو کھلم

کھلا اس لیے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں، حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر یہ عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیا جائے گا! اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب عمومی عذاب آئے گا تو پھر نیک اور بد کی تمیز نہیں رہے گی اور کافروں کے ساتھ مومن بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ بظاہر مومن اور کافر دونوں ہلاک ہوں گے لیکن حقیقت میں ہلاکت صرف کفار کے لیے ہوگی اور مومنوں کے لیے یہ ضرر عظیم ثواب اور بلند درجات کا سبب ہوگا، اس لیے ان کے حق میں یہ ہلاکت نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کے کافروں پر عمومی عذاب نازل فرماتا ہے تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال دیتا ہے، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں پر جب عذاب نازل فرمایا تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الانعام: ۳۸-۳۹)

انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام

اس آیت کا معنی ہے کہ ہم رسولوں کو صرف ترغیب اور ترہیب کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکور ذیل آیتوں میں ترغیب اور ترہیب دونوں کی مثالیں ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ (الاعراف: ۹۷-۹۸)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا، کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آجائے اور انہیں کھلے ہوئے ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ اس لیے نہیں بھیجا کہ کفار ان سے من مانے اور فرضی معجزات طلب کریں۔ انبیاء علیہم السلام صرف ان ہی معجزات کو پیش کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کسی انسان کی تسلی اور اطمینان کے لیے جس قدر معجزات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمادیتا ہے اور جو شخص ان معجزات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے وہ آخرت میں عذاب سے بے خوف ہوگا اور جن لوگوں نے ان معجزات کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

نبی ﷺ سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کے منکروں سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کی ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں از خود ایسے غیب کو جانتا ہوں جن غیوبات کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ تم میرے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرو، کیونکہ خدا وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت میں کائنات کی ہر چیز ہو اور جس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہ ہو، یعنی جس کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو خدا وہی ہو سکتا ہے اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، کیونکہ میں تم کو دکھائی دیتا ہوں اور فرشتہ عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام سنایا ہے یہ وہی ہے جس کی میری طرف وحی کی گئی تھی۔ میں صرف وحی الہی کی پیروی کرتا ہوں، میں نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے اس پر میں نے اللہ کی طرف سے قوی اور مستحکم دلیلیں پیش کی ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اور نہ عقل کے خلاف ہے۔ اے محمد ﷺ آپ کہنے، کیا وہ لوگ جو حق کو اور دلائل کو دیکھنے سے اندھے ہیں، وہ اور وہ لوگ جو دلائل کو دیکھ کر حق کا اعتراف کر لیتے ہیں، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ میرے دعویٰ کی سچائی اور اپنی تکذیب کے فساد پر غور نہیں کرتے؟

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں:

۱- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں اور یہ کہ اللہ ہمارے لیے سعادتوں کے دروازے کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ملک عطا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (خزانہ کا معنی ہے ایسی حفاظت کی جگہ جہاں لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں)

۲- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ درحقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا، تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟

۳- مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور شادی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی ﷺ سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ان تین امور کی نفی کرائی۔ اس نفی کرانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں، تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کر لیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا گیا تھا۔

(ب) کفار مکہ آپ سے بہت زبردست معجزوں کے اظہار کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ اس

تبیان القرآن

جلد سوم

کے درمیان سے کوئی دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جسے ہم پڑھیں۔ آپ کہتے ہیں میرا رب سبحان ہے۔ میں تو صرف بشر رسول ہوں (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰) یعنی صرف رسالت اور نبوت کا دعویٰ دار ہوں اور جن امور کو تم طلب کر رہے ہو، ان کو اللہ کی قدرت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لیے میرے پاس مستقل قدرت نہیں ہے۔

(ج) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس ایسی قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم سے متصف ہوں اور ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں ہوں۔

(تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۲۸-۲۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے مقدرات اور اس کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ جس غیب کی میری طرف وحی نہ کی جائے یا جس غیب پر دلیل (عقلی یا سمعی) قائم نہ ہو، اس کو میں نہیں جانتا یا میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتوں کی جنس سے ہوں یا جن کاموں پر فرشتے قادر ہیں ان پر میں قادر ہوں۔ نبی ﷺ نے خدا ہونے اور فرشتہ ہونے کے دعویٰ سے براءت کا اظہار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا جو بشر کے کمالات سے ہے۔

(انوار التنزیل مع الکا زرونی، ج ۲، ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مولانا شیخ الاسلام کا مختار یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ عزوجل کے افعال سے متعلق علم غیب کو جانتا ہوں، حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم مجھے خلاف عادت افعال کا مکلف کرو، مثلاً آسمان پر چڑھنے کا، اس سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ شیر، بھیڑیا، سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان سے افضل ہوں۔ (روح المعانی، ج ۷، ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل

اس آیت کو علماء دیوبند نے بھی اس پر محمول کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ مستقل اور بالذات علم کی نفی کی گئی ہے یا آپ سے تمام معلومات الہیہ کی نفی کی گئی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟) (بیان القرآن، ج ۱، ص ۲۷۸، مطبوعہ تاج کینی لیٹڈ، کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلادیا کرے۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود الحسن، ص ۱۷۷)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کے تحت خلاصہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۲۳، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳)

نبی ﷺ کے لیے علم غیب کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت میں علم غیب کی نفی کو مطلقاً علم غیب کی نفی پر محمول نہیں کیا، بلکہ اس علم غیب کی نفی پر محمول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عموماً علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات حسب ذیل ہیں:

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ
(آل عمران: ۴۴) وحی فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے علم کا ایک ذریعہ وحی ہے، سو جب نبی ﷺ کی طرف غیب کی وحی کی گئی تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا۔ چونکہ شرح عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ حواس سلیمہ، خبر صادق اور عقل (شرح عقائد، ص ۱۰) اور جب نبی ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

يَلْكَأَنَّ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ
(ہود: ۴۹) وحی فرماتے ہیں۔

عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِي بِرُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ
(آل عمران: ۱۷۹) اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے ہاں (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) وہ جن کو چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الحج: ۲۶-۲۷) اللہ (غیب کا جاننے والا ہے) وہ اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں فرماتا، سو ان کے جن کو اس نے پسند فرمایا، جو اس کے رسول ہیں۔

بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف صراحتاً علم غیب کی نسبت نہیں کی، بلکہ اظہار غیب اور اطلاع علی الغیب کی نسبت کی ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر غیب ظاہر کیا گیا، یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر سے علم غیب کی بلا استثناء نفی فرمائی ہے، اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب دیا گیا، یعنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ اس علم سے

مراد عطائی ہے 'ذاتی نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ، ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور)

امام احمد رضا قادری کی اس عبارت سے مذکور الصدر تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا، بلکہ تمام فرشتوں اور اولین و آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے، ان سب سے زیادہ حضور ﷺ کو علم عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں! اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم محیط صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس کے علم محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۲۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۱۳ھ)

نبی ﷺ پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے، کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے، حالانکہ آپ عزیز و جلیل ہیں۔ اسی طرح محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے، حالانکہ آپ بابرکت اور بلند ہیں، کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور تبارک و تعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والعلی، ص ۲۰۳، مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور)

مولانا سردار احمد متوفی ۱۳۸۲ھ لکھتے ہیں:

لفظ عالم الغیب کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (مناظرہ بریلی، ص ۱۰۶، مطبوعہ المکتبہ الخلدیہ، لاہور) ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں علماء اہل سنت اور خصوصاً علماء دیوبند کی بکثرت عبارات پیش کی ہیں۔ جن میں مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی ہے۔

نبی ﷺ کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

۱۔ بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲۔ بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ مساوی تو درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ

مقربین سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑوں حصہ کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ 'دونوں متناہی ہیں' اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش و شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں۔ آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں 'شرق و غرب دو حدیں ہیں' روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے 'سب متناہی ہے بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا' تو جملہ علوم خلق کو علم الہی سے اصلاً نسبت ہوتی ہی محال قطعی ہے 'نہ کہ معاذ اللہ تو ہم مساوات۔

۳۔ یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء 'تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے 'مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(خالص الاعتقاد، ص ۳۹-۳۸، مطبوعہ مطبع اہل سنت، بریلی، ۱۳۲۸ھ)

کیا نبی ﷺ کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟

اس آیت کے آخر میں ہے (آپ کہئے کہ) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے اور آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے تمام احکام وحی سے صادر ہوتے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ
اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، ان کا کلام کرنا
(النجم: ۳-۴) صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور جب نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تو امت کے لیے بھی اجتہاد جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ صرف وحی الہی کی اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی، کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں؟ کیونکہ بغیر وحی کے عمل کرنا اندھے کے عمل کے قائم مقام ہے اور وحی کے مطابق عمل کرنا دیکھنے والے کے عمل کے قائم مقام ہے۔ پھر فرمایا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اس سے صاحب عقل کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دونوں امور کا فرق سمجھے اور غافل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلائل

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور نصوص پر قیاس کرنا بھی جائز ہے۔ سورہ انبیاء ۷۸-۷۹ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اجتہاد کا ذکر ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی، پھر وہ فوت ہو گئی، اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے

تبیان القرآن

جلد سوم

فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو، وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۶۹۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۱۵، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد اور قیاس کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (الحشر: ۲) اے صاحبان بصیرت! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہی معنی قیاس میں بھی متحقق ہوتا ہے، کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے قیاس کی حیثیت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں میں مشارکت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (انوار التنزیل علی ہاشم عنایت القاضی، ج ۸، ص ۱۷۷-۱۷۶، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، بایں طور کہ اس شے پر اس کی نظیر کا حکم عائد کیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے، قیاس شرعی اور قیاس لغوی کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارت "اور قیاس پر اشارۃ" دلالت کرتی ہے۔ (عنایت القاضی، ج ۸، ص ۱۷۶، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل

بکثرت احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک سردرات میں جنبی ہو گئے۔ انہوں نے اجتہاد کر کے غسل کی بجائے تیمم کر لیا، نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب ۷)

اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے حکم کرے اور صحیح حکم دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ حکم میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم اقصیہ، ۱۵ (۱۷۱) ۷، سنن ابوداؤد،

ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۷۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۱۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۱۸)

آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت میں ہے ”میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے“ اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا، میں اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام دیئے ان کی تائید اللہ کی وحی سے ہو گئی، کیونکہ جب آپ احکام دے رہے تھے اس وقت نزول وحی کا زمانہ تھا۔ اگر آپ کے احکام میں خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کی اصلاح فرمادیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کو برقرار رکھا، تو معلوم ہوا کہ آپ کے احکام صحیح تھے اور چونکہ آپ کے احکام کو وحی کی تائید حاصل تھی، تو گویا آپ مالک کے اعتبار سے اتباع وحی کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منصوص احکام میں آپ صراحتاً ”اتباع وحی کرتے ہیں اور غیر منصوص احکام اور اجتہادی مسائل میں آپ مالک کے اعتبار سے اتباع وحی کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ کفار آپ سے مال طلب کرتے تھے۔ غیب کی باتیں پوچھتے تھے اور غیر معمولی کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ سے فرمایا کہ آپ کہتے کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں، میں وہی چیزیں دوں گا اور وہی چیزیں بناؤں گا اور وہی کام کروں گا جس کی اللہ مجھے اجازت دے گا۔ اس لیے یہ آیت نبی ﷺ کے اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں چونکہ اجتہاد کی بحث آگئی ہے، اس لیے ہم اجتہاد کی تعریف اور نبی ﷺ کے اجتہاد میں مذاہب علماء بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

اجتہاد کی تعریف

امام غزالی نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لیے مجتہد کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔

(المستصفیٰ، ج ۲، ص ۳۵۰)

علامہ آمدی نے کہا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی کا ظن غالب حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش سے نفس عاجز ہو۔ (الاحکام، ج ۳، ص ۱۶۹)

قاضی بیضاوی نے کہا احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔

(نہایۃ السؤل، ج ۴، ص ۵۲۳، الابحاج، ج ۳، ص ۲۳۶، الابحاج، ص ۲۶۷)

علامہ ابن ہمام نے کہا حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔ (تیسیر التحریر، ج ۳، ص ۱۷۹) ان تعریفات میں طاقت خرچ کرنے، جدوجہد کرنے اور کوشش کرنے سے مراد یہ ہے کہ مجتہد علمی اور ذہنی کوشش کرے اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہے، قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ میں اس کی نظر تلاش کرے اور اصل اور فرع میں علت مشترکہ نکالے اور اس میں غور کرے کہ جس مسئلہ کو وہ قیاس سے معلوم کر رہا ہے، کہیں وہ صراحتاً کتاب و سنت میں منصوص تو نہیں ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی مصلحتوں اور جنگ کی تدبیروں اور ان جیسے امور میں نبی ﷺ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور آپ نے ان امور میں اجتہاد کیا بھی ہے۔ ابن حزم نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے تہائی پھل دے کر

غفلان سے صلح کا ارادہ کیا اور یہ مباح ہے، کیونکہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنے مال سے جس کو چاہیں، ہبہ کر دیں۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے کھجوروں میں پیداوار کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے کھجوروں میں پیوند لگانے کا حکم دیا، کیونکہ ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کھجور میں پیوند لگائے یا نہ لگائے، اور احکام شرعیہ میں آپ کے اجتہاد کے متعلق اختلاف ہے کہ جن چیزوں میں نصوص وارد نہیں ہیں، ان میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین

استاذ ابو منصور کا مذہب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ کو نص کے حصول پر قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان هو الاوحی یوحی (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے، ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر ان کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۲۴، (۹۸۷) ۲۲۵۳، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۶۳)

نبی ﷺ سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا عقلاً ممتنع ہے۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے جس کو انہوں نے تلخیص میں لکھا ہے اور ابو علی اور ابو ہاشم کا مذہب یہ ہے کہ آپ اجتہاد سے عبادت نہیں کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے جواز کے قائلین

امام شافعی، امام احمد، اکثر مالکیہ، قاضی ابو یوسف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی نے ”الرسالہ“ میں اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کو تدبیر اور اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کو بھی تدبیر اور تفکر کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور و فکر کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ اعتبار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے ”ان هو الاوحی یوحی“ (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اجتہاد شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگی واقعات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً نضو کو قتل کرنا اور بہت سے امور ہیں۔ آپ نے غور و فکر کر کے دو جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے اور احکام شرعیہ میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب امت کے لیے احکام شرعیہ میں اجتہاد کرنا جائز ہے، تو آپ کے لیے بہ طریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں، اور امت خطا سے معصوم نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اجتہاد سے کسی حکم کو معلوم کرنے میں منصوص حکم کو معلوم کرنے کی بہ نسبت زیادہ دشواری ہے اور جس عمل میں زیادہ مشقت ہو، اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین

علامہ الصیرفی نے ”شرح الرسالہ“ میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور کسی قول کو مختار قرار نہیں دیا اور یہ کہا کہ جس چیز میں نص کتاب نہ ہو اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی طریقہ کو بیان نہیں کیا، اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نبی ﷺ کو اس کا علم عطا فرمایا ہے

اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ نے اسی کام کے طریقہ کو بیان کیا ہے جس کی اصل کتاب میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام آتا تو نبی ﷺ اس پیغام سے اللہ تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کا طریقہ (سنت) بیان فرماتے۔ بعض نے کہا نبی ﷺ نے سنت سے جتنے احکام بیان کیے ہیں وہ سب آپ کے دل میں القا کیے گئے تھے۔ پھر امام شافعی نے النسخ والمنسوخ کے باب میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَكُونُ لِيَ أَنْ أُبَدِّلَ لَهٗ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي
مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس قرآن کو اپنی طرف سے تبدیل
(یونس: ۱۵) کر دوں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حق دیا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب کا حکم نازل نہیں ہوا ہے اس میں اللہ کی توفیق سے اپنی طرف سے بیان فرمائیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ (الرعد: ۳۹)
اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہے۔

اللہ جس فرض کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس فرض کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔

آپ کے اجتہاد کرنے کے متعلق امام شافعی نے یہ متعارض دلائل نقل کیے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان توقف کی طرف ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء

نبی ﷺ سے اجتہاد کے وقوع کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ بعض علماء نے وقوع کا مطلقاً انکار کیا، بعض علماء نے اصول اور قواعد میں آپ کے اجتہاد کرنے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ آپ فروع اور مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض نے اس میں توقف کیا۔ جنہوں نے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا انہوں نے کہا تمام سنت وحی ہے، لیکن یہ وحی غیر متلو ہے اور قرآن مجید وحی متلو ہے اور سنن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے حضرت بعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے جبہ پر خوشبو کے لیپ کے آثار تھے اس نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے عمرہ میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت بعلی کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت دیکھیں۔ حضرت عمر نے کپڑے کی چادر ایک طرف ہٹائی تو حضرت بعلی نے دیکھا کہ ان کو اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آرہی تھی، جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا اس خوشبو کے اثر کو دھو ڈالو اور جب اتار دو اور جو کچھ حج میں کرتے ہو وہی عمرہ میں بھی کرو۔

(صحیح مسلم، حج، ۶، ۱۱۸۰) (۲۷۵۲، صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۷) یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اسی طرح سنت بھی نازل ہوتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص احکام میں نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تھے، بلکہ وحی سے احکام حاصل کر کے بیان کرتے تھے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے کہا کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا جائز ہے یا نہیں۔ محققین کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء جواز کے قائل ہیں، لیکن آپ کو خطا پر قرار نہیں رکھا جاتا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی، ج ۱، ص ۵۸۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے انہوں نے حضرت یعلیٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی، لیکن بکثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یعلیٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے، جبکہ آپ نے بکثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنو سیث کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے، جس کو بنو سیث نے قتل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا بے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ان پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنو! مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ سنو! وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو! یہ وہی ساعت ہے، نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا، نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی، ماسوا اعلان کرنے والے کے، اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو، اس کو دو اختیار ہیں، یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابو فلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرمائیجئے، کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ماسوا اذخر کے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۲، صحیح مسلم، ج ۲، ۲۲۵، (۱۳۵۳) ۳۲۲۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۱۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۷۵، ۲۸۷۴، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ سے اذخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا پہننے؟ آپ نے فرمایا محرم قمیص پہننے، نہ عمامہ، نہ شلوار، نہ ٹوپی، نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا۔ اگر اس کو نعلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو (اوپر سے) کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳، صحیح مسلم، ج ۳، (۱۱۷۷) ۲۷۷۷، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۹۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ

بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۱۳) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آل فلاں کا استثناء کر دیجئے، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماسوا آل فلاں کے۔

(صحیح مسلم، جنازہ، ۳۳، (۹۳۷) ۲۱۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے، کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے، آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، الاضاحی، ۳، (۱۹۶۱) ۳۹۷۹، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۶۵، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۰۱، ۲۸۰۰، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۱۳، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۶۲، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۰۷، طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے باوجود بوسہ لے لیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے۔ میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کر لو تو! (داری میں ہے) میں نے کہا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا تو اس سے کیسے ہوگا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۵، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۲۳، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو اجر و ثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار "سبحان اللہ" کتنا صدقہ ہے، ہر بار "الحمد للہ" کتنا صدقہ ہے اور ہر بار "لا الہ الا اللہ" کتنا صدقہ ہے، اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے، پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۵۳، (۱۰۰۶) ۲۲۹۲، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۴۷، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۶۸-۱۶۷)

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہیں آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ مَا بِهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں دراصل حاکم اللہ

مَنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ

کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا۔ (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ مستحق ہو جائیں اور ان (سکین مسلمانوں) کو دور

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعِشْيِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ

نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں دراصل حاکم وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو

فَطْرَدَهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم

دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض

بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مِثْلُ الَّذِي عَلَّمَهُم مِّنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ

کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا

احسان کیا ہے؛ (اے کافر!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا

ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے، کہ تم میں سے جس کوئی

عَمَلٌ مِنْكُمْ سَوْءٌ أَوْ جَهَالَةٌ تَتَّبِعْتَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَإِنَّ

نادرانہ کیفیت کی وجہ سے کوئی برائی یا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ بہت

عَفْوًا رَّحِيمًا ﴿۵۴﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

بجٹنے والا ہے حد رحمت کرنے والا ہے اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح

الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

ہو جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، در آنحالیکہ اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔

(الانعام: ۵۱)

کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محل

اس سے پہلے کی آیتوں میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا اس آیت میں فرمایا اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض نے کہا اس سے مراد کافر ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کافروں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے، اور بعض کافروں پر اس ڈرانے کا اثر ہوتا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: ۱۸) اور اس میں مشرکین کا بھی رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کو ہر چند کہ اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے کا یقین تھا، لیکن ان کو اپنے اوپر عذاب کا یقین نہیں تھا، کیونکہ ان کو یہ گمان تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور نیک اعمال پر ہو گا۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان کو عذاب ہو، اس لیے فرمایا کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں، تاکہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مدد کر سکے گا، نہ شفاعت کر سکے گا اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے جو شفاعت کی جائے گی، وہ اللہ کی اجازت سے ہوگی:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں

(البقرہ: ۲۵۵) شفاعت کر سکے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

اور اس کی بارگاہ میں صرف اسی کی شفاعت سے نفع ہو گا

(سبا: ۲۳) جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى (الانبیاء: ۲۸)

اور وہ (فرشتے) اسی کی شفاعت کریں گے جس کے لیے وہ

(رب) راضی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں، در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں

تبیان القرآن

جلد سوم

ہے، پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)
مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب، حضرت صیب، حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۱)

(مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۸۵، طبع دار الحدیث قاہرہ، علامہ احمد محمد شاکر، متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۰، طبع قدیم بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲) کی تفسیر میں بیان کیا، اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، جب مشرکین نے ان کو نبی ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان مسکین مسلمانوں کو حقیر جانا، پس وہ آپ کے پاس آ کر خلوت میں بیٹھے اور کہنے لگے، ہم آپ کے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ تو جب ہم آپ کے پاس آیا کریں آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں، تو پھر آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھالیا کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا، انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دے دیں۔ آپ نے صحیفہ منگوا دیا اور حضرت علی کو لکھنے کے لیے بلایا اور ہم اس وقت ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور ان (مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سروسرمان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا ذکر کیا اور فرمایا اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳) پھر فرمایا اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ۵۳) حضرت خباب نے کہا پھر ہم آپ کے قریب بیٹھے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا کر بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے تھے اور جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہو اور آپ اس

شخص کا کمانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکلمت: ۲۸)

حضرت خباب نے کہا پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے، حتیٰ کہ جب نبی ﷺ کے جانے کا وقت آتا تو ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۱۲۷، جامع البیان، ج ۷، ص ۲۶۳، شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۰۳۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۲۵۶۳، حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۱۳۶، الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۳، اسباب النزول، ص ۲۲۱-۲۲۰)

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو مسند ابو یعلیٰ اور دلائل النبوة کے حوالوں سے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کا تسامح ہے۔ مسند ابو یعلیٰ اور دلائل النبوة میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام ابن الجوزی، امام رازی، علامہ قرطبی، علامہ ابوالیمان اندلسی، حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (الانعام: ۵۲) ہم چھ نفوس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ میرے متعلق، حضرت ابن مسعود کے متعلق، حضرت صیب، حضرت عمار، حضرت مقداد اور حضرت بلال کے متعلق۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، ہم ان لوگوں کے پیروکار بننے سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں، در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲)

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۳۵-۳۶، ۲۳۱۳، ۶۱۲۳، ۶۱۲۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۲۸، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۸۲۲)

صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت

اس آیت میں ان مسکین مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے، وہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پابندی اور دوام کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت پڑھتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صبح اور شام اللہ سے دعا کرنا ہو، تاکہ دن کی ابتداء اور اس کا افتتاح اللہ کی دعا سے ہو اور دن کا اختتام بھی اللہ سے دعا پر ہو۔ نیز فرمایا در آنحالیکہ وہ اس کی رضا جوئی کرتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی عبادات اور اعمال میں اللہ کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے، اس آیت میں اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ”وجہ (چہرہ) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ انسان کے جسم کی شناخت اس کے چہرے سے ہوتی ہے اور اس کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ تکریم اس کے چہرے کی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چہرے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اور چہرہ ہے، صبح اور شام کے وقت عبادت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان اوقات میں لوگ آرام اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں تو جو لوگ ان اوقات میں بھی عبادت میں مشغول ہوں، وہ باقی اوقات میں بہ طریق اولیٰ عبادت میں مشغول ہوں گے۔

مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت

جب سورہ کف کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہے جو صبح اور شام اپنے رب کی

عبادت کرتے ہیں تو نبی ﷺ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھتے تھے، جب تک کہ یہ مسکین مسلمان خود اس مجلس سے نہیں اٹھتے تھے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دینا یا ان کو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ ان کو جزا دینا اور ان کو رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزا بھی اللہ کے ذمہ ہے، کسی اور کے ذمہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ مسکین مسلمان فقیر میں مبتلا ہیں تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا، حتیٰ کہ آپ مشرکین کی فرمائش پر ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کریں۔ آپ پر ان کے رزق اور ان کے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں ہے، کہ آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔ آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں اور ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں، ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھیں، اور ان کو اپنے پاس سے دور نہ کریں۔

نبی ﷺ کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا اگر آپ نے (بالفرض) ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے یہ تصور نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد بھی ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور تعریض دوسرے مسلمانوں کو سنانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ بھی امیر کافروں کی رعایت کر کے غریب مسلمانوں کو بالفرض اپنی مجلس سے اٹھادیں، تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے، تو کوئی اور مسلمان ایسا کرے گا، تو وہ کیونکر ظالموں میں سے نہیں ہوگا۔ اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

لَيْسَ أَشْرَكَكَ لِيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع

(الزمر: ۶۵) ہو جائے گا۔

زیر بحث آیت اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کافریا فاسق کی اس کی دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے عزت کرنا اور کسی نیک مسلمان کی غربت اور افلاس کی وجہ سے بے توقیری اور تحقیر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض کا جواب

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے اٹھادیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا ان کو مجلس سے اٹھانا گناہ ہوا، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ نے ان کو مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور آپ نے ان کو مجلس سے اٹھادیا تو آپ کا (معاذ اللہ) ظالم ہونا ثابت ہوا۔ سورہ کف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں ارشاد ہے اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس شخص کا کمانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکف: ۲۸) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں اور ایک اور آیت میں آپ کو دنیا کی زینت کا ارادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اور آپ دنیا کی زندگی کی ان ذہنتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں، جو ہم نے ان کے

مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں، تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طہ: ۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا ہے اور سورہ کہف کی آیت میں فرمایا ہے کہ آپ زینت دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل گناہ ہوا؟ (العیاذ باللہ)

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ظلم فرمایا ہے، تو آپ اگر ان کو مجلس سے اٹھاتے، تب گناہ اور ظلم لازم آتا۔ لیکن آپ نے ان کو مجلس سے نہیں اٹھایا، اس لیے گناہ اور ظلم لازم نہیں آیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گناہ کا عزم بھی گناہ ہوتا ہے اور آپ نے ان کو اٹھانے کا عزم کر لیا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو لکھوانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا تھا، تو بہر حال گناہ لازم آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کے بعد کام کیا جائے یا اس کا عزم کیا جائے، تب گناہ ہو گا کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی، لیکن جب نبی ﷺ نے ان کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا، اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا تھا۔ لہذا نافرمانی یا اس کا عزم کیسے لازم آیا؟ منع تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم کے بعد فرمایا ہے اور ممانعت سے پہلے آپ کا یہ فعل جائز اور مباح تھا اور اس کا عزم بھی جائز اور مباح تھا۔ نیز! آپ کا منصب، تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے بڑے سردار اسلام قبول کر لیں تو ان کو دیکھ کر ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں گے، اس لیے آپ نے سوچا کہ اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھادیا جائے، تو ہرچند کہ اس سے ان کی دل شکنی ہوگی، لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے اور زیادہ نفع کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کی یہ سوچ برحق تھی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور ہم امام رازی کے اس جواب سے متفق نہیں ہیں کہ آپ کی یہ اجتہادی خطا تھی۔ (تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۵۰)

لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، اس کو علم تھا کہ یہ کفار اس موقع پر ایمان لانے والے نہیں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور فرمایا آپ ان کافروں کے اسلام لانے کے طمع میں ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے نہ اٹھائیے، کیونکہ یہ کافر تو بہر حال اسلام نہیں لائیں گے تو آپ اپنے وفادار غلاموں کی دل آزاری کا نقصان کیوں اٹھائیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ خلاف اولیٰ بھی تب ہو تا جب آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کرتے، اور جس وقت آپ نے ان کو مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں فرمایا تھا، تو اللہ تعالیٰ کے کس حکم کی مخالفت ہوئی؟ جس وجہ سے آپ کا یہ ارادہ خلاف اولیٰ کا ارادہ ہوتا یا اجتہادی خطا قرار دیا جاتا؟

مکرمین عصمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے کافر سرداروں کی دولت اور ثروت دیکھ کر زینت دنیا کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ ممنوع کام کا ارادہ ہے اور گناہ کا ارادہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زینت دنیا کا زینت دنیا کی وجہ سے ارادہ ممنوع ہے اور نبی ﷺ ان کافر سرداروں کے مال و دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے، بلکہ اشاعت اسلام کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے، تاکہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ان کی وجہ سے ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں اور آپ کا یہ ارادہ کسی معصیت کا یا خلاف اولیٰ کام کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ فرائض رسالت میں سے ایک فرض کی ادائیگی کا ارادہ ہے اور اس پر آپ کو فرض ادا کرنے کا اجر و ثواب ملے گا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، اس کو علم تھا کہ یہ لوگ اس موقع پر اسلام لانے والے نہیں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی خوشنودی کی خاطر اپنے وفا شعار اور اطاعت گزار غلاموں کو مجلس سے نہ اٹھائیں۔ نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض

کی اس وقت گنجائش ہوتی جب اس ممانعت کے بعد نبی ﷺ نے کسی مسکین مسلمان کو کافر سرداروں کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھایا ہو تیا اس کا ارادہ کیا ہوتا۔

یاد رکھئے تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ یا کبیرہ، سوا یا عدا، صورت یا حقیقتاً ان سے کبھی بھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا ہاں! انبیاء سابقین علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوع سے کھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکامارنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصی اجازت کے بغیر بستی سے چلے جانا وغیرہ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجتہادی خطا سے بھی مامون اور محفوظ ہیں اور محققین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو، بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳)

بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا

اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے سبب آزمائش میں مبتلا کرنا یہ ہے کہ لوگ رزق اور اخلاق میں ایک دوسرے سے متفاوت رہیں۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا اور بعض لوگوں کو فقیر بنایا، بعض لوگوں کو قوی بنایا، بعض لوگوں کو ضعیف بنایا اور بعض لوگوں کو بعض لوگوں کا محتاج کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مال دار بنایا اور بعض لوگوں کو فقراء بنایا اور مالداروں نے فقراء کے متعلق کہا، کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے، یعنی ان کو ہدایت دی ہے۔ انہوں نے یہ بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کی خاطر کہا تھا۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۲۷۰، طبع دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالمقابل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے، مال دار کافر، فقراء صحابہ سے ان کی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہو گئے تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہوں گے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی اور فقراء صحابہ ان مال دار کافروں کو عیش، راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے، اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مال و دولت کی ایسی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہم مال اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں، تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا اور دوسرا فریق اس کو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو، بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس بناء پر کافر یہ کہتے تھے، کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اور اہل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور صائب ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے اور اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ (الانعام: ۵۵-۵۳)

شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق پانچ اقوال ہیں:

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲- حسن بصری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا تھا نبی ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ابتداً سلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا جن کے متعلق مجھے ابتداً سلام کرنے کا حکم دیا۔

۳- عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم، حضرت ابوسلمہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

۴- ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ سے اشارۃً یہ کہا تھا کہ مالدار کافروں کی دلجوئی کے لیے مسکین کافروں کو موخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اور (ان مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عمر اپنے اس مشورہ پر معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

۵- ابو سلیمان دمشقی نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام کی بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر آئے اور اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی۔

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ کہئے تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لیے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ انہیں سلام کریں اور ابن زید نے کہا آپ کو اللہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ زجاج نے کہا سلام کا معنی انسان کے لیے آفات سے سلامتی کی دعا ہے۔

(زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۹-۴۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان، حضرت صہیب اور حضرت بلال کے پاس چند لوگوں میں حضرت ابوسفیان آئے تو انہوں نے کہا اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمنوں کی گردنوں میں اپنی جگہ پر نہیں پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہو! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر تم نے ان (فقراء صحابہ) کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ تب حضرت ابوبکر ان کے پاس گئے اور کہا اے میرے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں، اے بھائی! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۱۷۰، ۲۵۰۳، ۶۲۹۳، المعجم الکبیر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۸، مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۲۰۵۱۸، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۶۶۵، طبع جدید دار الفکر، مسند احمد، ج ۵، ص ۶۵، طبع قدیم دار الفکر، سنن کبریٰ، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۲۷۷)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیک مسلمانوں کا احترام کرنا چاہیے اور جس بات سے انہیں غصہ آئے یا ان کو ایذا پہنچے اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص اللہ کے اولیاء میں سے کسی کو ناراض کرتا ہے، وہ اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت

اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی براکام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے مجاہد نے کہا جس شخص نے اللہ کی معصیت میں کوئی کام کیا، تو یہ اس کی جہالت ہے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کر لے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام رازی نے کہا جہالت کا معنی خطا اور غلطی ہے اور اس پر توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے غلبہ شہوت سے معصیت کی اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان علم کے باوجود کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس پر توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔ حسن بصری نے کہا جس نے کوئی معصیت کا کام کیا، وہ جاہل ہے۔ پھر معصیت کو جہالت سے تعبیر کرنے کی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ اس سے جاہل ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس سے کتنا ثواب جاتا رہا اور وہ کتنے عذاب کا مستحق ہو گیا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ اس کو علم ہے کہ اس فعل کا نتیجہ مذموم ہے، لیکن اس نے فوری اور دنیاوی لذت کو دیر سے اور آخرت میں ملنے والی خیر کثیر ترجیح دی اور جو شخص قلیل کو کثیر پر ترجیح دے، اس کو عرف میں جاہل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے عمداً کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہر چند کہ وہ جاہل نہیں ہے، لیکن اس نے کام جاہلوں والا کیا ہے، اس لیے اس کے کام پر جہالت کے کام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۵۳، مطبوعہ دار الفکر، طبع قدیم، ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو الحیمان اندلسی متوفی ۵۷۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے، خواہ وہ معصیت عمداً کی جائے یا جہلات۔ کلبی نے کہا جہالت سے گناہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے اس کام کے معصیت اور گناہ ہونے کا تو علم ہو، لیکن اسے اس گناہ کی سزا کی کنتہ اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا دنیا کے تمام کام جہالت ہیں۔ زجاج نے کہا اس کی جہالت یہ ہے کہ فانی لذت کو باقی لذت پر ترجیح دے رہا ہے اور دنیاوی منفعت کو اخروی منفعت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے ارتکاب معصیت کرے اور اس کا مقصد گناہ کو معمولی سمجھنا نہ ہو۔ یا کوئی شخص اس خیال سے گناہ کرے کہ وہ اس گناہ کے بعد توبہ کر کے نیک بن جائے گا اور اس سے جاہل ہو کہ وہ ایسا کر سکے گا یا نہیں، یا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کے حصول کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرے، اور وہ اس کے مال اور انجام سے جاہل ہو۔

(البحر المحیط، ج ۳، ص ۵۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے، غلبہ شہوت یا حماقت کی بنا پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کر لیا، پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی، اس گناہ سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا،

اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گناہ کے بعد کوئی نیکی کی، تاکہ اس گناہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے گا، کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔
مجرموں کے طریقہ کو بیان کرنے کی حکمت

اس کے بعد فرمایا اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کیے ہیں، قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جس کا اہل باطل انکار کرتے ہیں، تاکہ مومنین کے لیے مجرمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائے گا تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائے گا، کیونکہ باطل کی ضد حق ہے، کیونکہ ایک ضد کی خصوصیت اس کے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

آپ کیسے بیشک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کا تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ

قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ

کیسے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، اگر بالفرض میں نے ایسا کیا، تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا

آپ کیسے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے، جس چیز کو تم

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقْضِي الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

عجلت طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین

الْفَصِيلِينَ ۝ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ

فیصلہ فرماتے والا ہے ۰ آپ کیسے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم یہ عجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور

الْأَمْرِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ

تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۰ اور اسی کے پاس غیب کی

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ

چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو غفلت اور سمنردوں میں ہے، وہ ہر اس چیز

مِنْ ذُرْقَةٍ إِلَّا يَعْلمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کو جانتا ہے جو درخت گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں سردانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز

وَلَا يَأْتِيهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ

روح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ۵ اور وہی رات میں تمہاری روجوں کو قبض کر لیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى

اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ عیاد پوری ہو،

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ۶۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔ (الانعام: ۵۶)

بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں، تاکہ حق ظاہر ہو اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشرکین صرف اپنی خواہش اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں، کیونکہ یہ بت محض جمادات اور پتھر ہیں جو انسان سے بہت کم درجہ کے ہیں، جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اشرف کارذل کی عبادت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ نیز ان بتوں کو خود ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور عامل اور صانع کا اپنے معمول اور مصنوع کی عبادت کرنا بھی عقل اور درایت کے منافی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان مشرکین کا بتوں کی عبادت کرنا ہدایت کے خلاف ہے اور ان کی خواہش پر مبنی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کہئے کہ مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے، جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق

اس آیت میں "تدعون من دون اللہ" فرمایا ہے اور دعا کا معنی ہے طلب نفع یا دفع ضرر کے لیے ندا کرنا، لیکن مشرکین اپنی سمات اور مشکلات میں بطور عبادت ان بتوں کو ندا کرتے تھے۔ اس لیے یہاں دعاء کا معنی عبادت ہے، کیونکہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہیں۔ سو ان کا بتوں کو پکارنا دراصل ان کی عبادت کرنا تھا، اس لیے ہم نے یہاں دعا کا معنی پرستش اور عبادت کیا ہے اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دعا کرنا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تمہارا

رب فرماتا ہے! مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن: ۶۰) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۸۳، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۷۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۲۸، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحدیث: ۸۹۰، مسند احمد ج ۳، ص ۲۶۷، المستدرک ج ۳، ص ۳۹۱-۳۹۰، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۷۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۲۰۰، طلیۃ الاولیاء ج ۸، ص ۱۲۰، شرح السنہ ج ۳، رقم الحدیث: ۱۱۳۷۸)

بعض مسلمان اپنی مشکلات اور مہمت میں یا علی مدد اور یا غوث الاعظم المدد کہتے ہیں، افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ یا اللہ کہا جائے۔ اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، لیکن ان مسلمانوں کی اس ندا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہوتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ ندا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شعراء کی نعتوں اور منقبتوں میں بھی یا رسول اللہ اور یا غوث الاعظم کے الفاظ ہوتے ہیں، یہ کلمات ذوق و شوق اور محبت سے کہے جاتے ہیں، یہ بھی شرک نہیں ہے۔ شرک اس وقت ہو گا جب پکارنے والا اس اعتقاد سے پکارے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے، وہ مستقل ہے اور از خود سنتا ہے اور اپنی ذاتی طاقت سے از خود مدد کرتا ہے، یا وہ اس کو مستحق عبادت سمجھتا ہو اور اس کو بطور عبادت ندا کرے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو ندا کرتے تھے۔ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں ہے۔

مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس کے برخلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہیں اور ان کا یہ ظاہر حال اس پر قرینہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں، اس کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور مازون فی التصرف سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجات اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا صرف اس سے سوال کرنا چاہیے اور صرف اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، مسند احمد ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۳، ۲۹۲، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، دار الحدیث قاہرہ، علامہ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ مسند ابو یعلیٰ ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۵۶، المعجم الکبیر ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۰، ۱۱۳۱۶، ۱۱۳۳۳، مسند الثشاب، رقم الحدیث: ۷۲۵، کتاب الدعاء للبرانی، رقم الحدیث: ۴۱، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۳۲۷، المستدرک ج ۳، ص ۵۳۲، مشکوٰۃ، ص ۴۵۳)

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مہمت، مشکلات اور تمام حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی ہر حاجت کا صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے، اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہاں! انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا ایک جدا امر ہے۔ اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اور جب مقربین بارگاہ صمدیت کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی، تو اس کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا

ہے، جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ آپ کہئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو، تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۵۸-۵۷)

کفار کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم تھے اور کفار قریش اس دلیل کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی توحید پر قائم کی گئی ہے، جب کفار اس دلیل کو سنتے تو اس کو جھٹلاتے تھے، وہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے تھے:

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ (الانبیاء: ۳)

یہ صرف تم جیسے بشر ہیں، کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔

نبی ﷺ ان مشرکین کو عذاب الہی سے ڈراتے تھے، تو وہ ڈرنے کے بجائے آپ سے اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الانفال: ۳۳-۳۲)

اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو تو اپنی طرف سے ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ، اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے، در آنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۵۹ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور باقی قریش نے نبی ﷺ سے استہزاء کہا اے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس وہ عذاب لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں اور نضر نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ! جو یہ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ نیز فرمایا آپ کہئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو، تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

(زاد المسیر، ج ۳، ص ۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، اسباب النزول، ۲۲۲)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب کو نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بنا پر عذاب کو نہ نازل کرنا چاہے تو نہیں نازل فرمائے گا، مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب کو لاجچکا ہوتا۔

زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو اور

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے زیادہ تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم عقبہ کو پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبدیلیل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا۔ پس میں غم زدہ ہو کر واپس چلا آیا، اور قرن ثعالب پر پہنچ کر مجھے افاتہ ہوا، اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا، وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو چاہیں، حکم دیں۔ حضور نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے، تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم، جلد ۱۱، ص ۱۱۱، (۱۷۹۵) ۳۵۷۲، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۷۷۰۶) اس آیت میں اور اس حدیث میں اس طرح موافقت ہے کہ آیت میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ پہاڑوں کے فرشتے کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ کفار پر عذاب نازل کیا جائے جس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے۔ وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تری اور ہر خشک چیز یوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (الانعام: ۵۹)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مفتاح الغیب کا ذکر ہے۔ مفتاح، مفتح کی جمع ہے۔ مفتح کا معنی چابی ہے اور یہ کلام بہ طور استعارہ ہے کیونکہ چابی سے خزانہ تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جس کے پاس چابی ہو اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو، وہ خزانہ کو پالیتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ فقط وہی غیب تک واصل ہونے والا ہے۔ جس طرح جس شخص کے پاس خزانے کے قفلوں کی چابیاں ہوں اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی خزانہ تک واصل ہو سکتا ہے۔

(الکشاف، ج ۲، ص ۳۱، نشر ابلاغ، قم، ایران، ۱۳۱۳ھ)

علامہ زمخشری کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چابی کے ذریعہ غیب تک واصل ہونے والا ہے، کیونکہ اس سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل علم حاصل نہیں ہے، بلکہ تدریجاً علم حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں غائب حاضر کی مانند ہے، ماضی اور مستقبل کا علم اس کے سامنے یکساں ہے، ہر چیز کا علم اس کے سامنے ہر وقت حاضر ہے۔

اسی طرح شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے، قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے، جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ جب چاہیں کریں، جب چاہیں نہ کریں۔ سو اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویت الایمان، ص ۱۳، (کلاں) مطبوعہ مطبع ملکی، لاہور)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بالفعل غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ جب چاہے، غیب کو دریافت کر سکتا ہے اور یہ بد اہتاً باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت تمام مغیبات اور شہادات کا علم حاضر ہے، اور اسے کبھی بھی دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

مفاح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۶۶، مطبوعہ بیروت، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۶، دار الحدیث قاہرہ، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۱۳۳۲۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو ہر چیز کی مفاتیح دی گئی ہیں۔ سو پانچ چیزوں کے۔ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا، بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(لقمان: ۳۳) (مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۵۹، علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، مسند ابو یعلیٰ، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۱۵۳، مسند حمیدی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۳، جامع البیان، جز ۷، ص ۲۷۸، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۶۳)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ سے سوال کیا، قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں عنقریب تمہیں اس کی علامتیں بیان کروں گا، جب تم دیکھو کہ عورت سے اس کا مالک پیدا ہوا، تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے، اور جب تم ننگے پیر، ننگے بدن، بہرے، گونگے لوگوں کو زمین کا مالک دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم مویشیوں کے چرانے والوں کو بڑے بڑے مکان بناتے دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ بہت جاننے والا، بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (لقمان: ۳۳)

(صحیح مسلم، ایمان، ۷، (۱۰) ۹۹)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مفتاح الغیب کی تفسیر میں جن پانچ چیزوں کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد اہم چیزیں ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جو باقی مغیبات ہیں، ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح المعانی، جزء ۱، ص ۱۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یہ پانچ چیزیں ہوں یا باقی غیوب از خود ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے، اور اس نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے توسل کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ (مرقات المفاتیح، ج ۱، ص ۶۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (عمدة القاری، ج ۱، ص ۲۹۰، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۸ھ، فتح الباری، ج ۱، ص ۱۲۳، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے، اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور، ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۳ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں، وہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے، کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے، یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرے۔ کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کبوڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو، تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کھنا چاہیے، حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے۔

(تفسیر شیخ عثمانی، ص ۱۷۹، مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پبلیکیشن)

علامہ محمد بن یوسف ابو الجیمان اندلسی متوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مفاتیح الغیب سے مراد آسمانوں اور زمینوں میں غیب کے خزانے ہیں۔ مثلاً رزق اور قدرت کے۔ عطاء نے کہا اس سے مراد ثواب، عذاب اور مستقبل کی غائب کی چیزیں ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو علم غیب کے حصول کا وسیلہ ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمروں کے انجام اور خواتیم اعمال ہیں۔

(البحر المحیط، ج ۳، ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۲ھ)

اس آیت میں مفاتیح کا لفظ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے یہ مفتوح (میسم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفتوح (میسم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مفتوح (میسم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی چابیاں ہیں اور اگر مفتوح (میسم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی خزانہ ہے۔

آیا نبی ﷺ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی کیا گیا ہے، علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بلا واسطہ، بلا تعلیم اور ذاتی علم غیب کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور بالواسطہ، بذریعہ وحی و الہام اور عطائی علم غیب کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور اطلاع علی الغیب اور اظہار غیب کا ثبوت ہے، یہ دونوں توجیہات صحیح ہیں۔ بعض متاخرین علماء دیوبند نے یہ کہا ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور غیب کی خبروں کا ثبوت ہے۔ اس توجیہ میں ہمیں کلام ہے، کیونکہ خبر بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اور کسی چیز کی خبر کا ثبوت اس کے علم کے ثبوت کو مستلزم ہے، نیز متقدمین علماء دیوبند نے نبی ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، پہلے ہم بعض متاخرین علماء دیوبند کی عبارت نقل کریں گے، پھر اس پر جرح کریں گے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا، اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے، جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے۔ ”تلك من انباء الغیب نوحیہا الیک“ اس لیے آیت مذکورہ میں ”لا یعلمہا الا هو“ یعنی غیب کے خزانوں کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۲۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف، ۱۳۱۳ھ)

نیز مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتلاتے ہیں، وہ حقیقتاً علم غیب نہیں ہے، بلکہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ”من انباء الغیب نوحیہا الیک“ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۳۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف، ۱۳۱۳ھ)

لیکن متقدمین علماء دیوبند نے نبی ﷺ اور دیگر مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔ (حفظ الایمان، ص ۱۱، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند یوپی)

اس عبارت میں شیخ تھانوی نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، بلکہ ہر آدمی، بچوں، پاگلوں، حیوانات اور بہائم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ شیخ تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم غیب باعطاء الہی حاصل ہے۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۵، مطبوعہ لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم ﷺ کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں، اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۰، مطبوعہ لاہور)

نیز شیخ چاند پوری لکھتے ہیں:

صاحب حفظ الایمان کا مدعی تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۳، مطبوعہ لاہور)

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے، جیسے باوجود عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے عالم الغیب کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔

نیز شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اول: میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلا واسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو، وہ مخلوق کے لیے ہو سکتا ہے، مگر اس سے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔ (حفظ الایمان، ص ۱۳، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)

اس قسم کی عبارات بہت ہیں۔ ہم نے یہ غرض اختصار چند عبارات نقل کی ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب مقام ولایت و نبوت میں ہے۔ بہر حال ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کو عطاء الہی سے علم غیب حاصل ہے، جیسا کہ شیخ چاند پوری نے اس کی تصریح کی ہے، اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت درست ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں، غیب کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں فرق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ہیں جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۳۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

نیز مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر یہ رسول کی تعظیم کا وہ غلو ہو گا جو عیسائیوں نے اختیار کی کہ رسول کو خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ اسی کا نام شرک ہے۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۵۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

ہمارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں مساوات کا قول کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے، اور نبی ﷺ کا علم حادث اور متناہی ہے، اللہ تعالیٰ کا علم از خود اور بے تعلیم ہے، نبی ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تعلیم سے ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک قطرہ کو جو نسبت سمندر سے ہے، نبی ﷺ کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے، کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کے علم اور اللہ کے علم میں متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے، بلکہ ایک ذرہ کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا علم، اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے، کیونکہ آپ کو ایک ذرہ کا علم متناہی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجہ سے ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

تبیان القرآن

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارح و تدبیر فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو

سوم: علم کا سردی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو

چهارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو

پنجم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقت، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ

(مستقبلہ) موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان پانچ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل و علا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو

ان پانچ وجہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو، حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہی کے لیے عقول مفارقتہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک

ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے، یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام، ص ۷۰-۶۹، مطبوعہ الایمان پریس لاہور، ۱۳۱۲ھ)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت

ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑوں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی

کی متناہی سے۔ (المفہوم، ج ۱، ص ۳۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

لوح محفوظ کا بیان

اسی آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی تھی کہ اسی کے پاس غیب کی جابیاں

ہیں اور اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا اور آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان

فرمائی۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی

تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مغیبات کو جانتا ہے، اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام

موجودات کو محیط ہے، زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے،

درخت کے پتوں میں سے کب اور کس جگہ کوئی پتہ گرتا ہے؟ نباتات، جمادات اور حیوانات کی تمام حرکات اور ان کے تمام احوال

اس کے علم میں ہیں، اور مکلفین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں بوئے ہوئے بیج اور

زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں کوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال، کوئی چیز اس کے علم سے

باہر نہیں۔ جو تر اور خشک، زندہ یا مردہ، پھل یا کوئی دانہ زمین پر گرتا ہے، وہ سب سے واقف ہے اور ان میں سے ہر چیز کو اس نے

لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور اس کی موت اور حیات، موت اور مابعد الموت کے تمام کوائف اس میں لکھے

ہوئے ہیں اور ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے بھی پہلے اس نے تمام مخلوق کے احوال اس

میں لکھ دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي سَمَاءٍ

لَا يَكُنْ مِنْكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ

زمین میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں

لیکن مصیبت ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی

تبیان القرآن

جلد سوم

ذَالِكُمْ عَلَى اللَّهِ بَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَآفَاتِكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُفْرًا مِّنْكُمْ وَلَا مَخْتَالًا فَخُورٍ ۝ (الحديد: ۲۲-۲۳)

ہوئی ہے۔ یہ بے شک اللہ پر بہت آسان ہے، تاکہ اگر کوئی چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے تو تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے، تم اس پر اترایا نہ کرو، اور اللہ کسی اترانے والے منکر کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی تھیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم، قدر، ۱۶، (۲۶۵۳) ۶۶۲۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۱۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۶۱۳۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۵۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ص ۷۷، ۳)

کائنات کے وجود سے پہلے ازل میں اللہ تعالیٰ کو جو اس کائنات کا علم تھا، اس کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کے مطابق اس کائنات میں جو کچھ ہونا تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ افلاک کی حرکت اور سورج کی گردش سے دن رات، اور ماہ و سال کا تعین ہوتا ہے، اس لیے افلاک کے پیدا کرنے سے پہلے زمانہ اور سالوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے اتنی مدت پہلے لوح محفوظ میں لکھا کہ اگر آسمان وغیرہ ہوتے تو اتنی مدت میں پچاس ہزار سال گزر جاتے اور یا پچاس ہزار سال مدت کے طویل ہونے سے کناہیہ ہے۔

اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تحریف اور شیطان کی رسائی سے محفوظ ہے، یا یہ محو اور اثبات سے محفوظ ہے، کیونکہ محو اور اثبات فقط فرشتوں کے صحیفوں میں ہوتا ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ بھلائی نہیں گئی۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے، تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔ (الانعام: ۶۰)

نیند کا وفات صغریٰ ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم بیان فرمایا تھا کہ غیب اور شہادت کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ رات میں تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور دن میں پھر تمہاری روح لوٹا دیتا ہے اور تمہارے اس سونے اور جاگنے میں حشر و نشر کی دلیل ہے، اور بالآخر تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بلاشبہ سونے والا زندہ ہوتا ہے۔ وہ سانس لیتا ہے اور کروٹیں بدلتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کس طرح درست ہو گا اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہیں۔ ایک روح کا تعلق احساس کے ساتھ ہے اور دوسری روح کا تعلق حیات اور حرکت بالارادہ کے ساتھ ہے۔ جب انسان سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کی ارواح حساسہ ظاہر سے باطن میں چلی جاتی ہیں، اس لیے اس کے حواس ظاہرہ عمل کرنے سے معطل ہو جاتے

ہیں اور نیند کے وقت اس کے جسم کا ظاہر بعض اعمال سے معطل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت اس کا پورا بدن ہر قسم کے عمل سے معطل ہو جاتا ہے، اسی طرح نیند اور موت کی حالت میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور اس اعتبار سے نیند پر بھی موت اور وفات کا اطلاق صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تمہیں دن میں اٹھارتا ہے، یعنی تمہاری ارواح حساسہ پھر باطن سے ظاہر میں لوٹا دی جاتی ہیں اور تمہارے قوی ظاہرہ پھر کام کرنے لگتے ہیں، تاکہ تم وہ کر سکو جو تمہارے لیے مقدر کیے گئے ہیں اور جو عمر طبعی تمہارے لیے مقدر کر دی گئی ہے، اس کو تم پورا کر سکو، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سونے اور جاگنے کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے، تاکہ تم اپنی طبعی حیات کو پورا کر لو، پھر تم نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ تم کو خبر دے گا کہ تم اپنی راتوں اور دنوں میں کیا کام کرتے تھے۔

نیند وفات صغریٰ ہے اور موت وفات کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وفاتوں کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی فرمایا ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَاللَّيْلَ لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَبِئْسَ الْقَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَ يُرْسِلُ الْأَخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

(الزمر: ۴۲)

جن کی موت کا وقت ہو اللہ ان کی جانوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت کا وقت نہ ہو ان کی جانوں کو (بھی) نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جن کی موت کا حکم فرمادیا ان کی جانوں کو روک لیتا ہے اور دوسری (جانوں) کو ایک وقت مقررہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا، یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۲۳، مسند البرزازی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۱، طبع الاولیاء، ج ۷، ص ۹۰، علل متناہیہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، کمال ابن عدی، ج ۳، ص ۱۵۳۳، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۴۱۵)

حافظ المہیشی نے کہا ہے کہ مسند البرزازی کی سند صحیح ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۗ حَتَّىٰ إِذَا

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے

جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفْرَكُونَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ

کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے، پھر وہ

رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَهُمُ الْحَقُّ ۗ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۲﴾

اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے، سنو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً

آپ کہیے نہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر

لَيْنٌ اَنْجِسْنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يَنْجِيْكُمْ

وہ نہیں اس (مصیبت) سے بچائے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس

مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰی

(مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو ○ آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ

اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْضِكُمْ

تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں

اَوْ يَلِيْسَكُمْ شَيْعًا وَّيَذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَعْضًا اَنْظُرْ كَيْفَ

تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے دیکھیے ہم کس طرح

نُصِرْفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذٰبٍ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں ○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی

الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبِيٍّ مَّسْقُوْرٌ

حق ہے آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور عنقریب تم جان لو گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ (الانبیاء)

(الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلائل تھے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں پر قابض ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی عدم پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے اور کبھی وجود پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو وجود سے عدم کی طرف لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اس کی ضد سے قہر فرماتا

ہے۔ مثلاً نور پر ظلمت کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور ظلمت پر نور کے ساتھ دن پر رات کے ساتھ اور رات پر دن کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ حیات پر موت کے ساتھ موت پر حیات کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور یہ قہر کا ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر اس کی ضد کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ
اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ (یونس: ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لیے بنایا ہے اور رات نیند کے لیے بنائی ہے۔ اگر انسان دن میں نیند کا معمول بنانا چاہیں اور رات کو کام کاج کا معمول بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ وہ قہر رات کو سونے اور دن کو کام کاج پر مجبور ہیں۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان جاگنا چاہتا ہے اور نیند اس پر غالب آجاتی ہے اور کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے اور اس کو نیند نہیں آتی، صحت اور بیماری اور حیات اور موت میں انسان کا مغلوب ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غالب ہونا اور بھی واضح ہے۔

کرآما کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض

اس کے بعد فرمایا اور وہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ حفظہ، حافظ کی جمع ہے۔ جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بندوں کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ قہار سے منقول ہے کہ وہ عمل، رزق اور معاد حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے رات کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں اور دو دن کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں۔ ایک فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ برائیوں کو لکھتا ہے اور مباح کاموں کے لکھنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل پانچ فرشتے حفظہ ہیں۔ دو دن کے دورات کے اور ایک فرشتہ وہ ہے جو دن رات میں سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتا۔

کرآما کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اور بے شک تم پر ضرور حفاظت کرنے والے (فرشتے مقرر) ہیں، معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (فرشتے) ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوتا ہے، وہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے اس کو لکھنے کے لیے ایک نگہبان (فرشتہ) تیار ہوتا ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝
يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار: ۱۰-۱۲)
إِذْ يَتَلَقَى الْمُتَلَقِيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۱۸-۱۷)

اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا، پس آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں (اندکور) ہے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا نوشتہ اعمال ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے نہ بڑا گناہ، مگر اس کا احاطہ کر لیا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا، وہ سب اپنے سامنے موجود

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوبِلْتَنَا مَا لِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْضَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (الكهف: ۳۹)

پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

کرانا کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزارا ہے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے، حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے جس وقت ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵۵، صحیح مسلم، المساجد ۲۱۰، سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم برہنگی سے احتراز کرو، کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے بیت الخلاء اور عمل ترویج کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے، تم ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۰۹، شعب الایمان، ج ۶، رقم الحدیث: ۷۷۳۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔

ابراہیم تمیمی بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتے کا امیر ہوتا ہے، جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے، رک جاؤ، شاید یہ توبہ کر لے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ جو دائیں جانب ہے، وہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے، وہ برائیاں لکھتا ہے۔ (جامع البیان، ج ۲، ص ۲۰۵، ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت) خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیانے الندیہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا دائیں جانب ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں جانب ہے، جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا اس نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور جب وہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں جانب والے سے کہتا ہے، اس کو چھوڑ دو، حتیٰ کہ یہ توبہ کرے یا استغفار کرے۔ پھر جب جمعرات کا دن آتا ہے تو اس وقت تک جو نیکیاں اور برائیاں ہوں، وہ لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر یہ نوشتہ لوح محفوظ پر پیش کیا جاتا ہے، تو اس میں یہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابن ابی الدنیانے ابن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے رک جاؤ، پھر اگر بندہ استغفار کرے تو وہ اس کو وہ گناہ لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ استغفار کی بجائے گناہ پر اصرار کرتا ہے، تو وہ اس گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

(الدر المشور، ج ۷، ص ۵۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاسماعیلی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

تبیان القرآن

ابن جریج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔ جو دائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر بندہ بیٹھ جائے تو ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں جانب اور اگر بندہ چلنے لگے تو ایک فرشتہ بندہ کے آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے اور اگر وہ سو جائے تو ایک فرشتہ اس کے سر کی جانب ہوتا ہے اور ایک پیروں کی جانب اور ابن السبارک رحمہ اللہ نے کہا انسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں دو فرشتے رات کے دو دن کے یہ آتے جاتے رہتے ہیں اور پانچواں فرشتہ دن رات کے کسی وقت میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۵۲۱، ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۳ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین السعفی المتوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی مسلمان کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو فرشتہ سے فرماتا ہے: اس کے اس عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا پھر اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو غسل سے پاک کرتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلم اپنے جسم کی کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض میں اس کی صحت کے ہر نیک عمل کو لکھتا رہتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۳، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندہ مومن کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو جو فرشتے اس کے عمل لکھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ تو اب ہمیں اجازت دے تو ہم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرا آسمان ان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ عرض کریں گے تو کیا ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کر رہی ہے، وہ کہیں گے پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا تم میرے اس بندہ کی قبر پر قیام کرو اور سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو اور قیامت تک اس کو میرے اس بندہ کے لیے لکھتے رہو۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۱، مطبوعہ بیروت)

آیا دل کی باتوں کو کرمانا کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس نیکیاں لکھ لو۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے اور ایک روایت اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب اتیرا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، حالانکہ اسے گناہ پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا انتظار کرو، اگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر اس کو ترک

کردے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو، کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۰۵، ۲۰۳، ۲۲۷ (۱۲۸)، صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۵۰۱، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۸۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۰۰)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کے احوال اور نیات پر مطلع نہیں ہوتے۔

امام عبد اللہ بن محمد ابو الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

نمرہ بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں، اس عمل کو وہ بہت زیادہ اور بہت بابرکت گمان کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی سلطنت میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے، اس عمل کو لے کر پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرماتا ہے، تم میرے بندے کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہو، اور میں اس کے دل کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ میرے اس بندہ نے یہ عمل میرے لیے اخلاص سے نہیں کیا، اس کو بھیج (جنم کی ایک وادی) میں ڈال دو اور وہ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھیں گے، اور اس عمل کو بہت کم گمان کریں گے۔ پھر وہ اللہ کی سلطنت میں سے جہاں تک اللہ چاہے گا، اس عمل کو لے کر پہنچیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرمائے گا تم حفاظت کرنے والے ہو اور جو کچھ اس کے دل میں ہے، میں اس پر نگہبان ہوں۔ اس کے اس عمل کو دگنا چوگنا کر دو اور اس کو علیین میں ڈال دو۔

(کتاب العظما، رقم الحدیث: ۵۲۲، ص ۱۸۵، مطبوعہ بیروت، کتاب الزهد لابن المبارک، رقم الحدیث: ۳۵۲، مطبوعہ بیروت)

امام ابن المبارک کی روایت میں ہے میرے اس بندے نے اخلاص سے عمل کیا ہے، اس کو علیین میں لکھ دو۔

یہ ظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور سنن ترمذی اور سنن نسائی کی روایت ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے، وہ کتاب العظما اور کتاب الزهد کی روایت ہے اور ثانی الذکر کتابیں اول الذکر کتابوں کے پائے کی نہیں ہیں۔ نیز اول الذکر حدیث متصل ہے اور ثانی الذکر مرسل روایت ہے اور اول الذکر سند صحیح ہے اور ثانی الذکر سند ضعیف ہے۔ اس لیے ترجیح پہلی حدیث کو ہے اور راجح یہی ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر بھی مطلع ہوتے ہیں اور موخر روایت کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریا اور اخلاص کو مستثنیٰ فرمایا ہے، اخلاص کو مخفی رکھا، تاکہ قیامت کے دن اس بندے کی عزت افزائی کی جائے اور ریا کو مخفی رکھا، تاکہ ریاکار کے عمل کی قیامت کے دن زیادہ رسوائی ہو، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ جنت کے قریب ہوں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے، اور جنت کے محلوں کی طرف دیکھیں گے اور ان چیزوں کی طرف دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کی ہیں تو ان کو ندا کی جائے گی کہ جنت سے واپس آ جائیں، ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ جنت سے واپس آئیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! کاش! تو ہمیں اپنا ثواب دکھانے سے پہلے اور اپنے اولیاء کے لیے جو تو نے نعمتیں تیار کی ہیں ان کو دکھانے سے پہلے ہمیں دوزخ

میں داخل کر دیتا تو یہ ہم پر آسان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا کہ جب تم خلوت میں ہوتے تو میرے ساتھ بہت بڑا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے تم میرے لیے عاجزی کرتے تھے۔ تم لوگوں کے لیے دکھاوا کرتے تھے اور تم اپنے دلوں سے مجھے اس کے خلاف دیتے تھے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے اور تم لوگوں کو بزرگ جانتے تھے اور مجھے بڑا نہیں جانتے تھے۔ سو آج میں تم کو دردناک عذاب چکھاؤں گا اور تم کو ثواب سے محروم کروں گا۔

(المعجم الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۷۴، المعجم الکبیر، ج ۱۷، رقم الحدیث: ۱۹۹، ص ۸۶، حلیۃ الاولیاء، ج ۴، ص ۱۲۵-۱۲۴، شعب

الایمان، ج ۵، رقم الحدیث: ۶۸۰۹، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۲۲۰)

اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں

اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے والے فرشتے ہر روز بدلتے ہیں یا اخیر عمر تک وہی فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بہر حال ثابت ہے کہ دن اور رات کے فرشتے بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ بندہ کی موت کے بعد فرشتے کیا کرتے ہیں؟ بعض نے کہا وہ آسمان پر جا کر عبادت کرتے ہیں، لیکن ہم شعب الایمان کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ وہ قیامت تک اس بندے کی قبر پر بیٹھ کر اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

کرانا کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک حکمت تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے سامنے اس کے خلاف ایک مادی حجت قائم کر دی جائے، تاکہ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے انکار نہ کر سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس کے اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور برسر محشر لوگوں کے سامنے یہ اعمال پیش کیے جائیں گے، تو لوگوں کے سامنے اپنی برائیاں اور بے حیائیاں کھلنے کے خوف سے وہ برے اور فحش کاموں کے ارتکاب سے باز رہے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ابن آدم کی پیدائش پر یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فتنہ و فساد کرے گا اور جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی نیکیاں لکھیں گے تو ان پر ابن آدم کی پیدائش کی حکمت کامل طریقہ سے واضح ہوگی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کے اعمال میزان میں وزن کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال از قبیل اعراض ہیں، لہذا ہو سکتا ہے کہ اعمال کے وزن کرنے سے مراد صحائف اعمال کا وزن کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ (الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ، ملک الموت اور فرشتوں کی طرف قبض روح کی نسبت کی وضاحت

قرآن مجید میں بندہ کی روح قبض کرنے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے، ملک الموت کی طرف بھی ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲)
قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (السجدة: ۱۱)

موت کے وقت اللہ جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے۔
آپ کہئے کہ موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں۔ (الانعام: ۶۱)

ان آیات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے کا فاعل حقیقی ہے اور ملک الموت کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ ظاہری فاعل ہے اور روح قبض کرنے

والے فرشتوں کا نہیں ہے، اور دوسرے فرشتوں کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ روح قبض کرنے میں ملک الموت کے اعوان اور انصار ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ انسان کے درجہ اور مقام کے اعتبار سے احوال مختلف ہوتے ہیں، اس لیے بعض انسانوں کی روح اللہ تعالیٰ بلا واسطہ قبض کرتا ہے، بعض کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور بعض کی دیگر فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ پس جب وہ کوئی نیک شخص ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں، 'اے پاکیزہ روح نکلو تم پاکیزہ جسم میں تھیں، تم تعریف کی ہوئی باہر آؤ، تمہیں خوشی اور مسرت کی نوید ہو اور رب کے راضی ہونے کی بشارت ہو۔ اس کو یونہی کہا جاتا ہے گا، حتیٰ کہ روح باہر آجائے گی۔ پھر وہ روح آسمان کی طرف چڑھے گی۔ اس کے لیے آسمان کو کھلوا یا جائے گا۔ پوچھا جائے گا، یہ کون ہے؟ پھر اسے بتایا جائے گا، یہ فلاں ہے! آسمان والے کہیں گے، پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو، یہ پاکیزہ جسم میں تھی، تم تعریف کی ہوئی داخل ہو۔ تمہیں خوشی اور مسرت کی بشارت ہو، اور رب کے راضی ہونے کی نوید ہو۔ اس سے یونہی کہا جاتا ہے گا، حتیٰ کہ وہ اس آسمان (عرش الہی) میں پہنچے گی، جس پر اللہ عزوجل جلوہ فرما ہے۔ اور جب مرنے والا کوئی برا شخص ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں نکل اے خبیث (بلاک) روح! تو خبیث جسم میں تھی، نکل تو ذمت کی ہوئی ہے۔ تجھے کھولتے ہوئے بدبودار پانی کی بشارت ہو، اور اسی قسم کے اور پانی کی۔ اسے یونہی کہا جاتا ہے گا، حتیٰ کہ وہ روح جسم سے نکلے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جائے گا، اور اس کے لیے آسمان کو کھلوا یا جائے گا۔ پوچھا جائے گا، یہ کون ہے؟ پھر بتایا جائے گا، یہ فلاں ہے! پھر کہا جائے گا، اس بلاک روح کا آنا مبارک ہو، یہ بلاک جسم میں تھی، تو ذمت کی ہوئی واپس ہو جا، تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا، پھر قبر تک پہنچے گی۔

علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۵۳، مطبوعہ

دار الحدیث، القاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۶۵-۳۶۴، طبع قدیم، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۶۲)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم کو لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے روح!) نکلو اور آنچائیکہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو، تم اللہ کی راحت اور خوشی کی طرف نکلو، اور رب کی رضا کی طرف نکلو۔ پھر روح مشک کی پاکیزہ خوشبو کی طرف نکلتی ہے، حتیٰ کہ بعض فرشتے اس روح کو لیتے ہیں اور اس کو آسمان کے دروازے کی طرف لاتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں، یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے؟ پھر وہ اس روح کو مومنین کی ارواح سے ملاتے ہیں اور وہ روحوں میں اس روح سے مل کر اسی طرح خوش ہوتی ہیں، جیسے کوئی شخص اپنے پھڑے ہوئے دوست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے؟ فلاں شخص کیسا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑو، وہ دنیا کے غم میں ہے اور جب وہ کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، اور جب کافر کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کو لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں، نکل در آنچائیکہ تو اللہ سے ناراض ہے

اور اللہ تجھ سے ناراض ہے۔ تو اللہ کے عذاب کی طرف نکل، تو وہ انتہائی ناگوار بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو زمین کے دروازہ کی طرف لاتے ہیں اور زمین والے کہتے ہیں، یہ کیسی ناگوار بدبو ہے؟ پھر وہ اس کو کفار کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۱۳، المستدرک، ج ۱، ص ۳۵۳)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشم میں مفک اور گل ریحان کے ٹکڑے لے کر آتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے روح اس طرح نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے سے بل نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے، اے پاکیزہ روح! اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف راضیہ اور مرضیہ ہو کر چلو، اور اس کو ریشم میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ میں انگارے لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے اس کی روح کو کھینچتے ہیں اور کہا جاتا ہے، اے ناپاک روح! نکل در آنجا، تو اللہ سے ناراض ہے اور اللہ تجھ سے ناراض ہے، نکل اللہ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف۔ اور جب روح نکل جاتی ہے تو اس کو اس انگارے پر رکھ کر ٹاٹ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو بحین کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ (شرح الصدور، ص ۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے۔ سنو! اسی کا حکم ہے اور وہ سب

سے جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۳)

اللہ تعالیٰ کے مولیٰ اور حق ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے، پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا ایسا مولیٰ ہے جو حق ہے۔ مولیٰ کا ایک معنی ہے آزاد کرنے والا، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عذاب سے آزاد فرمادے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (مسند الحمیدی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۱۲۶) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی اضافت اپنے بندوں کی طرف فرمائی ہے، یعنی ان کا مولیٰ اور یہ اضافت انتہائی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا ان کا مولیٰ جو حق ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان باطل آقاؤں کے ماتحت تھا اور وہ نفس، شہوت اور غضب کے احکام کی اطاعت کرتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا

(الفرقان: ۴۳) معبود بنالیا۔ اور جب انسان مرجاتا ہے تو باطل آقاؤں کے احکام کی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اپنے حقیقی مولیٰ کے زیر تصرف آ جاتا ہے۔

روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان کی حقیقت یہ جسم نہیں ہے، بلکہ یہ روح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ انسان مرجائے گا اور مرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اس مردہ جسم کا اللہ کی طرف لوٹانا تو ممکن نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کی روح کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے روح موجود تھی، کیونکہ اس عالم سے اللہ کی بارگاہ کی طرف روح کا لوٹانا اسی وقت ہو سکتا ہے جب روح پہلے سے موجود

ہو اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

ارْجِعْنِي إِلَىٰ رَبِّكَ (الفجر: ۲۸)

اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۶۰-۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر

امام رازی کی اس تقریر سے معاد جسمانی کا انکار لازم آتا ہے، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انسان کا حشر روح مع الجسم ہوگا اور اس مردہ جسم کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا، اور جسم میں روح ڈال کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس جسم کے زندہ کیے جانے اور اللہ کے سامنے اس کے پیش کیے جانے پر دلائل مذکور ہیں:

وَقَالُوا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا
لَمُبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ
الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ
يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اٰجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ
فَابٰى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

(بنو اسرائیل: ۹۸-۹۹)

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ
يُحْيِيْهَا الَّذِي اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ (يس: ۷۹-۷۸)

اور انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے، کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان کی مثل بنانے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، پس ظالموں نے کفر کرنے کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہتے ہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح نہیں لوٹائی جائے گی، بلکہ روح اور جسم دونوں لوٹائے جائیں گے اور انسان صرف روح کا نام نہیں ہے، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پیدا ہونے کے بعد جسم کی ساخت اور اس کے تشخص میں عمر کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد جسم بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور انسان واحد کی حقیقت اور اس کا تشخص تو معین اور غیر متبدل ہونا چاہیے اور وہ تعین تو صرف روح میں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں اجزاء املیہ ہوتے ہیں جو اس کے جسم کے تمام مختلف ادوار میں مشترک رہتے ہیں، اور جب جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، تب بھی وہ اجزاء باقی رہتے ہیں اور ان ہی اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور انسان کی حقیقت اور اس کے تشخص کا دار روح اور ان اجزاء املیہ پر ہے۔

جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر

البتہ! امام رازی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ روح کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا روحمں مجتمع لشکر ہیں، جو ان میں سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں، اور جو ایک دوسرے سے نا آشنا ہوتی ہیں، وہ آپس میں اختلاف کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم، بر ۱۵۹، (۲۶۳۸) ۶۵۸۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳۷، ۵۳۷، ۵۳۷، طبع قدیم)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبیان القرآن

جلد سوم

اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے ابتداء خلقت کی خبر دینا مقصود ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور جب روحوں کا جسموں میں حلول ہو تو ان کی آپس میں شناسائی یا عدم شناسائی عالم ارواح کے اعتبار سے ہوئی، تو روحوں میں جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملیں تو ان کا ایک دوسرے سے متفق یا مختلف ہونا بھی اسی سابق شناسائی یا عدم شناسائی کے اعتبار سے تھا۔ (فتح الباری، ج ۶، ص ۳۶۹، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۱۰۰، مطبوعہ المکتبہ النوریہ الرضویہ، لائلپور، پاکستان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جسموں کے فنا ہونے کے بعد بھی روحوں باقی رہتی ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے شہداء کی روحوں سبز بندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ (عمدة القاری، ج ۱۵، ص ۲۱۶، مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ، مصر، ۱۳۳۸ھ)

حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی نے یہ تو لکھا ہے کہ روحوں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں، لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث کس امام نے کس صحابی سے روایت کی ہے؟ البتہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو عبد اللہ بن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں کی روحوں بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ سو جو روحوں ایک دوسرے سے متعارف تھیں، وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو روحوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھیں، وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ (الروح، ص ۱۵۳-۱۵۴، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۳۱۰ھ)

پھر علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عتبہ بن سکن ہے۔ امام دار قطنی نے اس کے متعلق یہ کہا کہ یہ متروک ہے اور ایک راوی ارطاة بن منذر ہے۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی بعض احادیث غلط ہیں۔ (الروح، ص ۱۶۵، مطبوعہ قاہرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے جس کو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے۔ اس میں اگرچہ دو ہزار سال پہلے کے الفاظ نہیں ہیں، لیکن وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روحوں ایک مجتمع لشکر کی صورت میں پہلے پیدا ہو چکی تھیں، نیز اس کی مزید تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی جس کو وہ ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک بنائی۔ پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انہیں بہت اچھی لگی۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کو داؤد کہا جاتا ہے، حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا اے میرے رب! میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر زیادہ کر دے، جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو یہ عمر نہیں دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔

کیا اور حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ متعدد سندوں کے ساتھ از ابو ہریرہ از نبی ﷺ مروی ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکالا گیا، جس سے یہ واضح ہو گیا کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

نیز امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا جو قیامت تک

پیدا ہونے والے تھے، پہلے ان کو ارواح بنایا، پھر ان کو صورتیں دیں اور گویائی عطا کی وہ بولنے لگے۔ پھر ان سے عمد اور میثاق لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی! (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس عمد سے غافل تھے، اور ہم نے تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ کیا ہے کہ تم یہ کہو کہ ہم کو پتا نہ تھا، یا یہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ سو تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، کیونکہ میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عمد اور میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔ پس انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی ہمارا رب ہے نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تو ان میں غنی اور فقیر اور خوبصورت اور بد صورت لوگوں کو دیکھا۔ تو حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو برابر کر دیتا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے چراغوں کی طرح روشن انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان سے نبوت اور رسالت کا عمد و میثاق لیا گیا اور اس میں ان آیتوں کی تصدیق ہے:

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے نبیوں سے میثاق لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ میثاق لیا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ
مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ
أَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب: ۷)

سو آپ اللہ کی اطاعت کے لیے اپنی ذات کو ثابت قدم رکھیں ادیان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت پر لازم کر لو، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ
(الروم: ۳۰)

یہ ایک ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔ اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں سے عمد کی دفا نہیں پائی اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

هَذَا نَذِيرٌ مِنَ النَّذْرِ الْأُولَى (النجم: ۵۶)
وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا
أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ (الاعراف: ۱۰۲)

پھر نوح کے بعد ہم نے ان لوگوں کی طرف رسول بھیجے جو ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے، کیونکہ وہ اس سے پہلے ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا يَتُوبُونَ
مِمَّا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ (يونس: ۷۴)

پس حضرت عیسیٰ کی روح ان ارواح میں سے تھی جن سے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے عمد لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریم کی طرف بھیجی، جو اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مقام میں آگئی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف سے انہوں نے ایک پردہ بنا لیا، تو ہم نے ان کی طرف اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے سامنے ایک تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔۔۔۔۔ پھر مریم نے اس کو اپنے پیٹ میں لے لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک، ج ۲، ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا اور ان دونوں

حدیثوں کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے کہا کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۱۷۲)

علامہ ابن قیم نے ان دلائل کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ فرشتہ ماں کے پیٹ میں روح پھونکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم کے ساتھ یا اس کے بعد حادث ہوتی ہے، وہ حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے اس کا عمل لکھو اور اس کا رزق، اور شقی یا سعید ہونا، پھر وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ بے شک تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے، پھر وہ دوزخیوں کا عمل کرتا ہے اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے، پھر وہ جنتیوں کا عمل کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، ۳۲۰۸، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۹۳، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۴۵۴، صحیح مسلم، قدر ۱، (۲۶۳۳) ۶۵۹۹، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۳۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۰۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۶، صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۶۱۷۳، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۳، مسند حمیدی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۶، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۶)

ہر چند کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت فرشتہ پھونک مارتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں روح پیدا کرتا ہے، لیکن دوسرے دلائل سے مطابقت کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ کے پھونک مارتے وقت اللہ تعالیٰ اس میں وہ روح بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے پیدا کی جا چکی ہے۔

قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! اسی کا حکم ہے یعنی صورتہ اور معنا ہر طرح اسی کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت ثواب کو واجب نہیں کرتی اور کسی شخص کی معصیت عذاب کو واجب نہیں کرتی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اطاعت کرنے والے کا یہ حق ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثواب عطا کرنے کا حکم دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر چیز پر اسی کا حکم نافذ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے حسب ذیل آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جلد حساب لینے کے متعلق فرمایا ہے:

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَكُمْ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ (الرعد: ۴۱)

اللہ حکم فرماتا ہے اور اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب بہت جلد لے لے گا۔ اور ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص سے حساب لینا اور اس وقت میں کسی دوسرے سے حساب لینا اس کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہوگا۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوبا جاتا ہے، اور بعض حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف یوم کی مقدار میں حساب لے لے گا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حساب نہیں لے گا، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرشتوں کو حساب لینے کا حکم دے گا۔ سو ہر فرشتہ ہر بندے سے حساب لے گا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اور کافروں سے فرشتے حساب لیں گے، کیونکہ اگر اللہ کافروں سے خود حساب لیتا تو ان سے کلام بھی فرماتا، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا، بلکہ غضب کے ساتھ ان سے کلام فرمائے گا اور قرآن مجید کی ظاہر آیتیں اس قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں:

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر شرک کرنے والے لوگوں سے کہیں گے تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ
أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَاءِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُونَ (الانعام: ۲۲)

پس اب تم (اس کا مزہ) چکھو کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔ بے شک ہم نے تمہیں فراموش کر دیا اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو، ان (برے) کاموں کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا
نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ (السجده: ۱۳)

باقی حساب لینے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی، ہم اللہ کے حساب لینے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو عالم الغیب و الشہادۃ کے سپرد کرتے ہیں۔ (روح المعانی، ج ۷، ص ۱۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَبِئْسَ مَا يَدْعُونَ لِيَسْأَلَ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْ سَأَلَ وَلَا جَانِبًا
اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق
(الرحمن: ۳۹) سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے معارض دو سری آیت ہے:
فَوَرَّتِكُمْ كَمَا نَسَّوْنَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا
ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔
(الحجر: ۹۳-۹۴)

ان آیتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کیونکہ ان کے اعمال فرشتے نے لکھے ہوئے ہیں بلکہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔ کسی سے کسی وقت کوئی سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی دوسرے وقت سوال کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی وقت کسی کو اپنا عذر بیان کرنے کی جرات نہیں ہوگی اور کسی وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی جھتیں پیش کریں گے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ
فَيَعْتَذِرُونَ (المرسلات: ۳۶-۳۵)
اس دن وہ نہ کوئی بات کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔
ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُونَ (الزمر: ۳۱)
پھر یقیناً تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے

پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ اس دن کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا وہ جھگڑا کریں گے، اس کا یہی محمل ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔
حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حدیث سنتی تھیں اور اس کو نہ سمجھ پاتیں تو وہ نبی ﷺ سے پوچھتی تھیں، حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا؟

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق: ۸-۷)
پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا اس سے مراد صرف اعمال کو پیش کرنا ہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا (کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۶۳، صحیح مسلم، دیات، ۲۸، (۱۶۷۸) ۳۳۰۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۲، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۱۵)

یہ حدیث حقوق العباد پر محمول ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نمازیں درست ہوئیں تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر نمازیں فاسد ہوئیں تو وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔ اگر اس کے فرض میں کمی ہو تو رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو میرے اس بندہ کے نفل ہیں؟ پھر فرائض کے نقصان کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

(سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۶۳، سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۲۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۲۵، ج ۳، ص ۱۰۳، ج ۵، ص ۷۷، ج ۷، ص ۷۷)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۳۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے، وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خشوع میں جو کمی رہ گئی ہو، وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور میرے نزدیک پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ آپ نے باقی اعمال کا بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے اور زکوٰۃ میں صرف فرض ہے یا نفل ہے، پس جس طرح زکوٰۃ کا فرض فاضل صدقات سے پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح نماز کا فرض بھی نفل سے پورا ہو جائے گا اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے اور اس کا وعدہ بہت نافذ ہونے والا ہے اور اس کا عزم اتم اور اعم ہے۔ (عارضۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز کی سنتوں میں جو کمی رہ جاتی ہے، وہ نوافل سے پوری کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی سنت واجب کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث قدسی ہے جتنا مجھ سے فرائض کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے، اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور شیخ عزالدین نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کے ایک درہم کا آٹھواں حصہ نفلی ہزار درہم سے زائد ہے اور کوئی آدمی ساری عمر نفلی قیام کرے، بلکہ تمام زمانہ قیام کرے تو وہ صبح کی دو رکعت فرض کے برابر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی، ج ۱، شرح الحدیث: ۳۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اللہ کا رات میں ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا، اور اللہ کا دن میں ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا، اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے اللہ نفل کو قبول نہیں کرتا۔ (الحدیث)

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۶۲۸۰، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۸۹۰۲، کتاب الزهد لابن المبارک، رقم الحدیث: ۹۱۳، طبع الاولیاء، ج ۱، ص ۳۶، جامع الاحادیث الکبیر، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۸۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کا قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹے گا، حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی؟ اس نے اپنی جوانی کس کام میں مبتلا کی؟ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں اس کو خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا

یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم ہونہ کوئی متاع ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہو گا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا، وہ شخص بیٹھ جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے اس کو بدلہ دیا جائے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس پر جو حقوق ہیں، ان کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: (۲۵۸۱) صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۱۱، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۰۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۶، ص ۹۳)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، کیا میں نے تیرے لیے کان اور آنکھیں نہیں بنائی تھیں؟ اور کیا مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ کیا تیرے لیے مویشیوں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے سرداری اور خوش حالی نہیں دی تھی؟ پھر کیا تو مجھ سے اس دن ملاقات کا یقین رکھتا تھا، وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج میں تجھے اس طرح فراموش کر دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا، حتیٰ کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے گھیر لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا (فرمائے گا) تم فلاں گناہ پہچانتے ہو؟ وہ دوبار کہے گا اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارا ردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا، باقی رہے کفار تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے پکار کر بلایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸۵، صحیح مسلم، توبہ، ۵۲، (۲۷۶۸) ۶۸۸۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۳۲، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ضرور اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا، ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پس کہا جائے گا اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کر دو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا، وہ کہے گا ہاں! اور اس کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں اس کے بڑے بڑے گناہ نہ پیش کر دیئے جائیں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ تب وہ شخص کہے گا اے میرے رب میں نے تو اور بھی بہت سے کام کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیوں کا ہر گونہ۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۳۱۳، (۱۹۰) ۳۵۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہزار کے ساتھ ستر ہزار (مزید) ہوں گے اور میرے رب نے دونوں ہاتھوں سے تین بار لپ (بک) بھرنے کا وعدہ کیا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۳۳۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۶، صحیح ابن حبان، ج ۱۷، رقم الحدیث: ۷۲۳۶، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۳۸۱، المعجم الکبیر، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۶۷۲)

حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہ، تابعین اور علماء کے نظریات علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

حساب کی کیفیات اور اس کے احوال مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض کا حساب آسان ہوگا اور بعض کا حساب مشکل ہوگا، بعض کے ساتھ عدل ہوگا، بعض پر فضل ہوگا، بعض کی تکریم ہوگی، بعض کی زجر و توبیخ ہوگی، بعض سے درگزر ہوگا اور بعض کی گرفت ہوگی۔ اور یہ سب اس اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

سب سے پہلے علماء، مجاہدوں، مال داروں اور خوش حالوں سے حساب لیا جائے گا۔ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہوگا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "لا الہ الا اللہ" کے متعلق سوال ہوگا اور ضحاک نے کہا لوگوں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور علامہ قرطبی نے کہا تمام اقوال اور افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنو اسرائیل: ۳۶)

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر: ۹۳-۹۴)

امام رازی کا بھی یہی رجحان ہے کہ ہر کام کے متعلق سوال ہوگا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم ان سب سے سوال کریں گے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعلق اس آیت میں تصریح ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: ۶)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے، اور بے شک ہم رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بہ شمول انبیاء علیہم السلام ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ البتہ ان سے بہ طور مناقشہ سوال نہیں ہوگا، بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ سوال کیا جائے گا اور احادیث میں جن کے متعلق یہ بشارت ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ ان آیات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ رسالت کے متعلق سوال ہوگا اور کفار سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ علامہ بلبانی نے لکھا ہے کہ کفار نے جو نیک کام کیے ہیں، ان سے ان کے عذاب میں تخفیف متوقع ہے (یہ صحیح نہیں ہے، قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف

نہیں کی جائے گی۔ لا ینخفف عنہم العذاب ولا ہم ینظرون (البقرہ: ۱۷۲)

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے تنہائی میں حساب لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، جیسا کہ کتاب اور سنت میں ہے، اور جن لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جاتا ہے کفار سے اس قسم کا حساب نہیں لیا جائے گا، کیونکہ ان کی کوئی نیکیاں نہیں ہیں، لیکن ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا، ان سے ان کا اقرار کرایا جائے گا۔

نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ایک قدم بھی چلتا ہے، اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا۔ امام ترمذی، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام بغوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا، کیا میں نے تمہارے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن تم سے سایہ، ٹھنڈے پانی اور کھجور کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امام احمد، امام بیہقی، اور امام ابو نعیم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق بندہ سے سوال نہیں کیا جائے گا، دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ، روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکے اور کپڑے کا اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنی شرم گاہ ڈھانپ سکے۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ حضرت ابی عیوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر نبی ﷺ کو پیش کیا، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اس کو کھلایا، پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منگا کر پیا۔ پس فرمایا قیامت کے دن تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! ان چیزوں کے متعلق بھی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! سو ان تین چیزوں کے، وہ کپڑا جس کے ساتھ شرم گاہ کو لپیٹا جاسکے، روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک مٹائی جاسکے اور اتنا حجرہ جو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لیے کافی ہو۔

حساب کو آسان کرنے کا طریقہ

امام طبرانی، امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں، اللہ اس سے آسان حساب لے گا، اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا، وہ کیا خصلتیں ہیں؟ فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔ جو تم پر زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔

امام اصہبانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ جب تم صبح اٹھو یا جب شام ہو تو تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کر لو، کیونکہ اس سے تمہارا حساب زیادہ آسان ہو گا۔ امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ اس نے کہا رب کعب کی قسم! ہماری نجات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

غصہ کرنا اور انتقام لینا یہ کریم کی عادت نہیں ہے۔

مذکورہ صدر احادیث میں ہے کہ تم کسی کی زیادتی معاف کر دو، اس سے تمہارا حساب آسان ہو گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دو، اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تکزیم کے لیے اللہ تعالیٰ حساب کے وقت ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا اور کفار کی اہانت کے لیے ان سے خود کلام نہیں فرمائے گا، بلکہ فرشتے ان سے حساب لیں گے۔

(لوامع الانوار البیہ، ج ۲، ص ۱۷۷-۱۷۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے، آپ کہئے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو! (الانعام: ۶۳-۶۴)

مصیبت نل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور ان کے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی رحمت، اس کے فضل اور اس کے احسان پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی، رات کا اندھیرا، گہرے بادلوں کا اندھیرا، بارش اور آندھیوں کا اندھیرا ہے، اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا، بادلوں کا اندھیرا اور موجوں کے تلاطم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی، ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید، نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس وقت وہ زبان اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ماویٰ و پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریاد رس اور دستگیر ہے تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے، لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے، جب وہ مشکلات کے بھنور سے نکل جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کو مادی اسباب کی وجہ سے یہ نجات ملی ہے، اور پھر وہ اخلاص اور رجوع الی اللہ کو ترک کر دیتا، اور اپنی خواہشات کے تراشیدہ بتوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور عاجزی سے گڑگڑاتا ہے اور اس کی طرف اخلاص سے متوجہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا مطیع، فرمانبردار اور شکر گزار بن کر رہے گا، لیکن جیسے ہی وہ امن اور سلامتی کو پالیتا ہے۔ وہ پھر اپنی سابقہ روش پر لوٹ جاتا ہے۔

بہ ظاہر اس آیت میں مشرکین کو زجر و توبیح کی گئی ہے اور ان کے طریقہ کار کی مذمت کی گئی ہے، لیکن یہ صورت حال ان

مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں، لیکن جب ان پر اچانک کوئی آفت آٹوٹی ہے اور انہیں اس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا، تو بے اختیار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے، تو پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور اپنے عیش و طرب اور لہو و لعب میں مست اور بے خود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاتُهُ فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا

(بنی اسرائیل: ۶۷)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِمْ إِذَا حَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نِسَىٰ مَا كَانَ يُدْعُوا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِّلْهِ آدَاةً لِّبُضْلٍ عَنْ سَبِيلِهِ

(الزمر: ۸)

اور جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے، اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے، پھر جب اللہ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اس سے پہلے وہ اللہ کو پکارتا تھا، اور اللہ کے لیے شریک قرار دیتا ہے، تاکہ اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھئے! ہم کس طرح بار بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ (الانعام: ۶۷)

اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام

اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین وغیرہ جب مصائب میں اخلاص کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں تو وہ ان کو ان مصائب اور آفات سے نجات دے دیتا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے تم پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے، تاکہ مشرکین عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک نوع کی دلیل ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور ظالم حکام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہولناک آواز ہے یا آندھی ہے یا پتھروں کا برسنا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد سخت طوفانی بارشیں ہیں، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور بدکار نوکر اور خدام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ، اور زمین میں دھنسنے کا عذاب۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ مجاہد نے کہا اس امت کے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا عذاب ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے اور جنہوں نے تکذیب کی ان کا عذاب

کڑک اور زلزلہ ہے۔

اوپر سے عذاب نازل ہونے کی مثال یہ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفانی بارشیں ہوئیں، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسے یا جیسے ابرہہ کے ہاتھیوں پر اباہیلوں نے کنکریاں برسائیں اور جو عذاب پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوا اس کی مثال زلزلے ہیں، اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یا بارش اور فصلوں کی پیداوار روک کر قحط کا عذاب نازل کیا گیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی ”او من تحت ارجلکم“ تو آپ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی او یلبسکم شیعا و یدیق بعضکم بعضا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ زیادہ سہل اور زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۸، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۵)

امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرمانا

اس آیت میں فرمایا ہے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگ و نسل اور زبان اور فقہی و اعتقادی نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔ نیز فرمایا اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے یہ امت باہم جدال اور قتل کرے گی۔ نبی ﷺ نے دعا کی کہ آپ کی امت کو اللہ ان تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر اور نیچے سے دیئے جانے والے عذابوں سے حفاظت کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی اور امت کے آپس کے تفرقہ اور لڑائیوں سے حفاظت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا، جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا، سو میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا، اور یقیناً جتنی زمین میرے لیے لپیٹی گئی ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا، اور مجھے سرخ اور سفید (سونے اور چاندی کے) دو خزانے دیئے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو عام قحط سے نہ ہلاک کرے، اور یہ کہ ان کے اوپر ان کا ایسا مخالف دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل ختم کر دے۔ تب میرے رب نے فرمایا اے محمد! جب میں کوئی تقدیر بنا دیتا ہوں تو وہ مسترد نہیں ہوتی اور میں نے آپ کی امت کے لیے یہ کر دیا ہے کہ میں ان کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا، اور یہ کہ میں ان پر ان کا مخالف ایسا دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کو بالکل ختم کر دے، خواہ وہ تمام روئے زمین سے ان کے اوپر چڑھائی کرے، حتیٰ کہ آپ کی امت کے بعض افراد بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو قید کریں گے۔

(صحیح مسلم، فتن، ۱۹، (۲۸۸۹) ۱۲۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۵۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۲، سنن النسائی،

ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۳۷، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۳۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۵۲، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث:

۳۶۲۲، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۱۱۰۹، جامع البیان، جز ۷، ص ۲۹۱)

تبیان القرآن

جلد سوم

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک سے منع کر دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا، اور میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو یہ مجھے عطا کر دیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض، بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرمادیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

(سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر ان کا مخالف دشمن نہ مسلط کیا جائے جو ان کو بالکل ختم کر دے اور ان پر قحط نہ مسلط کیا جائے اور وہ گمراہی پر متفق نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے یہ سوال کیا کہ وہ متفرق نہ ہوں اور بعض، بعض سے لڑائی نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”ویدبق بعضکم باس بعض“ (السخ) (الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نہ نیچے سے عذاب بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو چکھایا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادی ہیں اور دو چیزوں کے سوال سے منع فرمادیا ہے۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پیروں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے، کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لیے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کر دیا ہو، لیکن وہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور ان دو قسموں کے عذاب ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آپ کی زندگی میں آپ کی امت کو اس قسم کے فتنوں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۹۲-۲۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ان تمام احادیث اور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا، یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے، لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا سوال رد نہیں فرماتا، اور نبی ﷺ سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور سب سے زیادہ مستجاب ہیں۔ اسی لیے جو چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی دعا مانگنے سے منع فرمادیا، تاکہ آپ کی دعا کا مسترد کرنا لازم نہ آئے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شام کے وقت اور صبح کو ان کلمات سے دعا مانگنے کو ترک نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل اور اپنے مال میں 'غزو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے، ان سے مامون رکھ۔ اے اللہ! مجھے آگے اور پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت میں رکھ اور میں نیچے کی مصیبت (دھنسا دینے) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ ہر قسم کے عذاب سے پناہ کے لیے بہت جامع دعا ہے اور نبی ﷺ اظہار عبودیت، امتثال امر اور ہماری تعلیم کے لیے صبح و شام یہ دعا مانگتے تھے کہ جب آپ اتنے عظیم الشان رسول اور اللہ کے محبوب ہو کر اس قدر یہ دعا کرتے ہیں تو ہم جو دعاؤں کے ویسے ہی زیادہ محتاج ہیں، ہمیں کس قدر یہ دعا کرنی چاہیے۔

فقہ کالغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلیلوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ متفقہ کریں (سمجھ سکیں)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حاضر علم سے غائب علم تک رسائی حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں احکام شرعیہ کے علم کو فقہ کہتے ہیں۔

(المفردات، ص ۳۸۳، مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

علماء شافعیہ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ عملیہ کا علم جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو، اور حکم شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو، اور احکام شرعیہ یہ ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مکرہ، سنت غیر مکرہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔

نفس کا یہ پہچانا کہ کیا چیز اس کے لیے ضرر کا باعث ہے اور کیا چیز اس کے لیے نفع کا باعث ہے

دلائل اجمالیہ یہ ہیں۔ مثلاً امر و وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے، اور دلائل تفصیلیہ یہ ہیں مثلاً "اقیموا

الصلوٰۃ" اور "لا تقربوا الزنا" اور دلائل تفصیلیہ سے احکام شرعیہ کے حصول کی مثال یہ ہے۔ نماز کا امر کیا گیا ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" اور جس چیز کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے، کیونکہ امر و وجوب کے لیے ہے،

لہذا نماز واجب ہے۔ دوسری مثال یہ ہے زنا سے نہی کی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تقربوا الزنا" اور جس چیز سے

نہی کی جائے وہ حرام ہے، کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ لہذا زنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا، حالانکہ یہی حق ہے۔ آپ کہتے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں

ہوں ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے، اور عنقریب تم جان لو گے۔ (الانعام: ۶۷-۶۶)

اس آیت میں فرمایا ہے حالانکہ یہی حق ہے۔ اس میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- کفار نے اس عذاب کا انکار کیا، حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔

۲- کفار نے اس قرآن کا انکار کیا، حالانکہ یہ قرآن حق ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور توحید پر استدلال کے لیے جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا، حالانکہ یہ دلائل

حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ کہنے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی نہ میں تم پر جبر کر کے تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعراض کرنے کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس سنج پر قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِحَبِيرٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ
(ق: ۳۵)

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان سے جبراً منوانے والے نہیں ہیں تو آپ قرآن سے اس کو نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّكَتَ عَلَيْهِمْ
بِمُصَّيَّبٍ (الغاشیہ: ۲۲-۲۱)

پس آپ نصیحت کرتے رہیں آپ تو نصیحت ہی کرنے والے ہیں ○ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت میں یقیناً اس خبر کا ظہور ہو گا اور اس میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے، وہ عذاب یقیناً نازل ہوگا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے، تو بغیر شک و شبہ کے اس خبر کا ظہور ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے لیے وعید ہے، کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور دنیا میں بھی ان کے لیے وعید ہے جیسا کہ بدر وغیرہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے، کیونکہ اگر انہوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کی، تو یہ قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے، تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی عذاب الہی سے دوچار ہو جائیں۔

وَإِذْ آرَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن، تشنیع کا) مشغول بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو،

حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ

حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِیٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلٰی

یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ○ اور پرہیزگاروں سے

الَّذِیْنَ یَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَیْءٍ وَلٰكِنْ ذِكْرِیٰ

ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کو نصیحت کرتے رہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا

ناکردہ (ظلم) اللہ سے ڈریں ○ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے

وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكَّرَبِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا

اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو، کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

كَسَبَتْ قَلِيلًا لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ

ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم

تَعْدِلُ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا

کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھوتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیوں کہ وہ

يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

کفر کرنے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن و تشنیع کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو (الانعام: ۶۸)

دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت

امام عبدالرحمن بن محمد بن اوریس رازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، اور ان کو آپس میں اختلاف کرنے اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے کی قومیں اپنے دین میں اختلاف کرنے اور مناظرے کرنے کی وجہ سے ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئیں۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ خوض کا معنی ہے تکذیب کرنا اور یہ آیت مشرکین اور اہل اعداء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے تو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے متعلق بدگویی کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تک وہ کسی اور موضوع پر بات نہ کریں ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، الرياض، ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ منکروں اور مکذبوں کے اعمال کے ذمہ دار، محافظ اور نگہبان نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور وقت آنے پر انہیں اپنی تکذیب کا انجام خود معلوم ہو جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب یہ لوگ دین اسلام، رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر نکتہ چینی کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب بدعتی اور گمراہ فرقے اپنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کر رہے ہوں اور اہل سنت و جماعت کا رد کر رہے ہوں، تو ان کی مجلس سے بھی احتراز کرنا لازم ہے اور گمراہ لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ ملنا جلنا، ربط ضبط بڑھانا بھی جائز نہیں ہے، اور عام مسلمانوں کے لیے ان گمراہ فرقوں کا لٹریچر پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ کتابیں پڑھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں گے۔ البتہ اہل علم کو ان کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور ان کے شکوک و شبہات کا رد کرنا چاہیے۔

شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور نبی ﷺ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں اور اس پر قوی قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور یہ بات شرعاً محال ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ پر تسلط ہو اور وہ آپ کو کوئی بات بھلا دے، اللہ تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا
مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ (الحجر: ۴۲)
بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہو گا۔ البتہ
جو تیری پیروی کرے، گمراہوں میں سے۔

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا:
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَحْمَعِينَ ۝ إِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (ص: ۸۳-۸۴)
شیطان نے کہا پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور
بھکاؤں گا، ماسوا ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کا خاص بندہ ہے، پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا کوئی زور اور غلبہ یا تصرف اور تسلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ شیطان نبی ﷺ کو بھلا دے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں خطاب سے مراد عام مسلمان ہو، لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: اور اے محمد! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۵۳۹، طبع مارچ ۱۹۸۳ء) مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتماد و اطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول تو ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو تنبیہ بذریعہ وحی ہو جاتی ہے، جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بالآخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۲۷۱-۲۷۲، طبع جدید، ۱۳۱۳ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے، جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ (تذکر قرآن، ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ داران فاؤنڈیشن، ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب نہیں ہے، بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے اور اس کا غالب قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے۔ الایہ۔ اور یہ محال ہے کہ شیطان نبی ﷺ کے دل میں دوسرے اندازی کرے اور کوئی حکم شرعی آپ کو بھلا دے۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَئِنِ اشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان

انبیاء علیہم السلام کے نسیان میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن اللوسی المتوفی ۱۳۶۰ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز ہے۔ اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن امور کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرتے ہیں ان میں سو اور نسیان جائز نہیں ہے، اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا نہیں کرتے، ان میں سو اور نسیان جائز ہے۔ اور ان پر سو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہوگا؟ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور نیز بھی سو ہے اور وہ اپنے بہت سے تصرفات میں بھول جاتے ہیں۔

(التبیان، ج ۳، ص ۱۶۶-۱۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جس طرح بشری تقاضے سے اور کئی جسمانی عوارض انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں، ان پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ: ۱۱۵)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسَيْتُ (الكهف: ۷۳)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ كُنتَ تَكْتُمُ إِذْ أَنْسَيْتَ (الكهف: ۲۴)

اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا

ذکر کیجئے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم بھول گئے، سوائی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی، اس میں آپ نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب

آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا، نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ صحابہ نے کہا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے، آپ نے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا، لیکن میں محض تمہاری طرح بشر ہوں، میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے، نماز پوری کرے، پھر (سوکے) دو سجدے کر لے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۱، صحیح مسلم، مساجد، ۸۹، (۵۷۲) ۱۲۵۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۲۰، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۳۸، صحیح مسلم، صلاة المسافرين، ۲۲۳، ۷۸۸، ۱۸۰۶، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۰۰۶، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۳۸۹، مسند احمد، ج ۱۷، رقم الحدیث: ۲۳۲۱۶، طبع دار الحدیث، قاہرہ)

نبی ﷺ کے سمو اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ائمہ نے کہا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرمادیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔ قاضی ابوبکر اور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابو العالی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سمو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سمو اتفاقاً ممنوع ہے اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سمو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عمدتاً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں، تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں، ایک بہت بڑے امام ابو الخضر الاسفرائینی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے، لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۷، ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ کے دل میں وسوسے ڈال کر سمو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے، بلاشبہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔ خواہ سمو یا عمدتاً، تندرستی میں یا بیماری میں، خوشی میں یا غضب میں، نبی ﷺ کی سیرت، آپ کے اقوال اور آپ کے افعال، جن کے مجموعہ سے ہر موافق و مخالف و مومن اور منکر واقف ہے، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی، نہ آپ کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ کا سمو واقع ہونا منقول ہے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں بعض مرتبہ آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے کھجوروں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی، جز ۷، ص ۱۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نبی ﷺ کے سوا اور نسیان کی بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کسی کام کو) سنت

کروں۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں امت کے لیے طریقہ معین کروں کہ وہ سو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے

فعل کی اقتداء کریں۔ (الاستذکار، ج ۴، ص ۴۰۲، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شہاب، از سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک شب خیبر سے واپس ہوئے،

جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال سے کہا تم صبح تک ہمارا پہرہ دینا اور رسول اللہ ﷺ

اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب تک حضرت بلال کی تقدیر میں تھا وہ پہرہ دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگا

لی وہ اس وقت فجر کے مقابل تھے۔ پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی، رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، نہ حضرت بلال نہ قافلہ کا

اور کوئی فرد حتیٰ کہ ان پر دھوپ آگئی، پھر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے۔ پس بلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے نفس کو بھی اسی ذات

نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہاں سے کوچ کرو، تو انہوں نے اپنی سواریاں

اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ان کو صبح

کی نماز پڑھائی، پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، کیونکہ اللہ

تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۵)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا،

تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ کی امت کے لیے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ کے بعد باقی رہے اور اس پر

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ میں کسی کام کو سنت کروں اور علماء بن

خباہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر اللہ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کر دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ

تمہارے بعد والوں کے لیے یہ سنت ہو جائے اور آپ کے سونے کا جو طبعی، فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ سے پہلے نبیوں

کا بھی وہ یہ ہے کہ جس کو آپ نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، آپ نے اپنے اس

معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔ اس حدیث میں آپ

نے یہ خبر دی ہے کہ تمام نبیوں کا یہی معمول ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا صف میں مل کر

کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں، سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت، فطرت اور

آپ کی عادت ہے۔ باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا، تاکہ

آپ کی امت کے لیے قضاء نماز کی سنت کا عمل قائم ہو اور آپ امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا،

حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا، اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے گا اور اس وقت میں آپ کی نیند کو اللہ تعالیٰ

نے آپ کی امت کے لیے تعلیم کا سبب بنا دیا۔

(التعمید، ج ۶، ص ۳۹۳-۳۸۵، ملقطا، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی ﷺ کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوتے رہنا یہ وہ امر ہے جو آپ کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ کی نیند اس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہے، یا نماز پڑھنا بھول جائے، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ نے فرمایا بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ کوئی کام سنت ہو جائے۔ اور نبی ﷺ کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ نیند آپ کے دل کو نہیں ڈھانپتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، اور یہ حکم عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ (یہ حدیث صحیح ہے، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۲۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے، ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرمایا اور سورج طلوع ہونے کے بعد ان سب کی روحوں کو لوٹا دیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التعمید، ج ۵، ص ۲۰۹، ۲۰۵، ملقطا، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب، از عبد الرحمن اعرج، از عبد اللہ بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے، آپ نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔

(موطأ امام مالک، رقم الحدیث: ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ پر جو نسیان طاری ہوتا ہے، وہ امت کے نسیان کی طرح نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التعمید، ج ۱۰، ص ۱۸۳-۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن، سنت اور آثار سے تصریحات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ
النَّارُ۔ (ہود: ۱۱۳)

اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو، ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات مشابہات کی

بیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے 'ان سے پرہیز کرو۔

(صحیح البخاری 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۳۷، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۹۸، کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵)

امام ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ اپنے دین سے الگ ہو گئے وہ شیعہ (ایک فرقہ) تھے۔ یہ لوگ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار تھے اور اس امت کے گمراہ لوگ تھے۔ اے عائشہ! بدعتی اور خواہش کے پیروکار کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے 'ان کی کوئی توبہ نہیں ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں لہذا یہ مجھ سے بری ہیں۔

(کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳، المعجم الصغیر 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۶۰، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص بدعتی کی تعظیم کرنے کے لیے گیا، اس نے اسلام کے منہدم کرنے کی رعانت کی۔

(المعجم الکبیر 'ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۸۸، ص ۹۶، حلیۃ الاولیاء 'ج ۶' ص ۹۶، اس کی سند میں بقیہ ضعیف ہے)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے، وہ تمہارے پیڑوں اور شرم گاہوں کی گمراہ کن خواہشیں ہیں اور فتنوں سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں۔

(مسند احمد 'ج ۳' ص ۲۲۰، حلیۃ الاولیاء 'ج ۲' ص ۳۲، کتاب السنہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے۔ وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا، وہ تم سے دور رہیں، کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم 'باب ۳' حدیث ۲، مسند احمد 'ج ۸' رقم الحدیث: ۸۲۵۰، ۸۵۸۰، طبع دار الحدیث 'قاہرہ' مسند احمد 'ج ۲' ص ۳۳۹)

طبع قدیم)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی، اس میں یہ الفاظ تھے جو تیری نافرمانی کرے، ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۲' ص ۳۱۱، مطبوعہ نثر السنہ، ملتان)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

رضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی، میں تمہاری قوم میں سے ایک

لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بد کاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں! حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بد کاروں کو تو ہلاک فرمائے گا؟ نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بد کاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۴۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا کہ اہل اہواء (بدعتی) کے ساتھ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو، کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈبو دیں گے، یا جس دین کو تم پہچانتے ہو اس میں شبہات ڈال دیں گے۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں نئی باتیں نکالی ہیں (بدعتی ہو گیا ہے) اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ (سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اسماء بن عبید بیان کرتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے دو شخص ابن سیرین کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! ہم آپ کو ایک حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھیں، انہوں نے کہا نہیں۔ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، ورنہ میں اٹھ جاؤں گا، سو وہ دونوں چلے گئے۔ کسی نے کہا اے ابو بکر! اگر وہ آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت سنا دیتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ وہ میرے سامنے ایک آیت پڑھیں گے، پھر اس میں معنوی تحریف کریں گے، کہیں ان کی بیان کردہ باطل تاویل میرے دل میں بیٹھ نہ جائے۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۷، مطبوعہ بیروت)

سلام بن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی نے ایوب سے کہا میں آپ سے ایک بات کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر چل دیئے اور کہا میں آدمی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ (سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۸)

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین نے کہا بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھو، نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۰۱، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اہل بدعت کے مصداق

اصحاب الاہواء اور اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اور عقائد میں ایسی نئی باتیں داخل کر دیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور وہ دین کے عقائد اور احکام کی مغیر ہیں۔ مثلاً رافضیہ جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کو غاصب اور کافر قرار دیا، اور ناصیریہ جنہوں نے اہل بیت رسول کو برا کہا اور ان سے بغض رکھا، اور خارجیہ جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کی اور ان کو کافر کہا اور معتزلہ جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور ہمارے دور میں منکرین حدیث ہیں جن میں سے بعض مطلقاً حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعض ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقل کے خلاف ہوں، بعض بدعتی ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہتے ہیں، بعض بدعتی دعائیں فوت شدہ بزرگوں کے وسیلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض لوگ تعین عرفی پر تعین شرعی کے احکام جاری کرتے ہیں اور کوئی شخص ایصال ثواب کے لیے بغیر وجوب کے بطور استحسان عرفاً کسی دن کی تعین کرے تو اس کو ناجائز اور حرام

کہتے ہیں اور جو مسلمان یا رسول اللہ اکبرؐ کو مشرک کہتے ہیں اور بعض غالی لوگ مزاروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خويز منداد نے کہا جو شخص قرآن مجید کی آیات پر طعن کرے، اس کی مجلس ترک کر دی جائے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی طرح ہمارے علماء نے دشمن کے علاقہ اور اس کی عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے منع کیا ہے اور کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھی جائے، نہ ان کی باتیں سنی جائیں اور نہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ فضیل بن عیاض نے کہا جس شخص نے بد عقیدہ سے دوستی رکھی، اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دے گا، اور اس کے دل سے اسلام کے نور کو نکال دے گا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بد عقیدہ سے کی، اس نے اس سے رحم منقطع کر دیا اور جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھا، اللہ تعالیٰ اس کو حکمت نہیں دے گا اور جب اللہ تعالیٰ یہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص کسی بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۳-۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان جو تین دن سے زیادہ قطع کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات اور معاشرتی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور دین کی وجہ سے جو ناراضگی ہو، وہ دائمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ اس لیے بد عقیدہ اور بدعتی شخص سے جب تک وہ توبہ نہ کرے، دوستی اور محبت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

(معالم السنن، ج ۷، ص ۵، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کو ولیمہ میں بلایا گیا اور اس گھر میں لہو و لعب اور گانا بجانا تھا تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھالے اور اگر جس جگہ دسترخوان بچھا تھا، وہاں یہ برے کام تھے تو اس کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیے، بلکہ اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، پس یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام: ۶۸) اگر وہ ان لوگوں کو منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے، ورنہ صبر کرے۔ اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے، کیونکہ اس کے بیٹھے رہنے سے دین کی بدنامی ہوگی۔ (الدر المختار، ج ۵، ص ۲۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر دسترخوان پر لوگ ایک دوسرے کی غیبتیں کر رہے ہوں تب بھی اٹھ کر چلا جائے، کیونکہ غیبت لہو و لعب سے بڑا گناہ ہے۔

نیز علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو بوڑھا شخص مذاق کرتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، اور بے ہودہ باتیں کرتا ہو، اس کو سلام نہ کرے، اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دیتا ہو اور اجنبی خواتین کے چہروں کو دیکھتا ہو، اس کو بھی سلام نہ کرے اور نہ فاسق ملعون کو سلام کرے اور نہ گانے بجانے والے کو سلام کرے اور جو لوگ کسی گناہ میں مشغول ہوں، ان کو بھی سلام نہ کرے۔ (رد المحتار، ج ۵، ص ۲۶۷، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پرہیزگاروں سے ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کو نصیحت کرنی

چاہیے تاکہ وہ ظالم اللہ سے ڈریں۔ (الانعام: ۶۹)
احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل

علامہ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ مسلمانوں نے کہا اگر ایسا ہو کہ جب بھی مشرکین قرآن مجید کا مذاق اڑائیں اور اس پر اعتراضات کریں تو ہم ان کو منع کریں، پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور کعبہ کا طواف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور پرہیزگاروں سے ان کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے منع نہ کریں تو ہم کو یہ خوف ہے کہ ہم گنہگار ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور مذکور ذیل تیسری روایت مقاتل سے مروی ہے:

۳۔ اگر ان کے اعتراضات کے وقت ہم ان کے پاس سے اٹھ جائیں تو ہمیں یہ خوف ہے کہ جب ہم ان کے اعتراضات کے وقت ان کے پاس بیٹھیں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ (زاد المسیر، ج ۳، ص ۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن مجید، نبی ﷺ اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کیا، تو ان کے اعتراضات اور نکتہ چینیوں پر مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں، ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جب یہ لوگ اسلام اور نبی ﷺ کے خلاف طعن و تشنیع کی باتیں کریں اور اس وقت مسلمان ان کی مجلس سے اٹھ جائیں تو ان کا مجلس سے اٹھنا اس پر دلالت کرے گا کہ مسلمانوں کو مشرکین کی یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کے اس واک آؤٹ سے ان مشرکوں کو حیا آئے اور ان کا ضمیر انہیں ان باتوں پر ملامت کرے اور آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے احتراز کریں۔

ثانی الذکر تفسیر واک آؤٹ کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے، اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائیں، اللہ کے سوانہ کوئی ان کا مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۰)

بسل کا معنی

اس آیت میں بسل کا لفظ ہے، بسل کا معنی ہے بہادر ہونا، کسی کو اس کی حاجت سے روکنا، منع کرنا۔ اہلسلہ کا معنی ہے کسی کو ہلاکت کے سپرد کر دینا، رہن رکھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بسل کا معنی ہے کسی شے کا ضم ہونا اور روکنا، جس شخص کے چہرے پر ناگواری ہو اس کو باسل کہتے ہیں اور کیونکہ اس

میں منع کا معنی ہے اس لیے حرام چیز اور رہن رکھی ہوئی چیز کو بھی بسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَذَكِّرِيهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ
اور ان کو اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہیں
(الانعام: ۷۰) یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اس آیت میں سل منع اور محروم کے معنی میں ہے۔

بسل کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے اور ثواب سے محروم ہونا بھی ہلاک کو متضمن ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے۔

بت پرستی کا لہو و لعب ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول! آپ اور مسلمانوں میں سے جو آپ کے پیروکار ہیں، وہ ان مشرکین سے اعراض کریں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی عبادت کر کے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا ہے، انہوں نے اپنی عمر اس غیر مفید عبادت میں ضائع کر کے اس کو لہو و لعب بنا لیا ہے۔ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بغیر کسی شرعی دلیل کے کچھ جانوروں سے نفع اندوزی اور ان کے کھانے کو حرام قرار دے لیا اور یہ بھی لہو و لعب ہے اور انہوں نے اس بے کار اور بے مقصد عبادت میں اشتغال کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی دعوت سے باوجود دلائل اور معجزات دیکھنے کے اعراض کیا، اور ان کا یہ عمل بھی لہو و لعب ہے وہ اس حقیر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے فانی دنیا کی لذتوں کو آخرت کی دائمی اور سرمدی لذتوں پر ترجیح دی اور وہ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑانے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ سو آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے، یعنی ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلنا چھوڑ دیجئے، یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو عذاب الہی سے ڈرایا نہ کریں، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

دَرَّهُمْ يٰۤاَكْفُرُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلٰٓئِيْهِمُ الْاٰمِلُوْنَ
انہیں چھوڑ دیجئے، وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور ان کی
جھوٹی امیدیں ان کو غافل رکھیں، پس وہ غنچ پیب جان لیں
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الحجر: ۳)

اور لوگوں کو قرآن مجید سے ہدایت دیجئے اور نصیحت کیجئے، تاکہ وہ خیر سے محروم نہ رہیں اور وہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم میں گر کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اپنے دنیاوی اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رٰهِيْنَةٌ ۗ اِلَّا
ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروہی ہے ۝ سوائے
اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ۗ (المدثر: ۳۸-۳۹) دائیں طرف والوں کے۔

اس کے بعد فرمایا اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا، نہ شفاعت کرنے والا اور اگر وہ ہر قسم کا فائدہ دے دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا

اس آیت میں کافروں کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قسم کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں:

مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حٰمِيْمٍ وَّلَا شٰفِيْعٍ يُطَاعُ
ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا، نہ سفارشی جس کی بات مانی
(المؤمن: ۱۸) جائے۔

اور یہ بھی فرمادیا کہ ان سے کسی قسم کا فائدہ قبول نہیں کیا جائے گا، یعنی جس طرح دنیا میں جسمانی یا مالی فائدہ دے کر قید سے آزاد ہو جاتے ہیں، آخرت میں نجات کا اس طرح کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو گا اور نہ وہاں کسی کے زور یا سفارش سے کوئی فائدہ

پہنچے گا اور ان کو یہ سزا جو دی جائے گی یہ دنیا میں ان کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہیں ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کے پیٹوں کو جلا ڈالے گا اور ان کی انتڑیوں کو کٹ ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ
اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ (محمد: ۱۵)

قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

آپ کہیے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؛ اور ہم اللہ

عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ

کے بدایت دینے کے بعد اٹھے پاؤں لوٹا دیے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو

فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ أُتِيَ

اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس

قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمْرًا نَسِيتُ الْعَالَمِينَ

اؤ، آپ کہیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رجب کیے سزا عت تم کو دین

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، اور جس دن وہ (ہر فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا،

كُنْ فَيَكُونُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ

ہو جا تو وہ ہو جائے گی اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا،

عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ

وہ بر طیب اور بر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا

جلد سوم

تبیان القرآن

سکتے ہیں اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد اٹنے پاؤں لوٹا دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنت نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس آؤ، آپ کہئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سر اطاعت خم کر دیں اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے (الانعام: ۷۲-۷۱) گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے، کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان بتوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم اٹنے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں، جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔ پھر ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو کسی جنگل یا صحراء میں جنت نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو اور اس کی عقل کام نہ کر رہی ہو کہ وہ کدھر جائے، وہ حیران اور پریشان پھر رہا ہو اور اس کے دوست اور ساتھی اس کو بلارہے ہوں کہ ہماری طرف آؤ، ادھر سیدھا راستہ ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے، جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ، تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا۔ اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پا جائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے جنت ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۲، ص ۱۳۲۲، مکتبہ زار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ جنت ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔ اے فلاں بن فلاں بن فلاں! ادھر آؤ۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۳۰۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

جو انسان حق سے باطل کی طرف لوٹ آئے یا حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف آئے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ابتداء میں جاہل تھا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے علم اور ہدایت کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل: ۷۸)

اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تم کو پیدا کیا، تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔

سو جو شخص علم سے جہل کی طرف لوٹ جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔

آپ ان سے کہئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العظیم کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیں، یعنی صرف اسی کی اخلاص سے عبادت کریں اور ہم کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح مناجات کی جائے گویا کہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو اس کو دیکھ رہا ہے، جس کے آثار سے ایک اثر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے

کاموں سے رک جائے اور اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے اور نیز ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے، یعنی خوف خدا سے ہر قسم کے برے کاموں اور گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور فرائض و واجبات پر پابندی سے عمل کیا جائے اور سنن اور مستحبات کا نفس کو عادی بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے، دوام کے ساتھ کمال طریقہ سے نماز پڑھی جائے اور ظاہر و باطن ہر حال میں تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے، وہ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ پس عقل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ ہر (فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا "ہو جا" تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا، وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے (الانعام: ۷۳)

آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش برحق اور صحیح ہے، یعنی باطل اور خطا نہیں ہے، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
بَاطِلًا (ص: ۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے فائدہ نہیں بنایا۔

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، وہ علیم اور حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے برحق کلام کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (حم السجده: ۱۱)

پس آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ، انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہو گئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اپنے کلام سے پیدا فرمایا ہے اور جب یہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی، تو پھر ان کو دوبارہ اپنے کلام سے پیدا فرمائے گا، وہ ان سے فرمائے گا "ہو جاؤ" پس وہ ہو جائیں گی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان

اس کے بعد فرمایا اور اسکی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ مذکورہ ذیل آیت میں بھی صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ
أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہے، وہ سب فنا ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا، تو وہ اچانک دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگھ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۴۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۷۳۱۲، مسند

احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۵۱۷، سنن الدارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۷۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کس طرح نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں؟ حالانکہ سینگھ والے نے اپنے منہ میں سینگھ ڈال رکھا ہے اور وہ غور سے سن رہا ہے کہ کب اسے اس میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے، تو وہ اس میں پھونک مارے۔ یہ حدیث نبی ﷺ کے اصحاب پر دشوار گزری، آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے اور ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۶۹۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے قیامت کے فتنوں کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر صور پھونک دیا جائے گا، جو شخص بھی اس کو سنے گا، وہ ایک طرف گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز سنے گا، وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا، وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح ایک بارش نازل فرمائے گا، جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا، پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا، اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ اور (فرشتوں سے کہا جائے گا) ان کو کھرا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، دوزخ کے لیے ایک گروہ نکالو، کہا جائے گا، کتنے لوگوں کا، کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن ساق (پنڈلی) کھولی جائے گی۔

(صحیح مسلم، فتن ۱۱۶، (۲۹۳۰) ۷۲۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا۔ جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ آگتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے، اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۹۵۵، صحیح مسلم، فتن ۱۳۱، (۲۹۵۵) ۷۲۸۰، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۳۵۹)

صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ مدت چالیس سال ہے۔ امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو مرتبہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے، اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ دو بار صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے۔ امام حاکم اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! دم کی ہڈی کیسی ہے! آپ نے فرمایا وہ رائی کے دانے کی طرح ہے۔ وہ پشت کی جڑ میں

ایک باریک ہڈی ہے اور وہ دم کی ہڈی ہے جو چوپائے میں دم کے سر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی۔ اس قاعدہ سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اور اسی طرح شہداء بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے شہداء کی حیات کی تصریح کی ہے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۵۵۲-۵۵۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں یہ دلیل ہے کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اس میں حقیقتاً پھونک ماری جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ صور پھونکنے والا کہے گا، اے بوسیدہ اجسام اور منتشر ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے جمع ہو جاؤ۔

(اکمال اکمال المعلم، ج ۹، ص ۳۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصہبانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت میں تشریف فرماتھے، آپ نے فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے صور کو پیدا کیا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا کیا، انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگہ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ ایک اور راوی نے کہا زمین میں تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے، دوسری بار پھونکنے سے سب مر جائیں گے اور تیسری بار پھونکنے سے سب رب العظیم کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ عز و جل پہلی مرتبہ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا تو حضرت اسرافیل سے فرمائے گا، دہشت ڈالنے کے لیے صور میں پھونکو، تو آسمان اور زمین میں سب دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ سو ان کے جنہیں اللہ چاہے اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ وہ مسلسل ر کے بغیر صور میں پھونکتے رہیں، اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَا يَنْظُرُهُمْ إِلَّا صَاحَةٌ وَاحِدَةٌ مِّمَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝

اور وہ صرف ایک زبردست چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان سانس لینے کی بھی سہلت نہیں ہوگی۔ (ص: ۱۵)

پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑادے گا تو وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، پھر وہ خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے، اور زمین اپنے ساکنوں کے ساتھ لرز رہی ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۝

جس دن لرزنے والی لرز جائے گی، پھر پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی، بہت سے دن اس دن لرز رہے ہوں گے۔ (النزعت: ۶۰-۸)

اور زمین اس طرح ہلنے اور جھولنے لگے گی جس طرح بلند جہاز کو سمندر میں موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں یا جس طرح چھت میں لٹکی ہوئی قندیل کو ہوا جھونٹے دیتی رہتی ہے، پھر لوگ زمین پر گرنے لگیں گے۔ دودھ پلانے والیاں بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیاطین جان بچانے کے لیے زمین کے آخری کناروں تک بھاگیں گے، فرشتے ان سے مقابلہ کر کے ان کے چہروں پر ماریں گے، اور لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے۔

زمین ہر طرف سے پھٹنے لگے گی اور ایسا عظیم واقعہ ظاہر ہوگا جو اس سے پہلے دیکھنا نہ گیا تھا اور ایسی گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوگی جس کو اللہ ہی جانتا ہے، پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پرزے پرزے ہو کر اڑ رہا ہوگا، سورج اور چاند دھندلا جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے، آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی بالکل خبر نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا یا رسول اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس کا استثناء فرمایا ہے؟

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَمَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ الْأَمْسَاءُ اللَّهُ
اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں اور
زمینوں میں ہیں، وہ سب گھبرا جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے
(النمل: ۸۷) گا۔

آپ نے فرمایا وہ شہداء ہیں وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اور گھبراہٹ کا اثر (ظاہراً) زندہ لوگوں پر ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے برے لوگوں پر بھیجے گا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَأْتِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُدْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ
عَمَّا رَضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَ
لَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج: ۱۰۲)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ
بڑی (بھاری) چیز ہے، جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ
پلانے والی اس (بچے) سے غافل ہو جائے گی جس کو اس نے
دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرادے گی اور (اے مخاطب)
تو لوگوں کو مخمور دیکھے گا، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے،
لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

پھر جب تک اللہ چاہے گا لوگ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا کہ وہ موت کا صور پھونکیں، سو وہ موت کا صور پھونکیں گے۔ جس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جنہیں اللہ چاہے گا اور جب وہ سب ہلاک ہو جائیں گے تو ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے میرے رب! تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو گئے، ماسوا ان کے جنہیں تو نے چاہا، اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو کون کون باقی رہ گیا؟ وہ کہیں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور تو نہیں مرے گا، اور تیرے عرش کو اٹھانے والے باقی ہیں اور جبرائیل اور میکائیل باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔

اللہ عزوجل فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فوت ہونا چاہیے، پس عرش کے گا، اے میرے رب! تو جبرائیل اور میکائیل کو بھی مار ڈالے گا اللہ عزوجل فرمائے گا خاموش رہو! میں نے اپنے عرش کے نیچے ہر ایک کے لیے موت مقرر کر دی ہے، وہ دونوں مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، جبرائیل اور میکائیل فوت ہو گئے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا، حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو اب کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور تیرے عرش کے حاملین باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے عرش کے حاملین کو بھی موت آجائے، پس وہ مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، عرض کریں گے، اے میرے رب! تیرے عرش کے حاملین بھی فوت ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے

تو اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے 'اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور میں باقی ہوں۔ اللہ عز و جل فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا، اب تو بھی مر جا سو وہ مر جائے گا' اور اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ الواحد الاحد الصمد جو نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا، وہی آخر ہو گا جیسا کہ وہ اول تھا۔ آپ نے فرمایا اہل جنت پر موت ہوگی نہ اہل نار پر موت ہوگی۔ پھر آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اوراق کو لپیٹ دیا جاتا ہے، ان کو پھر کھولا جائے گا اور پھر لپیٹا جائے گا۔ پھر فرمائے گا میں جبار ہوں، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بلند آواز سے فرمائے گا "لمن الملک الیوم؟" آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر فرمائے گا "للہ الواحد القہار" (عاف: ۱۶) اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ پھر فرمائے گا 'سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو، وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو، وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو، وہ لے آئے۔ پھر اس آسمان اور زمین کے علاوہ دوسرے آسمان اور زمین پیدا کرے گا اور ان کو پھیلا کر دراز کر دے گا، جس میں تم کو کوئی کجی اور نقص نہیں دکھائی دے گا، پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو زبردست آواز کے ساتھ جھڑکے گا، پھر لوگ اس نو پیدا شدہ زمین میں پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عرش کے نیچے سے پانی نازل فرمائے گا، پھر تم پر چالیس دن تک آسمان سے بارش ہوتی رہے گی، حتیٰ کہ تم پر بارہ ہاتھ پانی بلند ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جسموں کو اگنے کا حکم دے گا تو وہ سبزیوں کی طرح اگنے لگیں گے، جب اجسام پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'حالیٰ عرش زندہ ہو جائیں، پھر اللہ عز و جل حضرت اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'جبرائیل اور میکائیل زندہ ہوں، سو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عز و جل ارواح کو بلائے گا، وہ لائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی روحوں نور کی طرح چمک رہی ہوں گی اور دوسری روحوں تاریک ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو صور میں ڈال دے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل سے فرمائے گا ان کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونکو، تو وہ زندہ کرنے کے لیے صور پھونکے گا، پھر تمام روحوں شد کی مکھیوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین اور آسمان بھر جائیں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا، 'تمام روحوں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں، تو سب روحوں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی اور نتھنوں کے راستہ داخل ہوں گی۔ جس طرح زہر کسی مار گزیدہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا، لوگ سرعت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلیں گے، تم سب تیس سال کی عمر میں اٹھو گے اور اس دن سب کی زبان سریانی ہوگی:

وہ نیچی آنکھیں کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے، گویا وہ
 حُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
 زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں، بلانے والے کی طرف
 كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۖ مَهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ
 دوڑتے ہوئے، کافر کہیں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔
 يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمَ عَسِيرٍ (القمر: ۷۸-۷۹)

یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے، اس دن ہم تم کو جمع کریں گے اور تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے، پھر وہ ایک جگہ میں ستر سال تک کھڑے رہیں گے۔ اللہ تمہاری طرف نہ دیکھے گا اور نہ کسی کا کوئی فیصلہ کرے گا، خلقت روئے گی اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں سے خون بننے لگے گا، لوگ اپنے پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے، ان کی ٹھوڑیوں اور منہ تک پسینہ پہنچا ہوا ہوگا، لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا، تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ لوگ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور ان سے بالمشافہ کلام کیا ہے۔ پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر اپنا مقصد بیان کریں گے، حضرت آدم

اس سے انکار کر دیں گے۔ پھر وہ ہرنی کے پاس باری باری جائیں گے اور وہ اس کام سے انکار کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر وہ میرے پاس آئیں گے، حتیٰ کہ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا، حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھائے گا، پھر اللہ عزوجل پوچھے گا، حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کیا بات ہے؟ میں کہوں گا، اے میرے رب اتنے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا، پس اپنی مخلوق کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور ان کا فیصلہ فرما، اللہ عزوجل فرمائے گا، میں نے تمہاری شفاعت قبول کی، میں تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں واپس آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، سو جس وقت ہم کھڑے ہوئے ہوں گے تو آسمان سے ایک زبردست آواز آئے گی جس سے ہم گھبرا جائیں گے، اور زمین کے جن وانس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے، حتیٰ کہ وہ زمین کے قریب آجائیں گے اور زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی، وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں وہ آنے والا ہے۔

پھر تیسرے آسمان سے اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے اور وہ زمین کے جن وانس سے بھی دگنے ہوں گے، حتیٰ کہ جب وہ زمین کے قریب ہوں گے تو زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے کہیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں، وہ آنے والا ہے۔ پھر اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بادلوں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوگا۔ آٹھ فرشتے اس کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے، حالانکہ اس وقت تو اس کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے اقدام سب سے نچلی زمین کی تمہ میں ہیں۔ تمام زمینیں اور آسمان ان کی آدھے دھڑ تک پہنچتے ہیں، عرش ان کے کندھوں پر ہے اور وہ بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے ہیں

سبحان ذی الملک والملكوت، سبحان ذی العزۃ والجبروت، سبحان الحی الذی لا یموت، سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت، سبح قدوس رب الملائکۃ و الروح قدوسا قدوسا، سبحان ربنا الاعلیٰ، سبحان ذی الملکوت و الجبروت و الکبریاء والسلطان والعظمۃ سبحانہ ابد الاباد۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین پر جہاں چاہے گا، اپنا عرش رکھے گا۔ پھر فرمائے گا، مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کوئی شخص بھی ظلم کر کے میرے قریب نہیں ہوگا، پھر ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی۔ اے جن اور انس کی جماعت! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے، آج تک خاموش تھا، تمہاری باتیں سنتا رہا، تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے، جو شخص نیکیاں پائے، وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کے صحیفے اس کے خلاف ہوں، وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے، پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سیاہ چمکتی ہوئی گردن نمودار ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَامْتَارُوا الْيَوْمَ آيَتَهَا الْمَجْرُمُونَ ۝ أَلَمْ آعْهَدْ
إِلَيْكُمْ بِبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (یس: ۶۰-۵۹)

اے مجرمو! آج (نیوں سے) الگ ہو جاؤ، اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ بغیر سینک والی بکری کا سینک والی بکری سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ جب کسی کا کسی پر حق نہیں رہے گا، تو فرمائے گا، تم سب مٹی ہو

جاؤ، اس وقت کافر کہے گا:

يَلْبِئْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (النبا: ۴۰)

اے کاش میں مٹی ہو جاتا۔

پھر اللہ عزوجل جن اور انس کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ فرمائے گا، اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور اس کے قاتل کو لایا جائے گا، مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہوگا، وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تم نے ان سے قتال کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب؟ میں نے تیری عزت کی خاطر ان سے قتال کیا تھا، اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سورج کی طرح منور کر دے گا، پھر فرشتے اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت کے، محض دنیاوی غلبہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا، اور اس کا قاتل بھی آئے گا۔ مقتول اپنے خون میں لتھڑے ہوئے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آنتیں خون میں لتھڑی ہوئی ہوں گی، وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے، اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ جاننے والا ہے، تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم ہلاک ہو گئے، پھر اس کا چہرہ سیاہ اور اس کی آنکھیں نیلی کر دی جائیں گی، پھر ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ باقی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پھر دودھ میں پانی ملانے والے کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ اس دودھ سے پانی کو الگ کر کے فروخت کرے، حتیٰ کہ جب کسی شخص کا کسی شخص پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا تو ایک منادی ندا کر کے تمام مخلوق کو سنائے گا اور کہے گا، سنو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جائیں اور ان کے ساتھ جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے، اور جس شخص نے بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود کی پرستش کی تھی، اس کے سامنے وہ معبود متمش کر دیا جائے گا اور اس دن ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بنا دیا جائے گا۔ نصاریٰ اس کے پیچھے چلے جائیں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر کی شکل میں بنا دیا جائے گا، یہودی اس کے پیچھے چلے جائیں گے، پھر ان کے معبود ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے، اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

لَوْ كَانَ هُوَ آلَآءِ إِلَهَةٍ مَا وَّرَدُوْهَا وَكُلِّ فِيْهَا

اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور (یہ) سب

خَلِدُوْنَ (الانبیاء: ۹۹)

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حتیٰ کہ جب صرف مومن رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس طرح چاہے گا، اپنی بیت میں آئے گا۔ پس فرمائے گا، اے لوگو! اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور ان کے ساتھ جن کی تم عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے، یہ خدا، اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا، پھر اللہ ان کو برقرار رکھے گا اور جتنی دیر اللہ ٹھہرنا چاہے گا، ٹھہرے گا۔ پھر جس طرح چاہے گا، ان کے پاس اپنی بیت میں آئے گا اور فرمائے گا، اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جا ملے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو، وہ کہیں گے، یہ خدا، اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا، میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے، ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، پھر اللہ فرمائے گا، کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے، ہاں! پھر اللہ ان کے لیے اپنی پنڈلی کھولے گا اور ان کے لیے اللہ کی عظمت سے تجلی فرمائے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے۔ پھر وہ سجدہ میں گر جائیں گے، پھر جب تک اللہ چاہے گا، وہ

اس کو سجدہ کریں گے اور اللہ عزوجل منافقوں کی پشتوں کو گائے کی پشتوں کی طرح سیدھا (بغیر لچک کے) کر دے گا وہ اپنی پیٹھوں کے بل گر پڑیں گے۔

پھر اللہ عزوجل ان کو اٹھنے کا حکم دے گا پھر ان کے لیے جہنم کی پشت کے اوپر صراط (پل) بنا دیا جائے گا۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا اس میں جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اور اس میں پھسلنے کی جگہیں ہوں گی۔ بعض مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور بعض تیز چلنے والے کی طرح گزریں گے، بعض صحیح سالم گزر جائیں گے، بعض زخمی ہو کر گزریں گے، بعض منہ کے بل جہنم میں گر جائیں گے۔ اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ایک گروہ جہنم میں جا کرے گا، ان کے اعمال ان کو ہلاک کریں گے۔ بعض کے صرف پیروں تک آگ پہنچے گی، اس سے آگے تجاوز نہیں کرے گی، بعض کی نصف پنڈلیوں تک آگ پہنچے گی، بعض کے معقد ازار تک آگ پہنچے گی، بعض کے چروں کے سوا پورے جسم تک آگ پہنچے گی، اور ان کے چروں پر اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہوگا اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس ہماری کون شفاعت کرے گا؟ تاکہ ہم بھی جنت میں چلے جائیں۔ پس وہ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اس کا اور کون حقدار ہوگا۔ اللہ عزوجل نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور ان سے بالمشافہ کلام کیا، پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے۔

حضرت آدم کو اپنا (صورۃ) گناہ یاد آئے گا، وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے پہلے رسول علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا۔ پھر وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے، وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے، وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ، اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی میں کلام کیا ہے اور ان پر تورات نازل کی ہے۔

پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے، وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے شفاعت طلب کریں گے، وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن عنقریب میں صاحب شفاعت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور میرے رب کے پاس میری تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، پھر میں جنت کی طرف روانہ ہوں گا اور جنت کے دروازہ کو کھلاؤں گا، پھر میرے لیے جنت کے دروازہ کو کھول دیا جائے گا اور مجھے تعظیم کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں جنت میں داخل ہو کر عرش کے اوپر اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا، میں اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا، میں سجدہ میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد اور تجہید کرنے کی اجازت دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تھی۔ پھر اللہ عزوجل مجھ سے ارشاد فرمائے گا اے محمد اپنا سر اٹھائیے اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے! آپ کو دیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا، حالانکہ وہ سب

کچھ جاننے والا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ تو اہل جنت کے متعلق میری شفاعت قبول فرما، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی اور میں نے ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی، سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے، تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اس قدر نہیں پہچانتے جس قدر تم جنت میں اپنے گھروں اور بیویوں کو پہچانو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا اور یہ کہوں گا اے میرے رب! میری امت میں سے جو لوگ دوزخ میں گر گئے ہیں، اللہ عزوجل فرمائے گا، جاؤ جن کی صورت تم پہچانتے ہو، ان کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخ میں میرا ایک امتی بھی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ اور ہر نبی، ہر شہید اور لعنت کرنے والے کے سوا ہر مومن شفاعت کرے گا۔ کیونکہ لعنت کرنے والے کو نہ شہید لکھا جائے گا اور نہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر فرمائے گا جس کے دل میں دو تہائی (۲/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو، پھر فرمائے گا جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو، پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک تہائی (۱/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو، پھر فرمائے گا، جس کے دل میں ایک قیراط (چھ جو) کے برابر بھی ایمان ہو، پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو دوزخ سے نکال لو اور بے شک ابلیس لعنہ اللہ اس دن یہ امید کرے گا کہ اس کی بھی کوئی شفاعت کرے گا۔

اور جب ہر شخص شفاعت کر چکے گا اور دوزخ میں کوئی ایسا شخص نہیں باقی بچے گا جس نے اللہ کے لیے کوئی نیکی کی ہو، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب میں باقی رہ گیا ہوں، اور میں سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا ہاتھ داخل کرے گا۔ اور بے شمار لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جن کی تعداد کو وہی جانتا ہے، وہ لوگ جلی ہوئی لکڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہر الحیوان میں ڈال دے گا، وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے دریا کے کنارے کی مٹی میں دبا ہوا دانہ اگنے لگتا ہے، جو سورج کی دھوپ میں سرسبز اور سائے میں زرد ہو جاتا ہے۔ عربوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو وہ کہنے لگے، یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ آپ جنگل میں رہے ہیں۔ وہ شاداب بزیوں کی طرح اگیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہوگا رحمن کے آزاد کیے ہوئے دوزخی اس تحریر سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے، جب تک اللہ چاہے گا، وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اے اللہ! یہ تحریر ہم سے مٹا دے، سو اللہ تعالیٰ ان سے یہ تحریر مٹا دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے اور بہت طویل اور بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے متفرق ٹکڑے ہیں۔ اس میں درج بعض امور لائق انکار ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منفرد ہیں، اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے، بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے، بعض نے انکار کیا ہے، بعض نے متروک کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث کئی احادیث کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کو ایک ہی سند سے بیان کر دیا گیا ہے، اس لیے یہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاذ حافظ الزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے، گویا یہ بعض الگ الگ حدیثوں کے شواہد ہیں۔

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۳۸۸، ص ۱۳۳، ۱۳۷، جامع البیان، ج ۲۳، ص ۳۸-۳۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۱۰، ص ۳۲۶-۳۲۵، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۵۲، ۵۶، تفسیر در مشور، ج ۷، ص ۲۶۲-۲۵۶)

وَاذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاٰبِيْهِ اَزْرَاۤءُ اتَّخَذُۢمُ اصْنَامًا

اور (یاد کیجیے) جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے

اِلٰهَةًۭۤ اِنِّىۡۤ اَرٰىكَ وَاَقْوَمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ

ہو ؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا

مُضِلِّۙ ۙ وَكَذٰلِكَ نُرِىۡۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھتا ہوں ○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۙ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَا كَوْكَبًاۭ

کو وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○ پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا

قَالَ هٰذَا رٰبِىُّۙ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَاۤ اِحْبُ الۡاٰفِلِيْنَ ۙ فَلَمَّا

انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے ؛ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ پھر جب انہوں نے

رَا الْقَمَرَ يَازِعًاۭ قَالَ هٰذَا رٰبِىُّۙ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لِيۡنُ لِّمُ

جھگٹتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؛ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب

يَهْدِيۡنِيۡۤ اِلٰى رٰبِىُّۙ لَاۤ اَكُوْنُ مِنَ الْقَوْمِ الضّٰلِّيْنَ ۙ فَلَمَّا رَا

مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ○ پھر جب انہوں نے

الشَّمْسُ يَازِعَةًۭۙ قَالَ هٰذَا رٰبِىُّۙ هٰذَا الْاَكْبَرُۙ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ

روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؛ یہ (ان سب) بڑا ہے ، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے

اِقْوَمِۤ اِنِّىۡۤ اَبْرٰهِيْمُۙ اِنِّىۡۤ اَرٰىكَ وَاَقْوَمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ ۙ فَلَمَّا رَا

کہا اے میری قوم میں ان سب کے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ○ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۙ حَنِیْفًاۙ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں ، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

وَحَاجَّةَ قَوْمِهِ ط قَالَ اتَّحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ط وَلَا

اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں

أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ط وَسِعَ رَبِّي

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سو اس کے کہ پیرازب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم

كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ

ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ ۸۰ میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا

وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرِكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ط

شریک قرار دیا ہے جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾

نہیں کی، پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو ۸۱

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے

وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾

اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۸۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ آزر سے کہا کیا تم جنوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں (الانعام: ۷۳) آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: آپ کہنے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا۔ ان کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا کفار مکہ کو بت پرستی سے منع کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے تھے اور اس میں یہ تشبیہ ہے کہ اپنے نیک آباء و اجداد کی پیروی کرنی چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تاکہ اس سے مشرکین عرب

کے خلاف استدلال کیا جائے، کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے ان کی فضیلت اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے اور سب ان کی ملت کی طرف انتساب کے دعویٰ دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی ملت کی اتباع کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام، نسب اور تاریخ پیدائش

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۱۷ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے:

ابراہیم بن آزر اور وہ تاریخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالج بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لکک بن متوشلح بن خونخ اور وہ اورس ہیں بن یارد بن مھلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمن ہیں اور آپ کی کنیت ابو الصیفان ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شربابل کے موضع کوٹی میں پیدا ہوئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے، صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ ابراہیم بن آزر ہیں اور تورات میں ہے وہ ابراہیم بن تاریخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۳ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر تھے یا تاریخ؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کے والد تاریخ تھے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

محمد بن عمرو اقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت آدم کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ پس حضرت ابراہیم خلیل الرحمن حضرت آدم کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ بیان کرتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس آباء تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات آباء ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۳۸-۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سیستیس (۳۳۳۷) سال بعد پیدا ہوئے، اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ (۱۳۶۳) سال گزر چکے تھے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ کلبی نے کہا ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال کی عمر تھی اور مقاتل نے کہا ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی عمر تھی۔ آپ حبرون میں مقام غارہ پر مدفون ہیں۔ وہ جگہ اب مدینہ الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔

(عمدة القاری، ج ۱۵، ص ۲۳۰، مطبوعہ ادارة البعثة المیریہ، مصر، ۱۳۳۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے متعدد بار توحید کو ثابت کیا اور مشرکین کے قول کو دلائل سے باطل کیا۔ انہوں نے اپنے عنی باپ سے مناظرہ کیا، اپنی قوم سے بادشاہ وقت سے اور کافروں سے مناظرہ کیا اور راہ حق میں سرخرو ہوئے۔ عنی باپ

تبیان القرآن

جلد سوم

سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا
يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم: ۳۲)

اور اپنی قوم سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَارِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا
أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا
تُشْرِكُونَ (الانعام: ۷۸)

اور بادشاہ وقت سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ
قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ
يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ
الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (البقرہ: ۲۵۸)

اور کافروں سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ
إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ (الانبیاء: ۵۸)

جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسے کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

جب ابراہیم نے کہا میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس (بادشاہ) نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو اس پر وہ کافر ہکا بکارہ گیا۔

پس (ابراہیم نے) بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

اور جب کافران کو دلائل سے جواب دینے سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا ان کو جلاڈالو اور اپنے بتوں کی مدد کرو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اللہ نے اس آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ انہوں نے اپنا دل عرفان الہی کے لیے، زبان توحید پر برہان کے لیے اور اپنے بدن کو اللہ کی راہ میں آگ میں جھونکنے کے لیے اور اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے اور اپنے مال کو مہمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے آزر کے متعلق چار قول لکھے ہیں:

- ۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، سدی اور ابن اسحاق نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔
- ۲- مجاہد نے کہا آزر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ ہے۔
- ۳- زجاج نے کہا کہ آزر نام نہیں ہے، بلکہ مذمت کا کلمہ ہے، گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے خطاکار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

۴- مقاتل بن حیان نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام نہیں ہے، یہ ان کا لقب ہے۔

(زاد المسیر، ج ۳، ص ۷۶-۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے یا تاریخ ہے۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابن جریر، امام رازی، علامہ قرطبی، اور علامہ ابوالیمان وغیرہم کی رائے ہے کہ ان کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے اور متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری، علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے آباء کرام مومن تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور امہات مومن تھے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کریں گے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تاریخ تھا اور آپ کا چچا تھا اور عرب محاورات میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تاریخ تھا نہ کہ آزر!

امام ابواسحاق زجاج متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آزر تھا۔ (معانی القرآن و اعرابہ للزجاج، ج ۲، ص ۲۶۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجاہد نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے، وہ بت کا نام ہے۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۳۱۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تاریخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایسا نہ کرو اور حضرت ابن عباس فرماتے تھے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تاریخ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ زرارہ مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آزر بت ہے اور حضرت ابراہیم کے باپ کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مثل ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی باندی حضرت اسماعیل کی ماں ہیں۔ ان کا نام ہاجرہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے، لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(در مشور، ج ۳، ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے، وہ ابراہیم بن تاریخ بن ناخور بن شاروغ بن عابر بن فالح ہیں۔

قرآن مجید میں آزر کے اوپر حضرت ابراہیم کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ عرب میں

”اب“ کا اطلاق عم پر بہ کثرت کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ مجاز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

آم كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ
اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا
نَعْبُدُ الْهَكَ وَالْهَكَ وَالْهَكَ اَبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَ
اسْحٰقَ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے، حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں، بلکہ چچا ہیں اور امام ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔

(الحاوی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۲۱۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، لاکل پور، پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے پر دلیل امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن مرد سے روایت کیا ہے کہ جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے، حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے کہا ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ اور جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ینار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم“ (الانبیاء: ۶۹) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا میری وجہ سے ان سے عذاب دور کیا گیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلادیا۔

اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا، اور احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عربی) باپ کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی، جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے، پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سارہ کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ آپ کی باندی بنادی گئیں، اس کے بعد آپ پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں منتقل کر دیں اور وہاں آپ نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

(ابراہیم: ۳۷-۴۱)

اے ہمارے رب اے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے، اے ہمارے رب اتنا کہ وہ نماز قائم کریں، سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض پھل عطا فرماتا کہ وہ شکر ادا کریں، اے ہمارے رب اے شک تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ہے سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے والا ہے، اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد (سے) بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما، اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے، نہ کہ ان کے حقیقی والد۔

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سیستیس (۳۷) سال تھی، پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا، پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا، پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان قیام کیا۔ پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے اور امام ابن سعد نے واقفی سے روایت کیا ہے کہ نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ نے دعا کی تھی، انکے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحادی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۲۱۵-۲۱۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ آزر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے اور جب کہ آزر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لیے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آزر اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آزر کو اب (عربی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، تاکہ تغیر عنوان تغیر معنوں پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی، ج ۷، ص ۱۹۵، طبع بیروت)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (عربی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گرد و غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم اس سے فرمائیں گے، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرنا؟ ان کے (عربی) باپ کہیں گے، آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم فرمائیں گے، اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا (عربی) باپ رحمت سے دور ہو! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بچو ہوگا۔ اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۳۵۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۳۷۵، المستدرک، ج ۲، ص ۳۳۸، کنز العمال،

ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۲۲۹۲، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۵۳۸)

حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب، یہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تاریخ ہے اور اہل کتاب تاریخ کہتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۴ء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں، ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تاریخ ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی، تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو، اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا، تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعة اللمعات، ج ۴، ص ۳۶۸، مطبوعہ مطبع تیج کمار، لکھنؤ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، اس کو مجازاً متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تاریخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی ﷺ کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے، ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی، تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا، اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

(التطبیق، صبح، ج ۶، ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، لاہور)

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی میں آزر کے دشمن خدا ہونے کی وجہ سے اس سے بیزار ہو گئے تھے، تو پھر قیامت کے دن اس کی سفارش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اس کی نجات کے لیے سفارش نہیں کی، بلکہ اس کے عذاب میں تخفیف کے لیے سفارش کی تھی اور بعض خصوصیات کی بناء پر کفار کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل

ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَ لَوْ
أَعَجَبَكُمُ (البقرہ: ۲۲۱)

اور بے شک مومن غلام، مشرک (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک، بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی، ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خالی نہیں رہی اور نبی ﷺ کے آباء اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے، پہلے ہم اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ زمین کبھی مومنین اور موحدین سے خالی نہیں رہی اور پھر اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی

خاتم الحفظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر، از ابن جریج، از ابن المسیب روایت کیا ہے، روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی، پس یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا، ماسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

امام ابن المنذر نے قنادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے، کبھی زمین ابلیس کے لیے خالی نہیں رہی، اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے

ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر، از قاسم، از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزمرد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکما مرفوع ہے۔

امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

امام بزار نے اپنی سند میں اور امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اس آیت "کان الناس امة واحدة" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الحلوی للقتلوی، ج ۲، ص ۲۱۳-۲۱۴، مطبوعہ فیصل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انس سے دوسری روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۳۳، (۱۳۸) ۳۶۹، ۳۶۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۱۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۸۳۴، طبع جدید، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۶۸، ۲۰۱، ۱۰۷، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۲۶، مصنف عبدالرزاق، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۸۳، مسند ابو عوانہ، ج ۱، ص ۱۰۱، المستدرک، ج ۳، ص ۳۹۳، شرح السنہ، ج ۷، ص ۳۱۷۸، کنز العمال، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۳۸۴۸۵، مسند البزار، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۱۸، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۳۳۱، ج ۸، ص ۱۲، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۵۱۶)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خالی نہیں رہی، ورنہ قیامت آچکی ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر

قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا، حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۵۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۹۳۶۰، ۸۸۲۳، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۷، طبع قدیم، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۷۳۹، کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۳۰۰۵، دلائل النبوة للسیحی، ج ۱، ص ۱۷۵) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرہ بن كعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا، میں (جائز) ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا، حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے، میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بہ طور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوة، ج ۱، ص ۱۷۵، ۱۷۴)

امام ابو نعیم اسماعیلی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ عزوجل ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، جو صاف اور منذب تھیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں، میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوة، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی مثال اس طرح دی جیسے زمین کے گھورے (گندگی ڈالنے کی جگہ) میں کھجور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا، پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بہ طور گھر سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۷، دلائل النبوة للسیحی، ج ۱، ص ۱۶۹، دلائل النبوة لابن نعیم، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶)

مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں؟ صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ علیک السلام! آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کے دو گروہ کیے، تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر اللہ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۸، دلائل النبوة للسیحی، ج ۱، ص ۱۷۰، المعجم الکبیر، ج ۲۰، رقم الحدیث: ۶۷۵-۶۷۶، مسند احمد،

ج ۲، ص ۱۶۶-۱۶۵)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۳۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”وتقلبک فی الساجدین“ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں ’نبی ﷺ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں متقلب ہوتے رہے‘ حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوة ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پسند کیا اور ان میں سکونت رکھی اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا سکونت دی۔ پھر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند کیا اور بنو آدم میں سے عربوں کو پسند کیا اور عربوں میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کیا سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں۔ لہذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوة ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸، المعجم الکبیر ج ۱۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۵۰، المستدرک ج ۴، ص ۸۷-۸۶، کمال ابن عدی ج ۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲، علل ابن ابی حاتم ج ۲، ص ۳۶۸-۳۶۷، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۱۵)

اس حدیث کی سند میں حماد بن واقد کے سوا سب کی توثیق کی گئی ہے اور وہ بھی معتبر راوی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت واثلہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کر لیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(صحیح مسلم، فضائل ۱، (۲۲۷۶) ۵۸۲۸، سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۵، صحیح ابن حبان ج ۱۳، رقم الحدیث: ۶۲۴۲، مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث: ۱۲۹۸۳، المعجم الکبیر ج ۲۲، رقم الحدیث: ۱۶۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو (سیدنا) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو پایا۔

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۸۱، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۳۰۰، طبع جدید دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ) ان تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک نبی علیہ السلام کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے اور قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ان احادیث میں سے ہمارا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے نسب کے لیے خیر اور افضل کا لفظ ہے اور جن احادیث میں ہے کہ میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کیا گیا ہوں ان سے ہمارا استدلال نہیں ہے۔ ان احادیث کو ہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے شرافت نسب کے لیے بیان کیا ہے۔

ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی ﷺ کی تکذیب پر بہت حرص تھے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ ہوتا اور قرآن کتتا کہ ان کے باپ آزر نے یوں کہا تو عادتاً یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آزر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۷۰، 'دار الفکر' ۱۳۹۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح ہے۔ بائبل میں لکھا ہے نوح اسی برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا اور تارح کی پیدائش کے بعد نوح ایک سو انیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نوح اور حار ان پیدا ہوئے۔

(پرانا عمد نامہ، پیدائش، باب ۱۱، آیت ۲۶-۲۴، کتاب مقدس، ص ۱۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

باقی رہا یہ کہ پھر اہل کتاب نے نبی ﷺ پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آزر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب محاورات عرب سے واقف تھے کہ محاورات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے، حالانکہ وہ ان کے بالاتفاق چچا تھے اور اس پر بھی اہل کتاب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی۔

نیز امام رازی نے لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں تھا اور اس پر ان کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الذی یراکہ حسین تقوم و تقلبک فی الساجدین" (الشعراء: ۲۱۹) جو آپ کو حالت قیام میں دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے پھر امام رازی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس آیت کے دیگر محامل بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۷۱) لیکن ہمارا بنیادی استدلال اس دلیل سے نہیں ہے، یہ دلیل تائید کے درجہ میں ہے۔ ہمارا بنیادی استدلال اس سے ہے کہ آزر کے مرنے کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی۔ (ابراہیم: ۴۱) جب کہ اس کی موت علی الشکر کی وجہ سے وہ اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ لہذا اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کرنا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ امام رازی نے اس دلیل سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شیعہ کی طرف سے دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا اور مشرک نجس ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباء مومن تھے۔ اس پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے آباء مشرک نہ ہوں، کیونکہ پاکیزہ پشتوں کا معنی ہے آپ نکاح سے پیدا ہوئے ہیں، زنا سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، ہمارا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے۔ مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سے سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا، حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ کے تمام آباء خیر تھے اور مومن مشرک سے خیر اور بہتر ہے۔ لہذا آپ کے تمام آباء مومن ہونا ثابت ہوا، اس دلیل سے بھی امام رازی نے تعرض نہیں کیا۔ امام رازی نے شیعہ کی طرف سے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم

نے بہت شدت اور سختی کے ساتھ آزر کا رد کیا ہے، اگر وہ ان کے باپ ہوتے تو ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کے چچا تھے، پھر اس دلیل کا رد کیا ہے کہ ان کی یہ سختی اس کے شرک پر اصرار کی وجہ سے تھی۔ (تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۱، ملخصاً) ہرچند کہ ہم نے اس دلیل سے استدلال نہیں کیا، لیکن اس پر امام رازی کا اعتراض قوی نہیں ہے، کیونکہ کفر اور شرک کے باوجود ماں باپ کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے افرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، اس نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نرم گفتاری کا حکم دیا:

إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا
تَيْنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَحْشَىٰ (طہ: ۴۳)

(اے موسیٰ اور ہارون!) آپ دونوں فرعون کے پاس
جائیے بے شک اس نے بہت سرائٹھا رکھا ہے، آپ دونوں اس
سے نرمی سے بات کریں، تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا
ڈرے۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ آپ کا باپ نہیں، چچا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴) اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو وہ اس سے اس قدر اہانت آمیز کلام نہ فرماتے۔

اس بحث کے بعد امام رازی نے لکھا ہے کہ رہے ہمارے اصحاب تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کافر تھے اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ آزر کافر تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا۔ (تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

ہم اس قول کی شاعت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ امام رازی صحیح العقیدہ تھے، دین اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قول سے رجوع کی توفیق دی۔ جن دلائل کو انہوں نے تفسیر کبیر میں رد کر دیا ہے، اسرار التنزیل میں ان ہی دلائل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے تمام آباء کرام کا ایمان ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔

ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف

مسئلہ ثانی: نبی ﷺ کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے جد اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے، جیسا کہ عرب کی ایک جماعت اس دین پر تھی۔ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہما، اور یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔ ان ہی میں سے امام فخر الدین رازی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے ایک قول یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور اب قطعی طور پر یہ کہنا واجب ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر آپ کا چچا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ ”وتقلبک فی الساجدین“ کے اور بھی کئی محال ہیں اور جب کہ ہر محمل کے متعلق ایک روایت وارد ہے اور ان میں باہم کوئی منافات بھی نہیں ہے تو اس آیت کو ان تمام محال پر محمول کرنا واجب ہے اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء کے مشرک نہ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انما المشرکون نجس“ مشرک محض ناپاک ہیں پس واجب ہوا کہ آپ کے اجداد کرام سے کوئی شخص مشرک نہ ہو۔ امام رازی کا کلام ختم ہوا۔

تم امام رازی کی امامت اور جلالت پر غور کرو، وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے امام ہیں اور بدعتی فرقوں کا رد کرنے والے ہیں اور وہ اپنے زمانہ میں مذہب اشاعرہ کے ناصر اور موید ہیں اور وہی چھٹی صدی ہجری میں ایسے عالم ہیں جو اس امت کے لیے بہ طور مجدد بھیجے گئے ہیں اور میرے نزدیک امام فخر الدین رازی کے مذہب کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں۔

(الحاوی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۲۱۰، مطبوعہ فیصل آباد)

امام رازی نے یہ بحث اسرار التزیل و انوار التویل ص ۲۷۳-۲۷۹، مطبوعہ بغداد، ۱۹۹۰ء میں کی ہے۔ یہ کتاب مجھے بعد میں ملی ان شاء اللہ الشرح ۲۱۹ میں اس کتاب سے امام رازی کی اصل عبارات پیش کروں گا۔ ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ متقدمین علماء پر مخفی رہا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

لیکن متاخرین علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و امہات کا ایمان ثابت کیا ہے، اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی، بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے، ان کو حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے، لیکن متعدد طریق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ ”واللہ یختص برحمته من یشاء“ اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا، مخالفین کے شبہات کے جوابات دیئے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(اشعة اللمعات، ج ۱، ص ۷۱۸، مطبوعہ مطبع تاج کمار، لکھنؤ)

میں نے ابوین کریمین کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جو گفتگو کی ہے، اس سے بہت سے صحیح العقیدہ علماء بھی متشوش تھے، اس لیے میں نے چاہا کہ امام رازی کی تفسیر کبیر کی بحث کا جواب لکھوں اور یہ واضح کروں کہ امام رازی نے اس نظریہ سے رجوع فرمایا ہے اور یہی سلف صالحین اور علماء و ہائین کی نشانی ہے۔ آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی خوشنودی عطا فرمائے، اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ: ۱۱۹ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بتوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴)

یعنی تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ (الصف: ۹۶-۹۵)

ابراہیم نے کہا کیا تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اور یہ بت بالکل بھرے ہیں، تمہاری فریاد کو نہیں سنتے، نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں!

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (الانبياء: ۶۴-۶۶)

ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان، تف ہے تم پر (اور تمہارے بتوں پر) جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش کا بطلان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۝ (الحج: ۷۳)

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو، وہ سب مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو نہیں بنا سکتے، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

پھر ایسے کمزور، لاچار، بے حس اور بے جان تراشیدہ پتھروں کو اپنا خدا ماننا اور ان کی پرستش کرنا کھلی ہوئی گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا مصداق

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمان کھل گئے، حتیٰ کہ عرش بھی، پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لیے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے اوپر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے

ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے

دیکھا، انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی اے ابراہیم! ٹھہرو، تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین معاملات ہیں، یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرماؤں گا، یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا، یا بد کاری میں اس کو ڈھیل دوں گا اور پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۲۶)

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چوستے، تو ان کو رزق مل جاتا، جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی، ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ، سمندر، دریا، درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں، مثلاً سورج، چاند، ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۲۷)

حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، آپ سے کسی نے کہا میں نے آج سے پہلے آپ کو زیادہ خوش نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میرے پاس میرا رب (خواب میں) نہایت حسین صورت میں آیا۔ اس نے کہا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا تو ہی خوب جانتا ہے! پھر اللہ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "و کذلک نری ابراہیم ملکوت السموات و الارض ولیکون من الموقنین"

(جامع البیان، جز ۷، ص ۳۲۲، سند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۱۷۰، طبع جدید دار الفکر، شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، سند احمد، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۲۰۰۸، طبع دار الحدیث، قاہرہ، سند احمد، ج ۵، ص ۲۳۳، طبع قدیم، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۲۳۶، ۳۲۳۵، ۳۲۳۴، شرح السنہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۵، الشریعہ لآجری، ص ۳۳۳-۳۳۲، سند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث: ۲۶۰۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ہدایت دی ہے، اس کی حقیقت کو جان لیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اپنی قوم کی گمراہی اور جہالت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا، پھر جب انہوں نے جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) ڈوب گیا، تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا، پھر

تبیان القرآن

جلد سوم

جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: ۷۹-۷۶)

ستارے چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا انہوں نے اپنی قوم سے اثناء استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کا مقدمہ تھا، تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس قول کا رد فرمایا چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے، وہ تمام دنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے، ان کی باتوں کو سننے والا ہے، وہ کبھی کسی چیز سے غافل ہوتا ہے، نہ غائب ہوتا ہے۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے درپے ہوئے، جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا، اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم کو سنانے کے لیے فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ان کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کا شکار ہے، اور اس میں یہ تشبیہ ہے کہ جس نے چاند کو خدا مانا وہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے متعلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الہی پر موقوف ہے۔

چاند کی خدائی کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، تمام سیاروں میں سب سے عظیم سیارہ سورج ہے۔ اس کی حرارت، اس کی روشنی اور اس کا نفع سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے، یہ تمام ستاروں اور سیاروں میں سب سے بڑا ہے۔ سو یہی سب کی بہ نسبت الوہیت کے زیادہ لائق ہے اور جب دیگر ستاروں کی طرح سورج بھی ان کے افق سے غروب ہو گیا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو، میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر چکا ہوں، میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دین حنیف، دین حق اور دین توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں، جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق، اس کا مدبر اور اس کا مربی ہے، جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو ”ہذا ربی“ کہنا شک کی بنا پر نہیں تھا

اس استدلال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے، یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا، کہ اگر بر سبیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہو جانا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں استفہام محذوف ہے، جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بات اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لیے آپ نے سوال کو دل میں رکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے، اور آپ کا منشا تھا، کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ توجیہات اس لیے ضروری ہیں کہ نبی ایک آن کے لیے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہو سکتا ہے، ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی

ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ
عَلِيمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ
الْتَّمَائِلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ

(الانبیاء: ۵۲-۵۱)

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَّلَمْ
يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ
إِجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

(النحل: ۱۲۱-۱۲۰)

اور بے شک ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو ہدایت عطا فرما دی تھی اور ہم انہیں خوب جانتے تھے اور جب انہوں نے اپنے (عربی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسے بت ہیں جن کی پرستش پر تم جے بیٹھے ہو۔

بے شک ابراہیم اپنی ذات میں ایک فرمانبردار امت تھے باطل سے الگ حق پر قائم رہنے والے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۝ اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے، اللہ نے ان کو جن لیا اور ان کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا

ان آیات میں الوہیت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اس کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو غروب یا غائب ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا جسم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ کسی ایک افق کے سامنے ہوتا تو دوسرے افق سے غائب ہوتا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا صفاتِ حادثہ کا محل نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو محلِ حوادث ہو وہ متغیر ہو گا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے، بلکہ عقائدِ دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاءِ علیہم السلام کے عقائدِ دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (الانعام: ۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم برص میں مبتلا ہو جاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔ (الانعام: ۸۱)

یہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے، جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے ان کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے ان کو کھڑے سے نکلے نکلے کیا تھا، اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے، اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون مامون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچانا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، ان ہی کے لیے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام: ۸۲)

اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مباحثہ ہوا تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ سنایا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی محفوظ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی آمیزش نہ کی ہو، اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب ہے جب انہوں نے فرمایا پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، تو وہی دنیا اور آخرت میں محفوظ اور مامون ہونے کے زیادہ حقدار ہیں، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اور جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم“ (الانعام: ۸۲) تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار ہوئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اپنی جان پر کچھ نہ کچھ ظلم کرتا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم کا یہ معنی مراد نہیں ہے۔ کیا تم نے لقمان کا اپنے بیٹے کے متعلق یہ قول نہیں سنا کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، صحیح مسلم، ۱۹۷، (۱۲۳) ۳۲۰، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۶۶، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۳۱، السنن الکبریٰ للسمعانی، ج ۱۰، ص ۱۸۵، جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۲-۳۳۱)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی،

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾ وَهَبْنَا

ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بیشک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۰ اور ہم نے ابراہیم کو

لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۗ كُلًّا هَدَيْنَا ۗ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اسحاق (بٹیا)، اور یعقوب (پوتا) عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۗ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

وَهَارُونَ ۗ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ

ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ۰ اور زکریا اور یحییٰ

وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۗ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۵﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

اور عیسیٰ اور الیاس، یہ سب صالحین ہیں سے ہیں ۰ اور اسمعیل اور اسحاق

وَيُونُسَ وَلُوطًا ۗ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ

اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر فضیلت دی ۰ اور ان کے باپ دادا

وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۗ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ

اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط

مُسْتَقِيمٍ ﴿۸۷﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ

مستقیم کی ہدایت دی ۰ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۸﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہو جاتے ۰ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۗ فَإِن يَكْفُرُ بِهَا هُوَ ظَالِمٌ

ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی

وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى

حرج نہیں، ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے

اللّٰهُ فَيَهْدِيْهِمْ اِقْتِدَاةً طُٔ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا

ہدایت ہی ہے، کہ آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، یہ تو صرف

ذِكْرِيْ لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰

تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۸۳)

مسلمانوں پر مصائب نازل ہونے کی وجوہات
اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیئے ہوئے ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ ان کی قوم کے کافروں نے کہا تھا کہ تم ہمارے بتوں کی مخالفت کرتے ہو، اس لیے تمہیں ان کی مخالفت کی وجہ سے کوئی آفت یا مصیبت پہنچ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی، وہی لوگ ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔
اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی آفات اور مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ کتنا کس طرح صحیح ہو گا کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آفات اور مصائب انسان کی اپنی بعض بد اعمالیوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ
آیْدِیْكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ (الشوری: ۳۰)
اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے سبب تمہیں پہنچی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس آزمائش میں ان کی استقامت اور ان کا ضبط اور صبر ان کے تقرب اور ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا، تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفات، مصائب اور مشکلات میں ان کی استقامت اور ان کے صبر و ضبط کو ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَحْسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَّهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۲)
کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ (محض) ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ

اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور

پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں 'بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

نَفِصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ
الضَّالِّينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَٰئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ: ۱۵۷-۱۵۵)

انبیاء علیہم السلام، علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی

نیز! اس آیت میں فرمایا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ درجات ایمان، علم و حکمت اور نبوت کے درجات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَلٰٓئِكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ
مِّنْهُمْ مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ
(البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

رسولوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور علماء کے درجات کی بلندی کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: ۱۱)

تم میں سے جو لوگ کامل ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب کے اعتبار سے ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی قوت اور غلبہ کے اعتبار سے دنیا میں بلند درجہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (الانعام: ۸۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ نعمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے غالب اور سرخرو کیا اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے ان کے پاس فرشتے آئے اور ان کو حضرت اسحق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ اس بشارت سے حضرت سارہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا

قَالَتْ يٰٓوَيْلَتِي ۖ اِلٰدٌ وَّاَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي
شَيْخًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝۱۰۱ قَالُوْا
اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَّحَمَّتُ اللّٰهُ وَّبَرَكَتُهُ

سارہ نے کہا ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں کی، حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم سے

عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝
 تعجب کرتی ہو اے ابراہیم کے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں
 (ہود: ۷۳-۷۴) اور برکتیں ہوں بے شک وہی ہے تعریف کیا ہو بڑی بزرگی
 والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے نبی ہونے کی بشارت دی:
 وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ
 اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں
 (الصف: ۱۱۳) سے ہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے بعد حضرت سارہ کو ان کے پوتے (حضرت یعقوب کی بشارت دی):
 فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَ مِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ
 اور ہم نے سارہ کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد
 (ہود: ۷۱) یعقوب کی۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر نہ کرنے کی وجہ
 اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے حضرت اسحاق کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا
 ذکر نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے بوڑھے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کا
 ظہور اول حضرت اسحاق کی پیدائش سے ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بنو
 اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام
 کو نبوت اور حکمت سے نوازا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی نعمت ہے ان کے جد اکرم نبی تھے۔ وہ خود بھی نبی
 تھے اور ان کی اولاد میں بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون
 علیہم السلام یہ سب ان کی ذریت طیبہ ہے:

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (آل عمران: ۳۳)
 ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یا حضرت نوح کی طرف۔ اگر یہ
 ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد، حضرت سلیمان،
 حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ہیں اور
 اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کی اولاد قرار پائیں گے۔ اس اعتبار سے تو یہ مناسب ہے، کیونکہ اس کلام کا سیاق و سباق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا
 بیان ہے اور یہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ سارے انبیاء علیہم السلام ان کی اولاد ہیں، لیکن اس پر اعتراض ہے کہ
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلیبی بیٹے نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کی بیٹی حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور دور کی
 پشتوں میں جا کر آپ کے نواسے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اولاد کا اطلاق کس طرح درست ہوا؟ اس کا جواب یہ
 ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ ہم آیت ۸۵ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ (الانعام: ۸۵)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یا حضرت ابراہیم۔

ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء المتوفی ۲۰۷ھ نے لکھا ہے یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے۔ (معانی القرآن، ج ۱، ص ۳۳۲)

نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمور کو بلا کر کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ حضرت حسن اور حضرت حسین نبی ﷺ کی اولاد ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل ہے؟ میں نے اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا، مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی یحییٰ بن یعمور نے کہا تم نے سورۃ الانعام کی یہ آیت نہیں پڑھی ومن ذریئہ الی قولہ ویحییٰ وعیسیٰ اس نے کہا کیوں نہیں انہوں نے کہا کیا حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں، حالانکہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ حجاج نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۳۵، مطبوعہ نزار مصطفیٰ، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

ابو اسحاق ابراہیم الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ نے لکھا ہے، جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔

(معانی القرآن و اعرابہ للزجاج، ج ۲، ص ۲۶۹، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۳۶ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ من ذریئہ کی ضمیر کا ابراہیم کی طرف لوٹنا بھی جائز ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ان انبیاء میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کے بھتیجے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھانجے ہیں اور جو شخص ماموں پر باپ کا اطلاق کرتا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور یہ بہت مناسب ہے۔

(المحرر الوجیز، ج ۶، ص ۹۷، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی ان کے ماموں کی طرف نسبت کی ہے اور فرمایا ”ومن ذریئہ الی قولہ) و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذکور انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس آیت میں حضرت یونس اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر بھی کیا گیا اور وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، حضرت لوط ان کے بھتیجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے بھانجے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف منسوب ہیں، اگرچہ ان میں بعض انبیاء ایسے ہیں جو ماں اور باپ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہیں ہیں، کیونکہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم کے بھائی کے بیٹے ہیں اور عرب چچا کو باپ کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نقل فرمایا ہے، انہوں نے کہا

تَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَ

ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ

اِسْمَاعِيلَ وَاِسْحٰقَ (البقرہ: ۱۲۳) دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

حالانکہ حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے شمار فرمایا ہے، حالانکہ وہ ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں، اسی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نبی ﷺ کی ذریت ہے اور جو فقہاء بیٹیوں کی اولاد کو بھی اولاد میں داخل کرتے ہیں، وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر آئے اور ان کو منبر پر چڑھایا، پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اسی کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۹۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۲، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۰۹، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۹۶۳، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۴۷۰، طبع جدید، مسند احمد، ج ۵، ص ۵۱، ۳۳، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۹۱، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۵)

ہمیں کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہے کہ اس نے بیٹیوں کی اولاد پر ان کے نانا کی اولاد کے اطلاق کو ناجائز کہا ہو اور لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ولد (بیٹا) کا لفظ تولد سے مشتق ہے اور وہ لامحالہ اپنی ماں کے باپ سے متولد ہیں۔ سو قرآن مجید کی آیت ”ومن ھزبتہ“ (الانعام: ۸۳) اس حدیث اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد پر بھی اس شخص کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے، اس سے حسب ذیل مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے کسی جائیداد کو وقف کیا تو اس میں اس کی بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی، اسی طرح جب کسی شخص نے اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کی تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کو قرابت شامل ہے، اور ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کے بیٹے ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم اور اس کے غیر کو قرابت شامل ہے، سو ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا کا بیٹا اور اس کا غیر ساقط نہیں ہوگا، اور امام مالک کے نزدیک اس وصیت میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی اور اس کا اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وصیت کرنے کی مثل ہے اور اس وصیت میں بیٹے کی اولاد داخل ہوگی اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

يُؤْتِيكُمُ اللّٰهُ فِتْنٰی اَوْلَادِكُمْ (النساء: ۱۱)

اللہ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔

تمام مسلمان اس آیت کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد سے مراد صلبی اولاد ہے اور خصوصاً بیٹا مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رَسُولَکَ لِيْءِ اِسْرَآءِیْلَکَ (الانفال: ۳۱)

وَلِيْلَ رَسُولٍ وَّلِيْدِي الْقُرْبٰی (الانفال: ۳۱)

رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حصص قرابت داروں میں سے چچا کو دیئے، ماموں کو نہیں دیئے، اسی طرح عرف میں بیٹیوں کی اولاد ان کے نانا کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور شجرہ نسب میں وہ نانا کے ساتھ نہیں ملتی۔

(الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بیٹی کی اولاد پر اولاد کے اطلاق اور اولاد میں اس کے داخل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَبَنَاتَنَا وَكُفْرًا نِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝ (آل عمران: ۷۶)

پھر (اے رسول مکرّم!) آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی جو لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث کریں تو آپ (ان سے) کہیں، 'آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور تم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو، پھر ہم عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔'

احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بیٹوں کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا، اس سے واضح ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی اولاد میں داخل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابو نعیم شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل نجران عیسائیوں کی ایک بڑی قوم تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک سنگین بات کہی اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مبالغہ کرنے کا حکم دیا۔ صبح کو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں، تو انہوں نے مبالغہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے سب نے بشارت دی تھی حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے بھی کہ اگر یہ مبالغہ کرتے تو تمام اہل نجران خلاک ہو جاتے۔

امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن المنذر، امام حاکم اور امام بیہقی نے (اپنی سنن میں) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل تعالوا ندع ابنا ونا وبنائکم" تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔

(در مشور، ج ۳، ص ۲۳۳-۲۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو بیٹا کہنا، یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) کے اس مسئلہ میں مختلف فتوے ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ بیٹی کی اولاد، اولاد میں داخل ہے۔

(روح المعانی، جزء ۷، ص ۲۱۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت الیاس کا نسب اور ان کا مصداق

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب اور ان کے مصداق میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یس الیاس ہیں اور اسرائیل یعقوب ہیں۔

اور اہل انساب نے یہ کہا ہے کہ اور یس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ وہب بن منبہ سے اسی طرح مروی ہے، کیونکہ اس آیت میں حضرت الیاس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت قرار دیا ہے تو پھر وہ حضرت اور یس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت اور یس علیہ السلام تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں، اس لیے اہل انساب کا قول صحیح ہے۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ وہم کیا ہے کہ الیسع ہی الیاس ہیں، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت اور یس حضرت نوح کے دادا ہیں اور حضرت الیاس ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت خضر ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں، بلکہ حضرت الیسع حضرت خضر ہیں۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، الیاس بن لیس بن فحاص بن العیزار بن ہارون۔ یہ وہ ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی ہیں۔ قتیبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس حضرت یوشع کے نواسے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کے نواسے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ اور یس ہیں، اور امام ابن اسحاق نے حضرت اور یس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، اور یس بن یرد بن مھلائیل، بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت نوح اور حضرت اور یس کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ (روح المعانی، جزء ۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دی (الانعام: ۸۷-۸۶)

علامہ قرطبی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے صاحب تھے اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ پھر ان کی اولاد میں سے چودہ نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت الیسع، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام اور یہ کل اٹھارہ نبیوں کا ذکر ہے۔

جب متعدد شخصیات کا ذکر ہو تو ان کے درمیان ترتیب یا تو سنن وفات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یا فضل اور شرف کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے۔ امام رازی نے یہاں ترتیب کی ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصول ہے، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک، سلطنت اور قدرت کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا، انہیں مصائب میں صبر و ضبط اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا، وہ ان دونوں نعمتوں کے جامع ہیں۔ پہلے انہوں نے سخت مصائب برداشت کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور سلطنت سے نوازا۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام پر نعمتوں کا دو سرا سلسلہ ہے۔ وہ ان کے معجزات کی قوت اور ان کے دلائل اور براہین کی کثرت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ نعمت پوری طرح حاصل تھی۔ لہذا ان کا ذکر فرمایا، اس کے علاوہ نعمت کی ایک قسم ہے دنیا سے ترک تعلق کر کے زاہدانہ زندگی گزارنا، اور حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس اس نعمت کے حامل ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صالحین کے وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ایک وہ نوع ہے جن کے دنیا میں پیرو کار باقی نہیں رہے، اور وہ یہ ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت الیسع، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں یہ ایک عمدہ مناسبت ہے جس کو امام رازی نے مستنبط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے ان کو ہدایت دی، اس کا معنی ہے ہم نے ان کو جنت کے راستوں کی طرف ہدایت دی، یا اس کا معنی ہے ہم نے ان کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے اور محاسن اخلاق کو حاصل کرنے کی ہدایت دی۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان (سب) انبیاء کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں، کیونکہ عالم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو شامل ہے اور ملائکہ بھی عالمین میں داخل ہیں۔ سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے سجدہ کا حکم دیا جائے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے متعلق سوال فرمایا اور جب وہ ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا آپ انہیں ان چیزوں کے نام بتائیں اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتادیئے تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سورہ بقرہ ۳۳-۳۰ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی فرشتوں سے افضل ہوتا ہے، اور جو تھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت اور غضب کو رکھا ہے جو علمی اور عملی کمالات کے حصول سے مانع ہیں، پھر اس میں نجی، خانگی اور تمدنی ضروریات اور حاجات رکھی ہیں اور کمزوریاں اور بیماریاں رکھی ہیں جو فضائل اور محاسن کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہر وقت تسبیح، تہلیل اور عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز مانع اور حائل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشاغل، صوارف اور موانع کے باوجود معرفت الہی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا زیادہ اخلاص اور فضیلت کا موجب ہے۔ اس لیے عام اور خاص ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام افضل ہیں اور عام ملائکہ سے کامل مسلمان اور عبادت گزار مومنین افضل ہیں، لیکن وہ خاص ملائکہ یعنی رسل ملائکہ سے افضل نہیں ہیں، بلکہ رسل ملائکہ ان سے افضل ہیں اور فساق، فجار اور کفار سے عام ملائکہ بھی افضل ہیں۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں اولیاء کرام بھی داخل ہیں۔

یہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں، کیونکہ اس میں فرمایا ہے ہم نے ان (سب) کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں ہمارے نبی بھی داخل ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس آیت میں یہ قید لگائی ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانوں میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں سات انبیاء علیہم السلام کا اور ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت ہود، حضرت ذوالکفل، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ان آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ جس رسول نے سب سے پہلے حلال اور حرام اور دیگر شرعی احکام بیان کیے، وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں (تو کوئی حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمادیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ (الانعام: ۸۸-۸۹)

اللہ کی ہدایت

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو ہدایت دی ہے اور ان کو دین حق کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق دی ہے، جس کے سبب سے انہوں نے دنیا اور آخرت کی عزت اور لرامت کو حاصل کیا اور اللہ کی ہدایت کا معنی ہے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا، ہر قسم کے شرک سے دائماً مجتنب رہنا اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ پھر فرمایا (بہ فرض محال) اگر ان نبیوں اور رسولوں نے بھی شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی آمیزش کے ساتھ کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے تعریف ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہوں نے بالفرض شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے تو ان کی امتیں کس گنتی شمار میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، یہ وہ انبیاء ہیں جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں ان کتابوں سے مراد حضرت ابراہیم کے صحیفے ہیں اور حضرت موسیٰ کی تورات ہے، حضرت داؤد کی زبور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انجیل ہے اور حکم سے مراد ہے کتاب اللہ میں مذکور احکام کی فہم اور معرفت، اور نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے غیب کی خبریں اور احکام شرعیہ حاصل کر کے بندوں تک پہنچانا۔

پھر فرمایا اگر اہل مکہ نے میری کتاب کی ان آیات کا کفر اور انکار کیا تو میں نے ان آیات پر ایمان لانے کے لیے ایسی قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔ ابن جریج نے کہا اس قوم سے مراد اہل مدینہ اور انصار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے اہل ایمان کے لیے مدینہ میں جگہ بنا چکے تھے۔

قادر نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے: کہ اگر قریش نے ہماری آیات کی تکذیب کی (تو کیا نقصان ہے!) ہم نے اس سے پہلے

اشعارہ نبیوں کا ذکر کیا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔ امام ابن جریر نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۵-۳۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ آپ کہنے میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الانعام: ۹۰)

نبی ﷺ کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا

اس آیت کا معنی ہے اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں، اس منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے، آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی ﷺ کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا، رقم الحدیث: ۱۶۷۷، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۵۰۶۷، ۵۰۶۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(المستدرک، ج ۲، ص ۶۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۹۲، الاستذکار، ج ۲۶، رقم الحدیث: ۳۸۹۳۲، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۹۳۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۱، طبع قدیم، کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۱۹۶۹)

امام احمد بن عمر عینی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البراز، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۷۰، المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۹۱، علامہ البیہقی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۵، طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے، الدر المنتشرہ، رقم الحدیث: ۱۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور خصال شرف ان میں متفرق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نعمت پر بہت شکر کرنے والے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راجح قدم رکھتے تھے۔ حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس اللہ

نبیان القرآن

جلد سوم

کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں آپ تمام ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے۔ لہذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ، ج ۱۳، ص ۱۷، مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے ہیں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور فرمایا میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْنَا بَشِيرًا مِّنْ

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں

شَيْءٍ بِعَقْلٍ مِّنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى

کیا، آپ کہتے ہیں اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے، وہ لوگوں کے لیے نور اور

لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا وَ

ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنائے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور

عِلْمِكُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ

تہیں وہ علم دیا گیا جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہتے ہیں اللہ (جی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان

فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾ وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مَبْرُكًا مُّصَدِّقًا

کی کج بختی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں ۰ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والی ہے، یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۹۲﴾

لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر (مجھ) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے

وَلَمْ يُوْحِ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ

حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل

اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمْرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ

کی ہے، اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے

بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا

الهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

دی جائے گی کیوں کہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے

آيَتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْتُمُ

تکبر کرتے تھے اور بیشک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْتُمْ وِرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ

تنہا، پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان

شُفَعَاءَ كُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے

بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۹۳﴾

شریک ہیں، بیشک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہئے: پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے؟ وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ علم دیا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہئے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بخشی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۹۱)

مناسبت اور شان نزول

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا پھر ان کو مزید مستحکم فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اثبات کے لیے دلائل کو ذکر فرمایا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے، اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو بتاؤ: موسیٰ پر تورات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی حجت ہو سکتا ہے، مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ بعض مشرکین اہل کتاب سے سن کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کے معتقد تھے، وہ صرف سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ماننے سے انکار کرتے تھے اور مشرکین کے متعلق اس آیت کے نزول پر یہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور یہود سے نبی ﷺ کے مناظرے مدینہ منورہ میں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ آیت مشرکین ہی سے متعلق ہے، لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ایک آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور نبی ﷺ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھوا دیا اور روایات دونوں کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صیف نام کا ایک یہودی نبی ﷺ کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور وہ موٹا عالم تھا، وہ غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا بہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر

حصہ کو چھپا لیتے ہو یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ تورات میں تحریف کرنا بہر حال یہودیوں کا کام تھا۔ مشرکین کا کام نہیں تھا، اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہاں نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کافی نفسہ ظاہر ہونا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لیے مظہر ہونا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر کتاب کو کاغذوں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کاغذوں میں محفوظ کر لیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت کاغذوں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کر دیئے تھے۔ ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بت سے لوگوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے کچھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قادر نہیں ہو سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی من گھڑت اور باطل تفسیر کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں، اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح محمل چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے۔ مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۱۳، ص ۷۹، مطبوعہ مصر)

یہ امام رازی کی تقریر ہے لیکن اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اور رجم کے متعلق مل کر بھی آیات بہت قلیل ہیں، جبکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے ہو۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور امام رازی کا اس کو قرآن مجید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی دور میں بھی تورات کی اشاعت قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اور نہ اس کے قرآن مجید کی طرح حافظ ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید سے کسی آیت کا چھپالینا ممکن نہیں ہے اور تورات سے کچھ چھپالینا کچھ دشوار نہ تھا، خصوصاً جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا یا اس سے پہلے کیونکہ اس وقت نشر و اشاعت کے اتنے ذرائع اور وسائل نہ تھے اور یہودیوں کی تعداد اس وقت بھی دنیا میں بہت کم تھی اور وہ مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے نہ تھے، اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو بلا وجہ ان کے ظاہری اور حقیقی معنی سے ہٹانا اور آیات کے چھپانے کو باطل تاویل پر محمول کرنا ہماری رائے میں درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا آپ کہئے "اللہ" اس کا معنی یہ ہے کہ عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ جو کتاب ہدایت اور نور ہے اور

تبیان القرآن

جلد سوم

جس کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے قوی معجزات لے کر آئے ہوں، اس کو نازل کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص وجود باری پر استدلال کرتے ہوئے کہے وہ کون ہے جو مردہ میں جان ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو لاعلمی کے بعد علم پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آنکھ کے ڈھیلے میں بینائی رکھی؟ وہ کون ہے جس نے کان کے سوراخ میں سماعت رکھی؟ پھر وہ کہنے والا خود کہے: اللہ اور اس سے متصور یہ ہے کہ جب کلام یہاں تک پہنچے گا تو ہر صاحب عقل اعتراف کرے گا کہ اس فعل کا فاعل اللہ ہی ہے، اور اخیر میں فرمایا پھر ان کو ان کی کج بخشی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ نے ان کے خلاف حجت پوری کر دی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو زائل کر دیا اور ان کو عذاب خداوندی سے ڈرا چکے تو آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (الشوری: ۳۸) نہیں بھیجا، آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہے۔ یہ قول بعید ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کو ان کی کج بخشی کے لیے چھوڑ دیں یہ ارشاد بطور تہدید ہے اور یہ حصول قتال کے منافی نہیں ہے، لہذا اس آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ امام رازی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ یہود نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا، اس نے رسولوں کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر طعن کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے جہالت ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کا۔

انحرفش نے کہا اس آیت کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی۔ ہمارا یہ دور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناقدری اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا دور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واعظین اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھادیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خضر ولی تھے اور حضرت موسیٰ نبی تھے۔ اور حصول علم کے لیے نبی کو بھی ولی کے پاس جانا پڑتا ہے، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے، جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کیا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کو جب بیٹے کی طلب ہوئی تو وہ ایک ولیہ حضرت مریم کے پاس گئے، اور وہاں دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا جب اس طرف متوجہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسمی پھل دے رہا ہے تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو بے موسمی پھل دے سکتا ہے، وہ مجھے بڑھاپے میں اولاد بھی دینے پر قادر ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی، اس طرح اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ میری ذات سے محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۹۷، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۱۳۱، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۷، المعجم الکبیر،

ج ۲۰، رقم الحدیث: ۱۳۳، حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۱۳۱)

حالانکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے، یہ اس بات کی چند مثالیں ہیں کہ آج کل کے واعظین اولیاء اللہ کو نبی اور رسول سے بڑھا دیتے ہیں اور اب چند مثالیں اس امر کی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی اور امام ابن شاہین نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر گر گئی، نبی ﷺ نے اس آنکھ کو لوٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ تندرست اور صحیح آنکھ تھی۔

(الاصابہ، ج ۳، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس دور کے واعظین اس حدیث میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں تھی۔ (العیاذ باللہ!) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے کے لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں ہی خدا کی دی ہوئی تھیں، لیکن پہلی آنکھ ماں باپ کے واسطے سے ملی تھی اور دوسری آنکھ سرور دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے ملی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ کلمہ طیبہ میں اللہ کا نام پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بعد میں لینے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ کا نام لینے سے زبان پاک ہو جائے گی، پھر اس زبان سے نام محمد لیا جائے۔ حالانکہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کو کسی ناپاک مرد یا عورت (خواہ جنبی ہو، مختلم ہو یا حائض و نساء ہو) کا زبان سے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح جنبی اور بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا بھی حرام ہے اور ادب و احترام کی وجہ سے احادیث کو ان حالتوں میں نہ پڑھنا اور نہ چھونا ایک الگ بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ ادب اور احترام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ہے، اور کلمہ طیبہ میں اللہ کے نام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقدم کی جتنی بھی وجوہ یہاں ہو سکتی ہیں، تقدم بالذات ہو، تقدم بالشرف ہو یا تقدم بالذکر ہو، ہر وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اول تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں اختیارات کا تقابل کرنا ہی غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی طاقت اور اقتدار اور آپ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اقتدار سے زیادہ ہے۔ (معاذ اللہ) خالص کفر اور زندیقی ہے۔ ”وما قدروا اللہ حق قدرہ“ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے، نہ رسول اللہ ﷺ کو خوش اور راضی کیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابو طالب، ابولہب اور دیگر کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور ان کو دائمی عذاب سے نہیں چھڑائیں گے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر لی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس نازل فرمائی اور آپ کو ان کی طرف توجہ نہ کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۖ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۖ
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۖ (عبس: ۱۰-۸)

اور جو دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا، اور وہ اپنے رب سے ڈر رہا ہے، تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں!

تبیان القرآن

جلد سوم

یاد رکھئے رسول اللہ ﷺ ایسی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس ناراض اور رنجیدہ ہوں گے جس تعریف میں آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کا وہم ڈالا جائے یا اس کا تصور دیا جائے۔
امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

جب بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ مشقت میں پڑ گئے اور بچے ضائع ہو گئے اور مال لوٹ لے گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور شفیع لاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے! تم کو پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس شفیع اور سفارشی نہیں بنایا جاتا، اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ تم پر افسوس ہے! کیا تم کو پتا ہے اللہ کی کیا شان ہے؟ اس کا عرش تمام آسمانوں پر اس طرح محیط ہے، آپ نے اپنی انگلیوں سے گنبد بنا کر دکھایا اور وہ اس طرح چرچرا رہا ہے جس طرح سواری کے بوجھ سے پالان چرچراتا ہے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۷۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حافظ زکی الدین ابو محمد المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت بیان کرنے کے لیے یہ مثال ذکر فرمائی ہے، تاکہ سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی بلند شان، جلالت قدر اور عظیم ذکر کا اندازہ ہو اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہ بنائے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے، اور نہ وہ کسی صورت سے کیفیت ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد، ج ۷، ص ۹۶، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

ایک اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے پاس سفارشی بنایا تو نبی ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے، بار بار افسوس کیا اور سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا۔ آپ سوچئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کی نکتہ آفرینی کی گئی تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا افسوس ہوگا؟

اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ آج کل کے واعظین یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی دجلہ پر آئے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی طرح چلنے لگے، بعد میں ایک شخص آیا۔ اس کو بھی دریا کے پار جانا تھا اور کشتی کوئی نہ تھی، اس نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں کس طرح آؤں؟ آپ نے فرمایا یا جنید یا جنید کتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا تو شیطان نے دل میں دوسو ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلاتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا، پکارا حضرت میں چلا، فرمایا وہی کہہ کہ یا جنید یا جنید! جب کہا، دریا سے پار ہوا۔ بعد میں حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ارے نادان! ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔

اس حکایت کو پڑھ کر بے اختیار زبان پر یہ آیت آتی ہے ”وما قدروا اللہ حق قدرہ“ انہوں نے اللہ کی کما حقہ قدر اور تعظیم نہیں کی اس حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا جنید کہنے سے بندہ پار لگتا ہے اور یا اللہ کہنے سے ڈوب جاتا ہے اور اس میں مخلوق کے ذکر کو اللہ کے ذکر سے بڑا درجہ دینا ہے اور اس حکایت میں اللہ کے ذکر کے ارادہ کو شیطان کا دوسوہ قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس میں حضرت جنید پر بہتان ہے، اللہ کے نیک اور صالح بندے اپنے متوسلین کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں، نہ کہ اپنے ذکر کی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ سے اس حکایت کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔ مسئلہ: از شفاخانہ فرید پور ڈاک خانہ خاص اسٹیشن پتھر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر، ۷ رمضان ۱۳۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے، انہوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑا، اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے۔ تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلے آؤ اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا، تب وہ ڈوبنے لگا، اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہو، یا جنید یا جنید کہو، تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا، یہ درست ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لیے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بیسوا تو جسروا۔

الجواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا، اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا اور یہ محض افتراء ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا، خصوصاً حیات دنیاوی میں، خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں، اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا کمال بے ادبی و گستاخی و دریدہ دہنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۱۹۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت نے اس حکایت کا جو رد کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ (الملفوظ ج ۱، ص ۱۱۷، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) اور ج ۱، ص ۱۳۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) میں اس حکایت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ حضرت کا ملفوظ قرار دیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلالت ہے، اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی حکایت بیان کریں، اس سلسلہ میں یقیناً ملفوظ کے مرتب کو سہوا ہوا ہے۔ اس پر دلیل فتاویٰ رضویہ کی مذکورہ عبارت ہے:

وما قدروا اللہ حق قدرہ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے واعظین کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نبی ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لیے ان کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لیے اللہ کی شان کو ان سے کم دکھاتے ہیں معاذ اللہ۔ اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع آور بنائے اور اس عاجز کو سلامتی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، یہ برکت والی ہے، یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الانعام: ۹۴)

قرآن مجید کی خیر اور برکت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کو باطل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی اور جب

تبیان القرآن

جلد سوم

یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کی ہیں، تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، ہم نے اس کتاب کو بہت خیر اور برکت والی بنایا ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تائید، تصدیق اور حفاظت کرتی ہے۔

اس کتاب کی خیر و برکت یہ ہے کہ انسان کو علم اور عمل کی فضیلت سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سب سے افضل اور اشرف علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور نبی کی ضرورت اور اس کے مقام و منصب اور احکام شریعت کا علم ہے اور اس علم کا مکمل قرآن مجید ہے اور سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے، اور اس علم کا منبع بھی قرآن کریم ہے۔ سو جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، اسے دین اور دنیا کی خیر اور برکت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امراء، حکام اور سرمایہ داروں کو وہ عزت حاصل نہیں ہے جو علماء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔

زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہم نے دیکھا ہے کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے رہتے ہیں، وہاں لوگ پکنک منانے اور سیر و تفریح کے لیے تو جاتے ہیں، تلاوت قرآن اور ایصال ثواب کے لیے کوئی نہیں جاتا۔ اس کے برعکس علماء اور اہل اللہ کے مزارات مرجع خلایق ہوتے ہیں اور وہاں دن رات مسلمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور یہ صرف قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی خیر و برکت ہے۔

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تصدیق کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اصول اور فروع، اصول سے مراد ہیں عقائد، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، توحید، رسالت، ملائکہ، تقدیر، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا، جزاء و سزا، جنت اور دوزخ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی اور انبیاء کے فرق سے ان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ تورات، زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے، وہی عقائد قرآن مجید میں ہیں، اس لحاظ سے قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کا مصدق ہے اور فروع سے مراد ہیں احکام شریعت اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات، رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اس زمانہ کے نبی کی شریعت دوسرے انبیاء سے مختلف ہوتی ہے اور یوں تمام انبیاء کے احکام شریعت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن نفس عبادت اور اطاعت رسول اور اتباع شریعت میں تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں اور اس چیز میں قرآن ان کا مصدق ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا، جو سابقہ شریعت کو منسوخ کر دیں گے اور سب لوگوں کو صرف ان کی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے اور قرآن مجید کے ذریعہ آپ کی شریعت نافذ ہو گئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہو گئی، اس لحاظ سے قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہے۔

مکہ مکرمہ کا ام القریٰ ہونا

اس آیت میں مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ فرمایا ہے، ام القریٰ کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لیے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں اور ابو بکر اصم نے کہا ہے کہ مکہ تمام دنیا والوں سے پہلے آباد ہوا ہے، تو گویا یہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبات اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت حج ہے اور حج مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق مکہ مکرمہ میں

جمع ہوتی ہے، جیسے بچے ماں کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا، نیز حج کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں انواع و اقسام کی تجارت ہوتی ہے اور اس شہر میں کسب معاش اور روزی حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں، اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی عبادت کا پہلا گھر مکہ مکرمہ میں بنایا گیا، اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا۔

نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرائیں۔

یہودیوں کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ صرف جزیرہ عرب کے رسول ہیں اور وہ اس آیت سے مسلمانوں پر الزام قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے، تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے اور باقی علاقہ کے لوگوں کو ڈرانے کی نفی نہیں ہے، جبکہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب الہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی، تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔

تَبْرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱)

آپ کہتے آئے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ حَمِيمًا (الاعراف: ۱۵۸)

اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہتے: کیا تم اسلام لے آئے؟ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو آپ کا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے۔

وَ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَ أَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَأَقْدُوا وَارْتَدُّوا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (آل عمران: ۲۰)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کے لیے رسول ہیں اور اس سے پہلی آیات میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، پہلے نبی بالخصوص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے بالعموم تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں اور وہ مجھ سے پہلے حرام تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی اور ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر میرا رعب طاری کر دیا جاتا ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۹، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم، المساجد، ۳ (۵۲۱) ۱۱۳۳، سنن الترمذی، ۳، رقم

الحدیث: ۱۵۵۹، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۳۶-۴۳۲)

آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے

اس آیت میں فرمایا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، اور اس آیت کا یہ ظاہر یہ معنی ہے کہ آخرت پر ایمان لانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک وجہ

یہ ہے کہ جو شخص آخرت پر ایمان لائے گا وہ وعدہ و وعید اور ثواب و عذاب پر بھی ایمان لائے گا اور ایسا شخص ثواب کے حصول کی کوشش کرے گا اور عذاب کے موجبات سے بچے گا اور وہ توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کرے گا اور یہ اس کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے دین میں مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے کے عقیدہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اتنا زور کسی اور نبی کے دین میں نہیں دیا گیا اس وجہ سے آخرت پر ایمان لانا سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

تمام عبادات میں نماز کی اہمیت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے والے تمام نیک اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام برے کاموں سے بچتے ہیں تو اس آیت میں نماز کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل اور اشرف عبادت نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہارا ایمان (نماز) ضائع کر

(البقرہ: ۱۳۳) دے۔

نیز احادیث میں عدا نماز ترک کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عدا نماز کو ترک کیا اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ اس کی روایت میں محمد بن ابی داؤد منفرد ہے، باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۷۳، مطبوعہ ریاض، ۱۳۱۵ھ)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے اور ان کا حال پوچھا، گھر والوں نے کہا جیسا تم دیکھ رہے ہو، میں نے کہا ان کو نماز کے لیے بیدار کرو۔ وہ نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے لیے فکر مند نہیں ہوتے۔ گھر والوں نے کہا یا امیر المؤمنین! نماز! حضرت عمر نے کہا اللہ! یہ نماز کا وقت ہے اور فرمایا اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ (ایک روایت میں ہے حق) نہیں جو نماز کو ترک کرے، پھر انہوں نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

(المعجم الاوسط، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۱۷۸، علل دار قطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۷۷۔ حافظ میثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح

ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور کفر و شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۳۳، (۸۲) ۲۳۱، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۷۸، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۲۸، سنن النسائی،

ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۷۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۹، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۹۸۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے درمیان اور ان کے درمیان عدا نماز ہے۔ سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ اور یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۳۰، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۰۷۹)

تارک نماز کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کے اور کفر کے درمیان کوئی مانع اور حجاب نہیں ہے وہ کافر ہو گیا اور یہ حدیث اسی ظاہری معنی پر محمول ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ نماز ترک کر دے تو جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے آخر وقت تک نماز نہیں پڑھی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی، امام احمد، امام ابن المبارک، اسحاق اور علامہ ابن حبیب مالکی کے نزدیک اس کو کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا اور امام مالک، امام شافعی اور دیگر علماء کے نزدیک اس کو خدا قتل کیا جائے گا۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس وقت تک سزا دی جائے گی اور قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے۔

صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں، کیونکہ کفر انکار کو کہتے ہیں اور یہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو اپنے اوقات میں پڑھا اور ان کا پورا پورا رکوع اور خشوع کیا تو اللہ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کرنے کا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اللہ پر اس کا کوئی ذمہ نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲۵، سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰۱، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۲۷۵۶، ۲۲۷۶۷، ۲۲۷۸۳، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۲۲، ۳۱۷، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر نہیں ہے اور یہ شرک سے کم درجہ کی معصیت ہے اور شرک سے کم درجہ کی معصیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کرنے کا اعلان فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا، بخش دے گا۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ سستی اور کاہلی سے نماز کو ترک کرنا کفر اور شرک نہیں ہے۔

(المفہم، ج ۱، ص ۲۷۱-۲۷۲، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

تارک نماز کو قتل کرنے کے عدم جواز پر یہ دلیل ہے کہ اسلام میں صرف تین جرموں کی سزا قتل ہے، کسی مسلمان کو ناجائز قتل کیا ہو، شادی شدہ شخص نے زنا کیا ہو یا کسی شخص نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہو۔ ان تین جرموں کے سوا اور کسی جرم میں کسی مسلمان کو (بطور حد) قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان مرد کو جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تین جرموں میں سے کسی ایک کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (وہ یہ ہیں) جان کا بدلہ، جان، شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا اور جماعت کو چھوڑنے والا۔

تبیان القرآن

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، قسامہ ۲۵ (۱۶۷۶) ۲۲۹۶، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۲، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۳، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۳۰، ۳۰۲۹، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۰۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۲۸، ۳۲۲، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۱)

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید اور نبی ﷺ کی صفات بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کا پہلا حصہ یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی، مسیلمہ کے متعلق نازل ہوا ہے، جو بنو عدی بن حنیفہ کے قبیلہ سے تھا۔ اور آیت کا دوسرا حصہ یعنی ”اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے“ یہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوا ہے، یہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھا، یہ نبی ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا۔ اس نے ایک دن عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم لکھ دیا اور کہنے لگا یہ دونوں برابر ہیں پھر یہ اسلام سے مرتد ہو کر قریش کے ساتھ جا ملا، پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۳۵۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

مسیلمہ اور اسود العنسی کے احوال

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کثیر تھا، یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا، یہ کلمہ پڑھتا تھا ”لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبده ورسوله“ اس کا زعم تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک ہے، بنو حنیفہ بہت جلد اس کے تابع ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کے دو آدمیوں کو اپنا خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، اس میں لکھا تھا، یہ مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ سلام علیک! میں اس معاملہ میں تمہارا شریک ہوں، سو نصف زمین میری ہے اور نصف تمہاری ہے، لیکن قریش بے انصاف قوم ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پڑھا تو آپ نے اس کے قاصدوں سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہی جو ہمارے صاحب نے کہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اچھیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی

طرف اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیرو کار ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۱۲۸)

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اللہ سے
ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جب مسیلم نے یہ جواب پڑھا تو وہ مایوس ہو گیا اور بنو حنیفہ نے کہا ہمارا خیال ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ ہمارے صاحب کو اپنا
شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسیلم اور صنعاء کے صاحب اسود بن عذہ العنسی اور طلحہ اور سجاح
تمیمیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، سجاح مسیلم کے پاس گئی اور کہنے لگی، تم پر کیا وحی آئی ہے، اس نے کہا مجھ پر یہ وحی آئی ہے:
الم تر الی ربک کیف خلق الحبلی
اخرج منها نسمة تسعی بین صفاق
طرح حاملہ کو پیدا کیا، اس سے ایک روح نکالی جو باریک کھال
اور پیٹ کے اندر دوڑتی ہے۔

اس نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ تم نبی ہو۔ مسیلم نے کہا تم مجھ سے شادی کر لو، ہم دونوں مل کر عرب کو کھالیں گے۔
اس نے شادی کر لی اور اس کے منادی نے ندا کی، سنو! ہم بنو حنیفہ کے دین میں داخل ہو گئے ہیں اور بنو حنیفہ کے منادی نے ندا
کی، سنو! ہمارے نبی نے تمہاری نبیہ سے شادی کر لی ہے اور سجاح نے مسیلم سے کہا، اپنی قوم سے یہ دو لمبی نمازیں عشاء اور فجر
منسوخ کر دو، تو مسیلم کے منادی نے ان دو نمازوں کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا، اس سے بنو حنیفہ بہت خوش ہوئے۔

پھر مسیلم اسی حال میں یمامہ چلا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا، اور تمام اہل یمامہ اسلام سے مرتد ہو کر
مسیلم کے تابع ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی آکر ان سے مل گئے اور ان کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
اس کی طرف بہت خطوط لکھے، اس کو بہت نصیحتیں کیں اور بہت ڈرایا، بالآخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں
مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر بھیجا، جس نے مسیلم سے قتال کیا اور انجام کار مسیلم حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔
(المصمم علی المسلم، ج ۶، ص ۳۱-۳۹، ملخصاً، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے
ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں ان سے گھبرا گیا اور ان کو ناپسند کیا، پھر مجھے ان کو پھونک مارنے کی اجازت
دی گئی تو وہ اڑ گئے، میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ عبید اللہ نے کہا ان میں سے ایک العنسی ہے
جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلم ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۷۳، صحیح مسلم، روایا، ۲۲، ۵۸۲۶ (۲۲۷۳)، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۹۹، صحیح ابن

حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۶۵۳، دلائل النبوة للسمعنی، ج ۵، ص ۳۳۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۵۶، طبع دار الفکر)

اس حدیث میں ہے کہ دو کذاب نکلیں گے۔ اس کا معنی ہے میری وفات کے بعد ان کا ظہور اور غلبہ ہوگا، ورنہ وہ رسول
اللہ ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور ان کے متبعین بھی تھے۔ صنعاء اور یمامہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلام
کے معاون اور مددگار تھے، لیکن وہ لوگ مسیلم اور العنسی کی شہری باتوں میں آگئے۔ یہ دونوں شہری رضی اللہ عنہم کے دو ہاتھوں کی طرح

تھے، کیونکہ آپ ان سے قوت حاصل کرتے تھے اور سونے کے دو کنگن صاحب یمامہ اور صاحب صنعاء تھے، اور ان کی چکنی چپڑی باتوں کو سونے کی طمع کاری سے تشبیہ دی ہے اور آپ نے جو ان کو پھونک مار کر اڑایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ آپ کی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ صاحب صنعاء اسود بن کعب ہے، اس کا لقب ذو حمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن یہ جا رہا تھا اور سامنے سے ایک گدھا آ رہا تھا، وہ لڑکھڑایا اور منہ کے بل گر گیا تو اس نے کہا اس گدھے نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ پھر یہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، جاہل لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور یہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل مساجر بن اسد مخزومی کو صنعاء سے نکل دیا۔ فیروز دہلی اور قیس بن کثوح نے اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا سر لے کر آئے اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ میرے بعد نکلیں گے۔ یعنی ان کا ظہور اور غلبہ میرے بعد ہوگا۔ (المفہم، ج ۶، ص ۴۵-۴۴، ملخصاً، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کی سلک میں وہ لوگ منسلک ہیں جو فقہ، حدیث اور علوم دینیہ کے حصول سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی ہے یا میرے دل نے یہ کہا ہے اور ان کا یہ زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا دل گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک اور صاف ہے اور وہ غیر اللہ کے اختلاط سے مامون ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دل پر علوم اور معرفت کی تجلیات نازل فرماتا ہے اور وہ حقائق ربانیہ اور اسرار کائنات کے واقف ہیں، اس وجہ سے وہ قواعد شرع سے مستغنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں اور خواص اور اولیاء اللہ ان سے مستغنی ہیں اور وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت وایصہ بن معبد الاسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وایصہ سے فرمایا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے ان کی انگلیوں کو اکٹھا کر کے ان کے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا اے وایصہ! اپنے نفس سے فتویٰ لو، اپنے دل سے فتویٰ لو، نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس مطمئن ہو، جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے ضمیر میں خلش ہو اور تمہارے سینہ میں کھٹک ہو، خواہ لوگ تمہیں فتوے دیتے رہیں۔

(سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے، کیا چیز میرے لیے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ انہوں نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور نظر جھکائی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر ضمیر پر سکون ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر ضمیر میں خلش ہو اور دل مطمئن نہ ہو خواہ تمہیں مفتی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۷۵، طبع دار الفکر، مسند احمد، ج ۴، ص ۱۹۳، طبع قدیم)

ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح ہدایت نہ ہو اور نہ اس کے متعلق اجماعی حکم موجود ہو اور اس میں حلال اور حرام مشتبہ ہو، اس میں انسان اپنے ضمیر کے فیصلہ پر عمل کرے۔ مثلاً روزے میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہمارے دور کے اکثر مفتی کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن ایک سلیم الفطرت انسان کا

ضمیر یہ کتا ہے کہ جب منہ سے دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور منہ سے کھائی ہوئی دوا انظام ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد خون میں مل جاتی ہے اور اسی وقت وہ دوا موثر ہوتی ہے، تو اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچادی جائے تو بہ طریق اولیٰ روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید، احادیث اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر انسان اپنے بے لگام دل کے فیصلوں پر عمل کرے، جیسا کہ ان بتاؤٹی پیروں اور معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں نے سمجھ رکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اسلامی حکومت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ طلب کی جائے نہ ان سے بحث کی جائے، کیونکہ ان کے اقوال سے احکام شرعیہ کا منہدم ہونا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا اثبات لازم آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، مختصر اور موضحاً)

حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا، یہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملتا تھا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین..... ثم انشأناه خلقا اخر“ (المومنون: ۱۳-۱۴) تو عبد اللہ بن سعد کو انسان کی خلقت پر بہت تعجب ہوا اور اس نے بے ساختہ کہا ”تبارک اللہ احسن الخالقین“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عبد اللہ بن سعد کو اپنے ایمان میں شک پڑ گیا اور اس نے کہا اگر (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں تو مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی گئی ہے، جیسی ان پر وحی کی گئی ہے۔ پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کی مذمت میں نازل کی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے۔ ان کو شیطان نے لغزش دی، وہ کفار کے ساتھ جا ملے، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان بن عفان نے ان کے لیے پناہ طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پناہ دے دی۔

(سنن ابو داؤد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۳۵۸، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۰۸۰)

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان کے پاس چھپ گئے، پھر حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبد اللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے سراقہس اوپر اٹھایا اور تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کر دیا، پھر تین بار انکار کے بعد بیعت کر لیا، پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے انکار کر رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں جان سکتے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابو داؤد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۳۵۹، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۰۷۸)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امان دے دی۔ وہ

چار مرد یہ تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دینا۔ عبد اللہ بن خطل کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت سعد بن حرث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعد نے حضرت عمار پر سبقت کی۔ وہ دو مردوں سے زیادہ جوان تھے، انہوں نے اس کو قتل کر دیا، اور مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور عکرمہ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے، اس کشتی کو تیز ہواؤں نے آیا۔ کشتی والوں نے کہا خلوص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ تمہارے معبود یہاں پر کسی کام نہیں آسکتے۔ عکرمہ نے دل میں کہا بہ خدا اگر اس سمندر میں میری نجات صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے تو خشکی میں بھی صرف اللہ کے ساتھ اخلاص ہی کام آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچالیا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور جا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا اور میں ان کو ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا، پھر وہ آپ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور رہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے، جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لے جا کر نبی ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبد اللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا، پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں اتنا سمجھ دار شخص کوئی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۰۷۸، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۸۳، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۳۵۹)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے ایام میں دوبارہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام پر بہت اچھی طرح عمل کیا اور اس کے بعد ان سے کوئی ناپسندیدہ بات صادر نہیں ہوئی، وہ قریش کے معزز دانش مند سرداروں میں سے ایک تھے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۲۵ھ میں انہیں مصر کا گورنر بنا دیا، ۲۷ھ میں انہوں نے افریقیہ کو فتح کیا۔ مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص صاحب مہمہ تھے، مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص ہی والی تھے، جب حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے حضرت عبد اللہ بن سعد کو ان کی جگہ مقرر کیا تو حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور ان کی خلافت پر تنقید کرنے لگے، حضرت عبد اللہ بن سعد حضرت عثمان کی شہادت تک فلسطین میں رہے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، حضرت معاویہ کی خلافت منعقد ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ افریقیہ میں فوت ہوئے اور صحیح یہ ہے کہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں عسقلان میں فوت ہوئے۔

(الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۷۸-۳۷۹، علی حاشیہ الاصابہ، مختصر تاریخ دمشق، ج ۱۲، ص ۲۳۱-۲۳۲، ملخصاً)

کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے، نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافروں میں بلکہ کسی بھی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن سے اپنی جان نکال سکے، پھر ان کو یہ حکم دینے کا کیا فائدہ ہے کہ ”نکالو اپنی جانوں کو“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر ممکن کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کو عاجز کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے ہے، موت کے وقت کفار بہت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور جس طرح کوئی کانٹے دار شاخ کچھڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی ہو تو اس کو کھینچ کر بڑی سختی سے نکالا جاتا ہے، اسی طرح ان کی روح ان کے بدن سے عذاب اور سختی کے ساتھ نکالی جائے گی، اس وقت ان سے فرشتے کہیں گے کہ اگر تم آسانی کے ساتھ روح کو اپنے بدن سے نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ کافر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اللہ سے ملاقات کے مکر تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ذلت والے عذاب میں مبتلا کر کے ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکلاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات سے محبت رکھے، اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۷، صحیح مسلم، الدعوات، ۱۳، (۲۶۸۲) ۶۶۹۳، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶۸، سنن

التسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۷)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کو عذاب اور سزا اور گلے میں ڈالے جانے والے طوقوں اور زنجیروں، دوزخ، گرم پانی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی بشارت دیتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے اور جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ تب فرشتے اس کے چہرے اور دیر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کافر بندے پر موت وارد کرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھیجتا ہے۔ جو ہر بدبودار چیز سے زیادہ بدبودار اور ہر سخت چیز سے زیادہ سخت ہوتا ہے، فرشتے اس سے کہتے ہیں، اے خبیث روح! جہنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف، اور تیرا رب تجھ پر ناراض ہے، باہر نکل تو نے بہت برے اعمال بھیجے ہیں، وہ روح ایسے بدبودار مردہ کی طرح نکلے گی کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دیکھ لے تو اپنی ناک بند کر لے اور آسمان کے ارد گرد والے فرشتے کہیں گے، سبحان اللہ از زمین سے ایک مردہ اور خبیث روح آئی ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے جسم کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی قبر میں تنگی کی جائے گی اور اس کو اونٹ کی گردن جتنے موٹے سانپوں سے بھر دیا جائے گا، وہ اس کا گوشت کھالیں گے اور اس کی ہڈیوں میں سے بھی کچھ نہیں چھوڑیں گے، پھر اس کے پاس بہرے اور اندھے فرشتے بھیجیں جائیں گے، ان کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، وہ کچھ دیکھیں گے نہیں، تاکہ انہیں رحم آئے اور کوئی آواز نہیں سنیں گے، تاکہ انہیں اس پر ترس آئے۔ وہ اس کو بری طرح ماریں گے، اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے وہ صبح و شام کو دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا، اور وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اس کو اسی جگہ رکھے اور دوزخ میں رہے۔

حافظ البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا کہ یہ حدیث المعجم الکبیر میں ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا، وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی

نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھمنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے۔ (الانعام: ۹۴)

مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار دنیا میں مل جمع کرتے تھے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کرتے تھے اور بتوں کی شفاعت اور مدد پر اعتماد کرتے تھے، لیکن قیامت کے دن وہ تنہا آئیں گے، ان کے پاس مال ہو گا نہ ان کے ساتھ ان کے خود ساختہ اور باطل معبود ہوں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کیا جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد جمع ہوں گے، کیا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس دن معاملہ اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۲۷، صحیح مسلم، جنت، ۵۶، (۲۸۵۹) ۷۰۶۵، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۶، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

اس آیت سے حسب ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور اگر اس نے اپنی زندگی شیطان اور نفس کی پیروی میں گزار دی تو آخرت میں وہ بالکل یکہ و تنہا نکام اور خائب و خاسر ہو گا، جو انسان ساری عمر مال و دولت کے حصول میں سرگرداں رہا اور دنیا کی دلفریبیوں میں منہمک اور مشغول رہا اور اس نے نجات اخروی کی کوئی تیاری نہیں کی، وہ شخص قیامت کے دن کف افسوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ جو شخص دنیا میں جھوٹی امیدوں سے وابستہ رہا اور باطل مذاہب کے ساتھ پیوستہ رہا، قیامت کے دن جب اس پر ان جھوٹے خداؤں کا جھوٹ ظاہر ہو گا، اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اتر جائے گا، وہ سلامتی اور سچائی کی راہ پر واپس آنا چاہے گا، لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ فُلِقُ الْحَبِّ وَالْتَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

بے شک اللہ ہی دلانے اور گھٹلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے، تم کہاں

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَاَنىٰ

نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے، تم کہاں

تُؤَفِّكُونَ ﴿۹۵﴾ قَالَ لَئِنِ اصْبَاحٌ وَجَعَلَ اللَّيْلُ سَكَنًا وَالشَّمْسُ

بٹک رہے ہو، وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے، اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج

وَالْقَمَرَ حَسْبَانًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور چاند کو حساب کے لیے ، یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ۰ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمْ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ

تہاے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے غلطی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو ، بیشک

فَصَلٰنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِي اَنْشَاَكُمْ مِنْ نَفْسٍ

ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ۰ وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا

وَاِحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٍّ وَمَسْتَوْدِعٍ ۗ قَدْ فَصَلٰنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

کیا ، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے ، بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں

وَهُوَ الَّذِي اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبٰتًا ۗ كُلِّ

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائیں ، پھر

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرًا ۗ فَجَاءَتْ رِيْبًا ۗ وَمِنْ النَّخْلِ مِنْ

اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے ، پھر ان سے تہ بہ تہ گئے ہوئے دانے اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنَوَانٌ دَانِيَةٌ ۗ وَجَنَّاتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَالزَّيْتُوْنَ وَ

ٹگوزوں سے پھلوں کے کچے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار

الرَّمٰنِ مُشْتَبِهًا ۗ وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اَنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهَا اِذَا اَثْمَرَ

کے باغ اگانے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں ، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے

وَيَتَّبِعُهٗٓ اِنْ فِيْ ذٰلِكُمْ لَآٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

پکنے کی طرف دیکھو ، بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۰

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنِّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا اِلَيْهِ بَيْنًا وَّ بَيْنًا

اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے

بَغِيرِ عَلِيمٍ سُبْحٰنَكَ وَتَعَالٰی عَمَّا يُصِفُوْنَ ۝۱۰۰

اور بیٹیاں گزریں، اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، یہی تو اللہ ہے، تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ (الانعام: ۹۵)

زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری پر دلائل دیئے ہیں۔ ایک باریک سے دانہ کو چیر کر اللہ تعالیٰ اس میں ایک کو نپل پیدا کرتا ہے، وہ کو نپل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی نمی رہ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو نپل میں اتنی قوت پیدا فرماتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کو چیر کر زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے، اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے، پھر نچلے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصہ سے ایک تناور درخت بن جاتا ہے جس میں شاخیں ہوتی ہیں، ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں، شگوفے کھلتے ہیں اور پھل اور پھول لگتے ہیں، اسی ایک دانہ سے جس کی طبیعت واحد ہوتی ہے، مختلف رنگ کے پھل، پھول اور پتے پیدا ہوتے ہیں، مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف خواص اور الگ الگ تاثیریں ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ یا بیج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ یہ دیوی اور دیوتا تو خود اپنے مرنے اور جینے میں کسی اور کی مشیت کے پابند ہیں، سورج، چاند اور ستارے ایک مقرر شدہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس نظام کی تخلیق کا موجب ہے۔ تاؤ اللہ کے سوا کون ہے جو اس تخلیق کا دعویٰ رکھتا ہے؟ کیا کبھی کسی نے یہ نعرہ لگایا کہ میں اللہ کا شریک ہوں؟ کیا کبھی کسی نے کسی نبی، کسی رسول کو بھیجا، کوئی کتاب حائل کی کہ اللہ کے سوا فلاں فلاں اور بھی اس کار تخلیق میں اس کے معاون اور شریک ہیں؟ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ بلا وجہ، بلا دلیل اور بلا دعویٰ کے کسی کو اللہ کا شریک مان لیں؟

اسی ایک درخت پر غور کر لو، اس کی جڑیں بھی لکڑی کی ہیں، اس کا تن بھی لکڑی کا اور جڑیں زمین کے نیچے جا رہی ہیں اور تنا زمین کے اوپر جا رہا ہے، اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے نیچے جانا ہے تو تن اور جڑیں کیوں جا رہا ہے؟ اور اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑیں زمین کے نیچے کیوں جا رہی ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی طبیعت کا تقاضا کچھ بھی نہیں، یہ سب کچھ ایک قادر قیوم کے حکم سے ہو رہا ہے، وہ جس حصہ کو چاہتا ہے، اس کو نیچے کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے، اوپر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ نطفہ سے زندہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے نطفہ نکالتا ہے، اسی طرح بے جان انڈے سے مرغی کا چوزہ نکالتا ہے اور زندہ مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے، اور ایک ضد سے دوسری ضد کا نکلنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض طبعی تقاضوں سے نہیں ہو رہا، بلکہ ایک زبردست مدبر اور علیم کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کو نپل نکل آتی ہے، اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں، اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا

ہوتا ہے اور عالم کے ہاں جاہل اور جاہل کے ہاں عالم پیدا ہوتا ہے۔

اور جب تم اللہ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کے ان دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہو تو پھر ان باتوں کی پرستش کیوں کر رہے ہو؟ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو کیوں پکارتے ہو؟ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور ان سے فتنیں اور مرادیں کیوں مانگتے ہو؟ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب تم یہ مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جب وہ ایک بے جان قطرہ سے جیتا جاتا انسان کھڑا کر دیتا ہے تو وہ تمہارے مرنے اور پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد تم کو ان ہی منتشر ذرات سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ تم سوچتے کیوں نہیں اور ادھر ادھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے، یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ (الانعام: ۹۶)

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور زمین کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں سورج اور چاند اور آسمان کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا ہے، اب فرمایا ہے کہ وہ رات کی ظلمت اور تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی کو پیدا فرماتا ہے جو آسمان کے کناروں پر پھیل جاتی ہے اور اس سے رات کی سیاہی مضمحل ہوتی ہوئی کافور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے متضاد چیزیں پیدا فرماتا ہے اور اس سے اس کی غالب قدرت اور عظیم سلطنت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا، یعنی رات کو جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو لوگ دن کے کام کاج سے رک جاتے ہیں اور تھکے ہارے لوگ رات کی گود میں سو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ (النبا: ۱۰۱)

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش کر دیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

پھر فرمایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا، یعنی سورج کے یومیہ دورہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں جن کو تم چوبیس ساعتوں میں تقسیم کرتے ہو اور چاند کے حساب سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور بارہ مہینوں کی گنتی سے تم سال کا حساب کرتے ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمن: ۵)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا ۝ وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (يونس: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ (گردش میں) ہیں۔
وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور اور اسکی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔

یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لیے ایک سال کا نصاب اور نظام مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصاب اور نظام کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور طلوع کے بعد بتدریج نصف النہار تک پہنچنے میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں تمہاری نمازوں کے اوقات اور ماہ رمضان میں سحری اور

انطاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور ماہ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کی عبادات انجام دیتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں، رات کو چیر کر صبح کو پیدا کرنا، رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ ثناء کر کے دعا کی ہے۔

امام مالک بن انس اسحٰبی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

امام مالک کو یحییٰ بن سعید سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! (رات کی تاریکی سے) صبح کو چیر کر نکالنے والے اور رات کو آرام کے لیے بنانے والے، سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنانے والے، میری طرف سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے اور میری سماعت اور بصارت اور میری طاقت سے مجھے اپنے راستہ میں نفع عطا فرما۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا، تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو، بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کرنے کا فائدہ بیان کیا کہ تم اپنے سفروں میں سورج اور چاند کے علاوہ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ ان کی مدد سے انسان راستوں کو تلاش کرتا ہے اور راستہ بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے، جب انسان آسمان کی ان نشانیوں اور ان کی باریکیوں اور ان کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حکمت منکشف ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں، یعنی ہم نے قرآن مجید کی آیات کو اور کائنات میں وجود باری تعالیٰ پر بکھری ہوئی نشانیوں کو اہل علم اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اسرار کو پا سکیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے، بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۸)

انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اس کی توحید پر نشانیوں کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی نسل سے ازدواج اور تناسل کے ذریعہ تمام انسان پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ (حواء) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدت، اس کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتا ہے کہ انسان غور کرے جس طرح تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کائنات اور حوادث کا سلسلہ بھی ایک اصل اور ایک فاعل مختار پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ ہے اور وجود واحد ہے اور

واجب اور قدیم ہے، ورنہ اسے بھی کسی موجد کی ضرورت ہوتی اور اس تمام کائنات کو اس نمط واحد پر اس نے علم اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور ظاہر ہے اس کے علم اور قدرت کے بغیر انسانوں کا یہ سلسلہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔
تمام انسان نسلاً برابر ہیں

تمام انسانوں کا ایک نفس سے پیدا ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ ہے، اسی طرح اس میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ تمام انسان ایک اصل اور ایک نوع سے ہیں، ان کا ایک خیر ہے۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یہ سب آپس میں بھائی ہیں، انہیں باہم بھائیوں کی طرح شکر رہنا چاہیے اور اختلاف اور انتشار نہیں کرنا چاہیے، ان میں رنگ، نسل اور علاقہ اور زبان کا جو اختلاف ہے، وہ محض شناخت اور تعارف کے لیے ہے، ورنہ اصل ان سب کی ایک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَ
جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ
أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبائل بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نضوہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ (الحدیث)

(مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۸۱، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۱، طبع قدیم، حافظ الیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۶۶)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ سے، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تو حاضر غائب تک یہ پیغام پہنچادے۔

(شعب الایمان، ج ۳، ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

مستقر اور مستودع کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقرار کی جگہ رحم ہے اور سپردگی کی جگہ وہ زمین ہے جہاں وہ دفن ہو گا۔ اور حسن بصری نے کہا استقرار کی جگہ قبر میں ہے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ استقرار کی جگہ قبر ہے اور سپردگی کی جگہ صلب (پشت) میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ استقرار کی جگہ زمین میں ہے اور سپردگی کی جگہ پشت میں ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اللہ عزوجل تمہاری پشت سے ان

تبیان القرآن

جلد سوم

کو نکالے گا جن کو اس نے تمہاری پشت کے سپرد کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستقر وہ ہیں جو پیدا ہو چکے اور مستودع وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت یہ ہے کہ مستودع وہ ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن، جزء ۳، ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ
اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ ہے۔ (البقرہ: ۳۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تم بہ تم لگے ہوئے دانے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے پھلے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (الانعام: ۹۹)

سابقہ آیات سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا، دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا، پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا، چوتھی بار نفس انسان سے استدلال کیا اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آیت میں وجود باری اور اس کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اولاً آسمان سے پانی بادلوں کی طرف آتا ہے اور پھر بادلوں سے زمین پر پانی برستا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے بخارات اُپر اٹھ جاتے ہیں اور بادل بن جاتے ہیں اور برسنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس کا معنی ہے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔

کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار قسم کے درخت بیان فرمائے ہیں۔ کھجور، انگور، زیتون اور انار اور درخت کے پھلوں سے پہلے کھیتوں کا ذکر فرمایا، کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور غذا لذت سے اہم اور اس پر مقدم ہے، اور کھجور کو باقی پھلوں پر مقدم کیا، کیونکہ کھجور غذا کے قائم مقام ہے خصوصاً عربوں میں اور حکماء نے بیان کیا ہے کہ کھجور کی حیوان کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے، اس کے متعلق حدیث میں ہے:

امام احمد بن علی المشی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھجور کے درخت کی توقیر اور تعظیم کرو، وہ تمہاری پھوپھی ہے، کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی درخت کو گابھن نہیں کیا جاتا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بچہ جننے والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھلاؤ اور تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو چھوڑے کھلاؤ، اور اللہ کے نزدیک اس درخت سے زیادہ اور کوئی عزت والا درخت نہیں ہے، جس کے نیچے مریم بنت عمران اتری تھیں۔ (مسند ابو یعلیٰ، موصلی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵۵، حلیۃ الاولیاء، ج ۶، ص ۱۲۳، کمال ابن عدی، ج ۶، ص ۲۳۲، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۸۹)

اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ عروہ بن رویم کی حضرت علی سے ملاقات نہیں ہے، اس کے علاوہ اس کا ایک راوی مسرور بن سعید ضعیف ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا، حضرت عبد اللہ نے کہا میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا، لیکن مجھے (بڑے لوگوں کے سامنے بولنے سے) شرم آئی۔ پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! بتائیے اوہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم اس وقت یہ بتا دیتے کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۱-۶۲، صحیح مسلم، مناقب، ۶۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۶۱، مسند احمد،

ج ۲، ص ۱۲۳، طبع قدیم)

رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درخت کو مومن اور مسلم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اس درخت میں خیر بہت زیادہ ہے، اس کا سایہ دائمی ہے، اس کا پھل میٹھا ہے اور یہ ہمیشہ کھایا جاتا ہے۔ تازہ بھی اور خشک بھی، اس کے منافع بہت ہیں، اس کے تنے کے شہتیر بناتے ہیں جو تعمیر کے کام آتے ہیں۔ اس کے پتوں سے رسی، چٹائی، ٹوپی اور پتکھے بنائے جاتے ہیں، اس کی گٹھلی سے تسبیح بنتی ہے اور کئی قسم کے کام آتی ہے، پھر یہ بہت حسین و جمیل درخت ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ اس کا عبادت کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، عبادت میں توانائی حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا، آرام کرنا اور سونا۔ غرضیکہ حسن نیت سے اس کا ہر نیک کام عبادت ہے، اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور درختوں میں کھجور کے درخت کی یہ صفت ہے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے، حتیٰ کہ کھجور کا ایک شہتیر جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے، وہ آپ کے فراق سے چلا چلا کر رونے لگا، مومن کی محبت کے متعلق یہ حدیث ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، اس کے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵، صحیح مسلم، ایمان، ۶۹ (۴۳) ۱۶۷-۱۶۸، سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۱۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱،

رقم الحدیث: ۶۷)

اور آپ سے محبت کی بنا پر آپ کے فراق میں کھجور کے درخت کے رونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ انصار کی ایک خاتون نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دوں! آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو، انہوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا، پھر جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے، تو وہ کھجور کا تاجچہ کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا، آپ

نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ بچہ کی طرح سسکیاں اور سبکیاں بھرنے لگا۔ حضرت جابر نے کہا وہ آپ کے ذکر کے فراق سے رو رہا تھا۔ دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں سے بنی ہوئی تھی اور نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچوں کے فراق میں روتی ہے، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو پھر اس کو قرار آ گیا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۸۳، ۳۵۸۵، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۰۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۵، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۳۹، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶۷، دلائل النبوة لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰-۳۰۲، المعجم الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۷۹۷-۱۱۷۹۶، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۸۱-۱۸۰)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن داری سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ خطبہ دیتے وقت طویل قیام کرتے ہوئے تھک جاتے تو ایک کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ پسند کریں تو میں آپ کے لیے منبر بنا دوں جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیں۔ آپ نے فرمایا بنا دو، تو انہوں نے تین یا چار سیڑھیوں کا منبر بنا دیا، نبی ﷺ کو اس میں آرام ملا، جب نبی ﷺ اس تنے سے الگ ہوئے اور منبر پر بیٹھے تو نبی ﷺ کی جدائی کی وجہ سے وہ تناؤ ثنی کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا۔ جب آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو، اگر تم چاہو تو میں تم کو اسی جگہ رہنے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں، تم جنت کی نہروں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو، تمہارے پتے اور پھل خوبصورت ہوں اور اولیاء اللہ تمہارے پھلوں سے کھائیں۔ اس تنے نے نبی ﷺ سے کچھ کہا جس کو آپ نے سنا اور فرمایا اس نے یہ اختیار کر لیا ہے کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

(سنن داری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۱، دلائل النبوة لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰)

امام طبرانی اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے، تمہارے پھلوں سے متقی اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین کھائیں۔

کھجور، انگور، زیتون اور انار کے خواص

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے، اس کی اصلاح انار اور سکنجبین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں وٹامنز (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں، اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہوتا ہے، یہ کویسٹرول کو متوازن رکھتی ہے، مدینہ منورہ کی کھجور عجوہ خاص طور پر دل کے لیے مفید ہے، یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے، سو گرام کھجور میں ۲۱۳ حرارے، ۲ گرام پروٹین، ۷۳ گرام نشاستہ، ایک گرام چکنائی، ۵۷۵ ملی گرام کیلشیم، ۲۶۹ گرام سوڈیم، ۷۹۶۰ ملی گرام پوٹاشیم، ۷۲ ملی گرام فاسفورس، ۳۷۵ ملی گرام فولاد اور ۷ ملی گرام پھوک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا، کیونکہ انگور تمام پھلوں میں افضل ہے، کیونکہ یہ پھل بھی اول سے لے کر آخر تک نفع بخش ہے۔ اس سے سرکہ اور نمبذ بھی بنایا جاتا ہے۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک چھوٹا انگور ہوتا ہے، یہ جب خشک ہو جائے تو اس کو کشمش کہتے ہیں، اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو اس کو منقی کہتے ہیں۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے، یہ زود ہضم اور کثیر القدا ہے، خون صالح بہ کثرت پیدا کرتا ہے اور بدن کو فرہ کرتا ہے، سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے، ایک گرام پروٹین، ۱۶

گرام نشاستہ، ایک گرام چکنائی، ۷۷ ملی گرام کیلشیم، ۲۱ ملی گرام فاسفورس، ۰.۶۶ ملی گرام فولاد، ۱۰۰ ملی گرام وٹامن اے، ۷۰.۶۰ ملی گرام وٹامن بی اور ۲۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

انگور کے بعد زیتون کا ذکر فرمایا ہے، اس کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ فلسطین، عرب، ایران اور جنوبی یورپ میں پیدا ہوتا ہے، زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔ سردی کے دردوں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے، یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے۔ اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے، جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغن زیتون کو ایسٹروئل کو حل کر لیتا ہے۔

انار دو قسم کا ہوتا ہے۔ سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا ذائقہ کھٹا مٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہے، خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں، ۱۰۰ گرام انار میں ۲۳ ملی گرام کیلشیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس، ۲.۶۳ ملی گرام فولاد، ۲۲۰ ملی گرام وٹامن اے، ۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے وجود باری پر استدلال

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ”جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔“

اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے، اور یہی اس آیت سے مقصود ہے، کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور ان کی ابتداء کی حالتیں، شکل و صورت، رنگ، ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشوونما میں جو یہ تغیر ہوتا ہے اس کا موجد اور خالق کون ہے؟ پھلوں کی طبیعت، موسم، ستارے اور افلاک تو ان کے موجد نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی نسبت سب چیزوں کی طرف مساوی ہے اور جس کی نسبت سب کی طرف مساوی ہو، اس سے بعض میں مثلاً سرد اور بعض میں گرم، تاثیرات صادر نہیں ہو سکتیں۔ نیز موسم، ستارے اور افلاک تو خود ایک لگے بندھے نظام کے تابع ہیں، ان سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وہی قادر و قیوم اور مدبر عالم ہے جو اپنی رحمت، مصلحت، حکمت، علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج کا عدم جواز

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کے بیج سے منع فرمایا، بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کھجوروں کی بیج سے منع فرمایا، تاوقتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بالیوں کی بیج سے منع فرمایا، تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۳، صحیح مسلم، بیوع، ۳۹، (۱۵۳۳) ۳۷۸۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۶۷-۳۳۶۸، سنن

الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۰، سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۵۵۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا یہ معنی ہے کہ پھل اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو

جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔ (مبسوط، ج ۱۳، ص ۱۹۶)

باغوں میں پھلوں کی مروجہ بیج کے جواز کی صورتیں

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیج کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج ہوتی ہے۔ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیج نہیں کرتے اور بالعموم اس وقت بیج کی جاتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی بور کے بھی ظہور سے پہلے بیج ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر بیج کی یہ مروجہ صورتیں باطل ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کے حل کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ علامہ سرخسی حنفی متونی ۴۸۳ھ نے بیان کیا کہ خریدار ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک زمین کو کرائے پر لے لے، پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی حاصل ہوگی، وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ (المبسوط، ج ۱۳، ص ۱۹۶، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۲۔ اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہو، تو جن کا ظہور ہو گیا ہے، ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ (المبسوط، ج ۱۳، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۳۔ درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے، اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔

(المبسوط، ج ۱۳، ص ۱۹۷، فتح القدر، ج ۵، ص ۴۹۲، مطبوعہ سکر، البحر الرائق، ج ۵، ص ۳۰۱، مطبوعہ مصر)

یہ تین حل صرف اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو، لیکن ہمارے ہاں اس وقت باغ کے پھلوں کی بیج ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیج کو حکماً بیع سلم قرار دیا جائے، اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا متحقق ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے، اس لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرنا عاۓدۃً محال ہے۔ ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے عمل کرنا ممکن ہے، لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرنا محال ہے اور لوگوں سے ان کی عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیج ہوتی ہے، ان کے لیے ان پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا اور نبی ﷺ نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہی دی ہے، حالانکہ وہ بھی بیع المعدوم ہے۔ پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے، اس لیے اس بیع کو بیع سلم کے ساتھ بطریق دلالت لاحق کرنا ممکن ہے۔ سواب یہ بیع اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ ”کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے۔“ اس وجہ سے فقہاء نے اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیا ہے، جبکہ ظاہر قیاس کے مطابق اس بیع کو ناجائز ہونا چاہیے۔

(رد المحتار، ج ۴، ص ۵۳، مطبوعہ استنبول، ج ۴، ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا، حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے، انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

مشرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے اور ان کے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے۔

حسن بصری وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں کی اس طرح اطلعت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی اطاعت ہوتی ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کلبی نے کہا یہ آیت زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں اور مویشیوں کا خالق ہے اور ابلیس جنات، درندوں اور بچھوؤں کا خالق ہے اور اس قول کے قریب مجوس کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو بنانے والے ہیں۔ ایک خدا قدیم ہے اور دوسرا شیطان حادث ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنے والا حادث ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۴۸-۴۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دینے والوں کے حسب ذیل فرقے ہیں:

۱- بت پرست لوگ ہیں۔ یہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے، لیکن یہ بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے مدبر کو اکب ہیں اور ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ کو اکب واجبة الوجود لذواتہا ہیں اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ممکنۃ الوجود لذواتہا ہیں اور حادثہ ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، مگر اللہ سبحانہ نے اس عالم اسفل کی تدبیر ان کی طرف سونپ دی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی سے مناظرہ کیا تھا، جب کہا تھا "لا احب الافلین"۔

۳- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو خدا ہیں۔ ایک برائی کا خالق ہے، وہ اہرمن ہے اور ایک بھلائی کا خالق ہے، وہ یزدان ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں، مویشیوں اور نیکیوں کا خالق ہے اور ابلیس درندوں، سانپوں، بچھوؤں اور برائیوں کا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو مذہب بیان کیا ہے، وہ مجوسیوں کا مذہب ہے جو یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔

۴- کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن سے مراد فرشتے ہیں، کیونکہ جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور فرشتے بھی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۵- یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۸۸-۹۰، مختصر اور موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی پر علماء اسلام نے حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

تبیان القرآن

جلد سوم

۱- خدا اور معبود کا واجب لذاتہ ہونا ضروری ہے، اگر خدا کے لیے بیٹے کو فرض کیا جائے تو وہ واجب لذاتہ ہو گیا ممکن لذاتہ ہوگا، اگر وہ واجب لذاتہ ہو تو اس کا مولود ہونا باطل ہے، کیونکہ مولود والد سے متاخر اور اس کی طرف محتاج ہوتا ہے اور واجب لذاتہ کسی سے متاخر اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ مستغنی اور قدیم ہوتا ہے اور اگر وہ ممکن لذاتہ ہو تو پھر وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہوگا اور مولود والد کا بندہ اور اس کی مخلوق نہیں ہوتا، نیز مولود والد کی جنس سے ہوتا ہے اور ممکن، محتاج اور حادث واجب، مستغنی اور قدیم کی جنس سے نہیں ہے۔

۲- مولود کی احتیاج اس لیے ہوتی ہے کہ والد کی موت کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اس کے مشن کو آگے بڑھائے اور اللہ عزوجل پر موت کا آنا محال ہے، اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

۳- مولود والد کا جز ہوتا ہے اور جس کا کوئی جز ہو وہ مرکب ہوتا ہے اور مرکب حادث ہوتا ہے، اس لیے اللہ کا مولود ہونا اس کے مرکب اور حادث ہونے کو مستلزم ہے اور اس کا مرکب اور حادث ہونا محال ہے، اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

۴- مولود والد کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے، اس لیے اللہ کا مولود ہونا محال ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو باپ اور عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مجازاً کہتے ہیں، باپ سے مراد رحیم اور شفیق ہے۔ جسمانی لحاظ سے باپ مراد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کو خصوصیت سے بیٹا کیوں کہتے ہو؟ اور اس پر اصرار کیوں کرتے ہو؟ ساری کائنات کو اللہ کا بیٹا کہو، وہ سب پر شفیق اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شفیق اور رحیم اور حضرت عیسیٰ کو عزیز اور رحیم کیوں نہیں کہتے۔ جب کہ باپ اور بیٹا کے الفاظ جسمانی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے صراحتاً نقص ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصور نہیں کہ وہ خدا کو باپ کہیں جو اس کے لیے نقص کا موجب ہے۔

بَدِيعِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ وَاكِفَةً

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۚ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝ یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اس کے سوا

إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا نگہبان

وَكَيْلٌ ۚ لَا تَدْرِكُهُ الْإِبْصَارُ ۚ وَهُوَ يُدْرِكُ الْإِبْصَارَ ۚ وَهُوَ

ہے ۝ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریک بین

اللطيفُ الخبيرُ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَهِيَ أَبْصَارٌ

بہت بانہر ہے ۝ بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف روشن نشانیاں آگئیں، سو جس نے انہیں

فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَنِ فَعَلِيهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۱۰۳﴾ وَ

کھول کر دیکھ لیا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ○ ہم

كَذَلِكَ نُنصِرُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ

بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے، اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں

يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۵﴾ اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

کے لیے بیان کر دیں ○ آپ اس چیز کی پیروی کیجیے جس کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا

کا ستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجیے ○ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِرَٰكِبٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا

آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا، اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ○ اور

تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدَاوَةً

(اے مسلمانو!) تم ان کو بُرا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے علمی اور جہالت سے اللہ کو

بَغْيٍ عَلِيمٍ كَذَلِكَ نُرِيَّكَ لِكُلِّ أُمَّةٍ عَلَيْهِمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

بُرا کہیں گے، ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر انہوں نے اپنے رب کی

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ

طرح لوثنا ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ○ اور انہوں نے جلی تمہیں کھائیں کہ

جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ لِيُنْجَأَ تَهُمْ آيَةٌ لِيَوْمِئِذٍ بِمَا قُلْنَا إِنَّهَا

اگر ان کے پاس کوئی نشان آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو

الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعُرُكُمْ أَنْهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۹﴾

صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ○

وَنَقَلِبُ أَقْدَانِهِمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَ مَرَّةٍ

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے

وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱۰

اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۰۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رو

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اس آیت میں ان کے باطل ہونے

پر دلائل قائم کیے ہیں، ان دلائل کی تقریر امام رازی نے اس طرح فرمائی ہے:

۱- بدیع کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی

سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا ہے، اور یہی عیسائیوں کے عقیدہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے، جس کی پہلے کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی سابقہ

مثال اور نمونہ کے پیدا کیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا

باپ نہیں ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہو سکتا ہے؟

۲- عیسائی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا باپ ہے۔ اگر اس سے ان کی یہ

مراد ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے، اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تو بیوی ہی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہوگا؟ نیز معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں

وہ شخص محتاج ہوگا جو علی الفور کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ نوماہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کرے گا، لیکن جس کی

شان یہ ہو کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو وہ ایک لفظ کن فرماتا ہے اور وہ چیز اسی وقت موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اس معروف

دنیاوی طریقہ سے اولاد کو کیوں حاصل کرے گا؟ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اور اس نے

ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۳- اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو وہ قدیم ہوگا یا حادث؟ اس کا قدیم ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹا باپ سے

متاخر ہوتا ہے اور قدیم کسی چیز سے متاخر نہیں ہوتا، اور اس کا حادث ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹے کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کو

کوئی صفت کمال حاصل ہوگی یا صفت نقص۔ نقص کا فرض باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ محل نقص نہیں اور صفت کمال حاصل

ہونا اس لیے باطل ہے کہ وہ قدیم اور ازلا تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ پھر بیٹے کو قدیم ہونا چاہیے، حالانکہ اس کو حادث

فرض کیا تھا اور اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، کیونکہ اگر

اس کے علم میں یہ ہوتا کہ بیٹے کا ہونا اس کے لیے باعث کمال ہے تو بیٹا زلی اور قدیم ہوتا، حالانکہ بیٹا باپ سے متاخر ہوتا ہے اور

متاخر ہونا قدیم کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (الانعام: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر ولائیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

۱- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لیے ایک صانع، عالم، قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ صانع کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں، کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی عدد کی تخصیص کرو، مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے، کیونکہ تمام اعداد مساوی ہیں اور اگر تم کسی عدد میں صانع کا حصر نہ کرو تو غیر متناہی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ براہین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

۲- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کو پیدا کرنے کے لیے ایک صانع کافی ہے، جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دوسرا صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک اس جہان کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل فاعل ہو گا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہو گا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کافی ہو گا اور دوسرا عاجز اور معطل ہو گا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے، کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی، پھر ان دونوں میں امتیاز کے لیے ایک امر ممیز ماننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تعدد اور اثنتینیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر ممیز صفت کمال ہے یا صفت نقص۔ اگر وہ صفت کمال ہے، تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے، کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ انہی صفات کمال میں سے ہے، تو یہ ماہہ الاشتراک ہے ماہہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ ممیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہو گا اور کیونکہ اثنتینیت بلا امتیاز باطل ہے، اس لیے ان میں ایک اور ممیز ہو گا اور ہر خدا دو چیزوں سے مرکب ہو گا امر مشترک اور امر ممیز اور جو مرکب ہو، وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۵- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے، کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہو گا اور وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا، اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے، تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں، اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہوگی۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا، وہ تابع ہو گا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذْهَبَ كُلَّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ (المؤمنون: ۹۱)

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، اور نہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک معبود دوسرے پر غلبہ پاتا، اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہو گا۔ پہلی صورت اس لیے باطل ہے کہ اثنینیت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۷۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی مصنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہو گا، یا کوئی قادر نہیں ہو گا، یا صرف ایک قادر ہو گا؟ موخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا معجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی مصنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو، نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت مل رہا ہے اب اس کا بلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہلانے والا ہے، لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

۸۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا معجز لازم آئے گا اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جعل لازم آئے گا اور نہ عاجز خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ جاہل۔

۹۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہو گا اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کا معطل ہونا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا عبث ہو گا۔

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کا نظام ایک نظم اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج، چاند اور ستارے ہمیشہ ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب سے ہوتی ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے، کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے، بندر یا لنگور پیدا نہیں ہوتا، اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے، کبھی لومڑی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور گندم کی بالیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے اور اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زبان حال سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور ان میں یکسانیت اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرہ: ۲۵۸)

ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال۔

۱۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلباء کسی ایک استاد کے تابع ہوتے ہیں اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے اوپر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے نہ دو صدر ہوتے ہیں نہ دو وزیر اعظم ہوتے ہیں نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں نہ کسی ادارہ میں دو ہیڈنگ ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ میں مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے۔ سو اسی طرح اس کائنات کا کارساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا۔ اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جو میں نے دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے کچھ دلائل علماء متقدمین سے مستفاد ہیں جن کی میں نے اپنے انداز سے تقریر کی ہے اور ان میں سے کچھ دلائل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائے ہیں۔ واللہ الحمد علی ذالک حمدا کثیرا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رویت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رویت صرف سیدنا محمد ﷺ کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے لیے یہ رویت واقع ہوگی، میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ اور دیگر منکرین رویت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے، وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جنت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو، کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مخالف میں ہوتا ہے۔ دو سراجواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے، نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دو سراجواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے۔ عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے، نہ ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے، نہ ہر موقع پر دیکھنے کی نفی ہے، بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے، سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا، اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام

اور جملہ مومنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رویت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنزِيلُ مِنَ اللَّهِ جَهْرَةً فَأَخَذْنَاكُم بِالضَّعْفَةِ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ (البقرہ: ۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکڑ لیا اور تم اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو ازراہ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رویت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ سروق نے کہا میں ٹیک لگائے ہوئے تھا، میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأَفُقِ الْمَيْمِينِ ۝ (التکویر: ۲۳) اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔
وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزَّلَةً أُخْرَىٰ ۝ (النجم: ۱۳) اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں وہ سب سے پہلی شخص ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا، میں نے اس صورت پر ان کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (سروق سے) فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۝ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ تَوْرٍ أَوْ حَبَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ ۝ (الشوریٰ: ۵۱) اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے، پہنچا دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۸۷، ۲۳۲ (۱۷۷)، صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۵۵، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۳)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا

ہے، لیکن وہ آخرت میں رویت باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً دراک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَجُوهٌ يُّومِتُ نَاضِرَةٌ ۝ اِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ (القیامہ: ۲۲-۲۳)

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَذٰلِكَ اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَمَّحُورُونَ
(البطائفین: ۱۵) ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حرمان ویاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں، کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو، تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے، اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو، کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو۔ مثلاً ہوا، خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا، خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِي اَنْظُرَ الْبَيْتِ (الاعراف: ۱۳۳) موسیٰ نے عرض کیا، اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝ (حم السجدہ: ۳۱) اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا، سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی

طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵۲، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۶، ۷۳۵، ۷۳۴، صحیح مسلم، الساجد، ۲۱۱، (۶۳۳) ۱۳۰۷، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۲۹، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۶۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۲۱۱، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۶۸، طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صیب بن یثیر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور

(یونس: ۲۶) اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے، وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر حجاب کھول دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۶۱، صحیح مسلم، ایمان، ۲۹۷، (۱۸۱) ۳۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۷، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳۲-۳۳۳، طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنی جنتوں، اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہو گا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَجْوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاظِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی

(القیامہ: ۲۲-۲۳) طرف دیکھتے ہوں گے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

حضرت ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے، اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سونے کا ہے، اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۹۶، (۱۸۰) ۳۳۱، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۷۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۶۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۶۱۱، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۲۷، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳۹، ۳۳۵، طبع قدیم، المستدرک، ج ۱، ص ۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ، صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ، مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود، سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے، اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد ﷺ رویت کے ساتھ خاص کیے گئے، حضرت ابو ذر، کعب، حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے، مشائخ کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً جائز ہے، عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرنا ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم، ج ۱، ص ۲۰۲-۲۰۱، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو۔ پھر حضرت ابی بن کعب نے بہت بلند آواز سے کہا اللہ اکبر! حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے رویت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابو عمر العظیمی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

وہ بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انس، حضرت ابن عباس، عکرمہ، ربیع اور حسن بصری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابو العالیہ، قرظی اور ربیع بن انس کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جاسکتا، اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی

جائیں گی تو پھر باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اتنی قدرت عطا فرمادے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممنوع نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۵۲-۵۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا مختار یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں، لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلعت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں! ایک معتمد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل جبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے، اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے، اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رویت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں ظنی دلائل کافی ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے ظن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے۔ اور مثبت روایت ثانی پر مقدم ہوتی ہے۔ (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے، کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے، پس سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور اک بہ طور احاطہ کی نفی ہے، اور سورۃ شوریٰ کی آیت ۵۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجاب رویت کی نفی نہیں ہے، بلکہ بلا حجاب کلام کی نفی ہے اور رویت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام قاعدہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی ﷺ اس عام قاعدہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۱، ص ۹۸۳-۹۷۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں آگئیں، سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (الانعام: ۱۰۳)

کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے!

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیان کیا تھا اور اس آیت میں رسالت کا بیان فرمایا ہے کہ کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز رسول کے ذمہ نہیں ہے۔ دین حق کی دعوت دینا دلائل اور معجزات سے رسالت کو ثابت کرنا اور شبہات کو زائل کرنا اور احکام شرعیہ کو بیان کرنا، یہ رسولوں کے ذمہ ہے، اور کسی شخص کا ایمان لانا اور کفر کو ترک کر دینا، یہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ یہ انسان کے اپنے ذمہ ہے، وہ ایمان اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے۔ سونبی ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لانے میں بندوں کا اپنا نفع ہے اور کفر پر برقرار رہنے میں ان کا اپنا نقصان ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دین حق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور دین حق کو قبول کر لیں، یہ ان کے اختیار میں ہے۔ ان کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے دین حق پر بصیرت افروز دلائل بیان کر دیئے ہیں، ان سے ہمیں فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اسے نقصان ہوگا، اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ کہ دین حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کا جو اختیار دیا ہے وہ قتال اور جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہو آیات کو عدم نسخ پر محمول کرنا چاہیے اور جہاد اور قتال کے بعد بھی ایمان کا لانا یا نہ لانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں کے لیے بیان کر دیں O (الانعام: ۱۰۵)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ منکرین رسالت کا ایک شبہ بیان فرما رہا ہے۔ اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل فرماتا ہے اور ایک معنی کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے، تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد منکشف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں وہ معنی مستقر ہو جائے، لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی ﷺ علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اس بحث و تمحیص سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، اس کو مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھالتے ہیں۔ پھر اس کو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے، حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ ایک بارگی پوری کتاب نازل ہوتی، کفار کے اس شبہ کا بیان اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی آیات میں کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا فُكْيُ اقْتَرَبَهُ وَ
 آعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا
 وَ زُورًا O وَقَالُوا سَاطِرُ الْاَوَّلِينَ اِكْتَسَبَهَا فَهِيَ
 تُمَلَّى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَاَصِيلًا (الفرقان: ۵-۳)

اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) صرف بہتان ہے، جس کو
 اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس کام پر دوسرے لوگوں نے ان
 کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور انہوں
 نے کہا یہ پہلے لوگوں کے (جھوٹے) قصے ہیں جو اس (رسول) نے

لکھوا لیے ہیں۔ سو وہ صبح شام ان پر پڑھے جاتے ہیں۔

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے، حالانکہ جس کی طرف یہ (سکھانے کی) جھوٹی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجیبی ہے اور یہ قرآن نہایت روشن عربی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ
لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا
لِّسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ (النحل: ۱۰۳)

ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے کہ اگر تمہارے زعم میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا بتایا ہوا یا سکھایا ہوا کلام ہے، تو تم اس کی کسی چھوٹی سورت کی ہی مثال بنا کر لے آؤ، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس چیز کی پیروی کیجئے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (الانعام: ۱۰۶)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار آپ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ آپ نے کچھ علماء سے کچھ مضامین سیکھ لیے ہیں اور ان کو آپ الفاظ میں ڈھال کر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کیجئے، تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت اور تبلیغ متاثر نہ ہو۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کے اس شک و شبہ اور طعن و تشنیع سے جو آپ کو حزن و ملال ہوا ہے، وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس پر متنبہ کیا کہ آپ صرف اس کی اطاعت کیجئے اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور فرمایا مشرکین سے اعراض کیجئے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان سے مقابلہ نہ کریں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں، تاکہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کا مشن متاثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ (الانعام: ۱۰۷)

اس آیت کا تعلق بھی اسی سابق طعن سے ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ نے علماء سے مذاکرات کر کے یہ قرآن بنا لیا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی ان جاہلانہ اور معاندانہ باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور ان کا کفر آپ پر بوجھ نہ بنے، کیونکہ اگر میں ان سے کفر زائل کرنے کا ارادہ کرتا تو میں اس پر قادر تھا، لیکن میں نے باوجود قدرت کے، ان کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا تو آپ بھی ان کی طعن آمیز باتوں سے اپنے دل پر اثر نہ لیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو موکد کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ ان کے کفر کی وجہ سے کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان اور ذمہ دار نہیں بنایا، آپ کے ذمہ صرف عقائد کی تعلیم دینا ہے اور احکام شرعیہ کا پہنچا دینا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا تو اس کا نفع ان کو ہوگا اور اگر آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو اس کا ضرر بھی صرف ان کو ہوگا اور آپ کے منصب رسالت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم ان کو برانہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، ورنہ یہ بے

علمی اور جمالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔ (الانعام: ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے

اس آیت کا بھی اس سابق آیت کے ساتھ ربط ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اہل علم کی باتیں سن کر فقرے بنا لیے ہیں اور یہ قرآن جمع کر لیا ہے اور اس وقت یہ بعید نہیں تھا کہ مسلمان اس بات کو سن کر مشتعل ہوتے اور بطور معارضہ کے، کفار کے بتوں کو برا کہتے۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا، تاکہ کفار اس کے جواب میں اپنی جمالت سے مسلمانوں کے خدا کو برا نہ کہنے لگیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جاہل سے سابقہ ہو تو انسان اس کو کوئی سخت بات نہ کہے، ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بات کہے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے، تو کفار اس کا معارضہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو، ورنہ وہ اپنی جمالت سے تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۴۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار مکہ اور قریش اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی اس لیے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں، تو ان سے یہ کس طرح متصور ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان بتوں کو برا کہتے تھے تو دراصل کفار اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا، اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح: ۱۰) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب ستر انصار نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جب ہم اپنی جانوں اور مالوں کو آپ کی اطاعت میں خرچ کریں تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبة: ۱۱۱) جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (الاحزاب: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا متصور نہیں ہے، دراصل رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا ہی اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔

يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا (البقرہ: ۹) وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، ان کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ

تھا وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کر

(النساء: ۸۰) ل۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے، آپ کو ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے، آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے، تو آپ کو برا کہنا اللہ کو برا کہنے کے جواب میں کفار رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو قریش نے کہا ان کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں، کیونکہ ہم کو اس سے حیا آتی ہے کہ ان کی موت کے بعد ہم ان کے بھتیجے کو قتل کریں۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا دفاع کرتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ تب ابوسفیان، ابو جہل، فضول بن الحارث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن العاص اور الاسود بن البختری نے ایک آدمی بھیج کر ابوطالب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو انہوں نے کہا اے ابوطالب تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو اور (سیدنا) محمد ﷺ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اذیت پہنچاتے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر ان سے کہو کہ وہ ہمارے خداؤں کا ذکر نہ کیا کریں، ابوطالب نے آپ سے کہا آپ کی قوم نے انصاف کی بات کی ہے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا یہ بتاؤ اگر میں ایسا کروں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دو گے کہ اگر تم وہ کلمہ پڑھ لو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے باجگزار ہو جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا ہاں! تمہارے باپ کی قسم ہم تم کو ضرور وہ کلمہ دیں گے، بلکہ اس کا دس گنا دیں گے۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم کہو لا الہ الا اللہ انہوں نے اس کو پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے کوئی اور بات کہو، تمہاری قوم اس کلمہ سے بدکتی ہے، آپ نے فرمایا اے میرے چچا میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہوں گا۔ حتیٰ کہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور اگر انہوں نے سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا، تب بھی میں اس کلمہ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ تب وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے آپ ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں، ورنہ ہم آپ کو بھی برا کہیں گے اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بھی برا کہیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۴۰۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۶، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۷۹-۷۸)

سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کفار کے خداؤں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے، لہذا جب تک کفر اپنی حفاظت میں ہو اور یہ خدشہ ہو کہ وہ اسلام کو یا نبی ﷺ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا، تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیب کو یا ان کے دین کو یا ان کی عبادت گاہوں کو برا کہے، اور نہ کسی ایسے کام کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برا کہیں، کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو کام کسی برائی کا ذریعہ بنے، اس کو روکنا اور اس کا نہ کرنا واجب ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اوقات کسی حقدار کو اس کا حق وصول کرنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین میں کسی ضرر کے پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر حق واجب ہو تو اس کو ہر حال میں وصول کرے اور اگر جائز ہو تو پھر اس میں یہ قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اطاعت گزاروں کے لیے اطاعت کو مزین کر دیا ہے اور کافروں کے لیے کفر کو مزین کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہتے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۰۹)

فرمانی معجزات نہ دکھانے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا نبی ﷺ کی نبوت میں ایک شبہ بیان کیا، پھر اس کے جوابات دیئے اور اس میں آپ کی نبوت میں ان کا دوسرا شبہ بیان فرمایا ہے۔

ابام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک لاشھی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، اور آپ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں، تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے صفا پاڑ سونے کا بنا دیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! بہ خدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اتباع کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو صبح کو یہ پاڑ سونے کا ہو جائے گا اور اگر یہ معجزہ پیش کر دیا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں، حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰)

جب اللہ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا قصور ہے؟

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر سے ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کے طلب کردہ معجزات پیش کر دیئے گئے اور کفار کو پتا چل گیا کہ یہ معجزات سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اس صحیح دلالت سے پھیر دیا، تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے اور ان معجزات کی دلالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں اور آنکھوں کو سچائی، ہدایت اور اسلام کی راہ سے پھیر دیا، تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلی بار جب ان کا فریاد نبی معجزہ دکھایا گیا اور چاند کو شق کر دیا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جب معجزہ نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا، تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہتے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوزخ کے شعلوں اور انگاروں کی طرف پھیر دے گا، تاکہ ان کو عذاب ہو، جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

وَلَوْ اَنَّآ نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُم

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مُردے ان سے

السَّمٰوٰتِ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا

ہاتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ

كَانُوا يَوْمِنَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱

ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰطِطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے

يُوْحٰى بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَّلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا رب

مَا فَعَلُوْهُ فَاذَرَهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۲ وَلِتَصْغِي اِلَيْهِ اَفْدَاةٌ

چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، سوائے انہیں اور ان کی افترا پر ازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں ○ اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ وَّلِيَرْضَوْهُ وَّلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ

وہ ان (خوشنما باتوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا

مُقْتَرِفُوْنَ ۝۱۱۳ اَفَعَيَّرَ اللّٰهُ اَبْتٰغِيْ حَكْمًا وَّهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ

وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ○ تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری

الْكِتَابِ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ

طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَاتُكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَدْرِجِينَ ﴿۱۱۳﴾ وَتَمَّتْ

حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اور آپ کے رب کی

كَلِمَاتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدَّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ

بات سچائی اور عدل کے اختیار سے پوری ہوگی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا،

الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾ وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ

خوب جاننے والا ○ اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ

سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾

کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں ○

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہوگا، اور وہ ہدایت پانے والوں

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

کو (بھی) خوب جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی وہ ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الانعام: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیاری ایمان ہے اس سے پہلے آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (الانعام: ۱۰۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کر دے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کر دے کہ فرشتے نازل کر دے اور مردے ان سے کلام کریں، بلکہ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان صرف وہی لوگ لاسکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان لانا مقدر کر دیا تھا اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لانے

والے نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان مقدر نہیں کیا، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ایمان پیدا کر دے، یہ تبھی ایمان لائیں گے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے اختیار سے ایمان لائیں اور وہ کسی میں جبراً ایمان پیدا نہیں کرنا چاہتا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندے اپنے ایمان کے خالق ہیں، جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں ایمان پیدا کر دیتا ہے، بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا، جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمابا تمیں القا کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا، اسی طرح آپ کے لیے بھی سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا ہے۔

اس آیت میں شیاطین الانس والجن فرمایا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ شیطان سے مراد سرکش ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے بعض سرکش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مومنوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام شیطان ابلیس کی اولاد ہیں، اور اس نے ان کے دو گروہ کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ انسانوں کو بہکاتا ہے اور دوسرا گروہ جنوں کو بہکاتا ہے اور ان دونوں گروہوں کو شیاطین الانس والجن کہا جاتا ہے، لیکن پہلی تفسیر راجح ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اور صحابہ کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آکر آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے، انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو، انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لیے بھی شیطان ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمابا تمیں القا کرتے ہیں۔ الحدیث بطولہ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۲۱۸۹، ۲۱۳۳۸، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۶، ۲۶۵، طبع قدیم، سنن الترمذی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۲۲، المعجم الکبیر، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۸۷۱، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۱۵)

وحی، زخرف القول اور غرور کے معنی

اس آیت میں فرمایا ہے ان میں سے بعض، بعض کی طرف غرور (دھوکے) میں مبتلا کرنے کے لیے زخرف القول کی وحی کرتے ہیں۔

وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا، لکھنا اور کلام خفی۔ جب وحی کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر بلا واسطہ یا فرشتے کی وساطت سے نیند یا بیداری میں نازل فرماتا ہے اور جب اس کی نسبت عام مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔ یعنی کسی خیر اور نیک بات کا دل میں ڈالنا اور جب اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کا معنی ہے وسوسہ، یعنی کسی بری بات یا برے کام کی طرف انسانوں کے دل کو مائل اور راغب کرنا۔ زخرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا باطن باطل، برائی اور گناہ ہو اور اس کا ظاہر مزین، خوش نما اور خوب صورت ہو۔ جیسے چاندی پر سونے کا طبع کر کے اسے سونا بنا کر پیش کیا جائے۔

غور کے معنی ہیں دھوکا، مغرور وہ شخص ہے جو کسی چیز کو مصلحت کے مطابق عمدہ اور نفع آور گمان کرے اور درحقیقت وہ

اس طرح نہ ہو۔

شیطان کے وسوسہ اندازی کی تحقیق

شیطان کے وسوسہ سے دھوکا کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے، وہ اس چیز میں رغبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے القاء کرنے کی وجہ سے ہے، تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن فاسد اور باطل ہے، تو یہ کلام مزخرف ہے۔ اب یا تو اس نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور پھل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے، اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے۔

درحقیقت روحیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک طیب اور طاہر ہوتی ہیں یہ فرشتے ہیں اور دوسری ناپاک اور شریر ہوتی ہیں، یہ شیاطین ہیں۔ ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں۔ پھر انسانوں میں جن کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پر پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیثہ ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں، وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ شیطان جن اور شیطان انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے برائیوں کو خوش نما بنا کر بیان کرتے ہیں، اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

اس بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں ایک القاء کرنے والا شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کی طرف سے القا کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے، اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطن

الرحیم پڑھے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ (البقرہ: ۲۶۸)

ہے۔

امام ابو یسعی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۹۹، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۹۷، السنن الکبریٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۰۵۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اعانت فرمائی، وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم، مناقب، ۶۹، (۲۸۱۳) ۶۹۷۵، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۸)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کا جسم، آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان کے آثار سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کا قرین جن (ہم زاد) نبی ﷺ کی برکت اور آپ کی مبارک صحبت سے مسلمان ہو گیا اور برائی کا حکم دینے والا نیکی کا حکم دینے والا بن گیا، اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو شیطان کے اغواء اور اس کے وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

شیطان کی طرف سے القاء وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء الہام ہوتا ہے۔ شیطان کفر، فسق اور ظلم کے وسوسے ڈالتا ہے اور توحید، رسالت، مرنے کے بعد اٹھنے، قیامت اور جنت اور دوزخ کے انکار کی تلقین کرتا ہے اور فرشتہ، اللہ، اور رسول اور قرآن مجید کی تصدیق کی تلقین کرتا ہے اور نماز، روزہ اور دیگر نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں اس قسم کی باتیں آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جب اس کے خلاف باتیں آئیں، تو شیطان کے شر سے پناہ مانگے۔ ہر چند کہ احکام شرعیہ میں الہام معتبر نہیں ہے، لیکن وسوسہ شیطان سے اجتناب میں وہ معتبر ہے، عارفین نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہو، وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، سو آپ انہیں اور ان کی افتراء پر دازیوں کو ان کے

حال پر چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانوں اور جنوں میں سرکش اور شیاطین سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کو اپنے وسوسوں اور سازشوں سے نقصان نہ پہنچاتے اور اسی طرح وہ آپ کو اور آپ کی امت کو بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ بعض نیک لوگ ان شیاطین کی سازشوں اور وسوسوں کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ ان شیاطین کو آخرت میں سزا دے اور نیک لوگوں کو ان کے امتحان میں کامیاب ہونے اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جزا دے، تو آپ ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو اور ان کی مزخرف باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یہ آیت کفر پر عذاب کی وعید اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی بشارت کو متضمن ہے۔ اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے اور آپ کے قلب مبارک سے غم کو زائل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ ان (خوش نمابا توں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

لتصغی کا معنی

اس آیت میں لتصغی کا لفظ ہے، اس کا مادہ معنی ہے۔ علامہ جار اللہ محمد بن عمر زعزری متوفی ۵۸۳ھ نے اس کا معنی لکھا ہے، معنی کا معنی ہے کسی چیز کی طرف میلان کرنا اور جھکتا۔ (الفاائق ج ۲، ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۷ھ)

اور علامہ ابن اثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہی کی حدیث میں ”کان یصغی الیہ الاناء“ وہ اس کے لیے برتن جھکاتے تھے، تاکہ وہ سہولت سے پانی پی لے، اور حدیث میں اس کا معنی کان لگا کر سنا بھی ہے۔ (التہذیب، ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۷ھ)

اس آیت کا معنی ہے یہ شیاطین ایک دوسرے کی طرف مزخرف اور مزین اقوال پہنچاتے ہیں، تاکہ نیک مسلمانوں کو بہکائیں اور ان کی طرف ان کفار اور فساق کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، کیونکہ ان کے وسوسے ان کی خواہشوں کے موافق ہیں اور تاکہ وہ ان سے خوش ہوں، لیکن جو مسلمان انجام پر نظر رکھتے ہیں، وہ ان کی خوش نمابا توں میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ کہئے) تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۱۱۳)

نبوت کی دود لیلیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے پکی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھادیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ ان معجزات کے دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو چکی ہے، اور وہ قرآن مجید ہے۔ وہ کتاب مفصل ہے جس میں علوم کثیرہ ہیں اور وہ انتہائی فصیح اور بلیغ کلام پر مشتمل ہے جس کے معارضہ سے تمام مخلوق عاجز ہو چکی ہے، اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل کی جن میں آپ کی نبوت پر دلائل اور پیشین گوئیاں ہیں اور تورات اور انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ سچے اور برحق نبی ہیں، سو ان دود لیلوں کے بعد اب اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے) کیا میں اللہ کے سوا اور کوئی حکم تلاش کروں؟ یعنی آپ کہئے کہ تم مجھ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے جس نے میری نبوت کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا، جو کتاب معجزہ ہے اور جو اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کر چکا ہے، جس میں میرے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے، اور میری علامتیں اور نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں نے تورات اور انجیل کو پڑھا ہے جیسے حضرت سلمان فارسی، حضرت صیب رومی، حضرت عدی بن حاتم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم وغیرہم وہ آپ کے نبی ہونے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

پھر فرمایا نبوت کی ان دود لیلوں کے آنے کے بعد تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ اس میں بہ ظاہر آپ کو خطاب

ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے، یا اس میں ہر پڑھنے والے کو خطاب ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۱۵)

کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید معجز ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔ یعنی قرآن مجید جو معجز کلام ہے، وہ پورا ہو گیا، جو نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مکلفین کو قیامت تک علم اور عمل کے اعتبار سے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں تمام موجود ہیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے وہ سب تمام اور مکمل ہیں، ان میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قلم اٹھالے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم جن چیزوں سے ملاقات کرنے والے ہو، ان کے

متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب القدر، باب ۲)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس

سے فرمایا لکھ، اس نے کہا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۷۰۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۷، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۲۲۲، ۱۱۲۳۳، السنن الکبریٰ

للصحتی، ج ۱۰، ص ۲۰۲، مختصر اتحاف السادة المهرة، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲)

علامہ ابوبکر بن اسماعیل بوسیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد بن منیع نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام ابوداؤد بحستانی نے

روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند میں احمد بن

سلیم ضعیف ہے۔ (اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، ج ۱، ص ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں اللہ کے کلمہ کو جو صدق اور عدل فرمایا ہے، اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم

میں خبریں ہیں اور دوسری قسم میں عقائد اور احکام شرعیہ ہیں۔ صدق کا تعلق قرآن مجید کی دی ہوئی خبروں کے ساتھ ہے اور عدل کا

تعلق عقائد اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے، یعنی اس کی دی ہوئی تمام خبریں صادق ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد اور احکام شرعیہ

سب عادل ہیں، یعنی متوسط ہیں اور صحیح ہیں۔ کیونکہ عدل کا معنی متوسط ہے جو افراط اور تفریط کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ صادق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید دونوں میں خلف محال ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اشاعرہ تو خلف وعید کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہ ظاہر خلف وعید کو جائز کہتے ہیں لیکن حقیقتاً جائز نہیں کہتے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی کوئی سزا بیان کی ہے وہاں پر یہ شرط یا یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں معاف نہ کروں یا اگر میں چاہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تو عذاب نہیں دے گا۔ لہذا اب وعید کے خلاف نہیں ہوگا، ہاں اشراک پر جو عذاب کی وعید سنائی ہے، وہاں یہ قید ملحوظ نہیں ہے اور اس وعید کا خلاف ہونا اور کافر اور مشرک کا بخشا جانا محال ہے اور امام رازی نے جو کہا ہے کہ خلف وعید محال ہے، اس سے مراد شرک کی وعید ہے۔ دیگر گناہوں پر جو وعید ہے اس کا خلف مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کے علاوہ ہر گناہ کو بہر حال بخش دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خلف وعید کذب کو مستلزم ہے، اور خلف وعید کا امکان کذب کا امکان ہے، ان کا یہ قول باطل ہے، کیونکہ خلف وعید تو بالفعل واقع ہوگا، لہذا ان کے قاعدہ پر اللہ کے کلام کا بالفعل کذب ہونا لازم آئے گا۔ معاذ اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے، تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۶)

عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کے شبہات بیان کیے اور ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد فرمایا جب حق واضح ہو گیا، پھر بھی اگر کوئی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرے اور آپ کے پیغام کو نہ مانے، تو وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرنے والا ہوگا اور گمراہ ہوگا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کے اکثر لوگ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور گمراہ کرنا گمراہ ہونے کی فرع ہے، اور گمراہی تین چیزوں میں متصور ہو سکتی ہے۔ الوہیت کے اعتقاد میں، نبوت کے اعتقاد میں اور احکام شرعیہ کے اعتقاد میں۔

الوہیت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے وجود کو نہ مانے۔ جیسے دہریے ہیں، یا متعدد خدا مانے۔ جیسے مشرکین اور بت پرست ہیں، یا وہ لوگ جو خدا کے بیٹے مانتے ہیں۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور یہودی حضرت عزیر کو۔ نبوت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ مطلقاً نبی کو نہ مانے۔ جیسے ہندو، سکھ اور بدھ مذہب والے یا سیدنا محمد ﷺ کے آنے اور ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کی بعثت کا اعتقاد رکھے۔ جیسے مرزائی، بہائی اور دیندار جو صدیق جن بشو شور کو مانتے ہیں، یا سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو لعنت اور تبرا کرنے والے جیسے رافضی ہیں، یا آپ کی آل اطہار کو برا کہنے والے جیسے ناصبی ہیں، یا دونوں کو برا کہنے والے جیسے خارجی ہیں، یا رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور بے ادبی کرے، آپ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہے اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو آپ پر منطبق کرے، آپ کے فضائل اور کمالات کو کم کرنے اور چھپانے میں کوشاں رہے، یا جو دوسری جانب غلو کرے، آپ کے بشر ہونے کا انکار کرے، یا آپ کے لیے ذاتی علم غیب اور ذاتی قدرت مانے یا آپ کے کمالات اللہ تعالیٰ کے مساوی یا زائد قرار دے۔

احکام شرعیہ میں گمراہی یہ ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہو، اس کو مستحب جاننا۔ جیسے شیعہ ماتم کرنے کو مستحب جانتے ہیں۔ یا جس کام کو نبی ﷺ نے حرام نہ کہا ہو، اس کو حرام کہنا، جیسے کوئی شخص عرفا تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب

کرنے جیسے سوئم، چہلم، عرس اور گیارہویں شریف میں ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اس کو حرام کہا جائے، یا میلاد شریف کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے فضائل، آپ کی سیرت اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے تو اس کو حرام کہا جائے، تو یہ احکام شرعیہ میں گمراہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں شریف اور میلاد شریف کو فرض یا واجب کے یا ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرے یا اس طور کہ نہ کرنے والے کو ملامت کرے اور گمراہ جانے یا اذان سے پہلے یا بعد صلاۃ و سلام پڑھنے کو واجب کہے، یا اللہ کے بجائے اولیاء اللہ کی نذر اور منت مانے یا ان کی قبروں کا طواف کرے، یا سجدہ تعظیمی کرے، یا اولیاء اللہ کو مستقل فی التصرف جانے، اور یہ جان کر ان کو پکارے اور ان سے مدد چاہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امور احکام شرعیہ میں گمراہی ہیں۔

اتباع ظن کی مذمت کی وضاحت

اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اخبار آحاد اور قیاس پر جو عمل کیا جاتا ہے، وہ بھی تو ظن کے درجہ میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو ظن کی اتباع کرتے تھے تو اس کا استناد کسی قطعی دلیل پر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اخبار آحاد اور قیاس کا استناد دلیل قطعی پر ہے جو قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا اور وہ ہدایت

پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۷۱)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں، بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے جزا دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کافر اگرچہ بہت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہے، اس کو معلوم ہے کہ یہ گمراہی کے راستے میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس زبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا

بِأَيْتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اللَّهُ

نام لیا گیا ہو ۰ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس زبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر

اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی

إِلَيْهِ وَإِنْ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ

ہے، اور بیشک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بیشک آپ کا رب

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ

حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ○ اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو ، بیشک جو

الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيَجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

رگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ○

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَالَهُمْ يَذُكُرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَرِئَاسٌ

اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بیشک اس کو کھانا گناہ ہے ، بیشک شیطان

الشَّيْطَانِ لِيُوْحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بھت کریں ، اور اگر تم نے ان کی اطاعت

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾

کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (الانعام: ۱۱۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی سید محمد ﷺ اور مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مشرکین کی طرف توجہ نہ کرو جو مردار تو کھا لیتے ہیں اور مسلمان جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اس کا کھانا برا جانتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا یا رسول اللہ کیا ہم اس کو کھالیں جس کو ہم نے قتل کیا ہے اور اس کو نہ کھائیں جس کو اللہ نے قتل کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۱۹، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۳۴۹، السنن

الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۷۱)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور اس پر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر وہ عمدًا بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دے، تو پھر اس ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورۃ الانعام: ۱۲۱ میں انشاء اللہ آئے گی۔

مشرکین یہ کہتے تھے کہ مسلمان خدا کے مارے ہوئے جانور کو حرام کہتے ہیں اور اپنے مارے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں،

تبیان القرآن

جلد سوم

ان کا یہ قول حماقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے۔ البتہ جو طبعی موت مرا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نہیں نکلی اور جس جانور کو مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نکلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں، ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۹)

مکی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں، ان کی تفصیل تمہیں بتادی ہے۔ اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس تفصیل سے مراد وہ تفصیل ہے جو سورہ مائدہ: ۳ میں بیان فرمائی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (الایہ)
تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت
اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورہ المائدہ مدنی ہے اور سورہ الانعام مکی ہے، لہذا یہ تفصیل اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ تو اس سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں اس کے بعد نازل ہونے والی سورت کا حوالہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سورہ الانعام میں بھی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى
طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا
مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا
أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (الانعام: ۱۴۵)
آپ کہتے کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لیے ان کے سوا کوئی کھانے کی چیز حرام نہیں پاتا کہ وہ مردار ہو یا بننے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، سو وہ بے شک نجس ہے، یا نافرمانی کے لیے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت ۱۱۹ میں آیت ۱۴۵ کا حوالہ دینا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترتیب وضع کے اعتبار سے ہے، ہو سکتا ہے اس کا نزول پہلے ہو گیا ہو۔

لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں ہے کہ سورہ الانعام پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے اور اس میں کوئی آیت دوسری آیت پر نزول کے اعتبار سے مقدم یا موخر نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حرام چیزوں کی یہ تفصیل نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتادی تھی اور مکہ مکرمہ کی زندگی میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اگرچہ ان کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ میں وضوء کرنا مشروع تھا اور مسلمان وضوء کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ آیت وضوء مدینہ میں سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے۔

تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد عمرو بن لُحی اور اس کے بعد کے مشرکین ہیں، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تغیر کیا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیا اور مردار کھانے کو جائز کہا اور عمرو بن لُحی نے محض اپنی جمالت سے یہ مذہب نکالا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن السدی الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مردار کو حلال کہتے ہیں اور تم سے اس کے حلال ہونے کے متعلق مناظرے کرتے ہیں اور اس طرح وہ تمام لوگ جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں، وہ محض اپنی ہوا و ہوس کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی بصیرت ہے نہ کوئی علم ہے۔ (معانی القرآن و اعرابہ للزجاج، ج ۳، ص ۲۸۷، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۳۰۸ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ہوا و نفسانی کی بنا پر تقلید کرنا مذموم اور حرام ہے اور ہم جو ائمہ دین کی تقلید کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے اقوال قرآن اور حدیث کی نصوص پر مبنی ہیں اور ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ہمارا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کرو اور تقلید صحیح اور تقلید باطل میں یہی فرق ہے کہ تقلید صحیح کا مبنی قرآن اور حدیث ہے اور تقلید باطل کا مبنی ہوائے نفس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ (الانعام: ۱۲۰)

ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہر اور خفی گناہوں سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ
اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۵۱)

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے، اس کو وہ حلال کہتے تھے اور عدی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا ظاہری گناہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ زنا کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اثم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ اثم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔

نیز انہوں نے لکھا ہے اثم عدوان سے عام ہے۔ (المفردات، ص ۱۰، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۳ھ)

علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے اثم کا معنی ہے زنب (گناہ) خمر اور قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم کہتے ہیں اور اثم کا معنی ہے کذاب۔ (القاموس المحیط، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمان انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بر (نیکی) اور اثم (گناہ) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا بر اچھے اخلاق ہیں اور اثم وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔

(صحیح مسلم البر، ۱۳، ۶۳۹۶ (۲۵۵۳) سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۹۶، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۷، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۳۰۲، ۲۹۵، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۶۵، طبع دار الفکر)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سا اثم سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۴۱۱، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۶۲، طبع قدیم، بیروت)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے، مگر اس میں اثم کی جگہ زنب کا لفظ ہے۔

(دیکھئے صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۷۱۱، ۴۷۱۲، ۴۷۱۳، ۴۷۱۴، ۴۷۱۵، ۴۷۱۶، ۴۷۱۷، ۴۷۱۸، ۴۷۱۹، ۴۷۲۰، ۴۷۲۱، ۴۷۲۲، نیز دیکھئے صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۱، سنن ابو داؤد، رقم

الحدیث: ۲۳۱۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۱۹۳، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۸۰، طبع قدیم، ان تمام

احادیث میں اثم کی جگہ زنب کا لفظ ہے)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

خیشمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ان کا قہرمان (کار مختار) آمدنی اور مصارف کا ذمہ دار آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے اس سے پوچھا کیا تم نے غلاموں کو کھانا کھلا دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا جاؤ ان کو کھانا کھلاؤ۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کا کھانا روک لے جن کو کھلانے کا وہ ذمہ دار ہے۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر

سنی سنائی بات بیان کر دے۔

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۹۹۲، صحیح مسلم، مقدمہ، رقم الحدیث: ۵، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ تم

ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۰۱، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۰۳۲)

دل کے افعال پر مواخذہ کے دلائل

ظاہر گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علانیہ اور کھلم کھلا کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو چھپ کر کیے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو دل سے کیے جائیں۔ مثلاً تکبر، حسد، خود پسندی، مسلمانوں کا برا چاہنا، حرام کاموں کا ارادہ کرنا، بدگمانی کرنا، بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صرف اعضاء کی معصیت پر مواخذہ ہوتا ہے اور دل کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہوتا، یہ قول صحیح نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي

الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَ

الْآخِرَةِ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو

پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک

عذاب ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے جانے لگا، تو میری ملاقات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا، انہوں نے کہا لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حرص تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۷۵، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۰۸۳، صحیح مسلم، فتن، ۱۳، (۲۸۸۸) ۷۱۹، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۶۸، ۳۲۶۹، سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۱۲۰، ۳۱۲۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۶۵، سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۱۹۰، علیہ الاولیاء، ج ۳، ص ۳۰۳، ج ۶، ص ۲۶۲، الکامل لابن عدی، ج ۷، ص ۲۶۵۰، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۳۵۳۸)

اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرص پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرص دل کا فعل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کی جوتی اچھی ہو، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جہنم میں ہے اور جہنم کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۳، (۹۱) ۲۵۹، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۰۶، ۲۰۰۵، صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۶۵۷، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۹۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۲۱، صحیح ابن حبان، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۵۶۸۰، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، دشمنی نہ رکھو، بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۲، صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۰۷۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۵۹، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۱۰، صحیح ابن حبان، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۵۶۶۰، مصنف عبدالرزاق، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۲۲۲، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷۳، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۶۸۳، مسند الیاسی، رقم الحدیث: ۲۰۹۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۰۳)

اس حدیث میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے، بغض رکھنے اور حسد کرنے سے منع فرمایا ہے، اور یہ سب دل کے افعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بھٹ کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۲۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کے متعلق مذاہب فقہاء

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کے متعلق فقہاء مذاہب کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ خواہ اس نے عمداً بسم اللہ نہ پڑھی ہو یا نسیاناً۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام احمد کے نزدیک اگر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال ہے، اور اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو اس میں ان کے دو قول ہیں۔ (زاد المسیر، ج ۳، ص ۱۱۵، طبع بیروت، ۱۳۰۷ھ)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ حرام ہے اور نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر وہ ذبیحہ حلال ہے۔ (بدایہ الجتہد، ج ۱، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ خواہ عمداً نام نہ لیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنا موجب حرمت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے کہا یہاں نسیان مراد نہیں ہے، اب اگر بسم اللہ کو عمداً ترک کرنا بھی جائز ہو تو اس آیت پر بالکل عمل نہیں ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ: ۳)

شکار پر (سداہائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام

لو۔

اور امر واجب کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے شکار پر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور سنت سے بھی اس پر دلیل ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے شکاری کتے کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنا سداہایا ہو اکتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو، بشرطیکہ اس نے تمہارے لیے شکار کو (کھانے سے) روک رکھا ہو، اور جب تم اس کے سوا دوسرا کتا دیکھو جس نے ہلاک کیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔ اس آیت اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کو عمداً ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن، ج ۳، ص ۷۰-۶، ملخصاً، مطبوعہ لاہور)

اور اگر بھولے سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو ذبیحہ کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں! آپ نے فرمایا تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھالو، حضرت عائشہ نے کہا اس وقت لوگ نئے نئے کفر سے نکلے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۰۷، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۴۳۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۷۳، مصنف

عبد الرزاق، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۷۹۵، کنز العمال، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۵۵۹۸، سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کے لیے اللہ کا نام کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے

وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۲، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۳)

حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں، تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔

اس دوسرے کا بیان اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو نہ کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس کو کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۷۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

اور وہ بحث یہ کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے جس کو اللہ نے مارا ہے اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے اس کو کھالیتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حلال کیے ہوئے کو حرام کیا یا اس کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا، تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال اعتقاد کرے۔ تب وہ کافر اور مشرک ہو گا اور اگر وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کو اپنی نفسانی خواہش سے کرتا ہو، لیکن وہ ان کاموں کو حرام ہی جانتا ہو تو وہ فاسق اور مرتکب معصیت کبیرہ ہو گا، کافر اور مشرک نہیں ہو گا۔

أَوْ مَنْ كَانَ مِيثًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے

يُمْنِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل

مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾ وَكَذَلِكَ

نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کرے یہ ہیں وہ ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں ○ اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مَجْرِمِيهَا لِيُكَرَّوْا فِيهَا وَمَا

ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ حقیقت میں) وہ صرف

يُكْرَهُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ

اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشان

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رَسُلُ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے،

أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب

عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ لِّمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ فَمَنْ يُرِدْ

سینچے گا کیوں کہ وہ فریب کاری کرتے تھے ○ سو اللہ جس کو بہایت

اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ

دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے

أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانَسَاءً يَصْعَدُ

اس کا سینہ گٹھا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ

فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۴﴾

رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○

وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

اور یہ آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں

يَذْكُرُونَ ﴿۱۲۵﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

کو بیان کر دیا ہے ○ ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں اور وہی ان کا کارساز ہے کیونکہ وہ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ هُمْ جَمِيعًا يَمْشُرُ الْجِنَّ

(نیک) کام کرتے تھے ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت

قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ج وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ مِنَ الْإِنْسِ

تم نے بہتے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے،

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ

اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجانز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے

لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَلِيدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ

ہمارے لیے مقرر کی تھی، اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے بیشک آپ کا

حَكِيمٌ عَلَيْهِ ۝ (۱۲۸) وَكَذَلِكَ نُورِي الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا

رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ (معصیت کے)

كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۱۲۹)

کام کرتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں۔ (الانعام: ۱۲۲)

کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! ابو جہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنا دے۔ یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو اسلام سے زندہ کیا اور ان کو عزت اور توقیر دی اور ابو جہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔ زید بن اسلم نے کہا ہے، یہ آیت ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۱۳۸۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۳۱۷ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں، اس آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل مراد ہیں، کیونکہ ایک دن ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ پر لید پھینک دی، اس وقت تک حضرت حمزہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابو جہل کی اس حرکت کی حضرت حمزہ کو خبر دی گئی، وہ اس وقت ہاتھ میں کمان لیے ہوئے شکار سے واپس آرہے تھے، یہ سن کر غضبناک ہوئے اور جا کر ابو جہل کو کمان سے مارا، ابو جہل فریاد کر رہا تھا کہ تم کو پتا نہیں وہ کم عقل کیا کہتا ہے؟ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑا بے وقوف اور کون ہے؟ تم اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(اسباب النزول، رقم الحدیث: ۳۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان حدیثوں کے مطابق حضرت عمر یا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما پہلے کفر میں مردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اسلام سے زندہ کیا اور ان کو اسلام کی نمایاں خدمات کرنے کی توفیق دی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دونوں آج تک روشن ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے منارۂ نور ہیں، ایسے لوگ ابو جہل جیسے لوگوں کی مثل کب ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں رہے اور ان اندھیروں سے کبھی نکل نہ سکے، ہر چند کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مطلقاً مومن اور کافر مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

علم اور جہل کے مراتب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ ارواح بشریہ کی معرفت میں چار مراتب ہیں۔ پہلے مرتبہ میں اس کو بالفعل کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن وہ علوم اور معارف کی استعداد رکھتا ہے، بسا اوقات یہ استعداد کامل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ استعداد کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کو اس آیت میں موت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو علوم کلیہ اولیہ حاصل ہوتے ہیں، اس کو عقل کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف اس آیت میں فاحیہ (ہم نے اس کو زندہ کیا) سے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسرے مرتبہ میں انسان معلومات بدیہ سے مجہولات نظریہ کو حاصل کرتا ہے، اس کی طرف اس آیت میں وجعلنا لہ نوراً (اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا) سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تمام معارف قدیہ اس کے سامنے حاضر بالفعل ہوں، اور وہ روح ان معارف کے ساتھ منور اور کامل ہو جائے۔ اس کی طرف اس آیت میں یمشی بہ فی الناس (جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے) سے اشارہ فرمایا ہے، اور اس مرتبہ کے حصول کے بعد نفس انسان کی سعادت کے درجات مکمل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ آنکھ سلامت ہو اور کوئی خارجی روشنی بھی ہو، اسی طرح بصیرت کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عقل سلیم ہو اور نور وحی اور نور کتاب دستیاب ہو۔ اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد دین ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد حکمت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بصر اور بصیرت کے لیے آنکھ اور عقل کا سالم ہونا اور خارجی روشنی اور نور قرآن کا میسر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا کی ہیں اور رہا کافر تو وہ ہمیشہ جہل، برے اخلاق اور بد اعمالیوں کی تاریکیوں اور کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے، اور خوف، دہشت اور عجز کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۳-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا، تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ وہ حقیقت میں) صرف اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۱۲۳)

کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت

مجرموں کو ان بستیوں کا سردار اس لیے بنایا کہ عمد شکنی، مکر و فریب اور جھوٹی اور باطل باتوں کو لوگوں میں رائج کرنا ان ہی لوگوں کی زیادہ قدرت اور اختیار میں تھا۔ نیز مال کی کثرت اور منصب کی قوت انسان کو ان کی حفاظت میں زیادہ کوشش کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے لیے انسان ہر قسم کے جائز اور ناجائز حیلے اختیار کرتا ہے اور جھوٹ، مکر اور فریب، عمد شکنی اور دغا بازی سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اہل مکہ کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیئے گئے ہیں، اسی طرح انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ، یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فساق اور فجار کو مقتدر اور سردار بنا دیتا ہے، اور اس وجہ سے حق اور باطل،

ایمان اور کفر کے دو میان شورش پارتی ہے۔ ان بستیوں کے سردار انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو تنگ کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفار اور فساق کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں، ان کو آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے، جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا، کیونکہ وہ فریب کاری کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۳)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا، کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور ابو جہل نے کہا بخدا ہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُتَوَكَّلَ عَلَىٰ سَعْيِهِ يَوْمَ الْقِيَامِ
مَنْشَرَةٌ (المدثر: ۵۲)

بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کو دے دیئے جائیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں، حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا، یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، بعض روہیں پاکیزہ ہوتی ہیں، تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روہیں خسیں اور مکرہ ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی روہیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روہیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں، پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں، بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں۔ اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۷-۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا لیتا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ لہذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: ۱۲۳) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

قادر مختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں:

- ۱۔ اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔
- ۲۔ اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو، اور اس کے کانوں میں کلام منظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے۔
- ۳۔ اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے، لیکن سورۃ الانعام: ۱۲۳ کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف بعض انبیاء میں نہیں پائے جاتے، مثلاً ہر نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔ (شرح مقاصد، ج ۵، ص ۱۹-۲۵، ملخصاً، مطبوعہ ایران، ۱۳۰۹ھ، شرح مواقف، ج ۸، ص ۲۲۲-۲۱۸، ملخصاً، مطبوعہ ایران)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء

علامہ محمد سفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجنا کتابوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا، اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے، یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے، یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے۔ تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد میں کن احکام کے محتاج ہیں۔ بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ اور اللہ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔
- ۲۔ احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے؟
- ۳۔ قیامت، جنت، دوزخ، حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کی صفات لازمہ

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو، وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوْحِيْنَ
إِلَيْهِمْ۔ (یوسف: ۱۰۹) نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم، آسیہ، سارہ، ہاجرہ اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں، تاکہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام بخل، بزدلی، لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل، ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کمال ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی، نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں، مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں، مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔

بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، نبوت عطا فرماتا ہے۔ لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن اور حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی، وہ مذکورہ اوصاف کا حامل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا، اولوالعزم پانچ ہیں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ۔ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البیہ، ج ۲، ص ۲۶۹-۲۵۶، ملخصاً، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے، اسی طرح ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام: ۱۲۵)

اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کے راستے کی طرف ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے گا، اس کا سینہ دنیا میں اسلام کے لیے کھول دے گا، حتیٰ کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور اسلام کو ترک نہیں کرے گا، یہ حالت ایمان لانے کے بعد ہوگی، جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ لِقَلْبِهِ (التغابن: ۱۱)

اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا، اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا، ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔

اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۱، ۳۱۱۶، ۳۶۳۱، ۳۱۲، ۷۳۶۰، صحیح مسلم، الامارہ، ۱۰۳، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث:

۳۶۳۷)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فمن یرد اللہ ان یردہ یشرح صدرہ لہ لا سلام تو صحابہ نے پوچھا اس کا شرح صدر کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب اس کے دل میں نور نازل ہوگا تو

تبیان القرآن

جلد سوم

اس کا سینہ کھل جائے گا، صحابہ نے پوچھا کیا اس کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہو گا اور دنیا سے وہ پہلو بچائے گا اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے تیار رہے گا۔

(جامع البیان، جز ۸، ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین جو دعوت اسلام کو مسترد کر رہے ہیں، آپ ان سے رنجیدہ نہ ہوں، جو شخص اللہ کے ارادہ اور اس کی تقدیر میں ایمان لانے کا اہل ہوگا، اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا، جیسا کہ ان آیات میں ہے:

تو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے (عظیم) نور پر ہے۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ (الزمر: ۲۲)

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت سے تمہیں متنفر کر دیا، یہی لوگ کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْإِعْصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ ۝

(الحجرات: ۷)

اور جس شخص نے شرک سے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا اور فسق اور معصیت سے اپنے دل کو میلا کر دیا، وہ اسلام کو قبول کرنے سے اپنے دل میں شدید تنگی اور ٹھنن محسوس کرتا ہے اور کسی بھی نیکی کے لیے اس کے دل کے دروازے نہیں کھلتے۔ جیسے کوئی شخص اپنے میلان طبعی کے خلاف آسمان کی جانب چڑھ رہا ہو تو اس کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اوپر اللہ شیطان کو مسلط کر دے گا اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں، پھر شیطان اس کو گمراہ کر دے گا اور سیدھے راستے سے بھٹکا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ کے رب کا پسندیدہ سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے

تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے۔ (الانعام: ۱۲۶)

اس آیت کا معنی ہے، یہ اسلام جس کے لیے اللہ تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے، یہی آپ کے رب کا وہ طریقہ ہے جس کو اس نے لوگوں کے لیے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط مستقیم ہے۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۱۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے اور جو لوگ اسلام پر صحیح عمل کرتے ہیں، ان کے لیے جنت ہے جو سلامتی کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں، اور وہی ان کا کارساز ہے، کیونکہ وہ

(نیک) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۷)

جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات

اس آیت میں جار مجرور کی تقدیم مفید حصہ ہے۔ یعنی دار السلام ان ہی کے لیے ہے، ان کے غیر کے لیے نہیں ہے۔

دار السلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پس دار السلام کا معنی ہے وہ گھر جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ اضافت تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ اور ناقہ اللہ میں ہے۔

اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حلام دار کی صفت ہے، یعنی یہ سلامتی کا گھر ہے اور جنت کو دار السلام اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر قسم کے عیوب، تکلیفوں اور مشقتوں سے سلامتی ہے۔

جنت کو دار السلام کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دخول کے وقت سلام کیا جائے گا، اللہ کی طرف سے، فرشتوں کی طرف سے اور اہل اعراف کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

و نادوا اصحاب الجنة ان سلام عليكم (الاعراف: ۴۶) و تحيتهم فيها سلام (يونس: ۱۰) سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار (الرعد: ۲۴) ادخلوها بسلام امنين (الحجر: ۴۶) يقولون سلام عليكم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون (النحل: ۴۲) سلام قولاً من رب رحيم (يس: ۵۸) وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم فادخلوها خالدين (الزمر: ۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے، تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو، مگر جسے اللہ چاہے، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(الانعام: ۱۲۸)

جہنم کے خلود سے استثناء کی توجیہات

یعنی جب ہم قیامت کے دن تمام انسانوں اور جنات کو جمع کریں گے اور کہیں گے اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا، اور جن انسانوں نے جنات کے دوسوے غور سے سنے تھے، اور ان سے محبت رکھی تھی، اور ان کی اطاعت کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے نفع اٹھایا، انسانوں نے شیطانوں سے نفع اٹھایا کیونکہ شیطانوں نے ان کو ان کی شہوت پوری کرنے کے ناجائز ذرائع بتائے اور جب انسانوں نے ناجائز ذرائع اور گناہ کے راستوں پر چل کر اپنی شہوت کو پورا کر لیا، تو شیاطین جو ان کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے فائدہ اٹھالیا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے وہ میعاد پوری کر لی جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی، یعنی ہم نے طبعی زندگی پوری کر لی اور ہم پر موت آگئی اور یا ہم اس میعاد کو پورا کر کے میدان حشر میں پہنچ گئے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حشر کا دن بہت ہولناک دن ہو گا، اور اس دن سب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے اور اپنی تقصیرات پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو مالک اور احکم الحاکمین ہے، ہمارے متعلق جو چاہے فیصلہ فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا، تم دونوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اس کے بعد فرمایا مگر جسے اللہ چاہے، اس استثناء کی دو توجیہات ہیں۔ (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں۔ ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدان حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اور وہ اس میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے، تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکال کر زمہریر (سخت ٹھنڈ اور برفانی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے، تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ الغرض! وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ (معصیت کے) کام کرتے

تھے۔ (الانعام: ۱۲۹)

ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ بعض جن اور انسان ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کا یہ باہمی استفادہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور قضاء و قدر کے موافق تھا، اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان میں وہی چیز پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کا ولی، کار ساز اور مددگار بنا دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۱۶)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

بعض کافر بعض کے مددگار ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

(الانفال: ۷۳)

اور جس طرح بعض انسان اور جن ایک دوسرے کے کام آتے تھے، اسی طرح کافر کفر اور معصیت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں۔ وہ شخص جو معصیت کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو حاکم اور افسر اپنے ماتحت لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور جو تاجر جعلی اشیاء اور ملاوٹ والی چیزیں فروخت کر کے صارفین پر ظلم کرتا ہے، اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں پر ظلم کرتے ہیں اور سیاسی عمدہ دار اور وزراء عوام کے ٹیکسوں سے الٹے تلے کرتے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کی رگوں سے خون نچوڑتے رہتے ہیں، ان سب ظالموں پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے برے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے ناراض ہوں۔

(شعب الایمان، ج ۶، رقم الحدیث: ۷۳۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے مطابق بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی

بہتری کا ارادہ کرے تو نیک بادشاہ مقرر کرتا ہے اور جب ان کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو ہمیشہ پرست بادشاہ مقرر کرتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۶، رقم الحدیث: ۷۳۸۹)

ابراہیم بن عمش بیان کرتے ہیں کہ میرے والد یہ کہتے تھے 'اے اللہ! تو نے ہمارے اعمال کے مطابق ہم پر حکام مسلط کر دیئے جو ہم کو پہچانتے ہیں نہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔' (شعب الایمان، ج ۶، رقم الحدیث: ۷۳۹۰)

یونس بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (شعب الایمان، ج ۶، رقم الحدیث: ۷۳۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ظلم پر مدد کی وہ تادم مرگ اللہ کی نارا نسکی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (الشوری: ۳۰)

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کیے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرمادیتا ہے۔

اَلْعَشْرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ

اسے جنات اور انسانوں کے گروہ: کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان

اِيَّتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءِ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ

کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؛ وہ کہیں گے ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی

أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ

دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۱۳۰﴾ ذَلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكًا

کہ وہ کافر تھے ○ یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظنن ہلاک کرنے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَفْلُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا

والا نہیں ہے درآں حالیکہ ان میں رہنے والے (شرعیات) بے خبر ہوں ○ اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ○ اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبِكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا

اگر وہ چاہے تو تمہیں بھجے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح تم کو ایک

أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ (۱۳۳) إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَتِي

اور قوم سے پیدا کیا ہے ○ بیشک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ (۱۳۴) قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ

کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ آپ کہیے اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو

إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ (۱۳۵) مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ

میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ (۱۳۵)

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں! ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰)

جنات کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات اس آیت میں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات سے بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول صرف انسانوں سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ جنات کے رسول سے رسول کا اصطلاحی اور معروف معنی مراد نہیں ہے، یعنی وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر وحی اور کتاب کا نزول ہو، بلکہ یہاں رسول سے لغوی معنی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جنات کے رسول وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وحی سن کر اپنی قوم کو پہنچائی، یعنی مبلغ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنَّةِ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ (الاحقاف: ۲۹)

اور یاد کیجئے جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لائے، سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا خاموش رہو، پھر جب (قرآن کی تلاوت) ہو چکی تو وہ اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے لوٹے۔

آپ کہئے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک

ثَبِيان القرآن جلد سوم

فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ يَهْدِي إِلَى
الرُّشْدِ فَأَمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝
(الجن: ۲-۱) مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہم
اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲- مجاہد نے کہا انسانوں کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا گیا ہے اور جنات کی طرف منذرین کو اور اس آیت میں جنات کے
رسول سے مراد منذرین ہیں، یعنی ڈرانے والے۔

۳- کلبی نے کہا کہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنات دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے، لیکن یہ صحیح
نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے ہر رسول صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا
گیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے
کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طہارت کا آلہ بنا
دی گئی۔ پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے، وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے
کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام
لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۵، ۳۳۸، ۳۳۲، صحیح مسلم المساجد، ۳، (۵۲۱) ۱۱۳۳، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۲، ج ۲،
رقم الحدیث: ۷۳۶)

۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پہلے صرف انسانوں کی طرف رسول مبعوث ہوتے تھے اور ہمارے نبی
سیدنا محمد ﷺ انسانوں کے بھی رسول ہیں اور جنات کے بھی رسول ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی
ﷺ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (سابق) انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی
گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (جس کلام میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ) عطا کیے گئے ہیں۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے
لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول
بنایا گیا اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(صحیح مسلم، المساجد، ۵، (۵۲۳) ۱۱۳۷، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد،
ج ۳، رقم الحدیث: ۹۳۳۸، طبع جدید دار الفکر)

۵- اس آیت میں تغلیباً جنات کے مبلغین پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے مذکر کو مونث پر غلبہ دیا جاتا ہے اور قرآن مجید
کی آیات میں صرف مذکر کو خطاب کیا جاتا ہے اور مونث پر بھی مذکر کے صیغہ کا اطلاق کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ مذکر نہیں ہوتیں۔
اسی طرح جنات کے مبلغین پر بھی رسول کا اطلاق کر دیا گیا ہے، حالانکہ جنات میں معروف اور مصطلح معنی میں رسول نہیں ہوتے۔
جنات کے مبلغین پر تغلیباً رسول کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ میدان قیامت میں صرف انسانوں اور جنات سے حساب لیا جائے
گا اور باقی مخلوق سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جب ان دونوں گروہوں سے ثواب اور عذاب کے ترتب کے لیے ایک طرح کا

حساب لیا جائے گا تو گویا یہ دونوں ایک جماعت ہیں اور ان سے ایک خطاب کیا گیا۔

جنات کو شعلوں والی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، دونوں کی خلقت الگ الگ ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہوتے ہیں اور ابلیس دونوں کا دشمن ہے، وہ ان کے کافروں سے دوستی رکھتا ہے اور ان کے مومنوں سے عداوت رکھتا ہے۔ ان میں بھی شیعہ، قدریہ اور مرجئہ وغیرہا فرقتے ہیں۔ وہ ہماری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنات کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَآتَانَا مِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَادُونَ ذُكْرًا
طَرَأَتْ قَدَدًا (الجن: ۱۱)

اور ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف، ہم کئی مسلکوں میں متفرق ہیں۔
اور ہم میں کچھ اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم میں کچھ (الجن: ۱۲) نافرمان ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا: ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے، اور قیامت کے دن جب ان کے عضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے شرک کا اعتراف کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلمتِ ہلاک کرنے والا نہیں ہے در آنحالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں۔ (الانعام: ۱۳۱)

جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا، وہاں کے باشندوں کا حکم

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا ہے، اور انہوں نے لوگوں کو کفر اور شرک پر عذاب الہی سے ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس اللہ کی طرف سے ایمان لانے کی دعوت نہ پہنچے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلایا میٹ کرنے کے لیے عذاب نہیں بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۳)

اور ہر قوم میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے۔
اور بے شک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا، کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل: ۳۶)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔ (بنو اسرائیل: ۱۵)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

ان آیتوں سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ جن علاقوں میں بالفرض اسلام کا پیغام نہیں پہنچا، ان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کو مان لینا کافی ہے، ان کی نجات ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (الانعام: ۱۳۲)

آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن اور انس میں سے ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ حسب ذیل آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ
كَانُوا خَسِيرِينَ ۝ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا
لِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ
ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی، یہ یقیناً نقصان اٹھانے
والوں میں سے تھے اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے
مطابق درجات ہیں، تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا
اجردے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(الاحقاف: ۱۸-۱۹)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنات میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکو کار ہوگا وہ جنت میں جائے
گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے، اس کے برخلاف بعض علماء کی
راے یہ ہے کہ جنات جنت میں نہیں جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۸۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)
جنات کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء

علامہ احمد شہاب الدین بن الحجر الحیتمی المکی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنات میں سے کافروں کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ، ابو الزناد، لیث بن ابی سلیم
سے یہ روایت ہے کہ جنات میں سے مومنین کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہوگا، سو اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جائے
گی۔ پھر حیوانوں کی طرح ان سے بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ اور صحیح قول وہ ہے جس کو ابی ابن لیلیٰ، اوزاعی، امام مالک، امام
شافعی، امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کو ان کی عبادات پر ثواب دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب
رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ جنات میں سے مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ قول ابن حزم نے جمہور سے نقل کیا
ہے اور اس پر سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ولکل درجات مما عملوا (۱۳۲) کیونکہ اس آیت کو جن
اور انس کے ذکر کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کل ملائکہ جنت میں ہوں گے
اور کل شیاطین دوزخ میں ہوں گے اور جنت اور دوزخ دونوں میں انسان اور جن ہوں گے۔

(فتاویٰ حدیثہ، ص ۶۱، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ بمصر، ۱۳۵۶ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن اوریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مومن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ ابلیس کی اولاد ہیں
اور ابلیس کی اولاد جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۱۰، ص ۳۲۹)

امام ابو الشیخ عبداللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

سلمہ نے کہا کہ جن جنت میں داخل ہوں گے نہ نار میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو جنت سے نکال دیا۔ اب وہ ان
کے باپ کو جنت میں لوٹائے گا نہ ان کو۔ (کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن اوریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یعقوب بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنوں کو ثواب ملے گا اور اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا (الاحقاف: ۲۹) اور (جن و انس میں سے) ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے

مطابق درجات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۸۹، ۱۳۸ھ)

امام ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکمل جنت میں جائے گی، وہ فرشتے ہیں اور دوسری قسم کل دوزخ میں جائے گی، وہ شیاطین ہیں اور مخلوق کی دو قسمیں جنت اور دوزخ میں جائیں گی۔ وہ جن اور انسان ہیں، ان کو ثواب بھی ہوگا اور عذاب بھی ہوگا۔ (کتاب العظمتہ، رقم الحدیث: ۱۱۶۰، مطبوعہ بیروت)

ضحاک نے کہا جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں اور پیئیں گے۔ (کتاب العظمتہ، رقم الحدیث: ۱۱۶۱، مطبوعہ بیروت) ارطاة بن المنذر نے حمرة بن صیب سے پوچھا کیا جن جنت میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

لَمْ يَطْمِئِنُّوا فِيهَا مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَا جَانٌّ
ان حوروں کو اس سے پہلے نہ انسان نے چھوا ہے نہ جنوں
(الرحمن: ۵۶) نے۔

انہوں نے کہا جنوں کے لیے جنت میں جنیات ہیں اور انسانوں کے لیے انیات ہیں۔

(کتاب العظمتہ، رقم الحدیث: ۱۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

حرمہ بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے سوال کیا گیا کہ آیا جنوں کے لیے ثواب اور عذاب ہوگا؟ ابن وہب نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فَنِي أُمِّمٍ قَدْ خَلَّتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا
خَمِيرِينَ ۝ وَ لِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَ
لِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝
یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ
ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی۔ یہ یقیناً نقصان اٹھانے
والوں میں سے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے
مطابق درجات ہیں، تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا
اجردے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔
(الاحقاف: ۱۸-۱۹)

(کتاب العظمتہ، رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کے ان واضح دلائل کے اعتبار سے انہی علماء کا نظریہ درست ہے، جو کہتے ہیں کہ مسلمان جن جنت میں جائیں گے اور کافر جن دوزخ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب ہی مستغنی، رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح تم کو ایک اور قوم سے پیدا کیا ہے۔ (الانعام: ۱۳۳)

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کا معنی اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے رب نے اپنے بندوں کو بعض کام کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض کاموں سے منع کیا ہے، اس کا یہ حکم دینا اپنے کسی فائدہ، کسی غرض یا کسی عوض کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کو اپنی عبادت کرنے اور احکام بجالانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت، ان کا رزق اور ان کی روزی اور ان کا نفع اور ان کا نقصان اس کے ہاتھ میں ہے، وہ اس کے مکمل طور پر محتاج ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت کر کے اپنی احتیاج اس کے

سامنے ظاہر کریں، تاکہ وہ ان پر اپنا لطف و کرم اور اپنا فضل و احسان کرے۔ نیز گناہوں کی آلودگی اور معصیت کے زنگ سے ان کی رو میں مکر اور ظلمانی ہوں گی۔ اس لیے ارواح بشریہ اور نفوس انسانیہ کو مغلیں اور ابرار کے درجہ میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اطاعت و عبادت کی ترغیب دی جائے اور ممنوعات اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ سو اس لیے فرمایا کہ آپ کا رب مستغنی ہے، یعنی اس کو بندوں کی اطاعت اور عبادت کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ رحمت والا ہے، اس لیے یہ احکام اس کی رحمت کا تقاضا ہیں، تاکہ اس کے بندے دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکیں۔

استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر وہ مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے کمال کے حصول میں غیر کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، اور یہ کلام مفید حصر ہے، یعنی اس کے سوا اور کوئی مستغنی نہیں ہے، کیونکہ واجب لذات واحد ہی ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح رحم فرمانے والا بھی وہی ہے، اس کے سوا اور کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں، پیاسے کو پانی پلاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزیں پیدا نہ کرتا، تو وہ کیسے کھلاتے اور پلاتے اور اگر یہ چیزیں پیدا کر دی تھیں پھر بھی اگر رحم کرنے والے میں اتنی قدرت نہ ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا تو وہ کیسے ان کو کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر قدرت بھی ہوتی، لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رحم کا جذبہ پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر یہ سب کچھ ہوتا لیکن جس کو کھلانا پلانا ہے، اس میں کھانے پینے کی قدرت نہ ہوتی، مثلاً اس کے منہ میں ناسور ہو گیا اس کا اوپر کا جبرائیل نچلے جڑے پر بیٹھ جاتا اور اس کا منہ بند ہو جاتا، تو وہ کیسے کھاتا پیتا؟ اور یہ کیسے اس کو کھلاتا اور پلاتا؟ پس غور کیجئے کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں، ان کے حصول کی قدرت بھی اس نے دی، دل میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا، بھوکے اور پیاسے میں کھانے اور پینے کی صلاحیت اور قدرت بھی اس نے دی تو وہی رحم کرنے والا ہے۔ بندے نے کیا کیا ہے! پھر بندہ کا رحم کرنا کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتا ہے، کبھی سابق احسان کو اتارنے کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی دنیا میں تعریف، کبھی آخرت میں اجر کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی اس لیے رحم کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر اس پر بھی رحم کیا جائے اور کبھی اس لیے کہ کسی ضرورت مند کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت پیدا ہوتی ہے، اس کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے۔ سو بندہ جو رحم کرتا ہے، اس میں کسی غرض یا کسی عوض کی احتیاج ہوتی ہے اور ان اسباب کی احتیاج ہوتی ہے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور جو ہر سبب، ہر عوض اور ہر غرض سے مستغنی ہو کر رحم کرتا ہے، وہ صرف اللہ عزوجل ہے۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رب ہی مستغنی ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ رحمت کا ذکر فرمایا ہے، اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی جہان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس جہان کے لوگوں نے اس کی اطاعت نہیں کی تو وہ اس جہان کے لوگوں کو فنا کر کے ایک اور قوم کو پیدا کر دے گا، جیسا کہ وہ ان لوگوں کو ایک اور نسل سے پیدا کر چکا ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس کے رحیم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ وہ ہر قوم سے مستغنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ ضرور آنے والا ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (الانعام: ۱۳۴)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان سے قیامت کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اللہ کو اس کے لانے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اس میں اور بھی کئی احتمال ہیں کہ مسلمانوں سے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور منافقین کو جو عذاب کی وعید سنائی ہے، وہ بھی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (الانعام: ۱۳۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے طریق کار پر قائم رہو میں اپنے طریق کار پر قائم ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو کفر کے طریقہ پر قائم رہنے کا حکم کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمہید اور سرزنش کے طور پر ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔
سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اور اس تمہید پر اس آیت کا یہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ

اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ

نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ

کے لیے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے، سو جو حصہ ان کے

لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ

شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف

إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكَثِيرٍ

پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کیسا بڑا فیصد کرتے ہیں ○ اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُردُّوهُمْ

شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور

لِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوا فَرَّوْهُمُ

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور

وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَرَّتْ حَجْرًا لَّيْطَعْمَهَا

ان کی افترا پر ازیوں کو چھوڑ دیجیے ○ اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ، ان کو وہی کھائے گا جس کو

اِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَاَنْعَامٌ

ہم چاہیں گے ، (یہ پابندی) ان کے زعمِ باطل میں ہے ، اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں

لَا يَذْكُرُونَ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے ، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ، وہ عنقریب ان کو ان کی افترا پر ازیوں

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ

کی سزا دے گا ○ اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں

لَذِكْرِ بِنَا وَّمَحْرَمٍ عَلٰی اٰنُرًا وَاِجْنَاجًا وَاِنْ يَكُنْ مِّمَّتَهُ فَهُمْ

کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہیں ، اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد

فِيْهِ شُرَكَاءٌ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور عورتیں سب شریک ہیں ، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا ، بیشک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے ○

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا

بیشک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے حماقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا

رَتَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاءً عَلٰی اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا وَاَمَّا كَانُوا هٰتٰدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا ، بیشک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(الانعام: ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس لیے مذمت کی تھی کہ وہ قیامت کا اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا انکار کرتے

ہیں اور ان کے دیگر جاہلانہ اقوال کی مذمت کی تھی اور ان کی عقل اور سوچ کا ضعف اور فساد بیان فرمایا تھا۔ ان کی ان ہی جمالات میں سے ایک یہ جمالت تھی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے! اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لیے تھا کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے دو حصے کیے۔ ایک اللہ کا اور ایک بتوں کا، حالانکہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن پھلوں کو انہوں نے اللہ کا حصہ قرار دیا تھا، اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی میں سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

۲۔ حسن نے کہا اگر بتوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ کے حصہ میں سے اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

۳۔ قتادہ نے کہا اگر قحط آجاتا تو اللہ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے، لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔ (جامع البیان، جز ۸، ص ۵۶-۵۳، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس تقسیم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس فیصلہ کے برے ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ پھلوں اور غلہ کی حفاظت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حصہ پر بتوں اور شیطان کے حصہ کو ترجیح دی۔

۲۔ انہوں نے از خود کچھ حصہ بتوں کے لیے مخصوص کیا، اور کچھ اللہ کے لیے، حالانکہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا تھا، یہ ان کی جمالت ہے۔

۳۔ حصوں کی یہ تقسیم انہوں نے بغیر کسی عقلی اور شرعی دلیل کے کی اور یہ ان کی جمالت ہے۔

۴۔ پھلوں اور مویشیوں کی پیدائش میں بتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ وہ ان پھلوں اور مویشیوں سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں، تو پھر بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں میں سے حصہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا محض ان کی جمالت ہے۔

ان وجوہ سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین کا یہ بہت برا فیصلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا، تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں، اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ ان کو اور ان کی افترا پر دازیوں کو چھوڑ دیجئے۔ (الانعام: ۱۳۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا، اپنے خالق اور منعم کی

معرفت سے نہایت جہالت تھی، اسی طرح شیطان کے ورغلانے سے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی ان کی نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اداکام اور افعال لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ان کے شیاطین نے ان کو یہ حکم دیا کہ یہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں، تاکہ رزق میں کمی کی وجہ سے ان کو اولاد کی پرورش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور بعض نے یہ کہا کہ شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیں، تاکہ بیٹی کے باپ کو جس عار اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے، اس سے یہ بچ جائیں۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم

شیطان نے جو ان کے لیے قتل اولاد کو مزین کیا تھا، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خوف ڈالا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ان کی پرورش مشکل ہوگی، سو وہ تنگی رزق کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (الاسراء: ۳۱)

اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

آج کل حکومتی ذرائع نشر و اشاعت سے ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا بہت زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کم بچے اور خوش حال گھرانہ اور یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء) پچاس سال میں ملک کی آبادی تقریباً چار گنی ہو چکی ہے، اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے۔ ملک کے وسائل آبادی کے اس سیلاب کے متحمل نہیں ہیں، اس لیے بچے دو ہی اچھے۔ لیکن خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کی بنیاد تنگی رزق کا خوف ہے اور یہی زمانہ جہالت میں کافروں اور مشرکوں کا نظریہ تھا۔ جس کا قرآن مجید نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے، اور نبی ﷺ نے اس پر زور دیا ہے کہ بچے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، مجھے ایک عورت ملی ہے جو بہت خوبصورت اور عمدہ خاندان کی ہے، لیکن اس سے بچے نہیں ہوتے (وہ بانجھ) ہے، کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! وہ دوبارہ آیا اور پھر اجازت طلب کی، آپ نے پھر منع فرمایا۔ اس نے تیسری مرتبہ آکر اجازت طلب کی، تب آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو، کیونکہ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۵۰، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۲۷، صحیح ابن حبان، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۰۵۷، ۳۰۵۸، ۳۰۲۸، سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۳۹۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۳۵، ۱۹۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۸۱-۸۲، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۵۲-۲۵۸، مجمع الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۳۲)

قرآن مجید کی اس صریح آیت اور اس حدیث صحیح کا صاف اور صریح منشاء اولاد کی کثرت ہے، نہ کہ اولاد کی قلت! اس لیے خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کا وسائل پیداوار میں کمی کی بنیاد پر پروپیگنڈہ کرنا اسلام کے خلاف ہے، اور اس کو کسی جبری قانون کے ذریعہ عوام پر لاگو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ کسی صحیح شرعی عذر کی بناء پر جدید طبی طریقہ سے ضبط ولادت کو روکا

تبیان القرآن

جلد سوم

جائے تو وہ جائز ہے۔

ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اول تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں، وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

(الف) کوئی شخص تنگی رزق (خشية املاق) کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے، یہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس کا حرمت کی علت ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے لا تقتلوا اولادکم خشية املاق (اسراء: ۳۰)

(ب) کوئی شخص لڑکیوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے، کیونکہ ان کی تزویج میں مشقت اور عار کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ نیت زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔ جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) لونڈیوں سے ضبط تولید کرنا، تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے، لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(ب) اگر سلسلہ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید جائز ہے۔

(ج) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبط تولید جائز ہے، کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس ماہ بعد دوسرا بچہ آجائے، تو اس کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

(د) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں انسان اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا، اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(ه) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے، بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کیلئے یہ عمل جائز ہے۔

(و) جب پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو ایسا طریقہ اختیار کرنا واجب ہے، جس سے سلسلہ تولید بالکل بند ہو جائے۔

(ز) اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی، تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

عزل کے علاوہ ضبط تولید کے حسب ذیل مروج طریقے بھی شرعاً جائز ہیں:

(الف) کھانے والی گولیاں اور انجکشن (ب) کیمیاوی اشیاء (Chemical Methods) مثلاً نوم جیلی اور کریم وغیرہ کا بیرونی استعمال (ج) ساتھی (Condom) (د) ڈایا فرام۔ (ه) پھلہ (Loop) (و) ٹیبل بند (Tubal Ligation) آخر الذکر عمل، یعنی ٹیبل بند میں عورت کے بیضہ دان کی نالی کو (Fallopian Tube) کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، اس

عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی، یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک اس صورت میں جب عورت کا آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے، اور دوسری اس صورت میں جب کوئی ماہر ڈاکٹریہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے سے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ ان صورتوں میں فل بندی صرف جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے۔

ضبط تولید کا ایک طریقہ شرعاً ممنوع ہے، اور وہ ہے نس بندی (Vasec Tomy) اس عمل میں مرد کی جن ٹالیوں سے تولیدی جراثیم (Sperm) گزرتے ہیں، ان ٹالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کر لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے، انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خود کشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے، نہ اپنا کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دے سکتا ہے، اسی لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے۔ بنا بریں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بعض صحابہ نے عسرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور شہوت کم کرنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۴۹، مطبوعہ کراچی)

استقرار حمل کو روکنے کے لیے گولیاں کھائی جائیں، کیمیائی اشیاء لگائی جائیں یا خارجی حائل (ساتھی اور حملہ وغیرہ) کا استعمال کیا جائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حمل سے رکاوٹ کا یقینی سبب نہیں ہے۔ بسا اوقات دوائیں اور کیمیائی اشیاء اثر نہیں کرتیں، بعض مرتبہ ڈایا فرام کے استعمال کے باوجود قطرات رحم میں چلے جاتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات حملہ کے استعمال کے باوجود حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کنڈوم (ساتھی) پھٹ جاتا ہے اور قطرے رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے جس پانی سے بچہ پیدا ہوتا ہے اگر تم اس کو پتھر پر بھی ڈال دو تو اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے گا اور یہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ ضبط تولید کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات جڑواں بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تمام چیزوں کے مضر اثرات بہت زیادہ ہیں۔ حملہ اور ڈایا فرام کے استعمال سے الرجی اور انفیکشن کی شکایات عام ہیں، اور کھانے والی دواؤں سے سنا گیا ہے کہ چھاتی کا کینسر ہو جاتا ہے۔ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری اور طبعی نظام سے ہٹ کر کوئی کام کرے گا، مشکلات میں گرفتار ہو گا۔ اس لیے ناگزیر حالات کے علاوہ ضبط تولید سے احتراز کرنا چاہیے۔

امام غزالی نے اپنے زمانے، حالات، ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عزل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک صورت حرام، ایک بدعت، اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ اب چونکہ ترقی یافتہ دور ہے، بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آچکے ہیں، اور ضروریات اور تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے ہم نے ضبط تولید کی نو صورتیں بیان کی ہیں، جن میں پانچ مباح (جائز ہیں) دو ناجائز ہیں۔ اور دو صورتوں میں سلسلہ تولید ختم کرنا واجب ہے۔ ان میں عورت کی نسوانی اندوں والی نس (Fallopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، تاکہ یہ نسوانی اندے رحم میں نہ داخل ہو سکیں، اس عمل کو فل بندی (Tubal Ligation) کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے وما من دابة في الارض الا على الله رزقها (موم: ۶)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف ہے؟ ایسے لوگوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے، تو وہ حصول رزق کے لیے نوکریاں اور کاروبار کیوں کرتے ہیں؟ مستقبل کے لیے رقم پس انداز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہیں؟ پس جس طرح حصول رزق کے ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح بار معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت، ایمان اور توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض لوگوں کو یہ الجھن ہوتی ہے کہ ضبط تولید کرنا تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کرتے ہیں؟ جب تقدیر کا ہونا اٹل ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی تو آپ دعا کریں یا نہ کریں جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اسی طرح آپ بیمار پڑ جانے پر علاج کیوں کرتے ہیں؟ اگر تقدیر میں بیمار رہنا ہے تو آپ لاکھ علاج کریں، صحت مند نہیں ہو سکتے لیکن اس موقع پر آپ یہی کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی جائز ہے، اسباب کو اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر مبرم کو بدل دیں گے، تو یہ یقیناً ناجائز اور کھلا ہوا کفر ہے۔ لیکن اگر اسباب کو اس نیت سے بروئے کار لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نتائج کے حصول کے لیے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اسباب کے حصول کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے، وہی دراصل تقدیر ہوتی ہے۔ ہم دعا اور علاج تقدیر بدلنے اور نظام قدرت میں مداخلت کے لیے نہیں کرتے، بلکہ اس لیے دعا اور علاج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو راحت اور شفاء ہمارے لیے مقدر کی ہے اس کو وجود میں لاسکیں۔ اسی طرح ضبط تولید کا عمل تقدیر کو بدلنے یا اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے نہیں ہے (اور اگر کوئی اس نیت سے کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں) بلکہ ضبط تولید کا یہ عمل اس رکاوٹ اور پیدائش میں اس وقفہ کو وجود میں لانے کے لیے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور بچہ کی پیدائش سے احترازی کے لیے کرتے تھے۔ کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل نہیں تھا، اس لیے عزل کرتے تھے، یا صحابہ کرام کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا، اس لیے عزل کرتے تھے، یا صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے عزل کرتے تھے۔ پس جان لیجئے کہ جس طرح صحابہ کرام کا عزل کرنا ان خرابیوں کی نیت سے نہیں تھا، بلکہ نیت صحیحہ کی بناء پر تھا، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے اس عمل کو بھی نیت صحیحہ پر محمول کرنا چاہیے۔

یاد رکھئے! اسباب و علل کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سیرت ہے۔ آپ کئی کئی دنوں کے لیے کھانا لے کر غار حرا میں جاتے تھے، ازواج کو ایک سال کے لیے خرچ دیتے تھے؟ زرہ میں ملبوس ہو کر میدان جنگ میں جاتے رہے ہیں، بیماری میں مختلف انواع سے آپ نے علاج کیا ہے اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو علاج کرانے کی ہدایت دی ہے، اس لیے کسی ضرورت کے وقت ضبط تولید کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف نہیں، بلکہ عین مطابق ہے۔

ہم نے ضبط تولید کے مسئلہ پر جو بحث کی ہے اور اس کی اباحت کی جو صورتیں بیان کی ہیں، یہ خالص علمی اور فقہی نوعیت کی بحث ہے۔ اور اس کو اسی تناظر میں پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بحث اسلام کے اس عمومی فلسفے پر مبنی ہے کہ اسلام دین سیر ہے، اور اس کے مبادیات اور اصولوں میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے جو ہر دور کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدگیوں کا مثبت حل پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے خالص مادہ پرستانہ اور سیکولر فلسفے پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی اس بین الاقوامی تحریک کی تائید و حمایت یا حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں ہے، جو موجودہ دور میں پراپیگنڈے کے سحر اور ترغیب و تحریص کے مختلف طریقوں کو

بروئے کار لا کر چلائی جا رہی ہے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی اضطراری صورت حال، کسی فرد کی ایسی خالص شخصی وجوہ جو معقولیت پر مبنی ہوں یا واقعی ضرورت کے پیش نظر اسلام کی دی ہوئی رخصتوں کو بیان کر دیا جائے۔

جہاں تک دور جدید کے مادہ پرستانہ نظریہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو یہ خالص الحاد پر مبنی ہے اور اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریہ کا مرکزی نقطہ اور محور یہ ہے کہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محدود کر دیا جائے، تاکہ وسائل معاش اور اسباب معیشت کی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے، یہ خالص خود غرضی پر مبنی فلسفہ ہے۔ جس کی اساس یہ ہے کہ ہم اپنی آسائش کے لیے دوسرے انسانوں کا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاریخ انسانیت کا مطالعہ اور دور حاضر کے انسانوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہر نئے دور میں نسل انسانی کی افزائش کے باوجود بحیثیت مجموعی، انسان نے اپنے گزشتہ ادوار کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور پر آسائش زندگی بسر کی ہے اور وہ وسائل رزق کے اعتبار سے بھی مرفہ الحال رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے اور وسائل و اسباب سے برتر اور بالاتر رزق مخلوق کی حقیقی منصوبہ بندی قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ البتہ! یہ ضرور ہے کہ جب اور جہاں ظاہری طور پر جغرافیائی، موسمی یا سائنسی اور علمی و فنی وجوہ کی بنا پر وسائل رزق انسانوں کے کسی گروہ یا کسی ملک یا قوم کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ مجتمع ہوئے تو بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے اس سے مخلوق خدا کو فیض یاب کرنے کی بجائے لاکھوں ٹن غلہ سمندر میں بہا دینا، یا اسے ضائع کر دینا (Damping) زیادہ مناسب سمجھا، درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو فلاح انسان اور انسان دوستی کے پرکشش نام پر زر کثیر صرف کر کے خاندانہ منصوبہ بندی کی مہم کو پس ماندہ اقوام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلا رہی ہیں، حالانکہ آج بھی ایک سادہ لوح دیہاتی سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ انسان کھانے کے لیے ایک منہ اور کمانے کے لیے دو ہاتھ لے کر پیدا ہوا ہے۔ گویا قدرت الہی اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اگر تم محنت اور مشقت کرو گے تو روزی کے دروازے کبھی تم پر تنگ نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** (طلاق: ۲) جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (عالم غیب سے) راہیں کھول دے گا اور وہاں سے رزق عطا فرمائے گا، جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں، ان کو وہی کھائے گا جس کو ہم چاہیں گے (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے وہ عنقریب ان کو ان کی افتراء پر دازیوں کی سزا دے گا۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے خود ساختہ احکام کار و ادوار ابطال

کفار اور مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنے مویشیوں اور اپنے کھیتوں کی تین قسمیں کر دی تھیں:

۱- وہ مویشی اور کھیت جن کے متعلق وہ کہتے تھے، ان سے نفع اٹھانا کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے، یہ ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کہتے تھے ان کو وہی شخص کھا سکتا ہے جس کو ہم کھلانا چاہیں اور ان کو صرف بتوں کے مرد خادم کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں کھا سکتیں اور ان کے اس خود ساختہ قول پر کوئی دلیل نہیں تھی، عقلی نہ نقلی۔

۲- وہ مویشی جن کی پشت حرام کر دی گئی تھی، ان پر کوئی سواری کر سکتا تھا اور نہ ان پر سامان لاد سکتا تھا، ان جانوروں کو وہ البحار، السواب اور الحوامی کہتے تھے۔ ان کی تفصیل المائدہ: ۱۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۳- وہ جانور جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، وہ ان پر ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سے

کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ حج میں بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

انہوں نے جو یہ تقسیم کی تھی یہ محض اللہ تعالیٰ پر افترا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو مشروع نہیں کیا تھا اور ان کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَدْنَىٰ لَكُمْ أُمَّ عَلَى اللَّهِ تَقْفُرُونَ (یونس: ۵۹)

آپ کہئے: کہ بھلا! بتاؤ تو سہی! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا، تم نے اس میں سے بعض کو حرام کر لیا اور بعض کو حلال کر لیا۔ آپ پوچھئے: کیا تمہیں اللہ نے (اس کی) اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ عنقریب اللہ ان کو ان کی افتراء پر دازیوں کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا، بے شک وہ بہت حکمت والا بت جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۳۹)

جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد دودھ ہے۔ عامر نے کہا بھیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے تھے اور اگر بھیرہ مر جائے تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں دونوں کھاتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اس سے مراد دودھ ہے۔ وہ اس دودھ کو عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اس دودھ کو صرف مرد پیتے تھے اور بکری جب زکو جنتی تو اس کو صرف مرد کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتی تھیں اور اگر وہ مادہ کو جنتی تو اس کو ذبح نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مردہ جنتی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ (جامع البیان، جز ۸، ص ۶۳-۶۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّتُّكُمْ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِنَتَفَتَّرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يَفْلِحُونَ (النحل: ۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال

ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دینا، یا بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو ناجائز اور حرام کہنا، اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے کے مترادف ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ امام جعفر صادق کی نیاز کی کھیر پوریوں کو اسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے اور اس کو وہاں سے منتقل کرنا جائز نہیں ہے، یا جیسے لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے قبضہ بھر داڑھی کو واجب کہتے ہیں، یا جیسے بعض لوگ میلاد شریف، گیارہویں شریف، سوئم اور چہلم وغیرہ کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ یارسول اللہ! کہنے کو بھی حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور حرام بلکہ شرک کہتے ہیں، اور بعض لوگ یارسول اللہ! کہنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں اس پر وعید ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ہے، ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب تم اس پر

قرآن کا نور دیکھو گے اور وہ اسلام کی پشت پناہ ہوگا، تو قرآن اس سے جاتا رہے گا اور وہ اس کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں سے کون شرک کا مصداق ہوگا؟ جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے، یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ نے فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ موصلی نے روایت کیا ہے۔

(مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد العشرة، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۶۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا، اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا، بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔ (الانعام: ۱۳۰)

بیٹیوں کو قتل کرنے کی شقاوت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور ان کو زندہ درگور کر دیا، ان لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ یہ تنگ دستی اور قلت رزق سے ڈرتے تھے اور یہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پاکیزہ رزق دیا تھا، اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ کر حرام کر دیا اور یہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے، کیونکہ انہوں نے دین اور دنیا کی سعادت کو کھو دیا اور یہ ہدایت کو حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متونی ۶۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص ہمیشہ مغموم رہتا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تم کیوں مغموم رہتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا، خواہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ! تمہارا گناہ کیا تھا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی، اس کی ماں نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی، حتیٰ کہ وہ عورتوں میں حسین ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا، مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہیں کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں، یا اس کو بغیر نکاح کے رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں اس کو فلاں فلاں قبیلہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جا رہا ہوں، وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ اس نے اس کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے، میں اس کو لے گیا حتیٰ کہ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور میں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا، وہ لڑکی سمجھ گئی کہ میں اس کو کنوئیں میں ڈالنا چاہتا ہوں، وہ مجھے چمٹ گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس پر رحم آیا، پھر میں نے کنوئیں کی طرف دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آگیا۔ وہ لڑکی پھر مجھ سے چمٹ گئی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کر۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنوئیں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آگیا، میں نے اس کو پکڑا اور اس کو اوندھے منہ کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ کنوئیں میں چلا رہی تھی، اے میرے باپ! تو نے مجھے مار ڈالا؟ میں اس کنوئیں پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آواز آئی بند ہو گئی، پھر میں واپس آگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سن کر رونے لگے۔ اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔

(الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص ۸۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَعَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشَابِهًا وَغَيْرَ مُشَابِهٍ

اور وہی ہے جس نے بیوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کجور کے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے

مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا

جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَهُ وَفَرَسًا كَلُوا

بے جا خرچ نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس نے بعض (قد آور) مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوڑھا قد) مویشی پیدا کیے، اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس کا کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ

مُبِينٌ ﴿۱۲۲﴾ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے، دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے،

اثْنَيْنِ قُلُوبِ الدَّكْرَيْنِ حَرَّمَ آمَ الْاِثْنَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ

آپ کیسے کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیے، یا وہ جسے دو نر مادہ اپنے

عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْاِثْنَيْنِ نَبَّؤُنِي يَعْلَمُ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۲۳﴾

پیڑوں میں لیے ہوئے ہیں، مجھے علی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلُوبِ الدَّكْرَيْنِ

اور اٹھارے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو (جوڑے) پیدا کیے آپ کیسے کیا اس نے دو نر

حَرَّمَ آمَ الْاِثْنَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْاِثْنَيْنِ أَمْ

حرام کیے یا دو مادہ حرام کیے، یا وہ جسے دو نر مادہ اپنے پیڑوں میں لیے ہوئے ہیں، یا تم اس

كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصَّيْنَاكُمْ اللّٰهُ بِهٰذَا جَافِسِنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى

وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

پر افترا پردازی کرے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ع

نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے، جن کے کھانے مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۳۱)

مشکل الفاظ کے معانی

معروضات: یہ لفظ عرش سے بنا ہے، عرش کا معنی ہے چھت۔ جس چیز پر بادشاہ بیٹھتا ہے، اس کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش (تخت) کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں عرش الکریم میں نے انگور کی چھت بنا دی، یعنی انگور کی بیلوں کی طرح پھیلا دیں کہ ان سے چھت بن گئی۔ اس آیت میں جنات معروضات سے مراد وہ باغ ہیں جن میں پھلوں کی بیلوں ہوں، مثلاً انگور کی یا خربوزہ اور تربوز کی۔

غیر معروضات: جن پھلوں کے درختوں کو زمین پر چھوڑ دیا گیا ہو، جو اپنے تنے اور شاخوں کی وجہ سے کسی چھت پر ڈالے جانے سے مستغنی ہوں۔

حصاد: یہ لفظ حصد سے بنا ہے، اس کا معنی ہے فصل کاٹنا۔ درختوں سے پھلوں کے توڑنے کو بھی حصاد کہتے ہیں۔

وجود باری اور توحید پر دلیل

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت، احکام شرعیہ، معاد اور جزاء و سزا کو بیان کرتا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو سرزنش کی تھی جو شرک کرتے تھے اور از خود احکام بنا لیتے تھے، اس کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیلوں اور درختوں والے باغات پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت پیدا کیے۔ ان پھلوں کی شکل و صورت، ان کا رنگ، ان کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح کھیتوں سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے، ان کی ہیئت ان کا ذائقہ اور ان کے فوائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوئیں، اور نہ یہ چیزیں سورج، چاند اور ستاروں نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جب وہ غروب ہو جاتے ہیں تب بھی یہ چیزیں اسی طرح برقرار رہتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے لوگ جو اللہ کے سوا اور چیزوں کی خدائی کے قائل ہیں، ان چیزوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ

نہیں کیا کہ وہ ان باغوں اور کھیتوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ اللہ ہی دنیا بھر کے باغوں، کھیتوں اور ہرے بھرے جنگلوں کا خالق ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نباتات کا خالق ہے تو جمادات، حیوانات، انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جابر بن زید، محمد بن حنفیہ، حسن بصری، سعید بن مسیب، طاؤس، زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک کا یہ قول ہے کہ اس حق سے مراد عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور نصف العشر (پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حق کو اس حدیث نے منسوخ کر دیا جس میں عشر اور نصف عشر کو فرض کیا گیا اور یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ قرآن کے حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے، حسن بصری سے روایت ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، ضحاک نے کہا ہے کہ قرآن میں مذکور ہر صدقہ کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، اور حضرت ابن عمر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے اور فصل کی کٹائی کے وقت اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت کھجور توڑنے اور فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن میں کٹائی کے وقت مساکین آسکیں۔ مجاہد نے کہا جب فصل کاٹی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ مساکین کو دیا جائے اس طرح جب درخت سے کھجوریں توڑی جائیں تو کچھ کھجوریں ان کو دی جائیں۔ اسی طرح جب ان کو صاع کے حساب سے پلا جائے تو ان کو کچھ کھجوریں دی جائیں۔ (احکام القرآن، ج ۳، ص ۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حق سے مراد عام صدقہ ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس لیے راجح ہے کہ احادیث میں بھی ارضی پیداوار کی زکوٰۃ، عشر یا نصف عشر بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو باغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے سیراب کیا گیا ہو، اس میں عشر ہے اور جن کو کنوئیں سے پانی حاصل کر کے سیراب کیا گیا ہو، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۹۱، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۳۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۷، (۹۸۱) ۲۲۳۶، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم

الحدیث: ۱۵۹۷، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

عشر کے نصاب میں مذاہب فقہاء

امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ وسق (تقریباً تیس من) سے کم کی مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اواق دو سو درہم، ۶۱۳.۳۶ گرام، ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم میں صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۳۷، صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۱، (۹۷۹) ۲۲۲۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۲۶، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۳۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل

امام ابو حنیفہ کی دلیل قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت ہے۔ امام فخرالدین رازی نے اس کی یہ تقریر کی ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا قلیل اور کثیر میں عشر واجب ہے اور جمہور نے کہا جب زمین کی پیداوار پانچ وسق کو پہنچ جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام: ۱۲۱) اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ آیت قلیل اور کثیر میں حق کے ثبوت پر دلیل ہے اور جب یہ حق زکوٰۃ (عشر) ہے تو قلیل اور کثیر میں وجوب زکوٰۃ کا قول کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش، چشمے یا بارش کا جمع شدہ پانی سیراب کرے، اس میں عشر ہے اور جو زمین کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۸۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۵۹۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۶۳۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۱۷، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۲۰۱۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زمین کی پیداوار پر بر سبیل عموم عشرا نصف عشر واجب کیا ہے اور اس کو پانچ وسق کے ساتھ خاص نہیں کیا اور عام، خاص پر مقدم ہوتا ہے، لہذا جس حدیث میں آپ نے پانچ وسق پر وجوب زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، وہ مال تجارت پر محمول ہے، یعنی جس شخص کے پاس پانچ وسق سے کم مال تجارت ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور اس وقت پانچ وسق دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے۔

نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت سے بھی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْقِمُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی مقدار اور نصاب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس میں امام ابو حنیفہ کے موقف کی تائید ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

نقلی صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اہل لغت کے اسراف میں دو قول ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور شمر نے کہا مال کو لغو اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ (لسان العرب، ج ۹، ص ۱۳۸، مطبوعہ ایران)

انسان جب اپنا تمام مال صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا
مَّحْسُورًا (الاسراء: ۲۹)
اور نہ اپنا ہاتھ پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت
کیا ہوا تھا ہارا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے درخت سے کھجوریں
توڑیں اور کہا آج جو شخص بھی آئے گا میں اس کو کھلاؤں گا پھر وہ لوگوں کو کھجوریں کھلاتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور ان کے
پاس ایک کھجور بھی باقی نہیں رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے
والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (جامع البیان، جز ۸، ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا
جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔
(صحیح مسلم، الزکوٰۃ، ۹۵، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۵۶)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحال چھوڑے اور والا ہاتھ نیچے
ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو، بیوی کے لیے مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو، نوکر کے لیے مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام
لو، بیٹا کے لیے مجھے کھلاؤ، مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۵۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۵، المنقی، رقم الحدیث: ۷۵۱، مسند القضا، رقم الحدیث: ۱۲۳۲)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا صدقہ کرو، ایک شخص نے
کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار
ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر
خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو زیادہ معلوم ہے، یعنی تم کو زیادہ معلوم ہے تمہارے
رشتہ داروں میں کون زیادہ ضرورت مند ہے؟ اس کو دو۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۹۱، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، مسند الشافعی، ج ۲، ص ۶۳-۶۴، مسند احمد، ج ۲،
ص ۲۵۱، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۸، المستدرک، ج ۱، ص ۳۱۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۶۶)
حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا دینے والے کا
ہاتھ بلند ہوتا ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن اور اپنے بھائی کو دو۔ پھر جو تمہارے زیادہ
قریب ہوں اور جو ان سے قریب ہوں۔

(سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۵۳۱، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۱، سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۵۷، مصنف
ابن ابی شیبہ، ج ۳، ص ۲۱۳، المعجم الکبیر، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۱۷۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۴۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۶۳)
ان احادیث میں ماں باپ اور بیوی بچوں پر جو صدقہ کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اس سے مراد صدقہ نفلہ ہے، کیونکہ صدقہ
واجبہ کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص کا دل مضبوط ہو اور اس کا نفس مستغنی ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو اور وہ
اکیلا ہو، اس پر ماں باپ، بیوی، بچوں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری اور ان کی پرورش کا بار نہ ہو اور وہ مالی حقوق سے متعلق اللہ
تعالیٰ کے تمام فرائض ادا کر چکا ہو تو وہ اگر اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور اسراف نہیں ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا اگر تم ابو قیس (ایک پہاڑ) کے برابر سونا بھی اللہ کی اطاعت میں خیرات کر دو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم ایک صاع (چار کلو) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرو تو یہ اسراف ہے۔ (رقم الحدیث: ۷۹۶۳)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۳۹۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابو الشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ابو بشر نے بیان کیا کہ لوگوں نے ایاس بن معاویہ سے پوچھا اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تم اللہ کے حکم سے تجاوز کرو تو یہ اسراف ہے۔ سفیان بن حسین نے کہا جب تم اللہ کے حکم میں کمی کرو تو یہ اسراف ہے۔ (در مشور، ج ۳، ص ۳۶۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے بعض قد آور مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کو تاہ قد) مویشی پیدا کیے اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الانعام: ۱۱۴۲)

مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید رحمتوں اور برکتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے سواری اور بوجھ لادنے کے لیے بڑے بڑے اور قد آور جانور پیدا کیے جیسے گھوڑے، اونٹ، نیل اور بھینسے وغیرہ اور چھوٹے جانور پیدا کیے جن کو زمین پر بچھا کر ذبح کیا جا سکتا ہے، جیسے بھیڑ، بکری اور دنبے وغیرہ۔ ان جانوروں سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری غذائی ضرورت پورا کرتے ہیں اور ان سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری لباس کی ضرورت پورا کرتے ہیں، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے جن کے وہ مالک ہیں، اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا، سو وہ بعض پر سواری کرتے ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

اور بے شک مویشیوں میں تمہارے لیے مقام غور ہے، ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوہر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوش گوار

دودھ۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ
أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا
لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ
فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝

(یس: ۷۳-۷۱)

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً تَسْقِيكُمْ مِمَّا
فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَبْنَا خَالِصًا
سَائِعًا لِشَرِبِينَ ۝ (النحل: ۶۶)

پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح غلہ جات اور پھلوں سے کھانے کا حکم دیا تھا، اسی طرح اب ان مویشیوں سے کھانے اور ان کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ درخت اور کھیت ہوں یا مویشی، سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کے لیے پیدا فرمایا ہے، سو اس کو چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلے، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، جیسا کہ ان آیتوں میں ارشاد ہے:

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم بھی اس کو دشمن ہی بنائے رکھو، وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا
إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ
السَّعِيرِ ۝ (فاطر: ۶)

تبیان القرآن

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالشُّبُهَاتِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۶۹)

شیطان تم کو صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا جس کو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے، دو بھیڑ کی قسم سے، اور دو بکری کی قسم سے، آپ کہتے: کہ کیا اس نے دو زحرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو، اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو پیدا کیے۔ آپ کہتے کہ کیا اس نے دو زحرام کیے، یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے وہ دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا؟ جو اللہ پر افترا پردازی کرے، تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الانعام: ۱۲۳-۱۲۴)

مناظرہ اور قیاس کی اصل

وہ مویشی جو دراز قد اور کوتاہ قد ہیں ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے، دوسرا بیل اور گائے کا جوڑا ہے، تیسرا مینڈھا اور بھیڑ کا جوڑا ہے اور چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا ہے اور یہ کل آٹھ عدد ہیں۔

مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ، سائبہ، ویدہ اور حام بنا رکھے تھے اور عام لوگوں کے لیے ان پر سواری کرنا بوجھ لادنا ان کو کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم ﷺ آپ ان سے پوچھئے، کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو زحرام کیے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے زحرام کر دی ہے تو تم زحرام کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے مادہ کی صنف حرام کر دی ہے تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم زحرام اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کے لیے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی یا کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہے تو پیش کرو، ان آیتوں میں علمی مباحثہ اور مناظرہ کے جواز پر دلیل ہے اور اس میں قیاس کی بھی اصل ہے کہ اگر اللہ نے مذکورہ حرام کیا ہے تو ہر مذکورہ حرام ہے اور اگر مویشی کو حرام کیا ہے تو ہر مویشی حرام ہے۔

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے

طَاعِمٍ يُطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ حَمًّا

دلے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا

خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمِنْ اضْطُرِّ

گوشت ہو کیوں کہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور

غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے حدِ مقررہ کرنے والا ہے ○ اور یہودیوں پر

هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ہم نے بزناخن والا جانور حرام کر دیا تھا، اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی

شُحُومِهِمْ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمْ أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ

تھی، مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی بڑی

بَعْضُهُمْ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَعْضِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۲۹﴾ فَإِن

پر ہو، یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں ○ پس اگر وہ آپ

كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسَهُ عَنِ

کی تکذیب کریں تو آپ کہیے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے

الْقَوْمِ الْمَجْرِمِينَ ﴿۱۳۰﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

دلوں سے ٹالا نہیں جاسکتا ○ اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے

أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ

بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا، آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو)

فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ أَنْتُمْ لَأَخْرَصُونَ ﴿۱۳۱﴾

اس کو ہمارے سامنے پیش کرو، تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل پچوسے بات کرتے ہو ○

قُلْ فِئْتِهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۲﴾

آپ کہیے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا ○

قُلْ هَلْ شَهِدَ آءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا

آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کر دو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ

فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا

یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا

بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِيبُ مَا يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا

اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا وہ مردار ہو، یا بہا ہو خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو، تو بے شک آپ کا

رب بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل

زمانہ جاہلیت میں کفار اور مشرکین بعض اشیاء کو از خود حلال کہتے اور بعض اشیاء کو از خود حرام کہتے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد

فرمایا کہ کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا صرف وحی سے معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ

مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں، وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ مردار، بہا، خون، خنزیر کا گوشت اور

جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان کی تفسیر ہم البقرہ: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳ میں تفصیل سے کر چکے ہیں، ان کا

وہاں مطالعہ فرمائیں۔ یہ سورت مکی ہے، اس لیے اس میں صرف ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں

میں اور بھی کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے، بعض دیگر جانوروں

اور شراب کی حرمت کا بیان المائدہ میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَ

الْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ

السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ

أَنْ تَسْتَفْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَسُقُ

(المائدہ: ۳)

(یہ چیزیں) تم پر حرام کر دی گئی ہیں مردار، خون، خنزیر

کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور

جس کا گلا گھٹ گیا ہو، اور جو ضرب سے مارا گیا ہو اور جو اوپر

سے گر کر مرے ہو اور سینگ مارا ہو اور جس کو درندے نے کھالیا

ہو سو اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بتوں کے تھان پر

ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے خیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا

بھی تم پر حرام کیا گیا ہے۔ یہ سب کام گناہ ہیں۔

اے ایمان والو! شراب، جو، بت اور قسمت معلوم کرنے

کے تیر (سب) ناپاک ہیں۔ شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان

بِآيَاتِنَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالنَّمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ

الْأَنْصَابِ وَالْأَزْلَامِ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ: ۹۰) سے بچو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

اور نبی ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خنی بنی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچیلوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۵۷۸۰، ۵۷۸۱، صحیح مسلم، الصید والذبايح، ۱۲، (۱۹۳۲)، (۳۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچیلوں والے درندے اور ہر ناخن والے پرندے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم، الصید والذبايح، ۱۶، (۱۹۳۳)، ۳۹۰۸، سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۳۳، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۰۷۵)

حضرت ابو ثعلبہ خنی بنی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمایا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۲۷، صحیح مسلم، الصید والذبايح، ۲۳، (۱۹۳۶)، ۳۹۲۰، سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۹۳۳)

حضرت عبد الرحمن بن شبل بنی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۹۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلہی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۷۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن جانوروں کو سمندر پھینک دے یا جن سے پیچھے ہٹ جائے ان کو کھاؤ اور جو جانور سمندر میں مرجائیں اور مر کر اوپر آجائیں ان کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۳۷)

کائے والے کتے، سانپ، بچھو، چیل اور کوئے کو نبی ﷺ نے حرم اور غیر حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۲۸۲) اس لیے ان کو کھانا بھی حرام ہے۔

حشرات الارض اور بول و براز اور دیگر ہر قسم کی نجاست کے حرام ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مچھلی کو کھانا بالاتفاق حلال ہے اور مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں، کیونکہ وہ سب خبیث ہیں، یعنی طبع سلیم ان سے متنفر ہوتی ہے اور خبیث چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

(حدایہ اخیرین، ص ۳۳۲)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

وہ نبی امی ان کے لیے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں، ماسوا ان کے جن کی مثل خشکی میں حرام ہے۔ مثلاً خنزیر (حاشیہ الدسوقی، ج ۲، ص ۱۱۵) امام احمد کے نزدیک بھی مچھلی سمیت تمام جانور حلال ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک مینڈک کو کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن الترمذی) اور یہ اس کی تحریم کی دلیل ہے اور مگر مچھ اور کوچ (ایک قسم کی مچھلی جس کی سونڈ پر آرا ہوتا ہے) کو کھانا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ (مغنی ابن قدامہ،

تبیان القرآن

ج ۹، ص ۳۳۸، مطبوعہ دارالفکر، بیروت) امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا جائز ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے مینڈک کے کھانے کو بھی جائز کہا ہے۔ (المہذب، ج ۲، ص ۲۵۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ۹۶)

تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔

اور اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیا سے رہ جائیں گے، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۹، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۳، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۱۲۳۳، المنتقی، رقم الحدیث: ۳۳، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۷، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۷، طبع قدیم)

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے۔ (المغنی، ج ۹، ص ۳۳۸، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۳۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو، یا ان کی آنتوں پر ہو، یا جو چربی ان کی ہڈی پر ہو، یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ (الانعام: ۱۳۶)

بعض الفاظ کے معنی

ذی ظفر: ناخن والے، اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور دیگر مویشی، اس کے برخلاف پھاڑنے والے درندوں کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ ہو جاتے ہیں جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔ شحم کا معنی ہے چربی اور الحوا یا الخاویہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے آنت، انتڑی۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناخن والے جانوروں سے مراد اونٹ، شتر مرغ اور اس قسم کے دیگر چوپائے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اونٹ، شتر مرغ اور پرندے ہیں۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۹۷-۹۶، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر (شراب) فروخت کی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو قتل کرے، وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی، انہوں نے اس کو پگھلایا اور پھر

فروخت کر دیا۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۲۳، صحیح مسلم، المساقاة ۲۲، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰) اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو بنو اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا۔ کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور سورا کھاتے تھے اور دیگر ناجائز طریقوں سے لوگوں کو مال کھاتے تھے اور یہ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے یہود کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لیے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے ٹالا نہیں جاسکتا۔ (الانعام: ۱۳۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اگر یہ یہود اس خبر میں آپ کی تکذیب کریں جو ہم نے آپ کو ابھی بیان کی ہے کہ ان کی سرکشی کی بنا پر ہم نے ان پر کیا کیا حرام کر دیا تھا تو آپ کہئے ہمارا رب سب پر رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ خواہ وہ اس پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ نیک ہوں یا بدکار۔ وہ نہ کافروں کو جلد پکڑتا ہے نہ گنہ گاروں سے جلد انتقام لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والوں اور اطاعت گزاروں کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا اور ان کو ان کے اعمال کے ثواب سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن جب مجرموں کی بد اعمالیوں کی سزا دینے کا وقت آئے گا تو پھر اس کے عذاب کو کوئی ان سے ٹال نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے پیش کرو تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض انکل پچو سے بات کرتے ہو۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے شبہات کا جواب

مجاہد نے کہا کہ کفار قریش نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ وہ بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو حرام قرار دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمارے آباء و اجداد کی طرف رسول بھیجتا جو ان کو شرک سے منع کرتا اور ان جانوروں کو حرام قرار دینے سے منع کرتا اور وہ ان کاموں سے رک جاتے، پھر ہم بھی ان کی اتباع کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو ماضی میں ایسا ہی ہوا تھا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی، حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ یعنی جس طرح کفار مکہ نے نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دیئے ہوئے دلائل کی تکذیب کی ہے، اسی طرح پہلے بھی مشرکین نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی بنیاد بھی کوئی علم اور عقل کی دلیل نہیں تھی۔ وہ بھی محض ظن اور انکل پچو سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب کیوں نازل فرماتا اور ان کو صفحہ ہستی سے کیوں مٹا دیتا، یعنی جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے

ان کی طرف رسول بھیجے تھے جنہوں نے ان کو شرک اور خود ساختہ تحریم سے منع فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر وہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو

ہدایت دے دیتا۔ (الانعام: ۱۲۹)

جبریہ کا رد اور ابطال

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل جو تمام شکوک و شبہات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے، صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ تشبیہ ہے کہ اللہ واحد ہے، اس نے رسولوں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا اور ہر ملک پر اپنے احکام کو لازم کیا ہے اور ان کو مکلف کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، نہ وہ بحار و غیرہ کو حرام قرار دیتے، کیونکہ اس قسم کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں، حق اور باطل کو جانچیں، کھرے اور کھوٹے کو پرکھیں۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطان کے دوسوں میں فرق محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔ وہ جس چیز کو اختیار کریں گے، اللہ اسی چیز کو پیدا کر دے گا۔ ان آیتوں میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، مختار بنایا ہے اور ان میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس

اگر وہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(الانعام: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، وہ اس پر کوئی گواہ لائیں اور کوئی شہادت پیش کریں، کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی پر اس حکم کو نازل کیا تھا یا فلاں کتاب میں یہ حکم نازل ہوا ہے اور اگر بالفرض وہ کوئی جھوٹی شہادت پیش کر دیں تو اے مسلمانو! تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور جو لوگ فوائد اور منافع کے حصول اور مصائب اور نقصانات سے بچنے کے معاملہ میں اپنے جوں اور جھوٹے معبودوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، ان کی موافقت نہ کرنا۔

قُلْ تَعَالُوا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

آپ کہیے کہ اؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ

پَالُوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقِ نَحْنُ

دو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی

جلد سوم

تبیان القرآن

نَزَرْنَاكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی ، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ

بَطْنٍ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ

پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ، یہی وہ کام ہیں

وَصَلُّوا بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر یتیم کے مال کے

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول

بِالْقِسْطِ لَأَنْكَلِفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا

کرو ، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصَلُّوا بِهِ لَعَلَّكُمْ

کہو ، خواہ وہ تمہارے قریب دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ، یہی وہ امور ہیں جن کا تمہیں اللہ نے مؤکد حکم دیا ہے

تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾ وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راہ پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَلُّوا بِهِ لَعَلَّكُمْ

نہ چلو وہ راستے نہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے ، اسی بات کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے تاکہ

تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَبَارَكَ عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ

تم (گراہی سے) بچو پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

کام کیے درآں حالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کے ملاقات پر

يَوْمِنَ ۴
(۱۵۲)

ایمان سے آئیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو سوکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری ٹاپ تول کرو، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق ملک کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو، خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں سوکد حکم دیا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الانعام: ۱۵۲-۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ مشرکین نے بعض کاموں اور بعض چیزوں کو از خود حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام فرمائی ہیں؟ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نو چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے اور ان کی ضد کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں:

- (۱) اللہ کا شریک قرار دینا۔ (۲) ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنا۔ (۳) اولاد کو قتل کرنا۔ (۴) بے حیائی کے کام کرنا۔ (۵) ناحق قتل کرنا۔ (۶) یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا۔ (۷) ٹاپ تول میں کمی کرنا۔ (۸) ناحق بات کہنا۔ (۹) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا۔

ان نو کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کی ضد اور ان کے خلاف کرنے کو فرض اور واجب فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

شُرک کا حرام ہونا

بعض مشرکین جنوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَسْنَمًا
أَلِهَةً ۚ قَالَ يَا بَنِيَّ أَلِئِنِّي لَأَبْرَأُكُمْ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ أَبَرٌ عِندَ رَبِّكَ فَاصْبِرْ (الانعام: ۷۴) جوں کو معبود بناتا ہے۔

اور بعض مشرکین ستاروں کی پرستش کرتے تھے، اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فَلَمَّا أَفْلَحَ قَالَ لَوْلَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (الانعام: ۷۶) پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بعض مشرکین جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الانعام: ۱۰۰) اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔

بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَ خَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَ بَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ
اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھر
(الانعام: ۱۰۰) لیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کا شریک ماننا حرام ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے جس کی آخرت میں معافی نہیں ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۷۷، صحیح مسلم، ایمان، ۱۳۱، (۸۶) ۲۵۱، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۱۰، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۱۹۳، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۳۳۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا

اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے، کیونکہ انسان پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کے اوپر ماں باپ کا احسان ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی پرورش کی اور جب وہ بہت چھوٹا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا، اس وقت اس کو ضائع ہونے سے بچایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے، اور اپنا شکر ادا کرنے کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا مَّا بَلَغَتْ عِنْدَكَ
الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا
أَفٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَ
اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۝

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک رکھو، اگر تمہارے
سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں
اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے
بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے
رہنا اور یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرماتا

جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

(بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا) حکم
دیا ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے
ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹا دوس برس میں
ہے (وہ حکم یہ ہے کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو (تم
نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا
عَلَى وَهْنٍ وَ فِصَالُهُ فِي سِنَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ
وَلِوَالِدَيْكَ الْكَبِيرِ الْقَمَانُ (۱۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا
میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ
ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ
کے پاس جاؤ اور ان سے نیک سلوک کرو۔ (صحیح مسلم، البر والصدقہ، ۶، (۲۵۳۹) ۶۳۸۷)

والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے ان کا ادب اور احترام کیا جائے۔ ان کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا جائے۔ اگر وہ ظلم کریں، پھر بھی ان کی اطاعت کی جائے۔ البتہ! غیر شرعی احکام میں ان کی اطاعت نہ کی جائے، پھر بھی ان کے ساتھ نرمی رکھی جائے اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کی قبر کی زیارت کی جائے اور ان کے لیے استغفار کیا جائے۔

قتل اولاد کا حرام ہونا

زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا اور بعض لوگ عمل تزویج کے وقت عزل کرتے تھے۔ (یعنی انزال کے وقت اندام نہانی سے آلہ باہر نکال لینا)

بعض مسلمان بھی عزل کرتے تھے، نبی ﷺ نے عزل کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنو مصلح میں گئے۔ ہم نے عرب کی خوبصورت عورتوں کو قید کر لیا، ہمیں اپنی بیویوں سے الگ ہوئے کافی دن گزر چکے تھے، ہم نے چاہا کہ مشرکین سے فدیہ لے کر ان عورتوں کو چھوڑ دیں اور ہم نے یہ بھی چاہا کہ ان عورتوں سے جسمانی فائدہ بھی حاصل کریں اور عزل کر لیں (یعنی انزال کے وقت آلہ باہر نکال لیں، تاکہ حمل قائم نہ ہو) پھر ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو کیوں نہ ہم آپ سے اس کا حکم معلوم کر لیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ایسا نہ کرو، کیونکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے جس روح کے پیدا ہونے کے متعلق لکھ دیا ہے، وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۲۱۰، صحیح مسلم، نکاح ۱۲۵، (۱۳۳۸) ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۷۲، سنن کبریٰ

للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۰۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے، وہ ہماری خادمہ ہے اور ہمارے لیے پانی لاتی ہے۔ میں اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو، بے شک جو کچھ مقدر کیا گیا ہے وہ غنقیب ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا وہ باندی حاملہ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو گیا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ (صحیح مسلم، نکاح ۱۳۳، (۱۳۳۹) ۳۳۹۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ سفیان نے کہا اگر یہ کوئی ممنوع چیز ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۸۰۲، صحیح مسلم، نکاح ۱۳۶، (۱۳۴۰) ۳۳۹۵، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۴۰، سنن کبریٰ

للنسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۹۰۹۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عمد میں عزل کرتے تھے، نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ

نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم، نکاح ۱۳۸، (۱۳۴۰) ۳۳۹۵)

عزل کیا جائے یا کسی اور جدید طبی طریقہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جائے تو بلا ضرورت شرعی وہ مکروہ ہے، اور اگر تنگی رزق کے خوف کی وجہ سے یا لڑکیوں سے عار کی بنا پر عزل کیا جائے، تو حرام ہے اور اگر کوئی نیک مسلمان ڈاکٹریہ کہے کہ اگر ضبط تولید پر

عمل نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے، تو پھر یہ عمل واجب ہے اور اگر اس کے بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو پھر عزل کرنا جائز ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم (الانعام: ۱۳۶) کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔ بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم، ایمان، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اور تین بار فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط کا عمل کرے۔

(شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو اور اس کو جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے۔ (شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ بوڑھا زانی اور جھوٹا حکمران اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۷۲، السنن الکبریٰ، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۱۳۸، شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۰۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سرسبز میٹھی ہے اور بے شک اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنانے والا پھر دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیسا عمل کرتے ہو؟ سنو دنیا کے فتنہ سے بچو اور عورتوں کے فتنہ سے بچو۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا کرتا اور اشتہاء کرتا ہے اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۳۳، صحیح مسلم، قدر، ۲۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۵۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو دیکھے اور پھر اپنی نظر پھیرے تو اللہ اس کے دل میں عبادت کی حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۳۱)

حسن بن ذکوان کہتے تھے کہ خوبصورت بے ریش لڑکے حسین دوشیزاؤں سے زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔

(شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۳۹۷)

قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام

قتل ناحق کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ قتل برحق کون کون سے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے، اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے یہ کر لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا، ماسوا ان کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵، صحیح مسلم، ایمان، ۳۶، (۲۲) ۱۲۸) اور مرتد شادی شدہ زانی اور مسلمان کے قاتل کو بھی قتل کرنا برحق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان شخص کو جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو) قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو، کسی مسلمان کا قاتل ہو اور دین اسلام کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والا ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، حدود، ۲۵، (۱۶۷۶) ۳۲۹۶، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷، سنن التسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۱۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳) ایک خلیفہ کے انعقاد کے بعد اگر دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ (صحیح مسلم، الامارۃ، ۶۱، (۱۸۵۳) ۳۷۱۷) جو شخص قوم لوط کا عمل کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۶۱) جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے، اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے، اس شخص کو قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۰) اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ذاکو کو قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ
يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَخُوا مِنَ الْأَرْضِ (المائدہ: ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، یا ان کو سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو شہید کر دیا جائے۔

اگر ذاکوؤں نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر انہوں نے صرف مال لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے (یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر) کاٹ دیئے جائیں اور اگر انہوں نے صرف دھمکایا ہو تو ان کو شہید کر دیا جائے۔ جو لوگ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کریں، ان کو بھی قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا

اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے

الَّتِي تَبِغِي حَتَّى تَفِيئِي إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

تو باغی جماعت سے قتال کرو، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف

(الحجرات: ۹) لوٹ آئے۔

جو شخص چوتھی بار شراب پیئے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خمر (شراب) پیئے اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ چوتھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۴۹، مصنف عبدالرزاق، ج ۹، رقم الحدیث: ۱۷۰۸۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۹، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۲۹۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۱۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۷۳)

ذی کو قتل کرنا جائز ہے اور ذی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان (وجوب قصاص میں) ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ اپنے حق کی سعی کرے گا (یعنی کسی کو پناہ دے گا) اور ان میں سے بعید بھی کسی کو پناہ دے سکے گا اور وہ ایک دوسرے کی معاونت کریں گے۔ ان کے قوی کو ان کے ضعیف کے پاس لوٹایا جائے گا اور لشکری کو بیٹھنے والے پر لوٹایا جائے گا اور کسی مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ذی کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۵۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دارقطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۰)

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہم نے قتل برحق کی یہ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا (۳) مرتد کو قتل کرنا۔ (۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قتل کرنا۔ (۶) ایک خلیفہ منعقد ہونے کے بعد دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۹) ذاکو کو قتل کرنا (۱۰) چوتھی بار شراب پیئے والے کو قتل کرنا (۱۱) ذی کے قاتل کو قتل کرنا۔

مسلمان اور ذی کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقی (۹) کو تعزیراً قتل کیا جائے گا اور ان کو قتل کرنا حکومت کا منصب ہے۔ عوام میں سے کسی شخص کو انیس قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے، مسلمان کے قاتل پر قرآن مجید اور احادیث میں سخت وعیدیں ہیں، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

قتل مومن پر وعید

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَحَرَّاءُ ذُجَّهَتُمْ
حَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَ
أَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء: ۹۳)

جو شخص کسی مومن کو عمدتاً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

—

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا، در آنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہ رہا ہوگا، وہ کہے گا کہ اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا، حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوئی ہے، نہ تبدیل ہوئی ہے، اس کی توبہ کہاں سے ہوگی!

امام احمد، امام نسائی اور امام ابن المنذر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ معاف فرمادے گا، سو اس شخص کے جو کفر پر مرے اور سو اس شخص کے جو کسی مومن کو عداقت کرے۔

امام ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا، قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

امام سعید بن منصور، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابو مجلز نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے، اگر اللہ چاہے گا تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(در مشور، ج ۲، ص ۶۲۸، ۶۲۳، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سورہ نساء میں فرمایا ہے اور یتیموں کو جانچتے رہو، حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اور ان کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ، اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ (النساء: ۶)

سورہ نساء کی اس آیت میں ان کی بدنی قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان میں عقل مندی کے آثار دیکھو، کیونکہ اگر جوان ہونے کے بعد یتیم کامل اس کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ ذہین اور عقل مند نہ ہو تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں اور شوق کو پورا کرنے میں سارا مال ضائع کر دے گا اور اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا، اس لیے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے، مال اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس عمر کے تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا وہ بالغ ہو جائے۔ اہل مدینہ نے کہا وہ بالغ بھی ہو اور اس میں سمجھ داری کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمر چوبیس سال ہے۔

یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کے متعلق بہت سخت وعید ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا
إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ
سَعِيرًا (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور وہ غنیمت بھڑکتی ہوئی آگ میں پھنسیں گے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام ابن حبان اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے انھیں گے در آنحالیکہ ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو

لوگ تیسوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا، پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق تیسوں کا مال کھاتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار ایسے شخص ہیں کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ان کو کوئی نعمت چکھائے۔ دائم الخمر، سود خور، یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (در مشور، ج ۳، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ (ہود: ۸۴)

اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو

وَيَقُومُوا فِئْتَا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَ

اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ۔

لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (ہود: ۸۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا، اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہوگا ان میں بہ کثرت موت ہوگی، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا، اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہوگی، اور جو قوم عمد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۹۹۸)

ناحق بات کا حرام ہونا

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

جاؤ، در آنحالیکہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو، خواہ (وہ

بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ

گواہی) خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں

الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ أَنْ تَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَاقِرًا

کے (جس کے متعلق گواہی دی ہے) خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر، اللہ

فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهَمَّا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ

ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہذا تم اپنی خواہش کی

تَعْدِلُوا (النساء: ۱۳۵)

پیروی کر کے عدل سے گریز نہ کرو۔

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاحْشَوْنِي

(المائدہ: ۴۴)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے نبی ﷺ سے پوچھا، کون سا جماد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن الترمذی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۲۲۰، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے کلمہ

حق کتنا افضل جہاد ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۳، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۱، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۱۱، مسند احمد ج ۳، ص ۱۹، ج ۳، ص ۳۱۵، ۳۱۳، ج ۵، ص ۲۵۱، طبع قدیم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو باتیں فرمائیں، ان میں یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے اس کو بیان کرنے سے باز نہ رہے۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۷، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱، مسند احمد ج ۳، ص ۹۲، ۸۷، ۸۳، ۸۱، ۶۱، ۵۲، ۵۰، ۴۷، ۳۳، ۱۹، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۱۱۶۹، طبع جدید، دار الفکر، المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۲۵)

اللہ تعالیٰ سے بد عمدی کرنے کا حرام ہونا

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا
الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔
سوال اللہ سے ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

فَاعْقَبَهُمْ يَفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (التوبہ: ۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم ج ۹، (۱۷۳۵) ۳۳۳۸، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۸۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۵۶، صحیح ابن حبان ج ۱۶، رقم الحدیث: ۷۳۳۳، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۸، مسند احمد ج ۱، ص ۳۱۷، ۳۱۸، ج ۲، ص ۵۶، ۳۹، ۳۸، ۲۹، ۱۶، طبع قدیم، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۸، طبع جدید، سنن کبریٰ للسیستانی ج ۸، ص ۱۶۰-۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا سنو! جو امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۵۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اسی بات کا اللہ نے تمہیں موکد حکم دیا ہے تاکہ تم (گمراہی سے) بچو۔

(الانعام: ۱۵۳)

بدعات سے اجتناب کا حکم

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے احکام بیان فرمائے تھے کہ شرک نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو وغیرہ۔ یہ نو تفصیلی اور جزئی احکام تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی اور کلی حکم بیان فرمایا ہے جس میں یہ نو احکام اور باقی تمام شرعی احکام داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ میری صراط مستقیم ہے اور یہی دین اسلام اور منہج قدیم ہے، تم اجماعاً اور تفصیلاً اسی راستے کو اختیار کرو اور اگر اس راستے سے ادھر ادھر ہوئے تو گمراہی میں پڑ جاؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ حق کا راستہ صرف ایک ہے اور باطل کے بہت راستے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی 'بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (الایہ) (الانعام: ۱۵۳)

(سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۲، مسند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۳۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱)

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس آیت میں دوسرے راستوں سے مراد بدعات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا علم کے اٹھنے سے پہلے علم کو حاصل کر لو اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اصحاب علم اٹھ جائیں گے۔ علم کو حاصل کرو، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کب علم کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم عنقریب کچھ لوگوں کو دیکھو گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ تمہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلا رہے ہیں، حالانکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہذا تم علم حاصل کرو اور بدعات سے بچو اور تم مبالغہ آرائی سے اور گمراہی میں جانے سے بچو، اور قدیم نظریات کے ساتھ وابستہ رہو۔ (سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۳، مطبوعہ دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت کی اور وہ بہت موثر نصیحت تھی جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو الوداع ہونے والے شخص کی نصیحت ہے۔ آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص بعد میں زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم نئی نئی باتوں میں پڑنے سے بچنا، کیونکہ نئی نئی باتیں گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو شخص دین میں نئی نئی باتیں دیکھے، وہ میری سنت کو لازم کر لے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرے اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑ لو، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۸۵، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۰۷، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۲، سنن

دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵، مسند احمد 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۳۵، المستدرک 'ج ۱' ص ۹۷-۹۶)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ مجد الدین ابن الاثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے متعلق فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے! (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۲)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حدی اور بدعت ضلال، جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم ہے اور لائق انکار ہے، اور جو نئے کام اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے عموم استجاب میں داخل ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے برائگیحہ کیا ہو، وہ کام لائق مدح ہیں اور جن کاموں کی پہلے مثال موجود نہ ہو جیسے جو دو سخاکی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ افعال محمودہ سے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کام احکام شرع کے خلاف ہوں، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے کاموں کے لیے ثواب کی خبر دی ہے، سو آپ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس کا اجر ملے گا اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا، اس کا اجر بھی اس کو ملے گا (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اسے اس کا گناہ ہو گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور یہ اس وقت

ہو گا جب وہ نیا کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے، یہ پہلی قسم سے ہے اور جب کہ نیک کام لائق مدح ہیں تو حضرت عمر نے اس تراویح کو بدعت فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ تراویح کو حضرت عمر نے بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تراویح کو مسلمانوں کے لیے سنت نہیں کیا، آپ نے چند راتیں تراویح پڑھیں، پھر اس کو ترک فرمادیا اور اس کی حفاظت کی، نہ اس کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا، اور نہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جماعت کرانے کا اہتمام کیا اور اس کی دعوت دی، اس وجہ سے حضرت عمر نے اس کو بدعت فرمایا اور یہ درحقیقت سنت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷) اور فرمایا میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے ہر نیا کام بدعت ہے اس سے مراد دین میں وہ نئے کام ہیں جو شریعت کے قواعد کے خلاف ہوں اور سنت کے موافق نہ ہوں اور بدعت کا زیادہ تر استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔ (نمایہ، ج ۱، ص ۱۰۷-۱۰۶، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۷ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ بعض بدعات واجب ہوتی ہیں، جیسے متکلمین کا اسلام کی حقانیت اور گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں جیسے علمی کتابوں کی تصنیف کرنا، دینی مدارس کو بنانا اور تراویح اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں، جیسے انواع و اقسام کے نئے نئے کھانے۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۶۱-۱۶۰، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان، المدینہ المنورہ، ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض بدعات واجب ہوتی ہیں جیسے گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور کتاب و سنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو کو پڑھنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں، جیسے سرائے اور مدرسہ بنانا اور ہر وہ نیک کام جو اسلام کے ابتدائی عہد میں نہیں تھا، اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مساجد کو مزین کرنا اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزیں اور عمدہ کپڑے۔ علامہ طحاوی نے شرح جامع صغیر میں، علامہ نووی نے تمذیب میں اور علامہ برکلی نے الطریقہ الممدیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علامہ شمشی نے بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے ہر وہ نیا عقیدہ یا نیا کام یا نیا حال جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امور کے خلاف ہو، اس کو کسی قسم کے شبہ یا تاویل کی بنا پر دین قدیم اور صراط مستقیم بنا لیا جائے، جیسے شیعہ پیروں کو دھونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۳۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے

در آنحالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (الانعام: ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے نو احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس میں یہ رمز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا، بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لے کر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے، حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: بنی اسرائیل میں محسن (نیک) بھی تھے اور غیر محسن (غیر نیک) بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے محسنین پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نیک کام کرتے

تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمت پوری کرنے کے لیے ان کو کتاب (تورات) دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں دین کے تمام احکام، عقائد اور مسائل کی تفصیل ہے۔ لہذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپ کی نبوت کے تمام دلائل ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے، تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لے آئیں، اللہ سے ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے، اس سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مَبْرُكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلَيَّ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ

یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک

كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿۱۵۶﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی

الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيْنَهُ وَمِنْ شَرِّكُمْ

جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، لو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی

وَهَدَىٰ وَرَحْمَةٍ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ

اور ہدایت اور رحمت، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے، اور

صَدَفَ عَنْهَا سَنَجِزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ

ان سے اعراض کرے، ہم سزا دیں ان لوگوں کو جو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ

تھے کیوں کہ وہ اعراض کرتے تھے ○ وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے

تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ

پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے،

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو

أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَضِرُوا

اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار

إِنَّمَا مَنْتَظِرُونَ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَزَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شَيْعًا

کرنا اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے

لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم

فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو

تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الانعام: ۱۵۵)

مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو نازل فرمانا

اس آیت کا معنی ہے یہ قرآن جس کو ہم نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا ہے یہ برکت والی کتاب ہے۔ تم اس کی پیروی

کرو، یعنی اس کتاب کو اپنا امام بنا لو اور جو عقائد اس میں مذکور ہیں ان کو مانو اور جو احکام اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو اور

ڈرتے رہو، یعنی اپنے دلوں میں اللہ سے ڈرو اور اس کے خلاف عمل نہ کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کی حرام کردہ

چیزوں کو حلال نہ کرو۔ ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے احکام بیان کیے اور کئی احکام سنت کے لیے چھوڑ دیئے اور نبی ﷺ

نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لیے چھوڑ دیئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر

کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ (الانعام: ۱۵۶)

ان تقولوا لئلا تقولوا کے معنی میں ہے جیسے یسین اللہ لکم ان تضلوا لئلا ان تضلوا کے معنی

میں ہے یا کراہیۃ ان تقولوا کے معنی میں ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۸۷، جامع البیان، جز ۸، ص ۱۲۲، بیضاوی علی حاشیہ، الکازرونی، ج ۲، ص ۳۶۸، کشاف، ج ۲، ص ۸۱)

اس آیت میں اللہ مکہ سے خطاب ہے کہ کہیں قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر تورات

اور انجیل نازل کی گئی تھی اور ہم چونکہ ان پڑھ تھے اس لیے ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے اور ہم پر کوئی کتاب نازل

نہیں کی گئی تھی جس کی ہم پیروی کرتے، ہمیں کوئی حکم دیا گیا تھا، نہ کسی چیز سے روکا گیا تھا۔ ہم سے کوئی وعدہ کیا گیا، نہ ہم پر کوئی وعید نازل ہوئی اور اللہ کی حجت تو صرف ان دو گروہوں پر قائم ہوئی جو ہم سے پہلے تھے جن پر تورات اور انجیل نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، لو! اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ وہ اعراض کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۷)

اس آیت کا معنی ہے یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، تاکہ مشرکین مکہ اور قریش قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، اور وہ یہ نہ کہیں کہ جس طرح ان پر کتاب نازل کی گئی تھی، اگر اس طرح ہم پر کتاب نازل کی جاتی اور ہم کو حکم دیا جاتا اور منع کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط ہے، تو ہم ان سے کہیں زیادہ صحیح راستہ پر قائم رہتے اور احکام پر عمل کرتے اور ممنوع کاموں سے باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو! اب تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں کتاب آگئی ہے، اور اس میں معجز کلام ہے جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں لاسکتا، اور یہ ہدایت ہے اس میں طریق مستقیم کا بیان ہے اور جو اس پر عمل کریں اور اس کی اتباع کریں، ان کے لیے یہ رحمت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم، خطاکار اور حد سے بڑھنے والا اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ان واضح دلائل اور حجوتوں کا انکار کرے، ان کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان مکذبین کو دوزخ کے سخت عذاب کی سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے منہ پھیرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں، کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۸)

قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین جو بتوں کو اپنے رب کے مساوی قرار دیتے ہیں اور باوجود آپ کی بسیار کوشش اور تبلیغ کے ایمان نہیں لاتے، وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی روحوں کو قبض کر لیں، یا حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں جن کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا اور دجال کا اور داہیہ الارض کا اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کا اور یاجوج اور ماجوج کا، اور تین بار زمین کے دھنسنے کا۔ ایک بار مشرق کا دھنسا، ایک بار مغرب کا دھنسا اور ایک بار جزیرہ عرب کا دھنسا اور سب سے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو دھکیل کر مشرق کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الفتن، ۳۹، ۷۱۵۲ (۲۹۰۱) سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۱۱، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۳۸۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۳۱، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۶۱۳۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۷۹۱، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۲۸، مسند احمد، رقم الحدیث: ۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۵، ص ۱۶۳)

اس حدیث میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب کفار قریش پر قحط مسلط کیا گیا تو انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل کی کوئی چیز دکھائی دی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں ظاہر ہوگا جس سے کفار کا دم گھٹنے لگے گا اور مومنوں کو صرف زکام ہوگا یہ دھواں ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ
سُوْاْپَ اَسْ دِنَ كَا اِنْتِظَارَ كَرِيْصَ جِبْ اَسْمَانِ وَاَصْحَ دِهْوَاوِ
لائے گا۔ (الدخان: ۱۰)

اور جب ان پر (عذاب کا) قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دابة الارض) نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یہ اس لیے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (النمل: ۸۲)

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو صفا پہاڑ کو پھاڑ کر نکلے گی، کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکے گا، مومن پر ایک نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ چمکنے لگے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گی، کافر پر نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گی۔ اس کی شکل و صورت میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس جگہ سے نکلے گی۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق حدیث مرفوع نہیں ہے، بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ یہ دابة انسان کی شکل میں ہوگا اور اہل بدعت اور کفار سے مناظرہ کرے گا اور ان کو دلائل سے ساکت کر دے گا۔

(المعجم، ج ۷، ص ۲۳۰-۲۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

فرقہ بندی کی مذمت

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں:

قنادر اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یہ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات ہیں اور اہل الضلالہ ہیں۔ (مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۳-۲۲، مطبوعہ بیروت، ۱۳۰۲ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اے عائشہ! یہ لوگ اصحاب الاہواء اور اصحاب بدعت ہیں اور اہل بدعت کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے، ان کی توبہ مقبول نہیں ہے، مجھ سے بری ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۳۳۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے فرتے ہیں، بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے، اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو مانتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے بدعتی اور گمراہ فرتے ہیں۔

خلاصہ: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک نظریہ پر متفق ہونا چاہیے اور دین میں تفرقہ نہیں کرنا چاہیے اور بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثْلُهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی

فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ إِنِّي هَدَانِي

لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ کہیے بیشک میرے رب نے

رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ هُجَّجْتُ بِرَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ هُجَّجْتُ بِرَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ هُجَّجْتُ بِرَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے، مستحکم دین، ملتِ ابراہیم ہر باطل سے ممتاز، اور

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي

وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ○ آپ کہیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ هُجَّجْتُ بِرَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور

بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ○ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے

أَبْنَىٰ رَأْيًا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا

سوا کوئی اور رب تلاش کرے؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے؛ اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی

عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ

ذمہ دار ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے

فِي نَبَاتِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٢﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۰ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں

خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيُبْلُوَكُمْ

خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلند ہی عطا فرمائے تاکہ اس نے جو کچھ

فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ

تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بیشک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے

رَجِيمٌ ﴿١٦٥﴾

والا بے حد مہربان ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا اور

جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)

دس گنا اجر سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محامل

سعید بن جبیر عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے لالہ الا اللہ کننا مراد ہے اور

السبہ سے مراد شرک ہے۔

قادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں

لمو دو عمل اجر کو بڑھاتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں وہ یہ ہیں: جو شخص اللہ سے اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو، وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو، وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور جو دو عمل اجر بڑھاتے ہیں وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ

میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو عمل برابر برابر

ہیں وہ یہ ہیں ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا

ارادہ کرے اور اس برائی کو کر لے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (ریسائی، بادیہ نشین) کے لیے ہے اور

مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر

ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَرَّرْتُمْ فِي
تُضْعِيفِهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا

بے شک اللہ کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے
گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کو بڑھاتا رہے گا اور اپنے پاس
سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۴۰)

اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہوگی۔ (جامع البیان، جز ۸، ص ۱۳۵-۱۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُوقَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہوگا۔

نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے، سات سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سات سو گنا کو دس گنا بھی فرمادیتا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَابِلٍ فِي كُلِّ
سُبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی
مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں، ہر
بالی میں سو دانے ہیں اور جس کے لیے چاہے اللہ بڑھا دیتا ہے
اور اللہ بڑی وسعت والا، بہت علم والا ہے۔

اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ
پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیس دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ
ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت
اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے، اور اجر کی دس مثلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ
مکلف نہیں ہے، بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا محدود زمانہ کی ہوتی ہے، تو یہ اس جرم کے
برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو، مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص
کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار
سے ہے، کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دایماً کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے
گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا
ملے گی، یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک باشت میرے قریب ہوتا ہے، میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے
ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے، میں دوڑتا ہوں اس کے پاس آتا
ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، میں اتنی ہی مغفرت
کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔

(صحیح مسلم، الذکر والدعا، ۲۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۲۱، مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰، طبع قاہرہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۲۱۳۷۶، جامع البیان، ج ۸، ص ۱۳۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۸۱۶۳، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۸۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو، وہ اس گناہ کو مٹا دے گا، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۲۱۳۵۱، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۹۳، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۹۱، المستدرک، ج ۱،

ص ۵۳، امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توجیہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھلانا نیکی ہے، لیکن اگر ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پتی کھلائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہو گا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھلا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کروڑ پتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے، کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کروڑ پتی کو دس گنا اجر ملے گا، لکھ پتی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحکم دین،

ملت ابراہیم ہر باطل سے ممتاز، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام: ۱۶۱)

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رد فرمایا، اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو ملت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے، اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ ان بت پرستوں اور مشرکوں سے کہئے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی ملت حنیفہ مستقیمہ ہے۔ اللہ نے مجھے دین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی

کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۴)

نسک کا معنی

صلوٰۃ سے مراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور نسک نسک کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ذبیحہ اور اس کا معنی ہے حج اور عمرہ میں مینڈھاؤں کرنا اور نماز اور ذبیحہ کو اس آیت میں اس طرح جمع کیا ہے جیسے فصل لربک وانحر (الکوثر: ۴) میں جمع کیا ہے۔ حسن بصری نے کہا نسکی سے مراد ہے میرا دین۔ زجاج نے کہا اس سے مراد ہے میری عبادت۔ ایک قوم نے کہا

اس آیت میں نسک سے مراد تمام نیک کام اور عبادات ہیں۔

محبیای: اس سے مراد ہے میں زندگی میں جو عمل کروں گا اور مماتسی: اس سے مراد ہے میں وفات کے بعد جن چیزوں کی وصیت کروں گا۔

نماز کا افتتاح انسی وجہت سے واجب ہے یا تکبیر سے

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کو اس ذکر سے شروع کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انما من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای و مماتی لله رب العلمین لا شریک له وبذالك امرت وانا اول المسلمین (الحدیث)

(صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین، ۲۰۱، ۲۰۱، ۲۰۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۳، سنن نسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۸۹۶)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس ذکر کے ساتھ نماز کو شروع کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ واجب ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو پڑھنا فرض ہے اور اس کے درمیان اس ذکر کو بھی پڑھنا مستحب ہے اور دیگر اذکار کو بھی۔ مثلاً سبحانک اللہم وبحمدک کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم، صلوٰۃ، ۵۰، ۳۹۹، ۸۶۵) اور نبی ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر قرآن پڑھو۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۹۳) آپ نے انسی وجہت کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے افتتاح واجب نہیں ہے، بلکہ تکبیر سے افتتاح واجب اور اس سے افتتاح کرنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

(الانعام: ۱۶۳)

نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا آپ سے پہلے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام مسلمان نہیں تھے؟ تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ معنی اول الخلق ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم آخر ہیں اور ہم قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح مسلم، ۸۵۵، ۹، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۷۶)

۲- نبی ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، دلائل النبوة لابن نعیم، ج ۱، رقم الحدیث: ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہوں۔ (کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۲۱۳۶، کمال ابن عدی، ج ۳، ص ۱۳۰۹)

قداہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔
 (کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶، کامل ابن عدی، ج ۳، ص ۹۱۹، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۴۹)
 حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ کے پاس
 خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔
 (دلائل النبوة لابی نعیم، ج ۱، رقم الحدیث: ۹، المستدرک، ج ۲، ص ۶۰۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۲۸-۱۲۷، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۹،
 مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۲۳)

۳- نبی ﷺ اپنی امت میں اول المسلمین ہیں۔ یہ قداہ کا قول ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۱۸۳)
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر
 شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم نے اپنے رب
 کی طرف لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۶۳)
 فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا

روایت ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے کہا اے محمد! ﷺ ہمارے دین کی طرف آئیں اور ہمارے خداؤں کی عبادت
 کریں اور اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ہم دنیا اور آخرت میں آپ کی ہر ضرورت کے کفیل ہوں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل
 ہوئی۔ آپ کہتے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے! (الجامع لاحکام القرآن، ج ۸، ص ۱۳۱)
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

بیع بیان کرتے ہیں کہ عبادت گزار علماء کے لیے اس زمانہ میں صرف دو صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے افضل
 ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور حق کی دعوت دیں، یا فتنہ انگیز لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور بد کردار اور بد عنوان
 لوگوں کے اعمال میں شریک نہ ہوں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہیں اور فرائض بجالائیں اور اللہ کے لیے محبت رکھیں
 اور اسی کے لیے بغض رکھیں۔ (جامع البیان، ج ۸، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
 فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں مذاہب فقہاء

فضول کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرید لے۔ اس بیع کا جواز
 اس مالک کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ بیع جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اسی طرح فضول کا کیا ہوا عقد نکاح
 بھی لڑکے یا لڑکی کی بعد میں رضامندی سے جائز ہوتا ہے، ہمارے دور میں اکثر نکاح ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لڑکی سے نکاح کی
 اجازت وکیل لیتا ہے، لیکن لڑکے سے ایجاب و قبول وکیل کی بجائے نکاح خوان کرتا ہے۔ یہ بھی فضولی کا عقد ہے، لیکن جب لڑکی
 رخصت ہو جاتی ہے تو گویا وہ اس فضولی کے عقد پر راضی ہو جاتی ہے اور یہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فضولی کا
 عقد جائز نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے (الانعام: ۱۶۳)۔
 یعنی دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہے اور اس آیت کے پیش نظر وہ فضول کے عقد کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے
 نزدیک فضولی کی بیع جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار عطا کیا، تاکہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خریدیں۔ انہوں نے اس
 دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور نبی ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار

جلد سوم

تبیان القرآن

لے کر آگئے، آپ نے ان کے لیے بیچ میں برکت کی دعا کی، پھر یہ ہوا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۲، سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۲۶۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۴۰۲، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۳۸۱، ۱۹۳۸۰، طبع جدید، مسند احمد، ج ۳، ص ۷۳، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فضولی کا عقد صحیح ہے اور اصل شخص کی رضامندی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ وکیل کا تصرف صحیح ہے اور اس کے تصرف سے جو منفعت اسے حاصل ہوگی، وہ اصل کے لیے ہوگی۔ امام مالک، امام ابو یوسف، اور امام محمد بن حسن کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ سو روپے کا ایک کلو بکری کا گوشت خرید کر لاؤ اور وہ سو روپے کا دو کلو بکری کا گوشت لے آئے تو وہ زائد ایک کلو گوشت وکیل کا ہوگا۔ ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی نشر و اشاعت کے اس قدر وسائل نہیں تھے، جتنے اب میسر ہیں اور احادیث کی اشاعت میں تدریجاً وسعت ہوئی ہے۔

برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزائیں سے حصہ ملے گا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے؟ کہ بعض لوگوں کے گناہوں کا عذاب بعض دوسروں کو ہوگا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے:

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔

وَلْيَحْمِلْنَ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ
(العنکبوت: ۱۳)

تاکہ وہ (متکبر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جمالت سے گمراہ کرتے تھے، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں۔

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ
مِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلِيسَاءَ
مَآبِرُونَ (النحل: ۲۵)

اسی طرح بعض احادیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قاتل) کو بھی ملے گا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۵، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۲۱، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۶۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۹۹۶، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۳۶۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۱۱۵)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے، تو ان کے گناہوں کی سزائیں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا، اور بعد کے لوگوں کی سزائیں کوئی کمی نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر

تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۰۹، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۵۰۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۹۱۷۱)

کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا، اس قاعدہ کے بعض مستثنیات

کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی، یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دوسروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے، لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دوسرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہوگا کہ اس نے ان دوسروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (المائدہ: ۷۹)

وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے، البتہ وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نیند سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے لا الہ الا اللہ عرب کے لیے تباہی ہو اس شر سے جو قریب آ پہنچا، یا جوج ماجوج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے، آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بتایا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے، حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم، فتن، ۱، (۲۸۸۰) ۷۱۰۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۳، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۲۰۷۳۹، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۳۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۷۲۸۶، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں، مثلاً اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطا قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ عمد ہو (قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاشی، کوڑے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے، تاکہ اس کا خون رائیگاں نہ ہو، اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تادان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا اور آنحلیکہ وہ مضروبہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لیمان کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی، اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تادان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔

(صحیح مسلم، القسام، ۳۷، ۱۶۸۲، ۳۳۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۵۶۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۸۲۲، ۴۸۳۶، ۴۸۳۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

اسی طرح اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے؟ تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے، نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور ان کے قسم کھانے کے بعد

اہل محلہ پر دیت لازم آئے گی، تاکہ مسلمان کا قتل رایگان نہ جائے، اس کو قسمت کہتے ہیں، یہاں بھی قتل کسی اور نے کیا ہے اور اس کا تلو ان یہ محلہ والے ادا کریں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص یہود کی رہٹ والی زمین میں مقتول پایا گیا۔ انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا، آپ نے یہود کے پچاس چنے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے پھر ان پر دیت لازم کر دی۔ یہود نے کہا یہ وہی فیصلہ ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ (الانعام: ۱۶۵)

مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس خلافت کے حسب ذیل محال

ہیں:

۱- سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لیے آپ کی امت خاتم الامم ہے اور چونکہ یہ امت پچھلی تمام امتوں کے بعد ہے، اس لیے یہ تمام امتوں کی خلیفہ ہے۔

۲- اس امت کا ہر قرن دوسرے قرن کے بعد ہے، اس لیے ہر قرن دوسرے قرن کا خلیفہ ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے، تاکہ وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بے ضرور خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

جن لوگوں کو ہم زمین میں سلطنت عطا فرمائیں، تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ المُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج: ۴۱)

مسلمانوں کی آزمائش

اس کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے، اس

میں تمہاری آزمائش کرے، یعنی عزت اور شرف، عقل اور مال، رزق اور شجاعت اور سخاوت میں اور تم میں یہ فرق مراتب اور تفاوت درجات اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برابر کا درجہ دینے سے عاجز تھا، بلکہ اس نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان مختلف درجات میں رکھا، تاکہ دنیا والوں پر اور قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ مال اور رزق کی فراوانی سے کون دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا بیٹھا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں فواحش و منکرات میں مبتلا ہو گیا اور کون ایسا ہے جو روپے پیسے کی ریل پیل کے باوجود خدا سے ڈرتا رہا، اور اپنے مال کو اللہ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا رہا، اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہا۔ اسی طرح کس نے اپنی صحت کو عبادت میں خرچ کیا اور کس نے عیاشی میں ضائع کیا اور کون غربت اور افلاس میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرتا رہا؟ اور کون اللہ سے شکوہ اور شکایت کرتا رہا؟ اور عبادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری میں عبادت کرتا رہا؟ اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا؟ اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہا۔

مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا بیان

پھر فرمایا ”بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ فسق و فجور کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لیں؟ اور عذاب بھی آخرت میں ہو گا پھر کس طرح فرمایا کہ وہ بہت جلد سزا دینے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے، وہ اس کے اعتبار سے بہت قریب ہے اور بہت جلد ہونے والا ہے، جیسا کہ قیامت کے متعلق فرمایا

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ
(النحل: ۷۷) اس سے بھی قریب تر ہے۔

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۖ وَنَرَاهُ قَرِيبًا
(المعارج: ۶۰) بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

نیز بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مسلمانوں کی خطاؤں پر جلد ہی دنیا میں ہی گرفت فرماتا ہے اور ان کو کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کرتا ہے جو ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُمْ
أَبْلَاؤَكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (الشوری: ۳۰) تم کو جو مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے کرتوتوں کے سبب تھی اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف فرمادیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ کاشا چھبے یا اس سے بھی کم ہو، اللہ اس تکلیف کے سبب اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے، یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، البرواصل، ۷۷، ۳، ۶۳۳۰، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۷)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، خواہ دائمی ہو، خواہ تھکاوٹ ہو، خواہ کوئی اور بیماری ہو، خواہ غم ہو، خواہ پریشانی ہو، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۶، صحیح مسلم، البرواصل، ۵۲، ۶۳۳۶، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۸)

نیز فرمایا ”وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے“ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھتا ہے اور آخرت میں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اس کے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے بازو میں چھپالے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا ”کیا تم اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا صحیفہ دے دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو تمام مخلوقات کے سامنے بلایا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۴۱، صحیح مسلم، التوبہ، ۵۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، السنن الکبریٰ

للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

حرف آخر

آج ۱۵ رجب ۱۴۱۸ھ / ۱۶ نومبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار بعد از نماز ظہر سورۃ الانعام کی تفسیر کو میں اس حدیث پر ختم کر رہا ہوں اور اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر پردہ رکھے گا اور آخرت میں میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھے سورۃ الانعام تک تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی ہے، اپنے فضل و کرم سے مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی عزت عطا فرما، مجھ پر قرآن مجید کے اسرار و معارف کھول دے اور احادیث میں مجھے وسیع نظر عطا فرما، مجھے اس تفسیر میں خطا اور لغزشوں سے بچا اور باقی ماندہ زندگی میں نیکی عطا فرما اور گناہوں سے محفوظ رکھ، اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیا اور آخرت میں ہر پریشانی، مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی خوشیاں عطا فرما۔ اس تفسیر کو موثر اور مفید بنا اور اس کو تاقیام قیامت فیض آفریں اور باقی رکھ، اس کے مصنف، صحیح، کیپوزر، ناشر، قارئین، معجبین اور معاونین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے بچا اور دارین کی کامیابیاں اور کامرانیاں ان کا مقدر کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین رحمة للعالمین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجه الطاہرات امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المحدثین والمفسرین والفقہاء والمجتہدین والمسلمین اجمعین۔



مآخذ و مراجع

کتاب الہیہ

- ۱- قرآن مجید
- ۲- تورات
- ۳- انجیل

کتاب احادیث

- ۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۵- امام مالک بن انس الصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزهد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۷ھ
- ۱۰- امام وکیع بن جراح، متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزهد، مکتبہ الدار مدینہ منورہ، ۱۳۰۳ھ
- ۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارد طیلسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیلسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ
- ۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۳ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۰ھ
- ۱۳- امام محمد بن عمرو، متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۳۰۳ھ
- ۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
- ۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
- ۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۶ھ
- ۱۸- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ

- ۱۹- امام احمد بن حنبل، متون ۲۳۱، کتاب الزهد، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ المکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۲۰- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری، متون ۲۵۵، سنن داری، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۱- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متون ۲۵۶، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متون ۲۵۶، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۲۳- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری، متون ۲۶۱، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ
- ۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متون ۲۷۳، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۵- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بختانی، متون ۲۷۵، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۶- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بختانی، متون ۲۷۵، مراہیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۷- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متون ۲۷۹، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۸- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متون ۲۷۹، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۵ھ
- ۲۹- امام ابو بکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی، متون ۲۸۷، کتاب السنہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۳۰- امام علی بن عمر دار قطنی، متون ۲۸۵، سنن دار قطنی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۱- امام احمد عمرو بن عبد اللہ بن زرار، متون ۲۹۲، البحر الزخار المعروف بحسنہ البرزاز، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۳۲- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متون ۳۰۳، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۳۳- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متون ۳۰۳، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متون ۳۰۳، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۳۵- امام احمد بن علی المشنی التمیمی، المتون ۳۰۷، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار الامون تراث بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۶- امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متون ۳۰۷، کتاب المستقی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون رویانی، متون ۳۰۷، مسند الرویانی، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۸- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متون ۳۱۱، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ
- ۳۹- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متون ۳۱۲، مسند عمرو بن عبد العزیز، مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن دمشق
- ۴۰- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متون ۳۱۶، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۴۱- امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی، المتون ۳۲۰، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ ۱۳۰۸ھ
- ۴۲- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متون ۳۲۱، مشکل الآثار، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ المکرمہ ۱۳۱۵ھ
- ۴۳- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متون ۳۲۱، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متون ۳۲۱، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتہائی پاکستان لاہور ۱۳۰۳ھ
- ۴۵- امام محمد بن جعفر بن حسین آجری، متون ۳۲۷، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی، مصر ۱۳۱۱ھ
- ۴۶- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متون ۳۵۳، صحیح ابن حبان ترتیب ابن بلبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۴۷- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متون ۳۶۰، الشریعہ، مطبوعہ مکتب دار السلام ریاض ۱۳۱۳ھ
- ۴۸- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتون ۳۶۰، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ

- ۴۹- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعه مكتبة المعارف، رياض ۱۳۰۵ھ
- ۵۰- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ۳۶۰ھ، معجم كبير، مطبوعه دار احياء التراث العربي، بيروت
- ۵۱- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ۳۶۰ھ، مسند الشافعي، مطبوعه مؤسسة الرسالة، بيروت ۱۳۰۹ھ
- ۵۲- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ۳۶۰ھ، كتاب الدعاء، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت ۱۳۱۳ھ
- ۵۳- امام ابو بكر احمد بن اسحاق بن عيسى المعروف بابن السني، متوفى ۳۶۳ھ، عمل اليوم والليلة، مطبوعه نور محمد، كارخانه تجارت كتب، كراچی
- ۵۴- امام عبد الله بن عدی الجرجاني المتوفى ۳۶۵ھ، الكامل في ضعفاء الرجال، مطبوعه دار الفكر، بيروت
- ۵۵- امام عبد الله بن محمد بن جعفر المعروف بابي الشيخ، متوفى ۳۹۶ھ، كتاب الظلم، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت
- ۵۶- امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاكم نيشاپوري، متوفى ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعه دار الباز، مكة المكرمة
- ۵۷- امام ابو نعیم احمد بن عبد الله اصمباني، متوفى ۴۳۰ھ، حلیته الاولیاء، مطبوعه دار الكتب العربي، بيروت ۱۳۰۷ھ
- ۵۸- امام ابو نعیم احمد بن عبد الله اصمباني، متوفى ۴۳۰ھ، دلائل النبوة، مطبوعه دار النفائس، بيروت
- ۵۹- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، سنن كبرى، مطبوعه نشر السنة، ملتان-
- ۶۰- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، كتاب الاسماء والصفات، مطبوعه دار احياء التراث العربي، بيروت
- ۶۱- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، معارف السنن والآثار، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت
- ۶۲- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، كتاب فضائل الاوقات، مطبوعه مكتبة المنارة، ۱۳۱۰ھ
- ۶۳- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، دلائل النبوة، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت
- ۶۴- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، كتاب الاذاب، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت ۱۳۰۶ھ
- ۶۵- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى، متوفى ۴۵۸ھ، شعب الايمان، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت ۱۳۰۱ھ
- ۶۶- امام ابو عمرو يوسف ابن عبد البر قرطبي، متوفى ۴۶۳ھ، جامع بيان العلم وفضله، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت
- ۶۷- امام حسين بن مسعود بغوي، متوفى ۵۱۶ھ، شرح السنن، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت ۱۳۱۲ھ
- ۶۸- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساکر، متوفى ۵۷۱ھ، مختصر تاريخ دمشق، مطبوعه دار الفكر، بيروت ۱۳۰۳ھ
- ۶۹- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساکر، متوفى ۵۷۱ھ، تهذيب تاريخ دمشق، مطبوعه دار احياء التراث العربي، بيروت ۱۳۰۷ھ
- ۷۰- امام ضياء الدين محمد بن عبد الواحد مقدسي حنبلي، متوفى ۶۳۳ھ، الاحاديث المختارة، مطبوعه مكتبة النهضة العبدية، مكة المكرمة ۱۳۱۰ھ
- ۷۱- امام زكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذري، المتوفى ۶۵۶ھ، الترغيب والترهيب، مطبوعه دار الحديث، القاهرة ۱۳۰۷ھ
- ۷۲- امام ابو عبد الله محمد بن احمد مالكي قرطبي، متوفى ۶۶۸ھ، التذكرة في امور الآخرة، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت ۱۳۰۷ھ
- ۷۳- امام ولي الدين تيمري، متوفى ۷۴۲ھ، مشکوة، مطبوعه دار الفكر، بيروت ۱۳۱۱ھ
- ۷۴- حافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف زيلعي، متوفى ۷۶۳ھ، نصب الراية، مطبوعه مجلس علمي، سورت، هند ۱۳۵۷ھ
- ۷۵- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البيهقي، المتوفى ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعه دار الكتب العربي، بيروت ۱۳۰۴ھ
- ۷۶- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البيهقي، المتوفى ۸۰۷ھ، كشف الاستار، مطبوعه مؤسسة الرسالة، بيروت ۱۳۰۳ھ
- ۷۷- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البيهقي، المتوفى ۸۰۷ھ، موارد الطمان، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت
- ۷۸- امام محمد بن محمد جزري، متوفى ۸۳۳ھ، حصن حصين، مطبوعه مصطفي البالي واولاده، مصر ۱۳۵۰ھ

- ۷۹- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر و میری شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۸۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۲۵ھ، الجوهر النقی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان
- ۸۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۲۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
- ۸۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
- ۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرة فی امور الآخرة، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۱ھ
- ۸۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۸۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المستشرہ فی الاحادیث المستشرہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۸۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
- ۸۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۸۹- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ، مصر ۱۳۰۳ھ
- ۹۰- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۳۰۵ھ
- کتب لقا بصیر**
- ۹۱- امام حسن بن عبد اللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۹۲- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
- ۹۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتب ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۰۹ھ، دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۹۵- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی، ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۶- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۳۰۰ھ
- ۹۷- علامہ ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۹۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
- ۹۹- علامہ مکی بن ابی طالب، متوفی ۴۲۳ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۱۲ھ
- ۱۰۰- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب مادردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۰۱- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۵۸ھ، الویسط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۰۲- علامہ جار اللہ محمود بن عمر معشری، متوفی ۵۳ھ، کشاف، مطبوعہ نشر البلاغہ، قم ایران ۱۳۱۳ھ
- ۱۰۳- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۰۴- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ
- ۱۰۵- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۱۰۷- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار و عداۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۷۱ھ

- ۱۰۸- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۰۹- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۹۷۸ء
- ۱۱۰- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۱۱- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر رضوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التزیل، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۶ھ
- ۱۱۲- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
- ۱۱۳- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
- ۱۱۴- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قتی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۱۱۵- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۱۱۶- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزی، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۳ھ
- ۱۱۷- علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۳ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۲ھ
- ۱۱۸- علامہ ابو العباس بن یوسف اسمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصنوع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۱۹- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۳ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ
- ۱۲۰- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف محالی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الشعابی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات، بیروت
- ۱۲۱- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی، متوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی، قاہرہ، ۱۳۱۳ھ
- ۱۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المثور، مطبوعہ مکتبہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۲۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی
- ۱۲۴- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی الیضادی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی، دیوبند
- ۱۲۵- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران
- ۱۲۶- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی، متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۱۲۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایت القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ
- ۱۲۸- علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی، بمبئی
- ۱۲۹- علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
- ۱۳۰- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالحمیل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البیت، مصر، ۱۳۰۳ھ
- ۱۳۱- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر
- ۱۳۲- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
- ۱۳۳- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی
- ۱۳۴- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت
- ۱۳۵- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۱۳۶- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۰۱ھ
- ۱۳۷- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

- ۱۳۸- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۳ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت
- ۱۳۹- علامہ حکیم شیخ طنطاوی، جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبہ الاسلامیہ، ریاض
- ۱۴۰- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۳ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
- ۱۴۱- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
- ۱۴۲- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ، شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیہ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
- ۱۴۳- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتتویر، مطبوعہ تونس
- ۱۴۴- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۶ھ
- ۱۴۵- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
- ۱۴۶- مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ
- ۱۴۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
- ۱۴۸- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التیسان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان
- ۱۴۹- علامہ محمد امین بن محمد مختار بکنی شقیعی، انصواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
- ۱۵۰- استاذ احمد مصطفی الراغی، تفسیر الراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۱۵۱- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، ایران، ۱۳۶۹ھ
- ۱۵۲- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
- ۱۵۳- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبیر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور
- ۱۵۴- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیان، مطبوعہ انتشارات زرین، ایران
- ۱۵۵- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیان، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت
- ۱۵۶- ڈاکٹر وجہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
- ۱۵۷- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۵۸- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۳ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۱۵۹- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور
- ۱۶۰- علامہ محمد عبدالعظیم زرکانی، مناب العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۶۱- حافظ ابو عمرو ابن عبدالبرماکی، متوفی ۳۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
- ۱۶۲- حافظ ابو عمرو ابن عبدالبرماکی، متوفی ۳۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۳ھ
- ۱۶۳- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۳۶۳ھ، المستقی، مطبوعہ مطبع السعادیہ، مصر، ۱۳۳۲ھ
- ۱۶۴- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۲۳ھ، عارضۃ الاحوزی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
- ۱۶۵- امام عبدالعظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

- ۱۶۶- حافظ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم شرح مسلم، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۱۶۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۳۱۷ھ
- ۱۶۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۳۱۳ھ
- ۱۶۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المعظم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۷۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۴ھ
- ۱۷۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ البیاعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۳۸ھ
- ۱۷۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی ۸۹۵ھ، مکمل الکمال المعظم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۷۳- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۱۷۴- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۱ھ
- ۱۷۵- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الثمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
- ۱۷۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
- ۱۷۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۱۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، الحرز الثمینی، مطبوعہ مطبعہ امیریہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۰۳ھ
- ۱۷۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیالی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۱۸۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبعہ تیج کار، لکھنؤ
- ۱۸۱- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نثر السنہ، ملتان
- ۱۸۲- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۷۵ھ
- ۱۸۳- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی
- ۱۸۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۳ھ، التطبيق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ، لاہور
- کتاب اسماء الرجال**
- ۱۸۵- علامہ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتساویہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، فیصل آباد، ۱۳۰۴ھ
- ۱۸۶- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزنی، متوفی ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۶ھ
- ۱۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۸۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۹۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۳ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتہبی، دہلی
- کتاب لغت**
- ۱۹۱- علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دار العلم، بیروت، ۱۳۰۳ھ
- ۱۹۲- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۳۲ھ
- ۱۹۳- علامہ جار اللہ محمود بن عمرو معشری، متوفی ۵۳۸ھ، الفائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۷ھ

- ۱۹۳- علامہ محمد بن اشیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران، ۱۳۶۳ھ
- ۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۹۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزة، قم، ایران، ۱۳۰۵ھ
- ۱۹۷- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۱۹۸- علامہ محمد طاہر صدیقی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ، ۱۳۱۵ھ
- ۱۹۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر
- ۲۰۰- لوئیس معلوف الیسوی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الغاثولیکہ، بیروت، ۱۳۶۷ھ
- ۲۰۱- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۳۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور
- ۲۰۲- ابو نعیم عبد الحکیم خان نثر جان دہری، قائد اللغات، مطبوعہ حلد اینڈ کمپنی، لاہور
- کتب تاریخ، سیرت و فضائل**
- ۲۰۳- امام عبد الملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۴- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ
- ۲۰۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم، بیروت
- ۲۰۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۰۷- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہلی، متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ، ملتان
- ۲۰۹- علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
- ۲۱۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکریم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۱۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکریم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت
- ۲۱۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفيات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران
- ۲۱۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۳ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ
- ۲۱۴- حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاعصاب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۱۵- حافظ نور الدین علی بن احمد سمودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۱ھ
- ۲۱۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
- ۲۱۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الهدی والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۱۸- علامہ احمد بن حجر کبیری شافعی، متوفی ۹۷۳ھ، الصواعق المحرقة، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
- ۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۲۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
- ۲۲۱- علامہ احمد شباب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۲۲- علامہ محمد عبد الباقی زر قانی، متوفی ۱۱۲۴ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۲۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الیوم، مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ کراچی
کتب فقہ حنفی

- ۲۲۴- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۲۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الشوریۃ الاسلامیہ، افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۲۲۶- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۲۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۲۲۷- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی ۱۳۰۰ھ
- ۲۲۸- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۲۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ، ملتان
- ۲۳۰- علامہ محمد بن محمود بارتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۱- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتار خانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ
- ۲۳۲- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوهرة النيرة، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان
- ۲۳۳- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کوردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۳۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۲۳۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
- ۲۳۷- علامہ معین الدین المرادی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیتہ المعارف المصریہ، مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۳۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلّی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۱۲ھ
- ۲۳۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلّی، متوفی ۹۵۶ھ، صغیری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی۔
- ۲۴۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع نشی نوا کشور ۱۳۹۱ھ
- ۲۴۱- علامہ زین الدین بن نجم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر ۱۳۱۱ھ
- ۲۴۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیتہ المعارف المصریہ، مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۴۳- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ مہمنہ، مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۴- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ مہمنہ، مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حکنفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غزعیون البصائر، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منہ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر ۱۳۱۱ھ
- ۲۴۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ، کوئٹہ
- ۲۵۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
- ۲۵۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ھ

- ۲۵۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۳۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی
- ۲۵۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۳۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ و بھٹنگ کمپنی، کراچی
- ۲۵۴- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
- ۲۵۵- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۳۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کتبائیں پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۳ھ
- کتاب فقہ شافعی**
- ۲۵۶- علامہ ابوالحسنین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۳۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۵۷- علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی ۳۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۳ھ
- ۲۵۸- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۲۶۱- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
- ۲۶۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربلی، متوفی ۱۰۰۳ھ، نہایت المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۶۳- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراہلی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالضیاء علی نہایت المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۲۶۴- امام محنون بن سعید تونخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۲۶۵- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۶۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۷۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
- ۲۶۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الخطاب المغربي، متوفی ۹۵۳ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ التجار، لیبیا
- ۲۶۸- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
- ۲۶۹- علامہ ابو البرکات احمد درریر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۲۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۲۷۱- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۲۷۲- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۷۳- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تمیم، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعہ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض
- ۲۷۴- علامہ ابوالحسنین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۶ھ

کتاب شیعہ

- ۲۷۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
- ۲۷۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
- ۲۷۷- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نوح ابلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر، ایران، ۱۳۸۷ھ

- ۲۷۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، 'حق الیقین'، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران، ۱۳۳۷ھ
- ۲۷۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، 'حیات القلوب'، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ، تہران
- کتاب عقائد و کلام
- ۲۸۰- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، 'المنقذ من الضلال'، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۵ھ
- ۲۸۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، 'شرح عقائد نسفی'، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی
- ۲۸۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، 'شرح المقاصد'، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۳۰۹ھ
- ۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، 'شرح المواثق'، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۳۲۵ھ
- ۲۸۴- علامہ کمال الدین بن حمام، متوفی ۸۶۱ھ، 'مسارہ'، مطبوعہ مطبعہ السعادة مصر
- ۲۸۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، 'مسارہ'، مطبوعہ مطبعہ السعادة مصر
- ۲۸۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ، 'شرح فقہ اکبر'، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۵ھ
- ۲۸۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، 'کتاب العقائد'، مطبوعہ تاجدار حرم، بھٹنگ کمپنی، کراچی
- کتاب اصول فقہ
- ۲۸۸- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، 'کشف الاسرار'، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۳۱۱ھ
- ۲۸۹- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، 'مسلم الثبوت'، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
- ۲۹۰- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، 'نور الانوار'، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، کراچی
- ۲۹۱- علامہ عبد الحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، 'شرح مسلم الثبوت'، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
- کتاب متفرقہ
- ۲۹۲- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، 'قوت القلوب'، مطبوعہ مطبعہ مہنہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۲۹۳- امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، 'احیاء علوم الدین'، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۹۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، 'التذکرہ'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، 'قائدہ جلیلیہ'، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
- ۲۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، 'کلباء'، مطبوعہ دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر
- ۲۹۷- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، 'روض الراحین'، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
- ۲۹۸- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، 'کتاب التعریفات'، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۲۹۹- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۳ھ، 'الصواعق المحرقة'، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
- ۳۰۰- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۳ھ، 'الزواجر'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۳۰۱- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۳ھ، 'مکتوبات امام ربانی'، مطبوعہ مدینہ، بھٹنگ کمپنی، کراچی، ۱۳۷۰ھ
- ۳۰۲- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، 'تحف السادۃ المستقین'، مطبوعہ مطبعہ مہنہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۳۰۳- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، 'فتاویٰ رشیدیہ کامل'، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۳۰۴- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الثمیر بحاجی خلیفہ، 'کشف الظنون'، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ، طهران، ۱۳۷۸ھ

- ۳۰۵۔ امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور
- ۳۰۶۔ شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، حدیث المہدی، مطبوعہ میوہ پریس، دہلی، ۱۳۲۵ھ
- ۳۰۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لیٹڈ، لاہور
- ۳۰۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی
- ۳۰۹۔ علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور، ۱۳۰۵ھ



سرٹیفکیٹ

میں نے تبيان القرآن جلد سوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک شال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی
ظہور احمد فیضی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَحْمَدُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُحَمَّدُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَقَبُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَسْمَا
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَجْرُودُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَامِدُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَشْهُودُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَشْيِكُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَشْرِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَهْكَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَتْلُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شَفَا
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَدَاعُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَلِيكُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَبْتَيْنُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَهَامِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مِنْجِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَالِكُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَلِكُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُحَمَّدُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَشِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَبِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَابِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَبْطَحِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رَسُولُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رَحِيمُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رُوفُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رَحِيمُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَزِيزُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُنْضِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

طِيسُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُجْتَبِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

طَائِفُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ مَكَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَوْ إِلَى
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَيْسَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُضْطَفُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَيْسَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَصْدُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَتِينُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَكَ تَرُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَلِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمْرُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَصْبَحُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْصُورُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَضْرُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

طَيْبُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حجاری

نزاری

حرفی

امینی

عبداللهی

کالیلی

حذیلی

نجلی

صفی

خانی

سکری

مجیبی

شکری

مقصدی

سجودی

قوی

حفی

مافونی

معموری

کوی

مبینی

طبیعی

سجودی

اقاری

اخروی

ظالمی

باطنی

نبی الخیری

یتیمی

کرمی

حکیمی

خابری

سینی

سراجی

مبشری

محرری

مکرمی

مبینی

مذکری

طهری

قریبی

خلیقی

مذکور

جواد

خاتری

عالمی

شہیری

شہیدی

سجودی

شفعی

مؤمنی

بضری

نبی التوبی

حافظی

گامی

مقصدی

مقصدی

مقصدی

مقصدی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



